فیض کرمانی پبلشرز
۲۵ مین بازار شام نگر چوبرجی لاہور

صوفیہ کے مختلف سلاسل

خزینۃ الاصفیاء

ایک ہزار سے زائد اکابر صوفیاء کرام کا اہم تذکرہ

تالیف لطیف
مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہ

ترتیب و ترجمہ
پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

○

فیاض کرمانی پبلشرز
25۔ مین بازار شام نگر چوبرجی لاہور

تعارف کتاب

☆......☆......☆

نام کتاب	———	خزینۃ الاصفیاء
مولف	———	مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہ'
مترجم	———	پیرزادہ اقبال احمد فاروقی
موضوع	———	تذکرہ صوفیاء سلاسل مختلفہ
مخزن	———	ششم و ہفتم
سال تالیف	———	۱۲۸۱ھ
سال طباعت فارسی	———	۱۸۷۳ء
سال طباعت ترجمہ	———	۱۹۹۰ء
باجازت	———	مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور
صفحات	———	۴۶۴
قیمت	———	۱۸۰ روپے

ملنے کا پتہ

☆ روحانی پبلشرز الظہور ہوٹل دربار مارکیٹ لاہور

☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

☆ قادری رضوی کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور

☆ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور

— **سید فیاض کرمانی پبلشرز**

25 مین بازار شام نگر چوبرجی لاہور 042-7223362

فہرست موضوعات کتاب

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

صوفیاء سلاسل مختلفہ

حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ

جناب رسالتماب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بعد سرِ دفتر اولیاء اللہ حضرت سہیل یمنی المعروف اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی آتا ہے آپ کی فضیلت کے لئے یہ دلیل بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کہ آپ سرکار دو عالم کے عاشق جانباز تھے۔ آپ نے حضور کے دیدار پرانوار کے بغیر اور خدمت اقدس میں حاضر ہوئے بغیر ہی دولتِ ایمان اور عظمتِ اسلام حاصل کی۔

حضرت خواجہ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات یمن کی طرف منہ کر کے فرمایا کرتے۔ اِنّی لَاَجِدُ نَفَسُ الرَّحمٰنِ مِن قِبَلِ یَمَن ط (مجھے یمن کی طرف سے اللہ کی خوشبو آتی ہے) حضور فرمایا کرتے قیامت کے دن حضرت اویس قرنی کی شکل میں ستر ہزار فرشتوں کا مجمع آپ کو اپنی جلو میں لے کر جنت میں داخل ہو گا۔ تاکہ اس عاشق نبی کو کوئی پہچان نہ سکے،،

شہزادہ داراشکوہ اپنی تصنیف سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ آپ کا اسم گرامی اویس تھا نجد کے قبیلہ قرن سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ دو وجوہ کی بنا پر اپنے محبوب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے ایک تو آپ کی والدہ ماجدہ ضعیف تھیں۔ آپ انکی خدمت

میں حاضر رہتے دوسرے حضور کے عشق میں غلبہ حال اور مغلوب الاحوال رہتے ضروریات زندگی شتربانی سے پوری کرتے۔ جو کچھ کماتے والدہ کی خدمت میں لا رکھتے۔ جو بچ جاتا غریبوں میں بانٹ دیتے۔

آپ نے جنگ احد میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک کی شہادت کی خبر سنی۔ تو تفصیل معلوم نہ کر سکے کہ کون سا دانت شہید ہوا تھا۔ غلبہ محبت میں اپنے سارے دانت توڑ ڈالے۔ حضور سرور دو عالم نے اپنی رحلت سے پہلے حضرت علی اور عمر رضی اللہ عنہما کو وصیت فرمائی۔ کہ میرا مرقع میرے اویس قرنی کے پاس لے جانا۔ اور میرا سلام پہنچانا۔ اور میری امت کے لئے دعا طلب کرنا۔ کیونکہ اویس کی دعا میری امت کے لئے مقبول ہوگی۔ جب آپ لوگ یمن میں جاؤ گے۔ تو اویس کو شتربانوں کے درمیان بیٹھا پاؤ گے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر اور حضرت علی دونوں قبیلہ قرن میں گئے۔ لوگوں سے پوچھا۔ کہ آپ لوگوں میں نجد کا رہنے والا کوئی شخص ہے۔ اس کا نام اویس ہے۔ لوگوں نے بتایا۔ ہاں۔ ایک دیوانہ آدمی عام لوگوں سے علیحدہ بیٹھا رہتا ہے۔ وادی عرنہ میں شتربانی کرتا ہے۔ دونوں حضرات وادی عرنہ میں پہنچے۔ دیکھا۔ کہ آپ نماز میں مشغول ہیں اور آپ کے اونٹوں کی نگہبانی پر فرشتے مامور ہیں۔ صحابہ کے قدموں کی آواز آپ کے کانوں میں آئی تو آپ نے سجدے سے سر اٹھایا صحابہ نے حضورؐ کا سلام پہنچایا۔ جواب میں کہا۔ وعلیکم السلام یا اصحاب وانبیائے رسول اللہ! دونوں حضرت اویس کے سامنے بیٹھ گئے حضور کا مرقع مبارک دیا۔ امت محمدیہ کے لئے دعاء مغفرت طلب کی حضرت اویس نے مرقع اٹھایا چوما۔ اور سربسجود ہو گئے۔ اور روتے ہوئے کہنے لگے۔ اے اللہ تیرے محبوب کا مرقع اسوقت تک نہیں پہنوں گا جب تک امت محمدیہ نہ بخشی جائے۔ تیرے محبوبؐ نے یہ کام میرے ذمہ لگا دیا ہے۔ غائب سے آواز آئی۔ اتنے ہزار افراد امت تمہارے لئے بخش دیئے گئے۔ اویس نے کہا۔ میں تو سب کی مغفرت کا طلب گار ہوں۔ آواز آئی اتنے ہزار مزید بخش دیئے گئے۔ مگر آپ اصرار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آواز آئی تمہاری التجا پر اتنی امت محمدیہ بخش دی گئی جتنی تعداد میں بنی ربیع اور بنی مضر کی بکریوں کے بدنوں کے بال ہیں۔

حضرت اویس رضی اللہ عنہ یہ بشارت پاکر سجدے سے اٹھے۔ مرقع پہنا اور حضرت علی اور عمر رضی اللہ عنہما کو اللہ کی رحمت سے آگاہ کیا۔ یاد رہے کہ بنی ربیع اور بنی مضر دو ایسے قبائل تھے۔ جو کوفے میں لاتعداد بکریوں اور بھیڑوں کے مالک تھے۔ یہ بھیڑ بکریاں اپنے بالوں کی کثرت کی وجہ سے سارے عرب میں مشہور تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اویس کی دعا کی برکت اس صدی کی ساری امت کے علاوہ اتنی تعداد میں امت محمدیہ بخش دی تھی۔

ہرم بن حبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب میں نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی شفاعت کا مقام معلوم کیا۔ تو بذات خود کوفہ میں پہنچا تاکہ ان بھیڑ بکریوں کی تعداد دیکھ سکوں۔ حضرت اویس قرنی کے متعلق معلوم کیا تو لوگوں نے مجھے بتایا۔ کہ وہ دریائے فرات کے کنارے پر بیٹھے ہیں۔ میں وہاں پہنچا تو آپ کو کپڑے دھوتے دیکھا۔ میں نے پہچان لیا۔ سلام عرض کیا جواب میں آپ نے وعلیکم السلام کہا۔ میں نے آگے بڑھ کر دست بوسی کی۔ آپ کی کمزوری کی وجہ سے مجھے اتنا خیال آیا۔ کہ میں رونے لگا۔ آپ نے مجھے تسلی دی۔ اور فرمایا۔ حَیَّاکَ اللّٰہُ یَا ہَرَم = اے ہرم اللہ تجھے عمر دے۔ تم یہاں کیسے آئے ہو۔ اور مجھے کیسے پہچانا ہے۔ میں نے بتایا کہ جس طرح آپ نے مجھے پہچان لیا ہے۔ دراصل میری روح نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ کیونکہ دونوں کی روحوں کو ایک دوسرے سے آشنائی ہوتی ہے۔ میں نے کہا۔ اگر اجازت ہو تو میں کچھ عرصہ آپ کے زیر سایہ گزاروں۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ! اور اللہ کے ذکر کے سائے میں رہو۔ میں نے گذارش کی۔ کوئی نصیحت فرمائیں۔ فرمایا۔ جب سونے لگو تو موت کو اپنے سرہانے کے نیچے خیال کرو۔ جب اٹھو تو اپنے سامنے کھڑی پاؤ۔ تم جانتے ہو تمہارے والد فوت ہوئے۔ حضرت آدم۔ حوا۔ نوح۔ ابراہیم۔ موسیٰ۔ داؤد اور میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی موت کے ہاتھوں اللہ کے پاس پہنچے ہیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر جو خلفاء رسول تھے۔ فوت ہو گئے۔ میں نے یہ بات سن کر کہا۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ کیا امیر المومنین حضرت عمر فوت ہو گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ مجھے اللہ نے خبر دی ہے کہ حضرت عمر شہید کر دیئے گئے ہیں۔ بعد میں جب میں مدینہ پہنچا تو مجھے اس خبر کی تصدیق ہو گئی۔

ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت اویس رضی اللہ عنہ کو تین روز تک کھانے کو کچھ نہ ملا۔ چوتھے روز آپ باہر نکلے تو راستے میں سونے کا ایک دینار پڑا پایا۔ آپ نے نہ اٹھایا۔ اور صحراو بیابان کو نکل گئے۔ اور چاہا کہ درختوں کے پتوں سے پیٹ بھریں صحرا میں ایک بکری کو دیکھا۔ کہ منہ میں ایک روٹی دبائے آپ کی طرف دوڑی چلی آرہی ہے۔ آپ کے سامنے آکر رک گئی، حضرت اویس نے سوچا کہ یہ بکری غالبًا اپنے مالک کی روٹی اٹھالائی ہے۔ اس کے منہ سے روٹی کھینچنا اچھی بات نہیں بکری نے زبان حال سے کہا: میں اللہ کے بندوں میں سے ایک ہوں۔ یہ روٹی آپ کے لئے لائی ہوں۔ آپ نے منہ سے روٹی پکڑی تو بکری اسی وقت غائب ہوگئی۔

کشف المحجوب کے مولّف نے لکھا ہے۔ کہ حضرت اویس قرنی عمر کے آخری دنوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملے کچھ دن آپ کی خدمت میں رہے۔ پھر جنگ صفین میں شریک ہوئے اور حضرت علی کے زیر قیادت شہادت کے مرتبہ کو پہنچے بعض احباب نے آپ کے لئے قبر تیار کی۔ مگر سامی کی جگہ ایک سخت پتھر آگیا۔ جسے کاٹنا مشکل تھا۔ مگر غائب سے پتھر میں شگاف پڑ گیا۔ اور آپ کے لئے لحد بن گئی۔ آپ کے کفن کے لئے کپڑے کی تلاش ہوئی تو آپ کے سند وقچے کو کھولا گیا تو کفن کا کپڑا پایا گیا۔ مگر اسے کسی انسانی ہاتھ نے نہیں بنا تھا۔ اسی کفن میں آپ کو دفن کیا گیا۔

حضرت اویس قرنی نے سوم رجب المرجب ۳۲ھ کو وفات پائی۔ مگر امام عبداللہ روضۃ الریاحین میں ۳۷ھ اور صاحب مخزن الواصلین نے ۳۹ھ سال وصال لکھا ہے۔

تاریخ وصال: شاہ دَورِ زمن اویس قرن ۔ گل باغ یمن اویس قرن

رفت چوں ازجہاں بعز وجلال ۔ گشت زاہد حبیب سالِ وصال

۳۹

ہادی بود ۔ زاہد ہادی ۔ سرور حبیب ۔ ہادئ واحد ۔ ہادی ادیب ۔ تاریخہائے وصال ہیں

۳۲ ۔ ۳۰ ۔ ۳۷ ۔ ۳۹ ۔ ۳۹

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: آپ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق جانباز اور رفیق دمساز تھے جلیل القدر صحابہ رسول میں شمار ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی دعا سے آپ کو بے پناہ قوت حافظہ عطا فرمائی جو بات سن

لیتے دماغ میں نقش ہو جاتی۔ آپ کو "حفظ صحابہ" کا خطاب ملا تھا۔ آپ اصحاب صفّہ میں سے تھے

ایک دن آپ بلی کا بچہ لئے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضور نے محبت سے ابوہریرہ

(بلی کا باپ) کا خطاب دیا۔ حضور کے وصال کے بعد آپ کی زبان سے ہزاروں احادیث

نبویہ روایت کی گئیں۔ رضی اللہ عنہ۔

آپ کا وصال ۵۷ھ یا ۵۹ھ میں ہوا۔

سالِ ترحیل اُو ز مہدی جو ۔ گر تو خواہی دو بار حامی گو

جلوہ اُحد ۔ زیب ابدال ۔ پاک دل ۔ مجید ۔ محُب سے سن تاریخ برآمد ہوتا ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام الفضل تھیں۔ جو ام المومنین حضرت

میمونہ رضی اللہ عنہا کی سگی ہمشیرہ تھیں۔ حضور آپ کو بہت پیار فرماتے۔ اور بار بار ان کے حق

میں دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ عَلِّمِ الحِکمَۃَ (اے اللہ انہیں حکمت عطا فرما) اس دعاء

کیمیا اثر سے آپ کو تاویل القرآن کا علم نصیب ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے

بعد قرآن کی تفسیر آپ ہی بیان فرمایا کرتے۔ آپ کے علم حدیث اور تفسیر سے دنیا عرب

نے دامن مراد بھرا۔

آپ اِن چونسٹھ ۶۴ھ میں فوت ہوئے۔ دفن کرنے کے بعد لوگ اپنے گھروں کو

آنے لگے تو غیب سے آواز آئی یَا اَیَّتُھَا النَّفسُ المُطمَئِنَّۃُ ارجِعِی اِلٰی رَبِّکِ

رَاضِیَۃً مَّرضِیَّۃً ط

ارتحالِ پاک او بے گفتگو ۔ زیب آدم ہست آں پاکیزہ رو

نیز جانباز جلال اے نیک خو ۔ زاہد والی دگر طالب حبیب

حضرت عبداللہ ابن عمر الخطاب رضی اللہ عنہ:۔ آپ کی کنیت عبدالرحمان تھی اسلام کے اعاظم محدثین میں تھے۔ کثرت

صدقات میں معروف تھے وفات ۷۳ھ میں ہوئی۔

جناب شاہ عبد اللہ عالی - کہ ذاتِ او براہِ حق دلیل ست
بسالِ رحلتش شد سوز تاریخ - محب پاک۔ گنج ست وجلیل است

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ:۔ جلیل القدر صحابی رسول تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انیس ۱۹ غزوات میں شریک رہے۔ حضور کے وصال کے بعد آپ نے اکثر احادیث روایت کی ہیں۔ آپ کا وصال ۷۴ھ میں ہوا۔

زیب انصار جابر عبد اللہ - رفت چوں از جہاں بدار جنان
سالِ تاریخ رحلتش سرور - گفت سید بگو جمال بخوان

حضرت مالک دینار رضی اللہ عنہ:۔ آپ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مجلس اور محب تھے صوفیاء میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، اگرچہ غلام زادے تھے۔ مگر دو جہان کی خواہشات سے آزاد تھے۔

ایک بار حضرت مالک رضی اللہ عنہ کشتی میں سفر سمندر کر رہے تھے۔ سمندر کے درمیان پہنچ کر ملاحوں نے مسافروں سے کرایہ وصول کرنا شروع کیا حضرت مالک کے پاس کرایہ نہیں تھا۔ ملاحوں نے لڑنا جھگڑنا شروع کیا۔ اور حضرت مالک کو اتنا مارا کہ آپ بے ہوش ہو گئے ہوش میں آئے تو پھر کرایہ کا مطالبہ کرنے لگے اور دھمکی دی کہ اگر تم کرایہ ادا نہ کرو گے۔ تو تمہیں سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔ آپ نے سمندر پر ایک نگاہ ڈالی۔ تو پانی میں ایک ارتعاش پیدا ہوا ہزاروں مچھلیاں اپنے مونہہ میں سونے کے دینار پکڑے ظاہر ہوئیں حضرت مالک نے ہاتھ بڑھا کر ایک مچھلی کے منہ سے سونے کا دینار پکڑ کر ملاحوں کو دیا۔ ملاح اس صورت حال کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے اور آپ کے قدموں میں آگرے۔ آپ چپ رہے۔ اور کشتی سے باہر نکل کر پانی پر چلنے لگے۔ اسی دن سے آپ کا نام مالک دینار پڑ گیا۔

آپ کی توبہ کا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق میں ایک مسجد تعمیر کروائی۔ اور بہت سی املاک مسجد کے لئے وقف کر دیں۔ اور امام مسجد کے لئے خاص وظیفہ مقرر کیا۔ حضرت مالک دینار کو لالچ نے آگھیرا۔ دل میں خیال آیا کہ اس مسجد کا متولی بنا جائے تو بہت سامال و دولت ہاتھ آجائے گا۔ چنانچہ ریاکاری کے طور پر مسجد کے ایک کونے میں معتکف ہو گئے اس طرح آپ کی پارسائی اور عبادت گذاری کی شہرت سارے شہر میں پھیل گئی۔ لوگوں نے حضرت مالک کو ہی مسجد کی امامت و تولیت کے لئے مقرر کرنے پر زور دیا۔ اس طرح ایک سال تک عبادت میں مشغول رہے صبح و شام عبادت کرتے رہتے مگر اُن کے دل سے آواز آئی کہ تم منافق ہو۔ ایک سال بعد اپنے حجرے سے باہر نکلے۔ تو غیب سے ایک آواز آئی۔ یا مالک! یامالک۔ اَنتَ لاتتوب! (اے مالک وہ کب وقت آئے گا کہ تو توبہ کرے گا؟) یہ آواز سنتے ہی عالم حیرت میں حجرہ میں واپس آگئے۔ اور پھر خلوص دل کے ساتھ عبادت کرنے لگے۔ دوسرے دن شہر کے لوگ مسجد میں جمع ہو گئے۔ اور سابقہ امام مسجد کے خلاف ایک تہمت لگاتے ہوئے شور وغل کرنے لگے۔ اور اسے نہایت بے عزت کر کے مسجد سے نکال دیا۔ حضرت امام مالک سے التجا کی کہ وہ مسجد کی امامت قبول فرمائیں۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ۔ پورا ایک سال منافقانہ عبادت کرتا رہا ہوں۔ کسی نے بات تک نہیں کی۔ ایک دن خلوص دل سے سربسجدہ ہوا ہوں۔ تو لوگ مجھے امامت اور تولیت کے لئے منتخب کر رہے ہیں۔ لوگوں کو کہا بخدا۔ میں یہ کام نہیں کروں گا مسجد کے حجرے سے نکلے۔ اور صحراء و بیابان میں جاکر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔

ایک دفعہ حضرت مالک دینار ایک دہریے سے مناظرہ کرنے لگے۔ یہ مناظرہ طویل ہوا تو حکام وقت نے فیصلہ کیا۔ کہ دونوں کا ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ کے ساتھ باندھ دیا جائے۔ اور دونوں کو آگ میں پھینک دیا جائے۔ جو جل جائے وہ جھوٹا ہے ایسا ہی کیا گیا دونوں میں سے کسی ایک کو کوئی تکلیف نہ پہنچی حتیٰ کہ آگ ٹھنڈی ہو گئی حضرت مالک

بڑے افسردہ ہوئے۔ گھر گئے۔ سجدہ میں سر رکھ کر رو دیئے کہ اللہ۔ میں اس دہریے بے دین کے برابر ہو گیا۔ آواز آئی! کہ اس بات سے افسردہ خاطر نہ ہونا۔ دراصل دہریے کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں تھا جس کی وجہ سے آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ اگر وہ اکیلا آگ میں آتا تو جل کر خاک ہو جاتا۔

ایک دن حضرت مالک دینار بیماری کے عالم میں بازار سے گزر رہے تھے۔ آپ سے چلا نہیں جاتا تھا۔ ناگاہ امیر شہر کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس کے ملازموں نے سب لوگوں کو ڈنڈے مار مار کر راستہ صاف کیا۔ ایک ملازم نے حضرت مالک کو بھی ایک ڈنڈا دے مارا۔ آپ نے فرمایا قَطَعَ اللّٰہُ یَدَیکَ (اللہ تمہارے ہاتھ توڑ دے) دوسرے روز ہی اسے چوری کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اور اس کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ آپ کی وفات ۱۲۸ھ میں ہوئی۔ بعض تذکرہ نگاروں نے سالِ وفات ۱۳۷ھ لکھا ہے۔

جنابِ مالک دینار مالک دو جہاں ۔ کہ میر مملکت و شاہ ملک دین آمد

وصالش ہادی حق نیز زاہد عالی ۔ جلال دین عزیز و دل حسین آمد

۱۲۸ ۱۲۸ ۱۲۸ ۱۲۸ ۱۲۸

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ:۔

آپ شیوخ طریقت میں صاحب صدق و صفا مالک جود و سخا اور حامل ہمت و مروت تھے۔ خوارق و کرامات میں ممتاز اور بلند پایہ تھے۔ ابتدائی زندگی میں بڑے دولت مند تھے۔ اپنی دولت سود پر لگا دیا کرتے تھے۔ اور سود کی آمدنی سے ہی زندگی بسر کرتے۔ ایک دن ایک مقروض کے گھر گئے۔ تاکہ سود لے آئیں۔ قرض دار تو گھر پر موجود نہ تھا۔ مگر اس کی بیوی موجود تھی۔ حبیب عجمی نے اس کی بیوی کو اصرار کیا۔ کہ جب تک سود نہ وصول کر لوں۔ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اس عورت نے کہا۔ میرا خاوند موجود نہیں۔ اور گھر میں ایک بکری کے سوا کوئی چیز نہیں یہ بکری بھی آج چند مہمانوں اور بچوں کے لئے ذبح کر دی ہے۔ ہاں۔ اس کے سری پائے موجود ہیں۔ اگر چاہو تو تمہیں دے دوں حبیب اپنی سخت گیری اور حرص کے پیش نظر بکری کے سری اور پائے لے آیا۔ اور گھر آ کر اپنی بیوی کو کہنے لگا۔ اسے بھون کر تیار کر دو۔ بیوی نے

کہا۔ آج تو گھر میں ایندھن بھی نہیں کس طرح تیار کروں۔ اسے یاد آیا۔ کہ ایک لکڑہارا بھی اس کا مقروض ہے۔ اس کے پاس جاکر سود میں لکڑیاں لے آیا۔ اسی طرح ایک نانبائی سے سود میں پکی پکائی روٹیاں بھی لینے گیا۔ عورت نے سری پائے پکانے کے لئے ہانڈی چولہے پر رکھی آگ جلائی۔ تیار ہونے پر ایک برتن میں سالن ڈالا تو باہر سے کسی فقیر کی آواز آئی۔ کھانے کے لئے کچھ دو۔ عورت نے بتایا کہ اس کا خاوند ابھی آتا ہے۔ تم انتظار کرو۔ تمہیں روٹی اور سالن ملیگا سائل ناامید ہو کر آگے چلا گیا۔ عورت نے برتن میں چمچہ ہلایا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ شوربے کی بجائے برتن میں خون تیر رہا ہے۔ خاوند گھر آیا۔ تو عورت نے بتایا۔ کہ تمہاری بداعمالیوں کے منحوس اثر سے آج یہ واقعہ ہوا ہے۔ حبیب نے چمچہ ہاتھ میں لے کر ہانڈی میں ڈالا تو واقعی ساری ہانڈی خون سے بھری نظر آئی۔ حبیب یہ واقعہ دیکھتے ہی سود کی کمائی سے تائب ہو گیا۔ اس واقعہ سے اسے ساری رات نیند نہ آئی۔ دوسرے دن اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ اپنے قرض داروں سے صرف اصل مال لے گا۔ سود کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

جمعہ کا دن تھا۔ راستے میں لڑکے گیند بلا کھیل رہے تھے۔ حبیب کو دیکھتے ہی کہنے لگے ہٹ جاؤ! حبیب سودخوار آرہا ہے۔ اس کا منحوس سایہ ہم پر نہ پڑے کہیں ہم بھی اس کی طرح بدبختی کا شکار نہ ہو جائیں۔ یہ بات سنتے ہی حبیب کا دل زخمی ہو گیا سوچنے لگا میں اسقدر بدبخت ہوں۔ کہ شہر کے بچے بھی میرے سائے کو منحوس خیال کرتے ہیں۔ اسی وقت شہر کے معروف ولی اللہ حضرت خواجہ حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ سود تو سود تمام قرض داروں کا اصل مال بھی معاف کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور اپنے گھر کو لوٹا۔ راستے میں لڑکوں کے ایک غول کو کھیلتے دیکھا۔ انہوں نے دیکھتے ہی کہا ہٹ جاؤ۔ حبیب آرہے ہیں۔ یہ توبہ کر کے آئے ہیں ان کا ادب کرو۔ ایسا نہ ہو ہماری دھول ان پر پڑے اور ہم بے ادبی کے مرتکب ہوں۔ حبیب دل میں کہنے لگے سبحان اللہ! آج میں نے توبہ کی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے خیالات بدل دیئے ہیں۔ گھر پہنچے۔ تمام قرض داروں کو بلایا۔ اور

قرضہ معاف کرنے کے کاغذات تحریر کر دیئے گھر کا سارا ساز و سامان اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا
حبیب اور اس کی بیوی کے پاس صرف تن کے کپڑے باقی رہ گئے۔ باقی زندگی دریائے فرات
کے کنارے ایک حجرے میں یادِ الٰہی میں گزار دی۔

ایک دن حبیب عجمی کی بیوی نے تنگدستی اور فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ اور مشورہ دیا کہ وہ
گوشہ نشینی کی بجائے کچھ کمائے۔ حبیب نے کہا۔ فکر نہ کرو۔ میں صبح سے مزدوری پر جاؤں گا۔ اور
تمہارے لئے بہت کچھ کما کر لاؤں گا۔ دوسرے روز بھی ایک کونے میں جا کر سارا دن یادِ الٰہی میں
گزار دیا۔ رات کو بیوی نے مزدوری طلب کی تو آپ نے بتایا۔ کہ آج جس کی مزدوری کی ہے اس
نے ابھی نہیں دی۔ فکر نہ کرو کل لاؤں گا۔ وہ ایسا شخص ہے کہ بے طلب مزدوری ادا کر دیا کرتا ہے۔
مجھے روزانہ طلب سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ اب میں دس دن کے بعد مزدوری طلب کروں گا۔
عورت نے بڑی تکلیف سے دس دن نکالے دسویں دن حبیب گھر کو آرہے تھے۔ دل میں شرمارہے
تھے۔ آج بھی خالی ہاتھ ہوں۔ بچوں کے لئے کیا لے کر گھر جاؤں۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے حبیب کے گھر ایک شخص کو بھیجا۔ جو ایک بوری آٹا اور ایک بھُنی ہوئی بکری
حبیب کی بیوی کو دے آیا۔ ایک اور شخص گھی اور شہد پہنچا آیا اور ایک اور شخص تیس ہزار دینار کی
تھیلی دے کر کہنے لگا۔ کہ آپ کے خاوند جس شخص کے گھر مزدوری کرتے ہیں۔ اس نے ساری چیزیں
بھیجی ہیں۔ اب حبیب کو کہہ دیں۔ کہ اگر وہ زیادہ محنت سے کام کرے گا۔ تو اسے زیادہ مزدوری دی
جائے گی۔ رات کے وقت حبیب شرمسار خالی ہاتھ گھر لوٹے۔ اور اپنی بیوی کو جواب دینے کو کوئی بہانہ
سمجھ میں نہ آرہا تھا گھر سے مزے دار کھانے کی خوشبو آئی۔ بیوی خوش خوش سامنے آئی۔ کہ جس شخص
کے پاس کام کرتے ہو وہ تو بڑا سخی ہے یہ چیزیں۔ اور اتنی رقم پہنچا کر کہہ گیا ہے۔ کہ اور محنت کرو۔
زیادہ مزدوری ملے گی۔

ایک روز خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حبیب عجمی کے گھر تشریف لائے۔ حبیب نے آپ
کی خدمت میں ایک روٹی اور نمک پیش کیا۔ خواجہ نے روٹی کھانی شروع کی تو دروازے پر ایک

سائل نے آواز دی۔ تو حبیب نے حضرت خواجہ کے دستر خوان سے نمکدانی اٹھائی اور سائل کو دے دی۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ حبیب! تم علم نہیں پڑھے۔ اگر تمہیں علم ہوتا تو تم جانتے کہ مہمان کا حق کسی دوسرے کو نہیں دیا جاتا۔ اگر ایسی صورت پیش آئے تو ساری چیز دینے کی بجائے کچھ مقدار دے کر سائل کو راضی کرنا چاہیئے۔ دونوں بزرگ یہ بات کر ہی رہے تھے۔ کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک غلام کھانوں سے سجا ہوا۔ ایک طباق اٹھائے اندر آیا۔ اور ایک تھیلی جس میں دینار تھے۔ لاکر سامنے رکھ دیئے۔ حضرت حبیب نے عرض کی۔ استاد مکرم! آپ کو علم تو تھا۔ اگر یقین بھی ہوتا۔ تو کس قدر اچھی بات ہوتی

ایک دن حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ۔ شام کے وقت حبیب عجمی کے حجرے کے سامنے سے گزرے دیکھا۔ کہ شام کی نماز کے لئے حبیب نے تکبیر کہی ہے اور نماز میں مشغول ہو رہے ہیں خواجہ حسن نے بھی آپ کی اقتدا میں نماز شروع کر دی۔ دوران قرأت حبیب عجمی نے سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے ہائے حطی کی آواز ہائے ہوز کی طرح نکالی جس طرح عام عجمی تمیز نہیں کرتے۔ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو خواجہ حسن نے فرمایا۔ غلط قرأت کرنے والے حبیب عجمی کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس طرح تلاوت سے تو معنے بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے نماز کا اعادہ کیا۔ رات کو خواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ حسن بصری کو فرمایا۔ تم میرے حبیب کے لفظوں کی وجہ سے نماز لوٹاتے رہے ہو۔ کاش تم اس کے دل کو بھی دیکھ لیتے کہ میرا کلام کس درد اور خلوص سے پڑھتا ہے۔

ایک دن حجاج بن یوسف نے حکم دیا۔ کہ حسن بصری کو گرفتار کر کے میرے سامنے لایا جائے تاکہ اس کا سر قلم کر دں۔ حضرت خواجہ اپنے مکان سے بھاگ کر حبیب عجمی کے حجرے میں جا چھپے۔ سپاہی آپ کے حجرے تک گئے۔ اور حبیب سے پوچھا یہاں حسن تو نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ وہ میرے حجرے میں نظر نہیں آتے۔ سپاہی اندر گھسے تو انہیں حسن نظر نہ آئے۔ باہر نکلے تو کہنے لگے حجاج کو آپ کے بارے میں بڑا حسنِ اعتقاد ہے۔ مگر آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ہم نے حسن کو ابھی ابھی آپ کے حجرے میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بات درست ہے۔ وہ ابھی ابھی اندر داخل ہوا۔ مگر تمہیں نظر نہ آئے تو کیا کیا جائے۔ سپاہی پھر اندر گئے مگر کچھ دکھائی نہ دیا۔ مایوس

واپس آئے اور چلے گئے حضرت حسن بصریؒ کہنے لگے۔ حبیب تم نے تو مروا دیا تھا۔ یہ حق استاد ادا کر رہے ہو۔ کہ تم نے سپاہیوں کو روکنے کی بجائے اندر بھیج دیا۔ آپ نے فرمایا۔ استادِ محترم میری راست گوئی آپ کی نجات کا باعث بن گئی تھی۔ اگر جھوٹ بولتا تو دونوں گرفتار کر لیے جاتے۔

ایک دن حبیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے۔ بڑا سخت اندھیرا تھا۔ آپ کے ہاتھ سے سوئی گر پڑی۔ نور کی ایک شعاع اُبھری سارا گھر روشن ہو گیا۔ حبیب نے سوئی اٹھائی اور اپنا کام کرنے لگے۔

تذکرہ نگاروں نے آپ کا سن وصال ۱۵۶ھ لکھا ہے مگر مخزن اولیاء کے مصنف نے ۱۲۰ھ اور ۱۴۱ھ بھی لکھا ہے۔

ؔ آں حبیب خدا حبیب اللہ — اہل صدق و صفا حبیب اللہ
ہست تاریخ رحلتش سرور — ہادی اولیا حبیب خدا

یوسف ۱۵۶	محبوب زمان ۱۵۶	عالی جاہ ۱۲۰	محب کامل ۱۴۱	تاریخ ہائے وفات ہیں

(۱۵۶ — ہادی اولیا)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ:- آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور والد کا نام سعید تھا۔ کوفی الاصل تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ان کی توبہ کا آغاز اس واقعہ سے ہوا کہ ایک دن مسجد میں داخل ہوتے ہوئے لاپروائی سے بایاں قدم اندر رکھا غیب سے آواز آئی۔ اے سفیان! کیا تم ثور ہو یعنی چوپایا ہو۔ یہ بات سنتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو افسوس سے اپنے منہ پر طمانچہ مارتے اور کہتے تم نے چوپاؤں کی طرح مسجد میں بایاں قدم رکھا تمہیں ادب نہیں تو تیرا نام انسانوں میں کیسے رکھا جا سکتا ہے۔

ایک دن خلیفہ وقت نماز کی جماعت کرا رہا تھا۔ مگر دوران نماز خلیفہ نے بے خیالی سے اپنے کپڑوں پہ ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔ تمہاری یہ نماز تو نماز نہیں۔ قیامت کے دن ایسی نماز کو منہ پہ مارا جائے گا۔ خلیفہ وقت نے کہا۔ بات آہستگی سے کریں۔ مگر آپ نے

فرمایا۔ کہ میں ایسے کلمۂ حق سے باز رہوں تو میرا پیشاب خون بن جائے گا خلیفہ نے یہ بات بُری جانی۔ دوسرے دن حکم دیا۔ کہ سولی نصب کی جائے اور سفیان ثوری کو تختۂ دار پر کھینچا جائے۔ تاکہ دوسرے گستاخوں کو عبرت ہو حضرت سفیان نے سنا تو رونے لگے۔ اور کہا۔ اے اللہ۔ ان ظالموں کو سزا دے۔ خلیفہ وقت اس وقت تخت پر بیٹھا تھا۔ اور اس کے وزراء اور امراء بھی حلقہ بنائے کھڑے تھے۔ اچانک چھت گری۔ اور خلیفہ اور اُس کے وزراء چھت کے نیچے آکر ہلاک ہو گئے۔

آپ مخلوقِ خدا سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ ایک دن بازار سے گذر رہے تھے۔ کہ ایک پنجرے میں پرندہ فریاد کر رہا تھا۔ آپ نے اسے خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ یہ پرندہ ہر روز حضرت سفیانؒ کے گھر آتا۔ آپ کو دیکھتا۔ سر اور بازوؤں پر بیٹھتا۔ حضرت سفیان فوت ہوئے۔ تو یہ پرندہ آپ کے جنازے پر اڑتا دکھائی دیا اس کی فریاد سے جنازے میں شریک لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ جب آپ کو دفن کر دیا گیا۔ تو وہ پرندہ آپ کی قبر پر تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ حضرت سفیانؒ کی قبر سے آواز آئی۔ کہ ہم نے سفیان کو خلقِ خدا کی محبت کے بدلے بخش دیا ہے۔

آپ کی وفات ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ بعض تذکرہ نگاروں نے تاریخ سالِ وفات ۱۵۵ھ لکھا ہے۔

حضرت سفیان ثوری شیخ دیں - مقتدائے پیشوائے دو جہاں
ہر دو سال وصل آں والاجناب - کعبۂ دین بائے وعالم بداں
نیز با اقوال بعضے از عوام - والی حق ۱۶۱ سال ترحیلش بداں
۱۵۵

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ:۔ حضرت داؤد طائی اکابر وقت میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ۔ فضیل۔ ابراہیم بن ادھم جیسے جلیل القدر علماء و اولیاء کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ آپنے ایک مجلس میں

ایک نوحہ خواں سے یہ شعر سنا۔

بِاَيِّ خَدَّيْكَ تبدّي لَبِلاً ۔ واَيِّ عَيْنَيْكَ اِذًا سَالاَ

وہ کونسا منہ ہے جس پر خاک نہیں ڈالی گئی ۔ اور کونسی آنکھ ہے جو زمین میں نہیں ملی۔

یہ بات سنتے ہی آپ کے دل میں بڑا درد پیدا ہوا۔ اور آپ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے صورتِ حال دریافت کی تو کہنے لگے کہ میرا دل دنیا کے معاملات سے ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ حضرت امام نے فرمایا۔ تمہیں مبارک ہو۔ تم اللہ کے ہو گئے ہو۔ اس دن کے بعد آپ نے صرف اللہ کے ذکر کو اپنی زندگی بنا لیا۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے باپ کے ورثہ سے صرف بیس دینار ملے تھے۔ یہ بیس دینار آپ نے اپنی عمر کے بیس سالوں میں خرچ کئے۔ فرمایا کرتے تھے۔ مجھے اتنا ہی کافی ہے آپ ہمہ وقت یادِ خدا میں رہتے۔ صرف کھانا یا پینا اختیار کرتے۔ بسا اوقات روٹی کا ٹکڑا پانی میں بھگو لیتے اور کھاتے فرمایا کرتے میں جتنا وقت کھانے اور پینے میں ضائع کرتا ہوں اتنے وقت میں پچاس آیت قرآنی تلاوت کر سکتا تھا۔

حضرت داؤد طائی ایک بہت بڑی حویلی کے مالک تھے۔ جس میں کئی کمرے تھے۔ ایک کمرہ گر جاتا تو دوسرے میں قیام کر لیتے لوگوں نے پوچھا آپ عمارت کی تعمیر و مرمت کیوں نہیں کرتے فرماتے میں نے اللہ سے عہد کیا ہے۔ کہ میں دنیا کی تعمیر میں حصہ نہیں لوں گا۔ چنانچہ آپ کی ساری حویلی گر پڑی۔ صرف آپ کی دہلیز بچ گئی۔ وہ بھی آپ کے انتقال کے وقت گر پڑی ایک دفعہ کسی دوست نے بتایا۔ کہ آپ کے گھر کی چھت گرنے والی ہے۔ آپ نے فرمایا بیس سال گزر گئے میں نے کبھی چھت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

ایک دن ہارون الرشید نے حضرت امام یوسف کو کہا۔ کہ مجھے حضرت داؤد طائی کے پاس لے چلو۔ تاکہ میں ان کی زیارت کر لوں۔ حضرت امام یوسف آپ کے مکان پر تشریف لائے دروازہ کھٹکایا۔ مگر آپ باہر نہ آئے۔ آپ کی والدہ سے گذارش کی کہ حضرت داؤد طائی کو

ہارون الرشید سے ملنے کی سفارش کریں۔ بایں ہمہ آپ نہ مانے اور اپنی والدہ کو کہا۔ میں اس ظالم سے ملنا نہیں چاہتا۔ والدہ نے کہا۔ کہ میرے دودھ کی قسم ایک بار ہارون الرشید کو زیارت کی اجازت دو۔ آپ مان گئے۔ ہارون الرشید آئے۔ اور ایک ہزار دینار کی تھیلی پیش کی۔ اور عرض کی۔ یہ مالِ حلال سے لایا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے اپنے مکان کا ایک حصہ فروخت کر دیا ہے۔ اس سے گذر اوقات کر لیتا ہوں۔ میں نے اللہ سے التجا کی ہے کہ جب یہ خرچ ختم ہو جائیگا۔ میرا انتقال ہو جائے۔ حضرت امام یوسف نے آپ کی والدہ سے پوچھا۔ کہ اب حضرت داؤد طائی کے پاس کتنا خرچہ موجود ہے۔ اس نے بتایا۔ دس درہم۔ ہر روز ایک دینار خرچ کر لیتے ہیں۔ امام یوسف نے حساب دل میں رکھا آخری دن کہنے لگے۔ آج حضرت داؤد طائی کی وفات کا دن ہے۔ اس دوران خبر آئی کہ آپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ نے نماز عشاء کی ادائیگی کے لئے سر سجدے میں رکھا تھا۔ کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ نے وصیت کی تھی۔ کہ مجھے کسی دیوار کے سایہ میں دفن کرنا تاکہ کوئی میرے سامنے سے نہ گذرے۔

آپ کی وفات ۱۶۲ھ کو ہوئی۔ بعض کتابوں میں ۱۶۵ھ لکھی ہے۔

چوں آں شاہ زمان داؤد مسعود ۔ بخلد آمد بصد صدق وصفائی

ترحیلش بگو سلطان داؤد ۔ دوبارہ زیب حق داؤد طائی

۱۶۲ ۔ ۱۶۵

حضرت عقبہ بن الغلام رضی اللہ عنہ:-

آپ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مرید تھے۔ زہد و تقویٰ میں کمال رکھتے تھے۔ ایک دن آپ خواجہ حسن بصری کے ساتھ دریا کے کنارے بیٹھے تھے عقبہ دریا پر چلنے لگے۔ حضرت حسن نے پوچھا۔ کہ آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ تیس سال ہو چکے ہیں۔ میں وہ کرتا ہوں جو وہ چاہتا ہے۔ مگر تم وہ کام کرتے ہو۔ جو وہ فرماتا ہے۔ یہ مقام اس کی تسلیم و رضا سے حاصل ہوا ہے۔

آپ کے توبہ کرنے کا واقعہ بھی تذکرہ نگاروں نے یوں بیان کیا ہے۔ کہ ایک دن ایک عورت سر پر چادر لپیٹے جا رہی تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو پیچھے عقبہ جا رہے تھے۔ جونہی اس کی خوبصورت آنکھیں عقبہ کی نگاہوں میں آئیں وہ بدل وجان عاشق ہو گئے۔ اس کی خوب صورت آنکھوں کی کشش نے انہیں جذب کر لیا۔ عورت نے پوچھا۔ تو نے میرے اندر کیا دیکھا کہ عاشق ہو گئے ہو۔ کہنے لگے۔ کہ تمہاری آنکھوں نے مجھے مسحور کر ڈالا ہے۔ اس پاک دامن عورت نے اپنی دونوں آنکھوں کو نکال ڈالا۔ اور ایک پلیٹ میں رکھ کر عقبہ کے پاس بھیج دیا۔ اور کہلا بھیجا۔ کہ جسے تم دیکھ کر عاشق ہو گئے ہو وہ تمہاری نذر کر رہی ہوں۔ عقبہ نے دیکھا تو ان کے دل کی آنکھیں کھل گئیں۔ خواب غفلت سے بیدار ہوئے توبہ کی۔ اور خواجہ حسن نظامی کی خدمت میں حاضر ہوئے مرید ہوئے اور یگانہ عالم بن گئے۔

ایک بار عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قدیم دوست آپ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ لوگ مجھے آپ کی کرامات اور بلند عادات کا پوچھتے ہیں۔ کوئی ایسی چیز دکھائیں کہ میں انہیں تسلی دے سکوں۔ آپ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو۔ کہنے لگا۔ اس موسم میں کھجوریں نہیں ہوتیں۔ مجھے تازہ کھجوریں چاہئیں۔ آپ نے اپنی زنبیل کی طرف اشارہ کیا۔ اس شخص نے دیکھا۔ کہ زنبیل کھجوروں سے بھری پڑی ہے۔

ایک رات آپ نے خواب میں حور کو دیکھا۔ اس نے کہا عقبہ خبردار کوئی ایسا کام نہ کرنا جو تمہیں مجھ سے جدا کر دے۔ آپ نے فرمایا۔ آج سے میں نے دنیا کے حسن وجمال کو طلاق دے دی ہے جب تک میں تمہیں پا نہ لوں۔ دنیا کی کسی چیز سے رغبت نہیں کروں گا۔

آپ ۱۶۷ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ نامی عقبہ ابن الغلام - بود مقبول جناب کبریا
سال ترحیلش بگو عالی جناب — ہم امین اللہ بخواں باصد صفا
(۱۶۰)

مہدی حق سے بھی تاریخ وفات نکلتی ہے۔
(۱۶۰)

حضرت امام عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ:- آپ حضرت امام ابو حنیفہ کے مرید اور شاگرد تھے۔ آپ علوم و فنون میں جامع تھے۔ اور کشف و کرامت میں مشہور زمانہ تھے۔ آپ کے ہمعصر فضیل ابن عیاض اور ابو سفیان تھے۔ اپنے زمانہ میں سخاوت۔ علم۔ شجاعت اور عبادت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

ابتدائی عمر میں ایک کنیز کو دل دے بیٹھے۔ سردیوں کی ایک اندھیری رات جب کہ آسمان سے برف باری ہو رہی تھی۔ غلبۂ محبت میں اپنی معشوقہ کے گھر کی دیوار پر چڑھ کر بیٹھ گئے کہ شاید اس طرح معشوقہ باہر آئے اور آپ دیکھ سکیں۔ اس آرزو میں ساری رات گذر گئی آپ انتظار میں بیٹھے رہے۔ موذن نے صبح کی اذان دی۔ آپ نے سمجھا کہ عشاء کی اذان ہے اس طرح محویت میں سارا دن بیٹھے رہے۔ حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ شام کو دل سے آواز آئی۔ ابن مبارک تمہیں شرم آنی چاہیئے۔ ایک دنیاوی معشوقہ کے انتظار میں ساری رات اور دن ایک جگہ بیٹھے رہے ہو۔ وہ بھی نہیں آئی۔ اگر یہی محویت اللہ کی راہ میں ہوتی تو مقبولانِ بارگاہ رب العالمین ہوتے۔ اس خیال سے تائب ہو گئے۔ اور عبادت الہیہ میں مشغول ہو گئے ایک ایسا مقام آیا۔ کہ ایک دن آپ کی والدہ نے دیکھا۔ کہ حضرت عبداللہ ابن مبارک اپنے باغ میں سو رہے ہیں۔ ایک کالا سانپ نرگس کی ٹہنی منہ میں لئے عبداللہ کے چہرے سے مکھیاں ہٹا رہا ہے۔ اور آپ آرام سے سو رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ ایک سال حج کرتے۔ ایک سال عمرہ۔ اور ایک سال پوری طرح تجارت کرتے۔ تجارت سے جو کچھ حاصل ہوتا حج پر صرف کرتے۔ اور باقی غرباء میں تقسیم فرما دیتے۔ اور درویشوں کو کھجوریں خرید کر مفت دیتے۔ اور اپنے سامنے بٹھا کر کھلاتے۔ ہر ایک کے سامنے جتنی گٹھلیاں ہوتیں۔ اتنی ہی مزید عنایت فرماتے۔ اور بڑی محبت سے کھلا کھلا کر خوش ہوتے تھے۔

ایک دن آپ ایک راہ پر جا رہے تھے۔ کہ ایک نابینا ملا۔ آپ نے اسے کہا۔ کہ دیکھو!

عبداللہ ابن مبارک آرہے ہیں وہ بہت سخی آدمی ہیں۔ان سے کچھ مانگ لو۔نابینا اسی وقت اٹھا۔اور آواز دے کر کہنے لگا۔اے عبداللہ! میں آنکھوں سے نابینا ہوں مجھے روشنی چاہیئے۔ حضرت عبداللہ نے گردن جھکا کر کہا اے اللہ اب میری شرم رکھنا اور اسے روشنی عطا فرما دے۔نابینا اسی وقت بینا ہو گیا۔ایک سال حضرت عبداللہ حج پر نہ جا سکے۔ذوالحجہ کی چھ تاریخ آگئی آپ کو بڑا افسوس ہوا۔کہ میں امسال حج پر نہیں گیا۔صحرا میں نکلے تو ایک بوڑھی عورت کو دیکھا۔جس کی کمر جھک کر کمان ہو چکی تھی۔بڑھیا نے پوچھا۔عبداللہ! تم حج کرنا چاہتے ہو۔ آپ نے کہا۔ہاں! کہنے لگی آؤ میں تمہیں میدان عرفات میں پہنچا دوں۔آپ نے خیال کیا۔کہ چھ ماہ کا دور دراز راستہ اب چند روز میں کس طرح طے ہو سکتا ہے۔اس بڑھیا نے کہا۔اگر آج تم صبح کے وقت دریائے جیحون کے کنارے دو نفل پڑھ لو۔تو جس رفتار سے سورج جاتا ہے۔تم بھی میدان عرفات تک پہنچ جاؤ گے۔آپ نے کہا۔بسم اللہ! اگر یوں ہو سکتا ہے تو مجھے اور کیا چاہیئے۔بڑھیا حضرت عبداللہ کو لئے دریا کے کنارے پہنچی۔تو کہنے لگی۔عبداللہ آنکھیں بند کرو۔حضرت عبداللہ نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔تو دونوں میدان عرفات میں کھڑے تھے۔حج سے فارغ ہوئے تو بڑھیا نے حضرت عبداللہ کو کہا۔میرا ایک بیٹا ہے جو ایک عرصہ سے ایک پہاڑ کی غار میں محو عبادت ہے۔آؤ۔اس سے مل آئیں۔غار میں پہنچے تو ایک خوبرو نوجوان کو دیکھا۔جس کے چہرے پر نور کی کرنیں ٹپک رہی ہیں۔رنگ زرد ہوئے کے باوجود اس کے چہرے پر ایک کشش تھی۔اٹھا۔اور اپنی والدہ کے قدموں میں گر پڑا۔کہنے لگا مجھے پتہ ہے آپ اپنی خواہش سے مجھے ملنے نہیں آئیں۔بلکہ اللہ کے حکم سے یہاں آئی ہو۔اللہ نے میرے تجہیز و تکفین کے انتظام کے لئے بھیجا ہے۔کیونکہ آج میری عمر کا آخری روز ہے۔نوجوان کا انتقال ہو گیا۔تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے۔تو حضرت عبداللہ سے کہنے لگی۔ اب مجھے دنیا میں کوئی کام نہیں میں تو بیٹے کی قبر پہ رہوں گی۔تمہیں اجازت ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک کا ایک غلام تھا۔ہر روز دن کو آپ کی خدمت بجالاتا۔اور

رات کو غائب ہو جاتا۔ حضرت عبداللہ نے ایک دن پوچھا۔ تم رات کو کہاں غائب ہو جایا کرتے ہو۔ وہ کہنے لگا۔ حضرت! یہ ایک راز ہے اس سے پردہ نہ اٹھائیے۔ میں اس رازداری کے عوض آپ کو ہر روز ایک دینار دیا کروں گا۔ لوگوں میں یہ مشہور تھا۔ کہ حضرت عبداللہ کا غلام رات کو چوری کرتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ کو اپنی چوری کی کمائی سے ایک دینار دے دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ کو اس بات سے بڑا صدمہ ہوا۔ ایک رات حضرت عبداللہ اس کے تعاقب میں نکلے۔ ایک قبرستان میں پہنچا۔ ایک قبر کو تھوڑا سا کھولا۔ اور اس کے اندر جا گھسا۔ ایک بوریا زیب تن کیا۔ اور عبادت میں مشغول ہو گیا۔ صبح کی اذان تک مشغولِ عبادت رہا۔ قبر کے منہ کو بند کیا۔ مسجد میں نماز فجر ادا کی۔ دعا کرنے لگا۔ اے اللہ۔ رات تیری بارگاہ میں گذری۔ صبح مالک مجازی ایک دینار طلب کرے گا۔ میری مفلسی کا سرمایہ تو تُو ہی ہے۔ ایک نور کا شعلہ نمودار ہوا۔ اور اس غلام کے ہاتھ پر ایک دینار پڑا تھا۔ غلام باہر جانے لگا۔ تو حضرت عبداللہ یہ واقعہ دیکھ کر بے حال ہو گئے۔ اٹھے۔ غلام کو گلے لگایا۔ سر کو چوما۔ اور کہنے لگے۔ "تمہاری غلامی پر میرے جیسے ہزاروں مالک قربان ہوں۔ کاش کہ تم مالک ہوتے اور میں غلام ہوتا"۔ یہ سنتے ہی غلام نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا۔ اور کہا۔ اے اللہ! میرا راز فاش ہو گیا ہے۔ اب مجھے سکون نہیں رہے گا مخلوق مجھے تنگ کرے گی۔ تو اس فتنہ سے محفوظ رکھ اور مجھے دنیا سے اٹھا لے۔ ابھی اس کا سر حضرت عبداللہ کی بغل میں ہی تھا۔ کہ جان اللہ کے حوالے کر دی۔ حضرت عبداللہ نے اسی بوریے میں آپ کو کفنایا۔ دفن کرنے کے بعد چند روز تک فاتحہ خوانی میں مصروف رہے۔ رات کو خواب میں دیکھا۔ کہ حضور پُر نور سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے۔ فرمایا۔ عبداللہ تم نے ہمارے دوست کو بوریے میں کفنایا اور قبر میں دفن کر دیا۔ کیا اچھا ہوتا۔ تم اس سے بہتر اہتمام کے ساتھ دفن کرتے۔ آپ کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی۔

آں امام دین کہ عبداللہ بود - باد بر رویش سلام اہل دین

سالِ ترحیلش چو جستم از خرد - شد ندا از دل امام اہل دین

۱۸۱

حضرت محمد سماک رحمۃ اللہ علیہ:- ابو العباس حضرت محمد سماک قدیم علماء دین اور مشائخ اہل یقین میں سے تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ زاہد تھے۔ عابد تھے۔ متقی تھے۔ اور واعظ تھے۔ کلام کرتے تو عقل و حکمت کے پھول گرتے۔ بیان کرتے تو شافی اور وافی ہوتا۔ وعظ و نصیحت میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے صحبت رکھتے تھے۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی باتوں کو پسند فرماتے تھے۔ ساری عمر تنہا گذاری لوگوں نے کہا۔ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ فرمایا کرتے ہیں دو شیطانوں سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک شیطان ابلیس اور دوسرے بیوی جس کے قبضہ میں شیطان ہوتا ہے۔

حضرت شیخ احمد حواری رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت سماک بیمار ہو گئے۔ میں قارورہ طبیب کے پاس لئے جا رہا تھا کہ راہ میں ایک پیر روشن ضمیر سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا۔ کہاں جا رہے ہو۔ میں نے بتایا۔ کہ سماک بیمار ہیں۔ اُن کے لئے طبیب سے دوائی لینے جا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ سبحان اللہ۔ اللہ کا دوست غیر اللہ سے استمداد کر رہا ہے! واپس چلے جاؤ اور سماک کو کہو کہ جہاں تمہیں تکلیف ہے وہاں ہاتھ رکھ کر کہو اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیمِ وَبِالحَقِّ اَنزَلنَاہُ وَبِالحَقِّ نَزَلَ: میں واپس آیا۔ صورت حال بیان کی۔ حضرت سماک نے ایسے ہی عمل کیا۔ فوراً صحت یاب ہو گئے۔ آپ نے بتایا۔ وہ خضر علیہ السلام تھے۔ جنہوں نے یہ نسخہ بتایا تھا۔

حضرت سماک تذکرہ نگاروں کے اتفاق سے ۱۸۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔

رفت چوں ایں سماک از دارِ دہر	شد چو گنج پاک جسمش زیر خاک
سالِ ترحیلش محمد کامل است	ہم عیاں است طالب ہادی سماک

۱۸۳

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ:- حضرت ابو علی شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ قدیم مشائخ میں سے تھے۔ صاحب کرامات اور خوارق تھے روحانیت کے بلند مقامات پر فائز تھے۔ حضرت امام موسیٰ رضا اور سلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہما

کی مجالس میں شریک ہوئے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کے مذہب پر زندگی بسر کی۔ توکل وقناعت پر کاربند رہے۔ مختلف علوم وفنون میں تصانیف بطور یادگار چھوڑیں۔

ایک بار مالِ تجارت لاد کر ترکستان کو روانہ ہوئے ایک بت خانہ سے گذر ہوا۔ وہاں ایک بت پرست بت کے سامنے رو رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ کہ اے بُت میری حاجت پوری کر۔ آپ نے فرمایا۔ ارے بیوقوف تمہارا خالق موجود ہے۔ جو حیّ وقیوّم ہے۔ قاضی الحاجات ہے اس بے جان کے سامنے کیوں سجدہ کرتا ہے۔ اور روتا رہتا ہے۔ اس بُت پرست نے کہا کہ اگر وہ قادر مطلق ہے۔ رازق وخالق ہے تو پھر تُو تلاش رزق میں کیوں مارا مارا پھرتا ہے۔ حضرت شفیق یہ بات سنتے ہی غفلت سے بیدار ہو گئے۔ اور دنیا و مافیہا کو ترک کر دیا۔

ایک سال حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ سفر حج کو روانہ ہوئے۔ بغداد پہنچے خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کو اپنے پاس بلایا۔ اور پوچھا کیا۔ زاہد شفیق آپ ہی ہیں! آپ نے فرمایا۔ شفیق تو میں ہی ہوں۔ مگر زاہد نہیں ہوں۔ ہارون الرشید نے کہا۔ مجھے کچھ نصیحت کرو۔ آپ نے فرمایا۔ یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حضرت صدیق اکبر کی جگہ بٹھایا ہے۔ تجھ سے صدق کا مظاہرہ ہونا چاہیئے اللہ نے تمہیں فاروق اعظم کی جگہ بٹھایا ہے۔ لہٰذا حق و باطل میں تمیز کرو حضرت عثمان ذوالنورین کی جگہ بیٹھے ہو۔ حیا اور کرم کو اختیار کرو۔ حضرت علی کی جگہ ہو علم وعمل کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا بناؤ۔ ہارون الرشید نے کہا مجھے مزید نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ایک سرائے ہے جسے دوزخ کہتے ہیں۔ تم اس کے دربان ہو۔ اللہ نے تمہیں تین چیزیں دی ہیں۔ مال۔ تلوار۔ اور تازیانہ ان تینوں چیزوں سے لوگوں کو دوزخ سے دُور رکھو۔ ضرورت مند کو مالی امداد دو سرکشوں کو تازیانے سے تادیب کرو۔ اور مظلوموں کو ظالموں سے نجات دلانے کے لئے تلوار کا استعمال کرو۔

ہارون الرشید نے کہا۔ مجھے اور نصیحتوں کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا تم ایک چشمہ ہو۔ تمہارے اعمال نہریں ہیں۔ اگر چشمہ صافی ہوگا۔ تو نہروں کی تیرگی کا کچھ اثر نہیں ہوگا لیکن

اگر چشمہ ہی تاریک ہو تو نہریں کتنی ہی شفاف ہوں۔ لوگوں کو صاف پانی نہیں مل سکتا۔ ہارون نے
کہا۔ مجھے مزید نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم تنہا کسی بیابان میں جا رہے ہو۔ اور وہاں تمہیں
شدت پیاس سے جان پہ بن آئے۔ اور تمہیں جان بچانے کے لئے ایک پیالہ شربت خریدنا پڑے
تو تم کتنی قیمت ادا کرو گے۔ ہارون الرشید نے کہا۔ کہ اپنی نصف سلطنت دے کر جان بچا لوں گا۔ آپ
نے فرمایا۔ اگر تم وہ شربت نصف سلطنت دے کر خریدلو۔ اور اسے پی لو۔ اور اتفاقاً اس شربت کے
پینے سے پیٹ میں درد شروع ہو جائے اور تمہاری جان پہ بن جائے اور ایک شخص پہنچ کر
کہے کہ میں تمہارا علاج کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ تم مجھے نصف سلطنت دے دو۔ تو تمہارا کیا فیصلہ
ہو گا۔ ہارون الرشید نے کہا۔ میں اسے دے دوں گا۔ تاکہ میری جان بچ جائے۔ آپ نے
فرمایا۔ پھر تم اس عظیم مملکت عباسیہ پر کیا ناز کرتے ہو۔ جو نصف پیالہ شربت پر فروخت
ہو سکتی ہو اور نصف علاج معالجہ پر دی جا سکتی ہو۔ یہ بات سن کر ہارون الرشید رو پڑے۔
اور کہا آپ واقعی زاہد بھی ہیں اور سچے بھی ہیں! یہ دنیاوی سلطنتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو ملے۔
پوچھا۔ ابراہیم زندگی کا گزران کیسے کر رہے ہو کہا اگر مل جائے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔
اگر نہ ملے۔ تو صبر کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہماری گلی کے کتے بھی یونہی کرتے ہیں۔ آپ نے
فرمایا۔ ہمیں تو مل جائے تو نثار کر دیتے ہیں اگر نہ ملے پھر شکر کرتے ہیں حضرت ابراہیم فرمانے لگے۔

ے ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند!

صاحب سفینۃ الاولیاء نے آپ کی شہادت کا سال ۱۹۴ھ لکھا ہے مگر مخزن الواصلین
میں ۱۹۵ھ ہے۔ واقعہ شہادت کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔

آں شفیق بلخ پیر دستگیر ۔ شد چو از دنیا بہ ملک جاوداں
سالِ وصلش صدق یا صادق بگو ۔ ہم بجو از مطلب جان جہان

۱۹۵ ۱۹۵ ۱۹۴

صاحب مقامات بلند۔ مالکِ کرامات ارجمند۔

حضرت یوسف اسباط رحمۃ اللہ علیہ:۔ ماہر علوم ظاہر و باطن واقف رموزِ تجرید و توکّل۔ یگانۂ آفاق حضرت یوسف اسباط رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ میں ممتاز مقام رکھتے تھے آپ کو ایک ہزار درہم ملا۔ تمام کے تمام اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیئے خود کھجور کے پتے جمع کرتے اس کی مزدوری سے روزی کماتے۔ چالیس سال عریاں رہے۔ اور بجز ضرورت ستر کپڑا نہیں خریدا۔ سردیوں میں ایک پرانا بوریا اوڑھ لیتے اور اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے۔

آپ کی وفات ۱۹۶ھ میں ہوئی۔

چو یوسف بر رخ خود پردہ بربست ۔ رواں شد روح پاک او بافلاک
بگو سلطان ولی تاریخ وصلش ۔ ذکر فرما کہ یوسف زاہد پاک
۱۹۶ھ ۔ ۱۹۶ھ

حضرت ابو سلیمان الدّارانی قدس سرہٗ:۔ آپ کا اسم گرامی عبدالرحمان بن احمد بن عطّیہ تھا۔ شام قدماء مشائخ میں سے تھے۔ زہد و ورع میں یگانہ اور مقتدائے زمانہ میں سربرآوردہ تھے۔ دمشق کے مضافات میں ایک گاؤں میں رہا کرتے تھے۔ آپ زبان کے شیریں اور مخلوق خدا پر بے پناہ شفقت فرماتے لوگ آپ کی اس عادت کی بنا پر آپ کو ایمان القلب کہا کرتے۔ حدیث اور تفسیر کے علوم میں ماہر تھے صبر و تقویٰ میں لاثانی آپ نے بھوک اور فاقہ پر جس قدر صبر و شکر کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔

آپ نے اپنا واقعہ اپنی زبانی بیان کیا۔ کہ موسم سرما کی شدت میں ایک رات مجھے مسجد میں اس قدر سردی لگی۔ کہ اسے دُور کرنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ میں نے اپنا ایک ہاتھ دعا کے لئے اور دوسرا بغل میں دبایا۔ مجھے قدرے سکون ملا۔ نیند آگئی۔ خواب میں ہاتف نے کہا۔ اے سلیمان۔ تم نے ایک ہاتھ دعا کے لئے بڑھایا۔ اگر دوسرا بھی پھیلا دیتے تو اس سے زیادہ سکون ملتا۔ اس کے بعد میں نے ارادہ کر لیا کہ گرمی ہو یا سردی میں دعا کے وقت

دونوں ہاتھ پھیلایا کروں گا۔

آپ نے اپنی ایک اور خواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ میں نے ایک حور کو دیکھا جس کی مسکراہٹ سے ایک ایسا حسن چمکا جس سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے۔ میں نے حور سے پوچھا تمہیں یہ نور کہاں سے ملا کہنے لگی۔ اللہ کے خوف کے چند آنسو گرنے سے مجھے اللہ نے یہ عظمت دی۔

آپ کی وفات ۲۱۵ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک داران میں ہے۔

چو سلیمان ولی دارانی ۔ ختم بر ذات او سلیمانی
سید عالم است وہم طاہر ۔ سال ترحیل وے اگر دانی
۲۱۵ ۲۱۵

حضرت شیخ بشر مریسی قدس سرہٗ:۔ صاحب ارشاد مشائخ میں سے تھے۔ آپ کے والد کا نام غیاث تھا۔ مریس گاؤں میں رہتے تھے۔ یہ گاؤں مصر کے مضافات میں سے تھا۔ آپ فرمایا کرتے۔ دنیا میں لگنے والے دل آخر کار مایوس ہوتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے کہ مجھے زندگی بھر کسی صوفی کا قول مطمئن نہ کر سکا۔ تاوقتیکہ مجھے قرآن و حدیث کی گواہی نہ ملی۔

آپ کی وفات ماہ ذوالحجہ ۲۱۸ھ میں ہوئی۔

خواجہ جن وانس و شیخ بشر ۔ رفت چوں زین جہان حزن وملال
رحلتش حسن اہل دین گفتم ۔ نیز واصل کمال سال وصال
۲۱۸ھ ۲۱۸ھ

شیخ فتح علی موصلی رحمۃ اللہ علیہ:۔ صاحب ہمت اور عالی قدر بزرگ تھے ورع و مجاہدہ میں مقتدر تھے اپنی ذات پر اللہ کا خوف اور کیفیت حزن طاری رکھتے تھے۔ ہمیشہ گریاں رہتے۔ مخلوق خدا سے علیٰحدگی کا یہ عالم تھا۔ کہ اپنے احوال کو چھپانے کے لئے اپنے ہاتھ میں چابیوں کا ایک گچھا لٹکائے رکھتے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ آپ بہت سے صندوقوں کے مالک ہیں۔ جہاں جاتے چابیاں اپنے سامنے رکھا کرتے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ کیا ہیں ایک دن ایک صاحب دل نے پوچھا۔ کہ ان چابیوں سے کیا کرتے ہو۔ فرمانے

لگے۔جس دن سے میں نے چابیاں اٹھائی ہوئی ہیں۔چوروں کی چوری سے چھوٹ گیا ہوں۔
حضرت عبداللہ علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں۔کہ ایک رات حضرت خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر سویا ہوا تھا۔رات کا ایک حصہ گذرا تھا۔تو حضرت خواجہ پاکیزہ کپڑے پہنے کندھوں پر چادر اوڑھے باہر نکلے۔میں نے پوچھا۔اس وقت آپ کہاں جارہے ہیں۔کہنے لگے۔حضرت فتح موصلی بیمار ہیں۔میں انہیں دیکھنے جارہا ہوں۔رات کو پہرہ دار پولیس نے آپ کو پکڑ لیا۔اور رات کو حوالات میں بند کر دیا۔دوسرے دن حاکم نے حکم دیا۔کہ تمام حوالاتیوں کو کوڑے مارے جائیں ایک سپاہی نے خواجہ سری سقطی کو کوڑا مارنا چاہا تو اس کا ہاتھ ہوا میں معلق ہو گیا۔اور زور کے باوجود وہاں ہی اکڑ گیا۔حاکم نے کہا۔کوڑا کیوں نہیں مارتے۔سپاہی کہنے لگا۔میرے سامنے ایک بوڑھا کھڑا ہے وہ مجھے روک رہا ہے۔حتیٰ کہ میرا ہاتھ بیکار ہو کر رہ گیا ہے۔لوگوں نے دیکھا تو فتح موصلی تھے۔حضرت سری کو آپ کے حوالے کر دیا۔اور آپ سے معافی کے طلب گار ہوئے۔

ایک دن ایک عارف نے حضرت فتح موصلی سے صدق کے بارے میں دریافت کیا۔آپ نے ایک لوہار کی بھڑکتی ہوئی بھٹی میں اپنا ہاتھ رکھا۔اور لوہے کا ایک آتشین ٹکڑا اپکڑ کر باہر لائے۔اور ہتھیلی پر رکھ کر فرمایا۔کہ صدق اس کا نام ہے۔

حضرت شیخ فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ عیدالاضحیٰ کے دن ۲۱۹ھ کو فوت ہوئے عیدالاضحیٰ کو لوگ قربانی دے رہے تھے۔آپ نے آسمان کی طرف منہ کیا اور کہا اے اللہ! تم جانتے ہو۔میرے پاس قربانی کے لئے کچھ نہیں ہے۔میری جان حاضر ہے۔اسے ہی قبول فرمالے۔ انگشت شہادت گلے پر رکھی اور جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

هست تاریخ آن خدا آگاه - قطب حق یا محب حقانی ۲۱۹
سالِ ترحیل دے عیاں گردد - گر تو سلطان اہل دل خوانی ۲۱۹ ۲۱۹

شیخ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ:- کنیت ابونصر۔والد کا نام حارث بن عبدالرحمان بن عطا بن ہامان بن عبداللہ تھا۔آپ کا اصلی وطن مرو تھا

عراق کے اوتاد میں شمار ہوتے تھے۔ بغداد میں مقیم رہے۔ ابتدائی عمر میں شوریدہ روزگار تھے۔ شراب نوشی کرتے۔ ایک دن شراب میں بدمست بازار سے گزر رہے تھے۔ ایک کاغذ کا ٹکڑا زمین پر پڑا اٹھایا۔ اس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی تھی۔ بازار سے عطر خرید ا اس میں کاغذ کو معطر کیا۔ بڑی تعظیم و تکریم سے ایک صاف مقام پر رکھا۔ رات کو شہر کے ایک مشہور بزرگ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی جس نے فرمایا بشر حافی کو کہہ دو۔ اس نے میرے نام کی عزت اور توقیر کی ہے۔ میں نے اس کی عزت و توقیر کے لئے اس کا نام دنیا و آخرت میں بلند کر دیا ہے۔ وہ بزرگ خواب سے بیدار ہوئے سوچنے لگے کہ بشر حافی تو ایک فاسق اور شرابی ہے۔ اس کے بارے میں یہ بشارت درست نہیں ہو سکتی۔ لیکن اللہ کی یہ عنایت ضرور کسی وجہ سے ہے۔ گھر سے اٹھے بشر حافی کے گھر گئے دیکھا کہ محفلِ شراب سجی ہوئی ہے۔ اور بشر حافی بدمست پڑا ہے۔ آپ نے لوگوں کو فرمایا۔ اسے ہوش میں لاؤ۔ اور اسے کہو، کہ میں اللہ کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔ سن کر بشر حافی اٹھے۔ پوچھا کہ کس کا پیغام ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کا پیغام ہے بشر حافی اٹھے۔ دوستوں کو کہنے لگے آج میری خیر نہیں اللہ کا عتاب یا عقاب آگیا۔ اب میں تمہارے پاس نہیں آسکوں گا۔ بزرگ کے پاس پہنچے۔ ننگے پاؤں اس بزرگ کے پاس حاضر ہوئے۔ پیغام سن کر سُن ہو گئے۔ بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے توبہ کی۔ مرید ہوئے مجاہدہ اختیار کیا۔ ہر وقت ننگے پاؤں رہتے اور کہتے جس دن میں اللہ کا پیغام سننے آیا تھا۔ ننگے پاؤں تھا۔ اب میں پاؤں میں جوتے کیسے پہن سکتا ہوں۔ میں اللہ کی سرزمین پر جوتے کیسے پہن سکتا ہوں۔

جب تک حضرت بشر حافی زندہ رہے۔ بغداد شہر میں کسی چوپائے نے سڑک پر پیشاب یا گوبر تک نہیں کیا۔ یہ حضرت کے ادب کے پیشِ نظر تھا۔ کہ آپ کے ننگے پاؤں اس نجاست سے آلودہ نہ ہونے پائیں۔ ایک بار ایک چوپائے نے برسرِ راہ گوبر کیا۔ تو اس کے مالک نے چلاتے ہوئے کہا لوگو! کیا حضرت بشر حافی انتقال کر گئے ہیں۔ واقعی اس دن آپ کا وصال

ہو گیا تھا۔

ابن کثیر شامی کی تحقیق کے مطابق حضرت بشر حافی بروز چہار شنبہ دہم محرم الحرام ۲۲۷ھ واصل بحق ہوتے۔ آپ کا مزار بغداد کے مضافات میں ہے۔

شہ دو جہان اکرم الاولیا ۔ کریم النفس بشر حافی معین
بخواں طالب حق بہ تولید اد ۔ بوصلش بگو واصل اہل دین
۱۵۰ ۲۲۷
محبوب حقانی سے بھی سن وفات نکلتا ہے۔
۲۲۷

ابو الحسن شیخ احمد ابن الحواری رحمۃ اللہ علیہ دمشق

شیخ احمد ابن الخواری رحمۃ اللہ علیہ:۔ کے رہنے والے تھے حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص تھے۔ آپ کے والد ماجد بھی عارفانِ حق میں سے تھے۔

شیخ احمد ابن الحواری نے اپنے مرشد سے یہ عہد کیا تھا۔ کہ ان کے فرمان کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھائیں گے۔ ایک دن حضرت ابو سلیمان اپنی مجلس میں بہت اچھی گفتگو فرما رہے تھے۔ سامعین پر بہت اچھا تاثر تھا۔ اسی دوران شیخ احمد حواری مجلس میں داخل ہوئے اور گذارش کی۔ حضرت تنور گرم ہو گیا ہے۔ مجھے کیا حکم ہے۔ حضرت مرشد نے توجہ نہ فرمائی شیخ احمد نے دوبارہ گذارش کی۔ تو حضرت سلیمان دارانی نے جواب نہ دیا۔ مگر ان کی یہ تکرار انہیں اچھی نہ لگی۔ اور غصے میں کہہ دیا۔ جاؤ۔ تنور میں بیٹھو۔ شیخ احمد اسی وقت اٹھے۔ اور تپتے ہوئے تنور میں داخل ہو گئے۔ چند لمحوں بعد حضرت سلیمان نے اپنے مرید شیخ احمد کو بلایا۔ لوگوں نے تلاش کیا مگر ان کا کہیں پتہ نہ ملا۔ آپ نے فرمایا تنور میں دیکھو وہ اس میں بیٹھا ہو گا۔ کیونکہ اس نے مجھ سے عہد کیا ہے۔ کہ میرے فرمان کے خلاف وہ قطعاً کوئی کام نہ کرے گا۔ لوگوں نے دیکھا۔ کہ آپ تنور میں بیٹھے ہیں۔ آگ نے ان کا ایک بال تک نہیں جلایا۔ آپ کی وفات ۲۳۶ھ میں ہوئی تھی۔

احمد کہ سر آمد جہاں بود - یکتائے جہاں بدو جہاں طاق
دل گفت کبیر سال وصلش فرمود خرد محب آفاق
۲۳۲

شیخ حاتم بن عنوان اصم رحمۃ اللہ علیہ :-

آپ کی کنیت ابو عبدالرحمان ۲۳۲ تھی بلخ کے رہنے والے تھے حنفی المذہب تھے۔ اور حضرت شیخ شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص تھے۔ شفیق بلخی کے بعد آپ نے حضرت شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی۔ خراسان کے بزرگوں میں آپ کا مقام زہد و عبادت ادب وورع میں بہت بلند تھا۔

ایک دن بلخ میں وعظ فرما رہے تھے۔ جوش میں آکر فرمایا۔ اے اللہ اس مجلس میں جو شخص سب سے زیادہ گناہکار ہے۔ اسے بخش دے۔ اس مجلس وعظ میں ایک ایسا شخص موجود تھا جو مُردوں کے کفن چرایا کرتا تھا۔ دوسری رات وہ ایک قبرستان میں اپنے معمول کے مطابق کفن چوری کرنے لگا۔ ایک قبر کھودی۔ مگر صاحب قبر نے آواز دی۔ کل تجھے حضرت حاتم اصم کی مجلس میں بخشش کی بشارت بھی ملی۔ مگر تم اپنی بُری حرکت سے باز نہیں آئے۔ اس شخص نے اُس بُرے کام سے توبہ کر لی۔

شیخ محمد رازی فرماتے ہیں۔ کہ میں کئی سال حضرت اصمؒ کی مجلس میں رہا صبح و شام ان کی خدمت میں گزارے۔ میں نے ایک دن بھی آپ کو خشمگیں نہیں دیکھا۔ ایک دن آپ بازار سے گزر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا۔ کہ آپ کے ایک شاگرد کو ایک سبزی فروش نے پکڑا ہوا ہے۔ اور اسے کہہ رہا ہے۔ کہ تو مجھ سے ترکاری ادھار لے گیا تھا۔ اسے ہضم بھی کر لیا ہے۔ مگر ابھی تک مجھے قرضہ ادا نہیں کیا آج میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا حضرت دکان کے پاس رک گئے اور دکاندار بقال کو کہا۔ کہ چند روز صبر کرو۔ یہ قرضہ ادا کر دے گا۔ اس نے کہا میں تو اسے نہیں چھوڑوں گا اگر آپ کو اپنے شاگرد پر اتنا ترس آتا ہے۔ تو اپنی جیب سے ادا کر دیں۔ یہ سنتے ہی آپ جلال میں آگئے۔ اپنے کندھے سے چادر اتار کر غصے کے عالم میں زمین پر پھینک دی دیکھتے دیکھتے چادر کا دامن

اشرفیوں سے بھر گیا بقال کو فرمایا۔ اپنا قرضہ اٹھالو۔ اگر اپنے حق سے زیادہ اٹھاؤگے تو سزا پاؤ گے
بقال نے اپنا حق اٹھایا۔ مگر لالچ کی وجہ سے مزید ہاتھ بڑھایا۔ اور مزید اشرفیاں اٹھانا چاہیں۔
اس کا ہاتھ وہاں ہی خشک ہو کر رہ گیا۔

ایک شخص نے حضرت اصمّ کو دعوت طعام دی۔ آپ نے فرمایا میری تین شرطیں ہیں جہاں
چاہوں گا بیٹھوں گا۔ جو چاہوں گا کھاؤں گا۔ جو چاہوں گا کہوں گا۔ آپ دعوت پر پہنچے۔ تو آپ
جوتوں کی جگہ بیٹھ گئے۔ صاحب خانہ نے عرض کی حضرت یہ بیٹھنے کی جگہ نہیں۔ آپ صدر نشین ہیں
آپ نے فرمایا میری شرط تو یہی تھی۔ کھانا لگایا گیا۔ تو آپ نے جَو کی روٹی نکالی اور کھانا شروع کر
دی۔ صاحب دعوت نے گذارش کی حضور میں نے آپ کے لئے یہ چیزیں تیار کروائی ہیں۔ آپ
نے فرمایا۔ نہیں یہ میری شرط تھی۔ فرمایا میری شرط تھی۔ کہ جو چیز مجھے اچھی لگے گی کھاؤں گا۔ پھر
آپ نے حکم دیا۔ لوہے کا ایک ٹکڑا جب خوب گرم ہو جائے۔ تو مجلس میں لے آنا۔ وہ سُرخ لوہا
تیار کر کے لے آیا۔ آپ نے اس لوہے کو زمین پر رکھا۔ اور اپنا پاؤں اوپر رکھتے ہوئے کہا۔
یہ نان جوین کھانے کا حساب ہے۔ قیامت کے دن ہر دانے پر اللہ تعالیٰ حساب لے گا۔ وہ اس
سے بھی زیادہ سخت ہو گا۔ اب تم لوگ ایک ایک کر کے اس لوہے پر پاؤں رکھتے جاؤ تاکہ تمہیں
اس کھانے کا حساب یہاں ہی ادا کرنے کا موقع مل جائے۔ سب نے کہا۔ ہمیں تو ہمت نہیں۔ آپ
نے فرمایا۔ پھر تم قیامت کے دن کس طرح حساب سے فارغ ہو گے۔ آپ کی یہ بات سنتے ہی اہل
دل دھاڑیں مارنے لگے۔ اور مجلس طعام ماتم کدہ بن گئی۔

ایک عورت حاتم اصمّ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ایک مسئلہ دریافت کیا۔ مگر اسی دوران اُس
کی ہوا سرک گئی۔ وہ بڑی شرمندہ ہوئی۔ آپ نے زور سے فرمایا کہ بلند آواز سے بات کرو (میں صمّ
داونچا سنتا ہوں) ہوں۔ آپ کی مراد یہ تھی۔ کہ اس عورت کی شرم ساری جاتی رہے۔ اس عورت نے
بلند آواز سے اپنا مسئلہ دریافت کیا۔ جب تک وہ عورت زندہ رہی آپ نے اپنے آپ کو اصمّ مشہور
رکھا۔ تاکہ اسے احساس ندامت نہ ہو۔

ایک دن آپ سفر میں تھے۔ آپ کے ایک ہمراہی نے گذارش کی۔ حضرت مجھے نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا۔ اگر تمہیں دوست کی ضرورت ہو۔ تو اللہ ہی کافی ہے۔ اگر ہمراہی کی ضرورت ہو۔ تو کراماً کاتبین اچھے ساتھی ہیں۔ اگر مونس جان کی ضرورت ہو تو تلاوت قرآن سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کام کرنا چاہو۔ تو عبادت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی کام نہیں اگر وعظ چاہو تو موت ہی کافی ہے۔ لیکن جو باتیں میں نے کہی ہیں۔ اگر تمہیں پسند نہیں تو تمہارے لئے دوزخ ہی کفایت کر سکتی ہے۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۳۷ھ میں وفات پائی۔

شد چو از دنیائے دُوں سوئے جناں - سال وے محبوب مسعود آمدہ
حضرتِ حاتم اصم والا ہمم - ہم عیاں گر دد ز مقبول جہاں

ابو حامد حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ

حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ:۔ علیہ بلخ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ خراسان کے معتبر مشائخ اور کاملانِ طریقت میں سے تھے۔ آپ سلطان ولایت اور صاحبِ تصانیف بزرگوں میں سے تھے۔ آپ کے مریدوں میں ہزار ایسے ہوئے ہیں جو کمالِ ولایت پر پہنچے۔ اور حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اوّل تھے۔ ابو تراب، سلطان ابراہیم ادھم، شیخ بایزید بسطامی اور ابو حفص رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی مجالس میں بیٹھا کرتے۔ آپ عام طور پر سپاہیانہ لباس زیب تن فرمایا کرتے۔ آپ کی اہلیہ حضرت بی بی فاطمہ آیات الٰہیہ میں سے ایک نشانی تھیں آپ کے والد مکرم امرائے بلخ میں سے معروف تھے۔ جب فاطمہ بالغ ہوئیں۔ تو انہوں نے شیخ احمد کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کے والد سے رشتہ طلب کریں۔ لیکن احمد نے یہ بات قبول نہ کی۔ پھر دوسری بار پیغام بھیجا۔ کہ میں آپ کو اپنا رہبر تصور کرتی ہوں۔ لہذا یہ کام کرنا نہایت ضروری ہے۔ حضرت احمد نے مجبوراً کسی کو بھیجا۔ اور ان کے والد سے رشتہ طلب کیا۔ جس نے بخوشی قبول کر لیا۔ اس طرح اپنی بیٹی کو حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کے نکاح میں دے دیا۔ فاطمہ نے

نکاح کے بعد دنیا کی مصروفیات کو ترک کرتے ہوئے صرف احمد سے عزلت گزینی اختیار کر لی۔
ایک بار حضرت احمد خضرویہ حضرت بایزید بسطامی کی زیارت کو گئے۔ فاطمہ بھی آپ کے ساتھ گئیں۔ جب بایزید کی مجلس میں پہنچیں۔ اپنے منہ سے نقاب اٹھا لیا۔ اور حضرت بایزید سے بے تکلفانہ گفتگو کرنے لگی۔ احمد کو یہ بات ناگوار گزری اور کہا فاطمہ بزرگوں سے یوں بے تکلّفانہ گفتگو گستاخی خیال کی جاتی ہے۔ فاطمہ نے کہا تم میری طبیعت کے محرم ہو۔ وہ میری طریقت کے محرم ہیں۔ تمہیں تو اپنی محبت سے ملتی ہوں اور انہیں اللہ کی محبت میں ملتی ہوں۔ وہ میری محبت سے بے نیاز ہیں اور تم میری محبت کے مشتاق رہتے ہو۔ فاطمہ ہمیشہ حضرت بایزید سے گستاخی سے پیش آیا کرتیں۔ ایک دن بایزید کی نگاہ فاطمہ کے ہاتھ پر پڑی تو ان پر مہندی لگی ہوئی تھی۔ حضرت بایزید نے پوچھا۔ یہ مہندی تم نے کیوں لگائی ہوئی ہے۔ فاطمہ نے کہا۔ بایزید! جب تک تم نے میرے ہاتھ کی مہندی نہیں دیکھی تھی۔ مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوتی تھی۔ اب تمہاری نگاہ میرے ہاتھ کی مہندی پر پڑی ہے اب میرا ملنا حرام ہے۔

ایک رات آپ کے گھر میں ایک چور گھس آیا۔ سارا گھر چھان مارا۔ کچھ نہ ملا۔ آپ اس وقت جاگ رہے تھے۔ آواز دی۔ بھائی! یہ ڈول اٹھا کر کنویں سے پانی لاؤ۔ اور وضو کر کے نماز پڑھو۔ صبح خالی ہاتھ نہیں جاؤ گے۔ میں تمہیں کچھ دوں گا۔ چور نے سوچا۔ چلو آج یونہی کما کر دیکھ لیں حسب الحکم ایسا ہی کیا۔ حضرت سو دینار کی تھیلی لائے اور چور کے سامنے رکھی۔ اور فرمایا۔ تمہاری آج کی رات کی عبادت کی یہ مزدوری ہے۔ یہ سن کر چور کے دل میں رقت طاری ہو گئی۔ کہنے لگا۔ اب میں کچھ نہیں لوں گا۔ مجھے صرف اللہ کا راستہ دکھائیں۔ کیونکہ میں ابدی دولت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ شیخ نے اسے مرید بنا لیا۔ اور وقت کے اولیاء کی صف میں لا کھڑا کیا۔

سفر کے دوران حضرت احمد خضرویہ ایک بہت بڑی خانقاہ میں پہنچے۔ چونکہ آپ سپاہیانہ لباس پہنتے تھے۔ کسی نے آپ کو نہ پہچانا۔ چند دن وہاں قیام فرمایا۔ صوفیوں نے اپنے پیر سے احتجاج کیا۔ کہ اس سپاہی کو اب یہاں سے چلتا کرنا چاہئے۔ یہ نہ صوفی ہے نہ درویش۔ اور خانقاہیں

ایسے لوگوں کے لئے نہیں ہوتیں۔ پیر ازراہِ مروت آپ کو کچھ نہ کہتے۔ اتفاقاً حضرت احمد ایک دن کنوئیں سے پانی نکال رہے تھے۔ ڈول کنوئیں میں جاگرا۔ درویشوں اور صوفیوں نے آپ کو لعن طعن کیا۔ آپ خانقاہ کے پیر کے پاس گئے۔ اور فرمانے لگے آپ سورۃ فاتحہ پڑھیں تاکہ کنوئیں سے ڈول نکل آئے۔ شیخ سوچنے لگے، کہ فاتحہ سے ڈول نکل سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر آپ متوقف اور متردد ہیں تو میں پڑھتا ہوں، پیر نے اجازت دی۔ جب آپ نے اجازت پائی۔ ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ کنوئیں کے پانی میں جوش آیا۔ وہ کنوئیں کے کناروں تک آپہنچا۔ ڈول اٹھا لیا گیا۔ پیر نے اپنی ٹوپی اتار کر آپ کے قدموں میں رکھ دی اور پوچھا۔ سچ بتاؤ تم کون ہو۔ کہ میرا سارا کمال تمہارے فرض کمال کے سامنے ایک دانے کی حقیقت رکھتا ہے۔ حضرت شیخ احمد نے فرمایا۔ اپنے مریدوں کو فرمادیجئے کہ مسافروں کو بچشم حقارت نہ دیکھا کریں۔ وہاں سے روانہ ہو کر اپنی منزل کی طرف بڑھے۔

خاکساراں جہاں را بحقارت منگر - توچہ دانی کہ درین گرد سوارے باشد

ایک دن حضرت خواجہ احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک درویش بطور مہمان آیا۔ آپ نے ستر شمعیں روشن کیں درویش نے کہا۔ حضرت مجھے یہ تکلفات اور اصراف پسند نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ان تمام شمعوں کو میں نے اللہ کے لئے روشن کیا ہے۔ کسی ایک کو گل کرو۔ درویش ساری رات پانی اور ریت لے کر کوشش کرتا رہا۔ کہ ایک شمع کو بجھا سکے۔ مگر ایک کے گل کرنے میں بھی کامیاب نہ ہوئے۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد - چراغِ مقبلاں ہرگز نہ میرد

شیخ کی وفات کے دن قریب آئے۔ تو آپ کے پاس ستر ہزار درہم موجود تھے۔ آپ نے غربا و مساکین کو بلایا اور سب کے سب بانٹ دیئے۔ حالت نزع میں آپ کے قرض خواہ جمع ہوئے۔ اور اپنے قرضہ کا مطالبہ کرنے لگے۔ شیخ احمد نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا۔ اے اللہ مجھے ان قرض خواہوں سے نجات دے۔ میری جان انہوں نے گروی

کر لی ہے۔ یہ بات کہہ ہی رہے تھے۔ کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اور اس نے آواز دی کہ حضرت کے تمام قرض خواہ آ جائیں۔ یہ لوگ باہر آئے اس شخص نے ہر ایک کو قرض ادا کرنا شروع کر دیا۔ جب تمام قرض خواہوں کا حساب بے باق ہو گیا۔ تو اندر حضرت خواجہ احمد نے جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

آپ دو صد چالیس ۲۴۰ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

شیخ احمد شہ خراسانی ۔ ذات پاکش سعید و اسعد بود
سالِ ترحیل وے ندا آمد ۔ اے بگو قطب دین احمد بُود

قطب کامل ۲۴۰ ۔ واقف احمد ۲۴۰ ۔ زاہد حق بیں ۲۴۰ سے بھی سن تاریخ ۲۴۰ برآمد ہوتا ہے۔

شیخ حارث بن اسد محاسبی قدس سرہٗ :- آپ ہرات کے متقدمین مشائخ میں سے تھے۔ مستجاب الدعوات تھے۔ آپ

صاحبِ تصانیف بزرگ ہوئے ہیں۔ مختلف علوم میں ماہر تھے۔ فراست اور صداقت میں یگانہ روزگار تھے۔ اور تجرید و تفرید میں یکتائے زمانہ تھے۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ نے اپنے والد مکرم سے تیس ہزار دینار میراث حاصل کی تھی آپ نے حکم دیا۔ کہ یہ سارا اثاثہ بیت المال میں جمع کرا دیا جائے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اَلْقَدَرِیَّہ مَجُوسُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ (قدریہ فرقہ والے اس امت کے مجوسی ہیں) میرے والد فرقہ قدریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مجھے اس مال کی ضرورت نہیں۔ مجھے ایسا ورثہ لینا جائز نہیں۔ چنانچہ سارے ورثے سے دست بردار ہو کر بیت المال میں جمع کرا دیا۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں آپ پر اس قدر تھیں۔ کہ آپ مشکوک طعام کی طرف ہاتھ بڑھاتے تو آپ کی انگلیوں کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ اور انگلیوں میں طاقت نہ رہتی کہ ایسے مشکوک لقمہ کو اٹھاتے اس طرح اللہ تعالیٰ خود ہی آپ کی حفاظت فرماتا۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں۔ ایک دن آپ میرے پاس آئے۔ چہرے پر بھوک کے آثار تھے۔ میں نے کہا۔ حارث اگر اجازت ہو تو گھر سے

کچھ کھانے کے لئے لاؤں۔ آپ نے فرمایا۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ میں گھر گیا۔ رات ایک شادی کی تقریب سے ہمارے گھر کھانا آیا تھا۔ میں اٹھالایا۔ سامنے رکھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ آپ کا ہاتھ اس کھانے تک پہنچنے میں رک رہا ہے۔ مگر آپ نے میری خاطر زور لگاکر ایک لقمہ اٹھایا اور منہ میں ڈالا میں نے دیکھا کہ وہ لقمہ بھی آپ کے حلق میں پھنس گیا۔ آخر کار باہر نکل کر پھینک دیا۔ آپ نے پوچھا کہ جنید یہ کھانا کہاں سے لائے ہو۔ میں نے بتایا۔ کہ ہمسایوں کے شادی تھی۔ وہاں سے آیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مشتبہ کھانا میرے حلق سے نہیں اترتا۔ درویشوں کے سامنے ایسی تقریبات کا کھانا نہیں لانا چاہیئے مجھے اپنے گھر لے گئے۔ اور ایک خشک روٹی کا ٹکڑا پیش کیا۔ خود بھی کھانے لگے۔ فرمایا۔ یہ خشک ہے مگر حلال ہے۔ درویشوں کو ایسا کھانا کھانا چاہیئے۔

کہتے ہیں کہ حارث محاسبی ہر کام میں محاسبہ کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کا نام محاسبی رکھا گیا تھا۔

آپ کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی۔

محاسب پیر محاسب شاہ ذی جاہ ۔ کہ از دل باخدا می داشت توحیل
چو رفت از دار دنیا سوئے جنت ۔ شدہ قطب مکمل سالِ ترحیل ۲۴۱

زبدۂ دین محاسبی ابدال ۲۴۱

حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ :۔

آپ کی کنیت ابو عبداللہ۔ اور ابوالفیض تھی۔ آپ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ علماء شریعت۔ ملوک طریقت۔ سالک راہ ہدایت اور محرم اسرار توحید میں سے تھے۔ ریاضت اور کرامت میں بے مثال تھے۔ عام لوگوں سے علیحدہ رہتے۔ اپنے آپ کا اظہار نہ فرمایا کرتے آپ کو معلوم ہوا۔ کہ فلاں جگہ ایک زاہد و عابد شخص رہتا ہے۔ جو بڑا بزرگ اور صاحب کرامت ہے زیارت کے لئے گئے۔ دیکھا کہ وہ ایک درخت سے لٹکا ہوا ہے کہنے لگا۔ یا تو میری طرح اللہ کی عبادت میں ریاضت میں ساتھ دو۔ یا یہاں سے چلے جاؤ۔ اور بھوک کے مُرد۔ یہ بات سنتے ہی

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے۔ عابد نے رونے کی آواز سنی۔ تو فرمایا اس شخص پر کون رحم کرتا ہے۔ جس کے جرم زیادہ ہوں اور شرم کم ہو۔ حضرت ذوالنون اس بزرگ کے نزدیک گئے۔ اور سلام کر کے پوچھا۔ یہ کیا حالت ہے۔ زاہد نے کہا میرا بدن میری روح سے متفق نہیں ہوتا۔ اسے قرار نہیں ہے۔ لوگوں سے میل ملاپ کی خواہش کرتا ہے۔ اور تنہائی سے خوف کھاتا ہے۔ ذوالنون مصری نے خیال کیا۔ کہ اس شخص نے یا تو کسی بے گناہ کو قتل کیا ہے یا کوئی بہت بڑا جرم کیا ہے۔ جس سے اس کا ضمیر مجروح ہے۔ زاہد نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ جب تم مخلوق خدا سے ملو گے۔ کئی جرائم لاحق ہوں گے۔ حضرت ذوالنون نے کہا۔ تم بہت بڑے زاہد ہو۔ زاہد نے کہا۔ اگر مجھ سے بڑا زاہد دیکھنے کے خواہش مند ہو تو اس پہاڑ کی غار میں جاؤ۔ وہاں تمہیں مجھ سے بھی بڑا ملے گا۔ آپ وہاں پہنچے۔ دیکھا۔ کہ ایک خوبصورت نوجوان اپنے ایک پاؤں پر کھڑا اللہ کی عبادت میں غرق ہے۔ اُس کا دوسرا پاؤں کٹا ہوا اس غار کے باہر پڑا ہوا ہے۔ آپ نے سلام کیا۔ اور نوجوان سے پوچھا کہ یہ کیا حالت ہے؟ اس نے بتایا۔ ایک دن میں اسی غار میں عبادت خداوندی میں مشغول تھا۔ کہ ایک جمیلہ و شکیلہ عورت دروازے پر آئی۔ میرا دل اس کی طرف مائل ہوا۔ میں نے غار سے ایک قدم باہر رکھا ہی تھا۔ کہ آواز آئی۔ تمہیں شرم نہیں آئی۔ کہ تیس سال میرے حضور سجدہ ریز پڑے رہے ہو اور آج اس کے پیچھے پڑے ہو۔ مجھے خیال آیا اور اپنا وہ پاؤں کاٹ کر باہر پھینک دیا۔ اب میں حیران ہوں کہ کیا کروں مجھے اللہ کس طرح اپنائے گا اور میرے ساتھ کیا ہو گا۔ آپ مجھ جیسے گناہگار کے پاس آئے ہیں یہاں سے کیا لو گے۔ ہاں اگر کسی مرد کامل کو دیکھنا چاہتے ہو۔ تو اس پہاڑ کی چوٹی پر چلے جاؤ وہاں ایک مرد حق ملیں گے۔ ان کی زیارت کرو۔ حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا۔ یہ پہاڑ اس قدر بلند ہے۔ میں وہاں نہیں جا سکوں گا۔ میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا۔ کہ ایک شخص اس سے مناظرہ کرنے آیا۔ اور کہنے لگا کہ روزی تو کسب کے نتیجہ میں ملتی ہے۔ اس دن سے اس بزرگ نے نذر مان لی۔ کہ وہ کچھ نہ کھائے گا۔ کیونکہ

کسب تو مخلوق کی ذمہ داری ہے اور مخلوق کی دی ہوئی روزی مجھے منظور نہیں کچھ عرصہ گزرا۔
تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کو حکم دیا کہ وہ جائیں۔ میرے اس بندے کے ارد گرد
اڑتے ہوئے شہد بہم پہنچائیں۔ حضرت ذوالنون مصری نے سنا تو اسی دن سے تمام علائق دنیا
کو ترک کر کے ریاضت میں لگ گئے۔ حضرت جامی رحمۃ اللہ نے اس واقعہ کو نفحات الانس میں ایک
اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ایک دن حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کشتی میں سوار تھے۔ اتفاقاً ایک سوداگر کا ایک
قیمتی موتی کشتی میں ہی گم ہو گیا۔ اس نے تمام سوار لوگوں کو چوری کا ذمہ دار قرار دیا۔ آخر کار سب
لوگوں نے متفقہ طور حضرت ذوالنون مصری کو ہی اس چوری کا مرتکب قرار دیا۔ حضرت ذوالنون
اس الزام تراشی کے جواب میں خاموش رہے۔ جب لوگوں کا اصرار اور شدت حد سے گزر گئی۔
تو آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر ہونٹوں سے کچھ پڑھا۔ لوگوں نے دیکھا۔ کہ ہزاروں مچھلیاں
اپنے منہ میں ایک ایک موتی پکڑے پانی کی سطح پر ابھر آئیں۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر ایک موتی پکڑا
اور اس سوداگر کو دے دیا کشتی والوں نے یہ سارا ماجرا دیکھا تو بے حد نادم ہوئے۔ آپ
کے قدم بوس ہوئے اور اپنے الزامات پر معذرت چاہی۔ حضرت اٹھے۔ اور سمندر کے پانی پر قدم
رکھا، اور لوگوں کے سامنے سے پانی پر سے گزر کر یوں چلے گئے جیسے کسی صاف میدان میں سے
جاتا ہے۔ اس دن سے لوگوں نے آپ کا نام ذوالنون رکھ دیا۔ حقیقت میں آپ کا نام ثوبان بن
ابراہیم تھا۔ آپ حضرت مالک کے شاگرد اور شیخ اسرافیل کے مرید تھے۔

حضرت ذوالنون مصری کی ایک بہن تھی، ہر وقت آپ کی خدمت میں رہتی۔ ایک دن اللہ کے
حضور یہ آیت پڑھی وَاَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ
وَالسَّلْوٰی :۔ (ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور پھر مَنّ وسلویٰ نازل فرمایا) اور کہنے لگی۔ اے
اللہ تو نے اسرائیلیوں کو مَنّ وسلویٰ عنایت فرمایا۔ اور امت محمدیہ کو یہ نعمت نہیں دی۔ آج جب تک
مجھے من وسلویٰ عنایت نہیں کیا جائے گا میں چین سے نہیں بیٹھوں گی۔ اسی وقت آسمان سے

مَن وسلوٰی برسنا شروع ہوا۔ بی بی نے جتنا چاہا۔ اکٹھا کیا۔

ایک بار ایک شخص حضرت ذوالنون مصری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا مجھے سو ہزار دینار ورثہ ملا ہے۔ میں حاضر ہوا ہوں۔ کہ آپ کا مرید بنوں اور یہ ورثہ آپ کے حوالے کردوں۔ آپ نے اس کو مرید بنا لیا۔ اور سارا روپیہ غریبوں میں بانٹ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کے درویشوں کو تنگدستی نے آلیا۔ اور کھانے کو کچھ نہ رہا۔ تو وہ شخص آہ بھر کہ کہنے لگا۔ کاش میرے پاس آج مزید ایک سو ہزار دینار ہوتے تو میں پھر درویشوں کو دے دیتا۔ حضرتِ ذوالنون نے سنا۔ تو خیال کیا۔ ابھی تک اس شخص کے ہاں سو ہزار دینار کی یاد باقی ہے۔ حقیقت حال کو نہیں پہنچا۔ آپ نے اسے بلایا! اور فرمایا فلاں عطار کے پاس جاؤ۔ اور دو درہم دے کر فلاں دوائی لے آؤ۔ وہ گیا اور دوائی لے آیا آپ نے حکم دیا کہ اسے ہاون میں کوٹ دو۔ اور تیل میں بھگو دو۔ اور اس کی تین گولیاں بنا ڈالو۔ اور ان گولیوں میں سوئی سے سوراخ کردو۔ اور میرے پاس لے آؤ۔ اس مرید نے ایسا ہی کیا۔ حضرت شیخ کی خدمت میں لایا۔ آپ نے تین گولیوں کو ہاتھ میں لے کر ملا۔ دیکھتے دیکھتے وہ تین سُرخ یاقوت بن گئے کسی شخص نے ایسے قیمتی یاقوت نہیں دیکھے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اب انہیں بازار لے جاؤ اور قیمت دریافت کرو۔ لیکن فروخت نہ کرنا۔ صرافوں نے جب یہ موتی دیکھے تو ایک موتی کی قیمت ایک ایک لاکھ دینار دینے کا اعلان کیا۔ وہ ان تینوں کو واپس لے آیا۔ اور حضرت ذوالنون مصری کے سامنے واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا۔ انہیں ہاون میں رکھ کر بار یک کردو۔ اور سمندر میں پھینک آؤ۔ اور بات سمجھ لو۔ کہ میرے درویش دنیاوی چیزوں کے نہ ملنے کی وجہ سے تنگدست اور بھوکے نہیں بلکہ بھوک اور تنگدستی تو ان کے عروج کی علامت ہے۔ یہ ورثہ نبوی ہے۔ عطائے الٰہی ہے اس شخص نے آپ کی باتیں سنیں تو دنیاوی خواہشات کے تصور سے بھی توبہ کرلی۔

حضرت شیخ ابوجعفر اعور رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ذوالنون کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ دوسرے احباب بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ بات جمادات

کی طاعت گزاری کے موضوع پر شروع ہوئی حضرت ذوالنون نے مجلس میں پڑی ہوئی لکڑی کی تختی کی طرف نگاہ ڈالی۔ اور فرمایا۔ ان جمادات کی طاعت گزاری اور فرمانبرداری کا یہ عالم ہے کہ اگر میں اس تختی کو کہوں کہ اپنی جگہ سے اٹھ اور اس مجلس کے گرداگرد چکر لگاتی رہ تو تعمیل فرمان میں ذرہ بھر تاخیر نہیں کرے گی۔ ابھی آپ بات کر ہی رہے تھے۔ کہ وہ تختی حرکت میں آئی اور آپ کی خانقاہ کے گرداگرد چکر لگانے لگی۔ اور پھر اپنی جگہ آکر رک گئی۔ مجلس میں ایک نوجوان نے دیکھا۔ اور رویا اور جان دے دی۔ لوگوں نے تجہیز و تکفین کے بعد اس تختی کو بھی اس نوجوان کے ساتھ دفنا دیا۔

ایک دن حضرت ذوالنون کی خدمت میں ایک فقیر و درویش حاضر ہوا اور کچھ مانگا۔ آپ نے زمین سے ایک پتھر اٹھایا۔ اور اسے دے دیا۔ وہ سفید زمرد تھا۔ فقیر نے اُسے چار صد درہم میں فروخت کیا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ مقامات بلند پر فائز ہوئے تو لوگ آپ سے آنکھ نہیں ملا سکتے تھے۔ آپ کی کرامات اور کمالات کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی۔ عقل و فکر میں وہ باتیں نہیں آتی تھیں جو آپ کی ذات سے رونما ہونے لگیں۔ علماء ظاہر نے آپ کو متہم کرنا شروع کر دیا۔ آپ کو زندیق کے نام سے مشہور کیا۔ خلیفہ عباسی متوکل کو آپ کے خلاف برگشتہ کیا گیا۔ خلیفہ نے حکم دیا۔ کہ اسے جیل میں بھیج دیا جائے آپ چالیس دن تک جیل میں رہے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ نے سنا۔ تو ہر روز روٹی پکا کر جیل میں بھیج دیتی۔ جس دن آپ کی رہائی ہوئی وہ چالیس روٹیاں اسی طرح پڑی ہوئی تھیں۔ یہ واقعہ دیکھ کر اس نیک بی بی کو بڑا گراں گزرا۔ اور کہنے لگیں۔ تمہیں معلوم تھا۔ کہ یہ روٹیاں میں نے حلال رزق سے پکائی تھیں۔ مگر تم نے نہیں کھائیں۔ آپ نے فرمایا۔ دراصل جس طشتری میں رکھ کر بھیجی جاتی تھیں۔ اس کی پشت پاک نہیں تھی۔ پھر قیدیوں کے ہاتھوں مجھ تک پہنچتی تھی۔ آپ قید خانے سے باہر نکلے تو دروازے کے سامنے زمین پر گر گئے آپ کا ماتھا

زخمی ہوگیا۔خون بہنے لگا۔ مگر خون زمین پر پڑتا تو جذب ہو جاتا۔آپ کو خلیفہ کے دربار میں لے گئے اور تمام صورت حال کو پیش کیا۔خلیفہ اور آپ کے امرا یہ صورتحال دیکھ کر نادم بھی ہوئے اور معذرت طلب کرنے لگے خلیفہ آپ کا معتقد ہو گیا۔اور آئندہ کے لئے آپکی عزت وحرمت کو برقرار رکھنے کا حکم دیا۔

جس دن حضرت ذوالنون مصری کا انتقال ہوا تو ستر اولیاء اللہ نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا حضور فرما رہے ہیں کہ آج اللہ کا ایک دوست ہمارے پاس آرہا ہے۔ہم اس کا استقبال کریں گے ۔رحلت ہوئی۔تو آپ کی پیشانی پر سبز روشنائی سے لکھا تھا۔
هَـذَا قَتِيلُ اللهِ مَاتَ فِي سَيفُ اللّٰہؕ وَهَـذَا حَبِيبُ اللّٰہ مَاتَ فِي حُبِ اللّٰہ (یہ اللہ کا قتیل ہے اور اللہ کی تلوار محبت سے شہید ہوا ہے۔یہ اللہ کا محبوب ہے اور اللہ کی محبت میں فوت ہوا ہے) آپ کا جنازہ اٹھا۔سورج گرم تھا۔اللہ تعالیٰ نے لاکھوں پرندوں کو بھیجا۔آپ کے جنازے پر پر پھیلائے اڑنے لگے۔آپ کے جنازے پر سایہ ہوگیا۔یہ پرندے ایسی شکل وصورت کے تھے۔کہ آج تک کسی نے ایسے پرندے نہیں دیکھے تھے۔اس کرامت کو دیکھ کر آپ کے منکر بھی تائب ہوئے اور آپ کے کمالات کے قائل ہو گئے۔

سفینۃ الاولیاء میں آپ کی وفات ۲۴۵ھ اور مزار مبارک مصر میں ہے نفحات الانس کے مصنف نے ۲۴۰ھ لکھا ہے۔مگر صاحب مخبر الواصلین نے ۲۴۴ھ لکھا ہے۔
دفنانے کے بعد ہزاروں لوگوں نے آپ کے لوح مزار پر یہ حروف لکھے دیکھے۔

ذُوالنُّونُ حبیب اللّٰہ فِي العَشِقِ قَتِيل اللّٰہ!

(ذوالنون اللہ کے محبوب ہیں۔اسی کے عشق میں قتل ہوئے ہیں)
اگرچہ بعض منکران کرامات اولیاء اس تحریر کو مٹا دیتے تھے۔مگر یہ تحریر پھر نمایاں ہو جایا کرتی تھی۔

شیخ ذوالنون شاہ عالی جاہ ۔ بُرد چوں زین جہاں بجنت راہ
سالک صالح و عفیف بخواں ۔ سال ترحیل آں خدائے آگاہ
۲۴۰

ہادی حق ولی اللہ ۔ مرد ۔ ہادی قطب واقطاب ۔ مہر پرتو فگند چوں قمر
۲۴۰ھ ۲۴۴ھ ۲۴۴ھ ۲۴۵ھ

قبلۂ حق ۔ گوہرِ بے بہا سے بھی تواریخ وفات نکلتی ہیں۔
۲۴۵ ۲۴۵

حضرت شیخ ابوتراب بخشی قدس سرہٗ :-

آپ کا اسم گرامی عسکر ابن الحصین تھا۔ بعض کتابوں میں عسکر بن محمد بن حصین لکھا ہے خراسان کے کامل مشائخ خراسان میں سے تھے۔ زہد و مجاہدہ اور تقویٰ میں راسخ القدم تھے۔ آپ نے پورے تیس سال ریاضت و مجاہدہ میں گزارے۔ حضرت شیخ حاتم عطار بصری اور حاتم اصم کی صحبت میں رہے۔ فرمایا کرتے۔ ایک بار میں ایک وادی سے گزر رہا تھا میرے دل میں گرم روٹی۔ بیضہ مرغ۔ کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ میں راستہ بھول گیا۔ ایک ایسے قبیلہ میں جا پہنچا۔ جس کے بہت سے لوگ لاٹھیاں ہاتھ میں پکڑے کھڑے تھے مجھے دیکھتے ہی چلا اٹھے۔ وہ پکڑا گیا۔ مجھے گھیر لیا۔ اور کہنے لگے۔ تم نے ہمارا سامان چرایا ہے۔ تم چور ہو اور مجھے مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ اسی ہنگامے میں مجھے قبیلے کے ایک بوڑھے نے دیکھا اور مجھے پہچان لیا۔ اور چلایا۔ کہ بے وقوفو! یہ تو ہمارے شیخ طریقت ہیں۔ تم کیا کر رہے ہو۔ بے ادبو! تم صدیقان طریقت کے سردار سے بھی یوں سلوک کر رہے ہو۔ وہ لوگ بہت شرمندہ ہوئے معافی کے طلب گار ہوئے میں نے کہا۔ ہمیں معافی کی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ آج کے واقعہ سے خوشتر میں نے زندگی کا کوئی واقعہ نہیں دیکھا۔ میں ایک عرصہ سے اپنے آپ (اپنے نفس) کو آزمانا چاہتا تھا۔ کہ ذاتی طور پر میری لوگوں میں کیا حقیقت ہے۔ میں نے معلوم کر لیا ہے۔

جس شخص نے مجھے پہچانا تھا۔ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ میرے سامنے دسترخوان چن دیا گیا۔ جس پر گرم روٹیاں۔ انڈے اور بھنے ہوئے مرغ لگا دیئے گئے۔ میں نے ہاتھ بڑھایا تاکہ کچھ کھاؤں آواز آئی! ابوتراب کھاؤ۔ انہی چیزوں کے لئے تم نے دو سو تھپڑ کھائے اور

اتنی ذلت قبول کی آئندہ بھی اپنے نفس کی ہر خواہش پر اتنی سزا پا لیا کرو۔

ایک دفعہ حضرت شیخ ابو تراب اپنے مریدوں کے ساتھ ایک وادی سے گزر رہے تھے وادی ایک لق ودق صحرا تھا۔ دُور دُور تک پانی اور سایہ دار درخت کا نام ونشان نہ تھا تمام احباب تشنگی سے بے جان ہو رہے تھے۔ انہوں نے پانی مانگا۔ تو حضرت نے اپنا عصا زمین پر مارا اور ایک لکیر کھینچی۔ یہ لکیر پانی کا ایک چشمہ بن گئی۔ سب نے پانی پیا۔ وضو کیا۔ اور نماز ادا کی۔ حضرت شیخ ابو لعباس بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت شیخ ابو تراب کے ساتھ ایک صحرا میں ہم سفر تھا۔ ایک ساتھی نے پانی طلب کیا۔ آپ نے زمین پر پاؤں مارا۔ اس سے چشمۂ آب جاری ہوگیا۔ اس شخص نے فرمایا میں تو پیالے میں پانی پینا چاہتا ہوں۔ شیخ نے ایک ہاتھ زمین پر مارا ایک خوبصورت چینی پیالہ پکڑ کر اس کے حوالے کر دیا۔ نہ صرف اس پیالے سے پانی پیتے رہے بلکہ دوران سفر مکہ تک اپنے سامان میں ساتھ رکھا۔

شیخ ابو تراب ۷ جمادی الاول ۲۴۵ھ وادی بصرہ میں واصل بحق ہوئے۔ اس وقت آپ یکہ وتنہا ہی سفر کر رہے تھے چند سالوں بعد تاجروں کا ایک قافلہ وہاں سے گزرا۔ لوگوں نے دیکھا۔ آپ روبقبلہ ایسے ہی نظر آرہے ہیں۔ جیسے زندہ ہوں۔ اگرچہ آپ کا بدن خشک ہو چکا تھا۔ مگر اتنے عرصہ میں نہ تو کسی درندے نے جرات کی اور نہ موسمی تغیرات نے اثر کیا۔

بوتراب آنکہ بود دُر عالم - شیخ یکتا ولی حق کامل
رحلتش صاحب سعید بگہ - ہم بعز ما ولی حق کامل
۲۴۵ ۲۴۵

شیخ ابراہیم بن علیسٰی رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ اصفہان سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض صحبت حاصل کرتے متقدمین اور احباب کشف وکرامت میں ممتاز ہوتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے ولی اللہ کی علامت یہ ہے کہ جو کوئی اس کے پاس دنیا کی کوئی چیز لے آئے اور یہ لے لے تو سمجھو کہ ابھی ولایت نہیں اگر رد کر دے تو یہی اس کی ولائیت کی علامت ہے۔

آپ دوسواڑتالیس ۲۴۸ھ میں واصل بحق ہوئے سفینۃ الاولیاء کے مصنف نے آپ کی وفات ۲۴۷ھ لکھی ہے۔

شیخ ابراہیم شاہ اصفہانی ۔ ان خلیل حق حبیب با صفا
طالب محبوب حق سالش بداں ۔ ہم بخواں محبوب قطب اولیا
۲۴۸ھ
سلطان زمن ۲۴۸ھ قبول داراشکوہ تاریخ وفات ولی پاک مقبول امجد حق نما
۲۴۷ھ ۲۴۷ھ ۲۴۸ھ

شیخ زکریا ابن یحییٰ ہروی رحمۃ اللہ علیہ :-

آپ مشائخ کبار میں سے تھے۔ مستجاب الدعوات تھے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ زکریا ابن یحییٰ ابدال وقت میں سے تھے۔ آپ کی وفات ہرات میں ماہ رجب ۲۵۵ھ میں ہوئی۔

شیخ زکریا شہ ہر دوسرا ۔ یافت از حق در حریم خُلد جا
عابد و مقبول سال وصل او ۔ ہم بفرما زاہد دین با صفا
۲۵۵ ۲۵۵

شیخ ابوبکر سنجری رحمۃ اللہ علیہ :-

آپ خراسان کے بزرگوں میں سے تھے۔ حضرت شیخ ابوحفص سے مجلس رہتی بڑے متوکل اور تجرید پسند تھے۔ دنیا اور اہل دنیا سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں گذارش کی۔ حضرت میرے پاس ایک دینار سرخ ہے میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کو دے دوں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تو تمہارے کام کی چیز ہے۔ مجھے دینے سے کیا فائدہ۔ اگر مجھے دے دوگے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ اور اپنے پاس رکھو گے۔ تو میرے لئے بہتر ہوگا۔

آپ کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی۔

چو عبد اللہ زین عالم سفر کرد ۔ چو گنج اندر زمیں جسمش نہاں شد
ز دل سال وصال آں شہِ دین ۔ حبیب کامل عبد اللہ عیاں شدُ
۲۵۵ھ

محمد بن علی حکیم ترمذی قدس سرہٗ :- کنیت ابو عبداللہ تھی۔ مشائخ و اولیاء میں آپ بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ حدیث پر عبور تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی صحبت کے فیض یافتہ تھے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات تھی۔ آپکی تصانیف میں سے ختم الولائیت اور فوادوِ الاصول تو یادگار زمانہ کتابیں ہیں۔ آپ نے قرآن پاک کی تفسیر بھی لکھنا شروع کی مگر مکمل نہ کر سکے۔

ابتدائی زمانہ میں ایک ساتھی طالب علم کے ساتھ طلب علم میں روانہ ہوئے اپنی والدہ سے اجازت حاصل کی۔ والدہ رو پڑیں۔ اور کہنے لگیں۔ مجھے کس کے حوالے کرتے جا رہے ہو۔ یہ بات آپ کے دل پر اثر انداز ہوئی۔ سفر کا ارادہ ترک کر دیا۔ آپ کے ساتھی روانہ ہو گئے۔ پانچ ماہ گزر گئے مگر طلب علم اور حکم والدہ کی کشمکش باقی تھی۔ ایک دن قبرستان میں بیٹھے تھے۔ کہ زار زار رو رہے تھے۔ اور افسوس کر رہے تھے۔ کہ میں نے اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیا ہے۔ میرے دوست عالم فاضل بن کر واپس آئیں گے۔ میں ان کے سامنے جاہل اور شرمسار رہوں گا ناگاہ ایک نورانی شکل نمودار ہوئی۔ اور فرمانے لگے۔ علم کے حصول کے لئے یہ بے قراری واقعی قابلِ قدر ہے۔ میں ہر روز یہاں آیا کروں گا۔ اور تمہاری علمی تشنگی دُور کرتا رہوں گا۔ تم اپنے ساتھیوں سے پیچھے نہیں رہو گے۔ آپ نے کہا یہ تو آپ کی عنائیت ہو گی۔ چنانچہ اس بزرگ نے آپ کو لگاتار تین سال تک پڑھایا۔ یہ ساری محنت اور عنائیت ان کے شوق علم اور خدمت والدہ کے صلے میں تھی۔ حقیقت میں یہ استاد بزرگ حضرت خضر تھے تعلیم مکمل ہونے کے بعد حضرت خضر ہفتہ وار تشریف لاتے اور اپنے شاگرد کی مجلس کو تازہ فرماتے۔

حضرت شیخ ابو بکر دراق فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن حضرت شیخ محمد حکیم ترمذی میرے ہاں تشریف لائے۔ اور مجھے کہنے لگے۔ میں تمہیں کہیں لے جانا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے ساتھ ہو لیا۔ کچھ وقت گزرا تھا۔ کہ ایک ویرانے سے گزرنا ہوا۔ دیکھا۔ کہ ایک درخت کے سایہ میں ایک سنہری تخت بچھا ہوا ہے۔ پانی کا ٹھنڈا چشمہ رواں ہے۔ ایک شخص شاہانہ لباس میں اس تخت پر تشریف فرما

ہے۔ شیخ اس کے قریب گئے تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ چند لمحے گزرنے کے بعد چالیس افراد وہاں ہی پہنچے۔ شیخ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو ایک طشتری جس پر رنگا رنگ کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ اُتری۔ تمام نے کھایا۔ آپس میں بڑی اچھی گفتگو ہوئی۔ وہ ایک دوسرے سے ایسی زبان میں گفتگو کرتے کہ میری سمجھ میں نہ آتی تھی۔ شیخ ترمذی نے اجازت لی۔ اور ہم جس راستے گئے تھے۔ اسی راستے سے ترمذ میں آگئے۔ میں نے دریافت کیا۔ حضرت وہ کون سی جگہ تھی جہاں ہم گئے تھے اور وہ کون شخص تھا۔ جو تخت نشین تھا۔ آپ نے بتایا وہ صحرا تہیہ اسرائیل تھا۔ وہ شخص قطب المدار تھا۔ اور چالیس مہمان چالیس ابدال تھے جو کاروبار دنیا پر مامور ہوتے ہیں۔ وہ دنیا کے مختلف گوشوں سے وہاں آئے تھے۔ میں نے پوچھا ہم اتنی دور دراز جگہ پر کیسے پہنچ گئے۔ اور پھر واپس بھی آگئے۔ آپ فرمانے لگے۔ ابوبکر تمہیں جانے آنے سے واسطہ ہے یا پوچھنے سے۔

شیخ وراق نے ایک اور جگہ بتایا۔ کہ حضرت حکیم ترمذی نے مجھے اپنی ایک تصنیف دی۔ اور فرمایا۔ اسے لے جاؤ اور دریا میں پھینک دو۔ میں نے دریا میں پھینکی تو دیکھا کہ دریا سے ایک صندوق نمودار ہوا۔ اور یہ کتاب اس میں جا پڑی۔ صندوق دیکھتے دیکھتے بند ہوا اور پانی کی تہہ میں چلا گیا۔ واپس آکر حضرت شیخ کو سارا حال بتایا۔ میں نے صورت حال پوچھی تو آپ نے فرمایا میں نے کچھ چیزیں ایسی تصنیف کی تھیں۔ کہ اس کے مطالب موجودہ زمانہ کے اہل علم سمجھنے سے قاصر تھے حضرت خضر علیہ السلام نے مجھے حکم دیا تھا کہ یہ تصنیف انہیں دے دی جائے یہ سارا انتظام تو ان کی طرف سے تھا۔ یہ تصنیف دریائی مخلوقات کے لئے کافی ہو گی۔

حضرت خواجہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر میں ایک ہزار ایک بار اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تھا۔ جوانی کے زمانے میں ایک مالدار عورت جو حسن و جمال میں بھی بے مثال تھی۔ آپ کے عشق میں مبتلا ہو گئی وہ کوشش کرتی کہ آپ سے ملاقات ہو جاتے مگر اسے کامیابی نہ ہوئی ایک دن اسے خبر ملی کہ شیخ باغ میں تشریف فرما ہیں۔ اس نے بناؤ سنگھار کیا۔ اور اس باغ میں جا پہنچی حضرت نے

اسے دیکھا تو رونے لگے۔ اور اس کی طرف التفات نہ فرمایا۔ آپ باغ کی دیوار پھلانگ کر باہر چلے گئے۔ جب بوڑھے ہو گئے تو آپ کو یہ واقعہ یاد آیا۔ اور خیال آیا۔ کہ کیا بُرا تھا۔ اگر میں اس کی آرزو کو پورا کر دیتا۔ اور پھر توبہ کر لیتا۔ یہ خیال آتے ہی آپ نے سمجھا کہ یہ وسوسہ شیطانی ہے اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جوانی کے عالم میں یہ وسوسہ تمہارے خیال میں نہ آیا۔ بڑھاپے پر آنے کے بعد اتنی ریاضات شاقہ طے کرنے کے بعد اس قسم کے شیطانی خیالات کی حقیقت کیا ہے؟ آپ بے حد مغموم ہوئے۔ تین دن تک اس خیال فاسدہ کا ماتم کیا۔ تین دن بعد جناب سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ نے تسلی دی اور فرمایا غم نہ کرو۔ یہ وسوسہ اس لئے نہیں ہے۔ کہ تم ان خیالات کی طرف توجہ دیتے ہو۔ بلکہ بات یہ ہے کہ چالیس سال گزر رہے ہیں۔ کہ تم عالم ارواح سے ایک عرصہ تک دُور ہو۔ دنیائے دوں کی ایسی چیزوں کا یاد آنا۔ اس دنیائے آخرت سے دوری کا نتیجہ ہے۔

صاحب سفینۃ الاولیاء اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے آپ کا سن وفات ۲۵۵ھ لکھا ہے۔

آں محمد حکیم حاکم دل ۔ ذاتِ او بود متقی و ولی
سال وصلش چو از خرد جستم ۔ گفت ہاتف محمد ابن علی
۲۵۵

قطب سعید ۔ ولی حق نامی
۲۵۵ ۔ ۲۵۵

شیخ دارمی عبداللہ بن عبدالرحمٰن سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ: آپ عظیم محدثین میں سے تھے۔ آپ کی مسند دارمی مشہور کتاب ہے۔

آپ کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی۔

رفت از دنیا چو در خلد بریں ۔ دارمی آں جامع صدق و صفا
دارمی شد سال ترحیلش عیاں ۔ نیز محبوب محب اہل العطا
۲۵۵ھ

آپ امام الحدیث ہیں۔ صحیح بخاری

شیخ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ :۔ آپ نے ہی مرتب فرمائی۔ تاریخ کبیر بھی آپ کی تالیف ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں نے ایک لاکھ صحیح احادیث جمع کیں۔ اور دو لاکھ ضعیف احادیث جمع کیں۔ آپ نے ایک ضعیف حدیث بھی اپنے مجموعہ احادیث میں تحریر نہیں کی۔ آپ ان احادیث کو لکھنے سے پہلے وضو فرماتے۔ غسل کرتے اور پھر دو رکعت نماز ادا کرتے پھر لکھنا شروع کرتے تھے۔ صحیح بخاری چھ لاکھ احادیث سے منتخب فرمائی گئی اور پورے سولہ سال صرف ہوئے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۴ھ میں اور وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی۔ ایک شاعر نے حضرت امام بخاری کی سالِ ولادت اور وفات کو یوں لکھا ہے۔

بہر تاریخ بخاری یاد دارم از ثقات ۔ صدق تاریخ تولد نور تاریخ وصال
۲۵۶ھ ۱۹۴ھ

حال تولید چو خواہی از من ۔ جان علم ست باد شود دمساز
رحلتش طرفۂ دل شد پیدا عابد پاک محمد جانباز
۲۵۶

آپ کی کنیت ابو زکریا لقب واعظ۔

شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ :۔ ناطق حقائق۔ واعظ خلایق تھے۔ اچھا خلق کریم طبع۔ اور عام فیضاں کے مالک تھے۔ صاحب تصانیف کثیرہ ہوئے ہیں۔ مشائخ کبار میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں عالم اسلام میں دو یحییٰ ہوئے ہیں۔ ایک تو انبیاء کرام میں سے جو یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے نام سے مشہور ہوئے۔ دوسرے یحییٰ ابن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ خلفاء کرام کے بعد جس شخص نے منبر پر کھڑے ہو کر وعظ کا آغاز کیا وہ آپ ہی تھے حضرت یحییٰ کے ایک بھائی مکہ مکرمہ میں رہتے تھے۔ انہوں نے آپ کو خط لکھا۔ کہ میری زندگی میں تین آرزوئیں تھیں۔ دو پوری ہو گئی ہیں۔ مگر ایک آرزو ابھی باقی ہے آپ دعا فرمائیں

کہ وہ بھی پوری ہو جائے۔ پہلی آرزو تو یہ تھی کہ میں اپنی زندگی زمین کے بہترین حصہ میں بسر کروں۔ الحمد للہ میں حرم پاک میں رہ رہا ہوں۔ دوسری آرزو یہ تھی۔ کہ میرا کوئی خادم نہ ہو مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک نیک سیرت کنیز دی ہے۔ جو میری خدمت کے لئے مامور ہے۔ تیسری آرزو یہ ہے۔ کہ مرنے سے پہلے تمہیں دیکھ لوں۔ اللہ کرے میری یہ آرزو بھی پوری ہو جائے۔

حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھا۔ کہ آپ خود بہترین انسان بن جائیں تو آپ اللہ کی زمین کے جس حصہ میں رہیں گے وہی حصہ بہترین ہو گا۔ اگر آپ خود خدمت خلق میں لگ جائیں تو آپ کو خادم کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی اور اس طرح خادم بن کر آپ مخدوم کہلائیں گے۔ آپ میرے ملنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ اگر آپ کو اللہ کی خبر ہوتی تو مجھے ملنے کی آرزو کبھی نہ کرتے۔

حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ صوفیاء۔ علماء اور غازیوں کے لئے اپنا دستر خواں کھلا رکھتے۔ اس طرح آپ پر تقریباً ایک لاکھ روپیہ قرضہ آگیا۔ قرض خواہ تقاضا کرنے لگے۔ آپ کو بھی اس قرضہ کا بڑا فکر رہتا۔ جمعہ کی رات کو آپ نے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا یحییٰ تنگ دل نہ ہونا اٹھو! اور خراسان کا سفر کرو۔ انشاء اللہ تمہارا قرض بیباق ہو جائے گا۔ ایک شخص تمہارے لئے تین لاکھ دینار رکھے انتظار کر رہا ہے۔ آپ نے عرض کی۔ یارسول اللہ۔ اس کا نام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تم شہر بہ شہر پھرو اور اچھی اچھی باتیں سناتے چلو۔ تمہاری باتیں دلوں کی شفا ہوں گی۔ میں جس طرح تمہیں خواب میں بشارت دے رہا ہوں۔ اسے بھی خواب میں حکم دے دوں گا۔ آپ نیشاپور پہنچے۔ آپ نے مسجد میں وعظ فرمایا۔ اور کہا لوگو میں ایک لاکھ دینار کا مقروض ہوں۔ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں حکم دیا ہے کہ آپ کی طرف آؤں۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ میرا قرضہ ادا کرو ایک شخص اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ میں پچاس ہزار دینار دینے کو تیار ہوں۔ ایک اور اٹھا اس نے

کہا۔میرے پاس چالیس ہزار دینار موجود ہیں۔میں آپ کو دے دوں گا۔ایک تیسرا اُٹھا اس نے کہا میرے پاس دس ہزار دینار ہیں۔میں بھی آپ کو دیتا ہوں۔آپ نے فرمایا۔میں آپ لوگوں سے کچھ نہیں لے سکتا کیونکہ مجھے تو حضور نبی کریم نے ایک شخص سے ایک لاکھ دینار لینے کا حکم دیا تھا۔چنانچہ آپ نیشاپور سے بلخ کو روانہ ہو گئے۔بلخ کے لوگوں نے آپ کا بڑا احترام کیا۔شاندار استقبال کیا۔ایک عرصہ تک وہاں رہے اور وعظ کرتے رہے۔آپ اپنی خواب کی روشنی میں امراء کی تعریف و توصیف کیا کرتے تھے۔مگر اہل بلخ نے آپ کو ایک لاکھ دینار نہ دیئے۔آپ کی مجالس میں ایک زندہ دل درویش آیا کرتا تھا۔اسے آپ کے منہ سے امراء کی تعریف پسند نہ آئی۔

آپ بلخ سے نکلے اور بخارا کو روانہ ہوئے۔راستے میں راہزنوں نے آپ کو لوٹ لیا اور جو کچھ تھا۔لے گئے۔آپ نے کہا۔یہ اس بزرگ کی دعا کا اثر ہے۔آپ ہرات پہنچے۔اور وعظ کا سلسلہ شروع کیا۔ساتھ ساتھ قرضہ کی ادائیگی کا واقعہ بیان کرتے رہے اور کہتے میں تو ارشادِ نبویہ سے یہاں آیا ہوں۔اس شہر میں ایک امیرزادی رہا کرتی تھی۔اس نے کہا۔حضرت آپ اپنے قرضہ کا غم نہ کریں۔یہ قرضہ ادا کرنے کے لئے مجھے حکم نبوی مل چکا ہے۔میں آپ کے انتظار میں تھی۔میں تین لاکھ دینار لے کر آپ کی راہ دیکھ رہی ہوں۔یہ سارے دینار آپ کی دولت ہیں۔ایک لاکھ قرض خواہوں کو دے دیں۔دو لاکھ دینار اپنے اخراجات کے لئے محفوظ فرمالیں۔حضرت یحیٰی اس شہر میں مزید چار دن رہے۔اور وعظ کرتے گئے۔پہلے دن آپ کے وعظ کی تاثیر سے دو آدمی مر گئے۔دوسرے دن چار جنازے اٹھائے گئے۔تیسرے روز چالیس جنازے اٹھے۔چوتھے روز ستر جنازے اٹھائے گئے۔پانچویں دن آپ نے اونٹوں پر مال و اسباب لادا۔آپ کا بیٹا بھی آپ کے ہمراہ تھا۔اس کے دل میں شیطانی خیال آیا۔کہ میرا والد ایک لاکھ دینار قرض خواہوں کو دے گا۔دو لاکھ دینار نمازیوں صوفیوں اور علماء وطلباء کو بانٹ دے گا۔میں محروم رہ جاؤں گا۔چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا

کہ والد کو قتل کر دوں اور سارے دنیا سنبھال لوں۔ اس کام کے لئے چند اور لوگوں کو بھی آمادہ کر لیا۔ ایک دن آپ سجود نماز ادا کر رہے تھے۔ لڑکے نے ایک بھاری پتھر مارا۔ آپ کا سر دو ٹکڑے ہو گیا۔ مگر جان دینے سے پہلے آپ نے فرمایا۔ بیٹا۔ میرا قرض بیباق کر دینا۔ آپ کا جنازہ اٹھا کر صوفیا کرام نیشاپور لے آئے اور وہاں ہی دفن کر دیا۔

سفینۃ الاولیا نفحات الانس اور دوسری کتابوں میں آپ کا سال وفات ۲۵۸ھ لکھا ہے۔ البتہ مخزن الواصلین نے ۲۵۷ھ اور ۲۵۹ھ لکھا ہے۔

جناب شیخ یحیٰی شاہ والا برعالم ۔ سفر چوں کرد زیں دار فنا در جنت الاعلیٰ
تبارکبش بگو سلطان حق محسن امین فرما ۔ رقم کن ہم زہادی زماں زندہ ولی یحیٰی
۲۵۸ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۵۸

شیخ مسلم بن حجاج نیشاپوری رحمۃ اللہ:- آپ علمائے محدثین اور فقہائے باتمکین میں سے تھے۔ مسلم شریف اور مسند کبیر۔ آپ ہی کے مجموعہ ہائے۔ احادیث ہیں۔ آپ کی وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی۔

چو مسلم زینت دین ۔ زیب اسلام ۔ بجنت یافت عز و قدر اعلیٰ
عیاں شد مسلم کامل وصالش ۔ وگر گفتہ خو و قطب معلیٰ
۲۶۱ ۲۶۱

شیخ ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ:- آپ کا اسم گرامی عمرو بن سلمہ تھا۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ صاحب ریاضت وعبادت ومروت وفتوت تھے۔ شیخ عبداللہ ماوردی کے مرید تھے۔ شیخ ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔

ابتدائی جوانی میں ایک نوجوان خوش شکل عورت کے دام محبت میں پھنس گئے۔ مگر وہ عورت کبھی مائل التفات نہ ہوئی۔ انہی دنوں نیشاپور میں ایک یہودی جادوگری میں مشہور تھا۔ اس کے پاس گئے۔ اور اپنا حالِ دل بیان کیا۔ یہودی نے کہا۔ اگر تم چالیس روز تک کوئی عبادت نہ کرو۔ کسی نیک کام میں حصہ نہ لو۔ حتیٰ کہ اللہ اور اُس کے رسول کا نام تک

زبان پر نہ لاؤ۔ تو میں ایک ایسا عمل کروں گا۔ کہ یہ عورت تمہارے قدموں میں سر رکھ دے گی۔ ابو عثمان حداد نے ویسا ہی کیا۔ چالیس دن کے بعد یہودی کے پاس گئے۔ اس نے جادو کا عمل کیا۔ مگر کارگر ثابت نہ ہوا۔ یہودی نے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم نے اس دوران کوئی نیک کام کر دیا ہے۔ انہوں نے یقین دلایا کہ میں نے کوئی نیک کام نہیں کیا۔ البتہ ایک دن میں نے سر راہ ایک پتھر پڑا پایا۔ اسے اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا۔ تاکہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے۔ یہودی نے کہا۔ کہ اللہ کی ذات کتنی مہربان اور باثروت ہے۔ کہ تو نے چالیس دن تک اس کا نام تک زبان پر نہ لیا۔ مگر اس نے چالیس روز تک اپنے خزانہ رزق سے تمہیں رزق دیا۔ اور اس دوران نیکی کرنے کی توفیق بھی دی۔ یہ بات سنتے ہی ابو حفص کے دل میں جذبہ ایمان روشن ہوا۔ یہودی کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اور اللہ کی عبادت میں ہمہ وقت مشغول ہو گئے۔ ظاہراً حدادی یعنی آہن گری کا کام کرتے تھے۔ جو کچھ کماتے درویشوں کو دے دیتے۔ خود شام کے اندھیرے میں گداگری کرتے۔ تاکہ ان کا نفس غرور و تکبر سے نجات پائے۔ اس طرح آپ ایک عرصہ تک گذر اوقات کرتے رہے۔ آپ کے استغراق کا یہ عالم ہوتا۔ کہ بسا اوقات کارخانہ آہن گری کی بھٹی میں ہاتھ بڑھا کر آتش شدہ لوہے کو اٹھا لیتے۔ مگر آپ کے ہاتھ کو کچھ نہ ہوتا۔ بسا اوقات یوں ہوتا کہ دست پناہ (سنّی) کی بجائے گرم لوہا ہاتھ سے نکال کر آئرن پر رکھتے اور ہاتھ سے پکڑ کر شاگرد کو کہتے اس پر ہتھوڑے مارتے جاؤ۔ شاگرد کانپ اٹھتے کہ آپ نے ہاتھ سے لوہا گرم پکڑ رکھا ہے۔ اس بات سے آپ استغراق سے ہوش میں آتے ہاتھ کھینچ لیتے۔ اور سنّی کا استعمال کرتے۔ آخر کار آپ نے اپنا تمام کارخانہ فروخت کر دیا۔ جو کچھ ملا۔ غرباء و مساکین میں تقسیم کیا۔ اور خود ہمہ وقت یاد خداوندی میں مشغول و مصروف ہو گئے۔

ایک دن اپنے احباب کے ساتھ صحرا میں نکلے۔ پہاڑ کی چوٹی سے ایک ہرن دوڑتا آیا اور آپ کی بغل میں اپنا سر یوں رکھ دیا۔ جیسے سکون حاصل کر رہا ہو۔ ابو حفص (رحمۃ

اللہ علیہ) اس وقت استغراق میں تھے۔ آپ نے رونا شروع کر دیا۔ ہرن تو بھاگ کر جنگل میں چلا گیا۔ مگر دوستوں نے پوچھا یا حضرت کیا بات ہے۔ فرمانے لگے۔ میرا دل چاہتا تھا۔ کاش آج میرے پاس بکری ہوتی۔ اسے ذبح کرتا۔ پکا کر سب احباب کو کھلاتا۔ دوستوں نے بتایا۔ حضرت بکری آپ کے پاس نہیں تو ہرن آ کر قربان ہوا جا رہا تھا۔ آپ بھلا کیوں روتے ہیں آپ نے فرمایا۔ تمہیں شاید معلوم نہیں۔ جب سائل کو اس کے سوال کے مطابق چیز دی جاتی ہے۔ تو اسے دروازے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ اگر فرعون کو اللہ تعالیٰ اپنے دروازے پر رکھنا پسند فرماتا تو اس کے کہنے پر دریائے نیل رواں نہ کرتا۔

حضرت شیخ ابو حفص رحمۃ اللہ جب حج بیت اللہ کو گئے تو عربی سے ناواقف تھے۔ ساتھیوں نے کہا۔ ہمیں ترجمان چاہیئے جو عربی جانتا ہو۔ اور ہماری باتیں ان تک پہنچا سکے بغداد پہنچے تو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں کو آپ کے استقبال کے لیئے بھیجا حضرت جنید کی خانقاہ میں پہنچے تو مختلف لوگ ملنے آئے ان سے حضرت ابو حفص نے اس وضاحت و بلاغت سے عربی میں گفتگو کرنا شروع کی کہ اہل زبان بھی حیران رہ گئے۔

حضرت ابو حفص مکہ مکرمہ پہنچے تو وہاں بہت سے مساکین سے ملاقات کی۔ ان کی تنگدستی دیکھی نہ گئی۔ آپ نے ایک پتھر اٹھایا اور کہنے لگے۔ اے اللہ۔ اگر ان لوگوں کو دینے کے لئے مجھے کچھ نہ ملا۔ تو اس پتھر سے تیرے گھر کے فانوس توڑ دوں گا۔ اسی وقت ایک آدمی آیا۔ ایک ہزار دینار کی تھیلی پیش کی۔ آپ نے تمام مساکین کو خیرات تقسیم کر دی۔

شیخ ابو حفص حدّاد رحمۃ اللہ ۲۶۴ھ میں واصل بحق ہوئے۔ بعض نے سن وفات ۲۶۵ھ لکھا ہے۔ اور بعض نے ۲۶۶ھ تحریر کیا ہے۔

شہ ہر دو سرا ابو حفص حدّاد ۔ کریم و اکرم و شیخ جہانست
چو رفت از عالم دنیا بجنت ۔ امام اصفیا سالش عیاں ست

۲۶۴ھ

محب حق نما حدّاد	حداد سلطانِ زماں	امام آفاق	نوری
۲۶۴ھ	۲۶۴ھ	۲۶۴ھ	۲۶۶ھ

شیخ علی بن موفق بغدادی قدس سرہٗ:۔ آپ عراق اور بغداد کے معروف بزرگان دین میں سے تھے۔ حضرت شیخ ذوالنون مصری سے محبت رکھتے تھے۔ بہت سے سفر کیئے۔ اپنی عمر میں ستر بار حج بیت اللہ کیا۔

ایک دن حج کے موقعہ پر آپ کو خیال آیا۔ کہ میں ہر سال حج پر آتا ہوں اور واپس چلا جاتا ہوں۔ مجھے یہ معلوم نہیں ہوا کہ میں کیا ہوں۔ اور کس شمار میں ہوں۔ رات کو اللہ تعالٰی نے خواب میں ارشاد فرمایا۔ یاد رکھو۔ جسے گھر بلاتے ہو وہی تمہارے گھر آتا ہے۔ اگر تم کسی کو گھر نہ بلاؤ تو کون تمہارے گھر آئے گا۔ تم ہر سال ہمارے گھر آتے ہو۔ تمہاری کیا مجال ہے۔ کہ بن بلائے ہمارے گھر آسکو۔ اور ہمارے گھر میں قدم بھی رکھ سکو۔

ایک دن شیخ کو اپنی تنگدستی اور افلاس پر بڑا خیال آیا۔ راہ میں ایک کاغذ دیکھا۔ اٹھایا اور اپنی آستین میں محفوظ رکھ لیا۔ گھر پہنچے تو کاغذ کو آستین سے گرتا دیکھا اٹھا کر پڑھا۔ تو لکھا تھا۔ ابن موفق! فقر سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ میں تمہارا پروردگار ہوں۔

آپ اپنی دعاؤں میں کہا کرتے ۔ اے اللہ! اگر میں دوزخ کے ڈر سے تیری عبادت کرتا ہوں۔ تو مجھے دُوزخ میں ڈال دو۔ اگر بہشت کی امید سے عبادت کرتا ہوں تو مجھے بہشت میں رکھ۔ اگر اخلاص ومحبت سے کرتا ہوں تو ایک بار اپنے دیدار سے نوازش کر۔ پھر جو چاہے کر!

آپ کی وفات ۲۶۵ھ میں ہوئی تھی۔ بعض تذکرہ نگاروں نے ۲۶۰ھ بھی لکھی ہے۔

چو رفت آہ از دار دنیا علی ۔ مکاں یافت در خلد عالی علی

علی والی حق بگو سال او ۔ دگر تیز فرمان مصلّی علی

۲۶۵ھ ۔ ۲۶۰ھ

کنیت ابو جعفر تھی۔ بصرے کے رہنے والے تھے متقدمین

شیخ احمد بن وہب قدس سرہٗ:- اولیاء اللہ اور مقتدر صوفیاء میں پائے جاتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ جو شخص روزی کے لئے تردد کرتا ہے۔ فقر کا نام اس سے اُٹھ جاتا ہے آپ کی وفات بقول صاحبِ سفینۃ الاولیاء اور نفحات الانس و اخبار الاتقیاء ۲۷۰ھ میں ہوئی۔

احمد ابن الوہب شیخ باصفا - رفت از دنیا۔ بجنت شد مقیم

پیر محبوب ست سال وصل او - باز چوں جستم زدل گفتا کرم

۲۷۰ ۲۷۰

احمد ولی نیک نام

۲۷۰

کنیت ابو الفوارس تھی۔ قطب الوقت تھے

شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ:- واقفانِ حقیقت اور عظمائے اعیانِ طریقت تھے، خوارق و کرامات میں بہت مشہور تھے۔ آپ کے والد بادشاہ کرمان تھے۔ آپ نے ولی عہدی کی بجائے یادِ الٰہی کو اختیار کیا۔ شیخ ابو حفص حدّاد کے مرید ہو گئے۔ اور ہم عصر بزرگان دین جن میں شیخ ابو تراب بخشی ابو ذراع مصری ابو عبیدہ بصری کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں سے صحبت خاص رکھتے تھے۔ ان بزرگان وقت سے بڑا استفادہ کیا۔ تیس سال تک نیند سے لطف اندوز نہیں ہوئے۔ نیند آتی تو آنکھوں میں نمک کی سلائی پھیر لیتے۔ تیس سال کے بعد ایک بار آنکھ لگی تو اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ فرمانے لگے۔ جس ذات کی تلاش بیداری میں کرتا تھا۔ نیند میں مل گئی۔ اس دن کے بعد ہر روز شوق سے سوتے جہاں جاتے اپنا بستر ہمراہ لے جاتے۔ چند ماہ سوتے سوتے گذارے۔ جب خواب میں زیارت نہ ہوئی۔ بڑے دل برداشتہ ہوئے۔ چنانچہ ایک رات پھر زیارت ہوئی۔ تو ارشاد ہوا۔ جو خواب

تم نے دیکھا تھا۔ وہ تمہاری تیس سالہ بیداری کا صلہ تھا۔ اس طرح ہر روز یہ صلہ نہیں ملا کرتا۔

حضرت شاہ کرمانی کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا دیا۔ جس کے سینے پر سبز روشنائی سے لفظ اللہ لکھا ہوا تھا۔ یہ لڑکا جوانی کو پہنچا تو لہو و لعب میں مشغول ہو گیا۔ ستار بجاتا۔ رباب پر رقص کرتا۔ اور طرح طرح کے گانے گاتا آواز میٹھی تھی۔ رباب بجاتا اور خوب گاتا۔ اور روتا۔ ایک رات رباب پکڑے محلہ ربابیاں میں آپہنچا۔ ایک تازہ بیاہی دلہن نے اسے اس انداز سے رباب بجاتے اور گاتے سنا۔ تو اپنے آپ سے باہر ہو کر اس کا گانا سننے لگی۔ اس کا خاوند اٹھا۔ اس صورتحال کو دیکھ کر نہ رہ سکا۔ زور سے آواز دی "شجاع کے بیٹے! تم کب توبہ کرو گے؟" اس وقت خواب غفلت سے بیدار ہوا چلا کر کہنے لگا۔ ابھی ابھی! اٹھا۔ رباب کو توڑ پھینکا غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ اپنے گھر گوشہ نشین ہو گیا۔ سینے پر لکھے ہوئے اسم نے اثر کیا۔ دل کی گہرائیوں میں اتر گیا۔ چالیس دن تک کچھ نہ کھایا۔ ایک دن اپنے حجرے سے باہر نکلا۔ تو واصل بحق ہو گیا۔ باپ نے اس معاملہ کو دیکھا تو فرمایا۔ جو مقام ہم چالیس سال کی محنت سے حاصل نہ کر سکے۔ میرے بیٹے کو چالیس دن میں میسّر آگیا ہے۔

شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی نہائیت خوش شکل تھی۔ بادشاہ کرمان نے اس بیٹی کا رشتہ مانگا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے تین دن سوچ لینے دیں۔ تین دن مسجد کے گرد گشت کرتے رہے۔ تیسرے دن ایک درویش دیکھا۔ جو مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ نماز سے فارغ ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیوں بھائی تم شادی شدہ ہو۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ آپ نے پوچھا تم شادی کرنا چاہتے ہو۔ اس نے کہا۔ مجھ جیسے مفلس کو کون بیٹی دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا میں اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔ تم ایک درہم سے کھانا کھا لینا ایک درہم سے خوشبو خرید لو۔ اور ایک درہم سے شیرینی لے لو۔ اس طرح آپ نے اس درویش کے ساتھ بیٹی کا نکاح کر دیا۔ وہ لڑکی اس درویش کے گھر آئی۔ تو دیکھا۔ کہ اس درویش کے گھر ایک خشک روٹی پڑی ہے۔ پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ کہنے لگا۔ کل روٹی بچ گئی تھی۔ آج کے لئے رکھ لی تھی۔ لڑکی

اسی وقت اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور کہنے لگی میں اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔ درویش نے کہا۔ مجھے پہلے ہی علم تھا۔ کہ بادشاہ کی لڑکی ایک بے نوا درویش کے گھر نہیں رہ سکتی۔ لڑکی نے کہا۔ تمہاری بے نوائی سے نہیں بلکہ تمہاری ایمانی کمزوری سے جا رہی ہوں۔ تمہیں اللہ پر اتنا بھروسہ نہیں کہ وہ آج روزی دے گا۔ کل کی بچی ہوئی روٹی محفوظ رکھتے ہو۔ میرے باپ نے مجھے بتایا تھا کہ میں تمہیں ایک پرہیزگار کے نکاح میں دے رہا ہوں۔ مجھے اس شخص کے حوالے کیا گیا ہے، جسے اللہ کی ذات پر اتنا اعتقاد نہیں۔ کہ وہ دوسرے دن کی روزی دے گا۔ درویش نے محسوس کیا کہ واقعی یہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ اس نے پوچھا۔ کیا اس گناہ کا کوئی کفارہ ہے لڑکی نے کہا۔ اس گھر میں یا میں رہوں گی۔ یا روٹی۔ درویش نے روٹی اٹھائی اور سائل کو دے دی۔ آئندہ زندگی کے لئے اللہ کے توکل پر بھروسہ کیا۔

خواجہ علی سیرجانی حضرت شاہ شجاع کے مزار کے سامنے روٹیاں تقسیم کیا کرتا تھا ایک دن طعام سامنے رکھے کہنے لگے۔ یا اللہ۔ کوئی اپنا مہمان بھیج جس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لوں۔ ناگاہ مسجد کے دروازے سے ایک کتا نکلتا دکھائی دیا۔ کتے کو دھتکارا۔ کتا بھاگ گیا۔ مزار سے آواز آئی۔ علی! ہم نے تمہارے لئے مہمان بھیجا تھا۔ تم نے اسے دھتکار دیا۔ خواجہ علی اٹھے۔ اور سارے شہر کی گلیاں چھان ماریں مگر اس کتے کا نشان کہیں نہ ملا۔ صحراء کی طرف گئے۔ تو ایک درخت کے زیر سایہ اسی کتے کو سویا ہوا پایا۔ اٹھایا۔ جو کچھ کھانا لائے تھے۔ اس کے سامنے رکھا۔ مگر کتے نے توجہ تک نہ دی۔ خواجہ علی بڑے شرمسار ہوئے کہ میں نے کیا کیا۔ اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ اپنی پگڑی اتار کر قدموں میں پھینک دی کتے نے زبان حال سے کہا اَحْسَنْتُ خواجہ۔ تمہیں مہمان کی ضرورت ہے۔ تم چشم بینا سے دیکھو تو مہمان مل جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر جو کچھ سامنے تھا۔ کھانا شروع کر دیا

حضرت شاہ شجاع رحمۃ اللہ ۲۷۰ھ کو فوت ہوئے۔

آن شہ کرماں شہنشاہِ جہاں - یافت چوں در جنت عالی مقام
والی اکبر بگو تاریخ او - منبع حق نیز مقبول انام
۲۷۰ - ۲۷۰ - ۲۷۰

اہل دین حق بیں ہم از ملِ شد عیاں - سال وصل آن شہِ ذی الاحترام
۲۷۰

شیخ حمدون قصّار قدس سرہٗ:- آپ کی کنیت ابو صالح تھی۔ والد مکرم کا نام عمّاریہ تھا سلسلہ قصاریہ آپ کے نام سے ہی منسوب ہے۔ صاحبِ کرامات جلیلہ و مقاماتِ عالیہ ہوئے ہیں اہل ملامت کے پیشوا ہوئے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری کی مجالس میں بیٹھا کرتے تھے۔ ابو تراب نخشی۔ علی نصیر آبادی ابو حفص قدس سرہم کی مجالس میں حاضری دیتے تھے۔ حضرت سہل تستری اور امام الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہما فرمایا کرتے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہونا منظور ہوتا تو شیخ حمدون ہوتے، اپنے مریدوں کو فرمایا کرتے میں تمہیں دو چیزوں کی وصیت کرتا ہوں۔ ایک تو علماء کرام سے فیض حاصل کرو۔ دوسرے جہلا کی مجلس سے دور رہو۔

شیخ حمدون ۲۷۱ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار پر انوار ہرات میں ہے۔

چوں جناب شیخ حمدوں شیخ حق - شد بفردوس بریں منزل گزین
شد عیاں محبوب باری سال وصل - ہم بگو سید ولی مولائے دین
۲۷۱ - ۲۷۱ - ۲۷۱

پیر حامی ۲۷۱ پیر جہان ۲۷۱ بھی تاریخ وفات ہیں

شیخ فتح بن شجرف رحمۃ اللہ علیہ:- آپ کی کنیت ابو نصر تھی۔ مرو کے رہنے والے تھے۔ خراسان کے قدیم مشائخ سے تھے۔ کہتے ہیں حالت نزع میں کچھ کہہ رہے تھے۔ جب ہونٹوں سے کان لگائے گئے تو آواز آئی۔ اے اللہ میرا شوق تیری ذات تک بہت ہے مجھے جلدی اپنے پاس بلالے۔ وفات کے

بعد آپ کو غسل دیا گیا۔ تو پنڈلی پر لکھا دیکھا اَلْفَتْحُ اللّٰہ۔
آپ ۱۵ شعبان ۲۷۳ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کے جنازے میں تیس ہزار افراد شامل ہوئے

حضرت ابوالفتح شیخ نامدار ۔ چوں سفر در زید از دار الافنا
سال تاریخ وصالش از خرد ۔ شد عیاں زاہد امام باصفا
۲۷۱

ولی اللہ کامل اہل دل	قبلہ کونین	واقف مولا
۲۷۱	۲۷۱	۲۷۱

شیخ ابوداؤد بن اشعب قدس سرہٗ: آپ علماء عظام۔ فقہائے کرام اور محدثین عالی مقام سے تعلق رکھتے تھے۔ اسم گرامی سلیمان تھا سنن ناسخ آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ آپ ۲۷۵ھ میں فوت ہوئے۔

چو بوداؤد از دنیا سفر کرد ۔ بسال رحلت آن شاہ ذی حال
بگو سلطان ابو داؤد نامی ۔ دگر جو اصل او از بحر اجلال
۲۷۵ھ ۲۷۵ھ

شیخ عبداللہ مختار رحمۃ اللہ علیہ: آپ کا نام محمد بن احمد تھا اور ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہرات کے متقدمین میں سے تھے آپ ابوالعلی ابن مختار العلوی الحسینی کے مرشد تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ کھانا ایسا کھاؤ کہ معلوم ہو۔ کہ تم نے کھایا ہے۔ اتنا نہ کھاؤ کہ ایسا محسوس ہو کہ طعام تمہیں کھا رہا ہے۔ اگر تم کھاؤ گے تو سارا کھانا نور بن جائے گا۔ اگر وہ تمہیں کھا تا رہا تو سارا کھانا دھواں (دگیس) بنے گا۔

آپ ۲۷۷ھ میں فوت ہوئے۔ مزار مبارک ہرات میں ہے۔

شیخ ابو عبداللہ مغربی قدس سرہٗ: اسم گرامی محمد اسماعیل تھا۔ حضرت شیخ ابوالحسن علی زرین کے مرید تھے۔ آپ کے استاد

ابراہیم خواص ۔ ابراہیم بن شیبان کرمان شاہی تھے ۔آپ کی روحانی نسبت تین واسطوں سے شیخ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ملتی ہے ۔آپ حضرت شیخ ابوالحسن کے مرید تھے ۔ وہ خواجہ عبدالواحد بن زید ودی اور وہ خواجہ حسن بصری قدس سرہم کے مرید تھے ۔

ایک دن کوہِ سینا پر کھڑے باتیں کر رہے تھے ۔ان کی گفتگو سے پتھر لڑکھڑاتے اور دریائے ہامون میں جا گرتے تھے ۔

آپ ۲۷۹ھ میں فوت ہوئے ۔آپ کی عمر ایک سو بیس ۱۲۰ سال تھی ۔آپ کے استاد ابوالحسین علی بھی ایک سو بیس ۱۲۰ سال تک زندہ رہے ۔آپ کا مزار پُر انوار کوہ سینا پر ہے ۔

یہ بات مشہور ہے ۔ کہ شیخ ابو عبداللہ نے ساری عمر تاریکی نہیں دیکھی تھی ۔لوگوں کے لئے جو تاریک مقامات یا اوقات تھے ۔ وہ بھی آپ کی نظروں میں روشن اور نورانی تھے ۔

شیخ عبد اللہ پیر راہنما ۔ شد چواز دنیائے دوں اندر جنان
صاحب مقبول تار بخش بگو ۔ ہم ولی کامل عبداللہ خوان

۲۷۹ ۔ ۲۷۹

آپ بغداد کے کبار مشائخ میں سے تھے ۔

شیخ ابو عبداللہ خاقانی رحمۃ اللہ علیہ:۔ بڑے صاحب کرامات اور صاحب مقامات جلیلہ تھے ۔ ابن قصاب رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔کہ میرا والد بغداد کے بڑے بازار میں دکانداری کرتے تھے ۔ میں اگرچہ نوعمر تھا ۔تاہم بعض اوقات دکان پر بیٹھا کرتا تھا ۔ایک دن میں دکان پر بیٹھا تھا ۔کہ ایک شخص فقیرانہ لباس میں بازار سے گذرا ۔میں اس کے پیچھے گیا اور نہایت ادب سے سلام کیا ۔میرے پاس ایک دینار تھا ۔پیش کیا ۔اس نے دینار لیا ۔اور اپنی راہ لی ۔ میرے دل میں خیال آیا ۔کہ میں نے دینار خواہ مخواہ ضائع کیا ۔میں اسی خیال میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا ۔وہ مسجد شونیزیہ میں داخل ہونے لگا ۔دروازے پر تین اور فقیر بیٹھے تھے ۔اس نے وہ دینار انہیں دے دیا اور خود نماز میں مشغول ہو گیا ۔ان تینوں میں سے ایک نے دینار لیا

اور بازار کی طرف چلا گیا۔ اب میں اس فقیر کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اس نے اس دینار سے تینوں کے لئے کھانا خریدا اور واپس آ کر سامنے رکھ کر کھانے لگے۔ لیکن ابھی تک وہ شخص نماز میں ہی مشغول تھا۔ وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو وہ بھی نماز سے فارغ ہو گیا۔ اس نے انہیں کہا۔ تمہیں معلوم ہے میں تمہارے کھانے میں کیوں شریک نہیں ہوا تھا۔ دراصل یہ دینار مجھے ایک بچے نے دیا تھا۔ میں نماز کے دوران اس بچے کے لئے دعا مانگ رہا تھا۔ اے اللہ اس بچے کو غلامی سے محفوظ رکھنا۔ اب میری دعا قبول ہوئی ہے تو میں آیا ہوں۔ اس دن سے تمام دنیا کی دولت میری نظروں میں بے وقعت ہو گئی۔ یہ اس بزرگ کی دعا کا نتیجہ ہے یہ دعا کرنے والے بزرگ شیخ ابو عبداللہ خاقانی تھے۔

آپ کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی۔

شیخ عبداللہ خاقانی ولی ۔ رفت از دنیا چو در خُلد بریں
شد وصالش اہل دل قطب زماں ۔ ہم بخواں ہادی حق مطلوب دین

۲۷۹ ۲۷۹

شیخ محمد عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ:- جامع ترمذی کے مؤلف محمد عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ محدث اور عالم دین تھے۔ آپ ۲۷۹ھ میں فوت ہوئے۔

بتاریخ وصالش آں شہِ دین ۔ محمد سید اقطاب فرما
دگر واقف محمد عقل فرمود ۔ بسالِ وصل آں شیخ معلّیٰ

۲۷۹ ۲۷۹

شیخ سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ:- آپ کی کنیت ابو محمد تھی آپ اپنے زمانہ کے اکابر علماء کرام اور مقتدر اولیاء عظام میں سے تھے۔ عراق کے روحانی شہنشاہ تھے۔ علوم شریعت۔ طریقت حقیقت اور معرفت میں یکتائے روزگار تھے۔ حنفی مذہب کے پیروکار تھے۔ حضرت شیخ ذوالنون

مصری کے جلیس خاص تھے۔ سلسلۂ سہیلیہ کا آپ ہی سے آغاز ہوا تھا۔ اس طریقہ کی بنیاد اجتہاد اور مجاہدہ نفس پر رکھی گئی ہے۔

آپ مادرزاد ولی تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُم فرمایا تھا۔ تو میں ان لوگوں میں سے موجود تھا۔ جنہوں نے قَالُوْا بَلٰی کہا تھا۔ مجھے ماں کے پیٹ کے حالات سارے یاد ہیں۔ آپ فرمایا کرتے میں ابھی تین سال کا تھا کہ قیام اللیل پہ کاربند تھا۔ چھ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ اور روزہ رکھتا تھا۔ بارہ سال کی عمر میں علوم شرعیہ میں ممتاز ہو گیا تھا۔

نوعمری میں حضرت سہیل بن عبد اللہ سال بھر کے لئے ایک درہم کے جو خریدتے۔ اور کھاتے رہتے۔ ایک اُوقیہ سے روزہ افطار کرتے۔ پھر تین دن کا متواتر روزہ رکھتے۔ پھر سات سات دن کا روزہ ہوتا۔ پھر بیس بیس دن۔ پھر پچیس دن کا حتیٰ کہ ایک وقت آیا۔ کہ پچھتر دن کا روزہ رکھتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا۔ کہ پورے چالیس دن میں صرف ایک بادام کفایت کرتے۔

حضرت شیخ سہیل سن بلوغ کو پہنچے تو ہر برتن میں علیحدہ علیحدہ جنسیں رکھ لیں اور ان پر ان کے نام لکھ دیئے۔ مخلوق کو جمع کیا۔ اور ان لکھے ہوئے کاغذوں کو ان کے سروں پہ نچھاور کر دیا جو بھی کاغذ پاتا۔ اس پہ جو کچھ لکھا ہوتا پا لیتا۔ اور اس جنس سے اسے اس قدر ملتا کہ ساری زندگی کے لئے کافی ہوتا۔

ایک دفعہ حضرت عمر لیث رحمۃ اللہ علیہ سخت بیمار ہو گئے۔ طبیب علاج کرتے رہے مگر صحت نہ ہوئی۔ آخر کار حضرت شیخ سہیل کو طلب کیا۔ اور دعا کی التجا کی۔ آپ نے فرمایا۔ میری دعا ظالموں کے حق میں پوری نہیں ہوتی۔ ہاں اگر تم گناہوں سے توبہ کر لو۔ قیدیوں کو رہا کر دو۔ تو دعا قبول ہو گی۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے دعا کی صحت ہو گئی۔ اس نے اس شکرانہ میں بہت سا مال و دولت حضرت خواجہ کے نذر پیش کیا۔ مگر آپ نے لینے سے صاف انکار کر دیا

اور عمرو لیث کے محل سے باہر آگئے۔ واپسی پر صحرا سے گزرے۔ ایک مرید نے عرض کی۔ حضرت اگر نذرانہ قبول کر لیتے۔ تو قرض خواہوں کو ادا کر دیا جاتا۔ غریبوں میں تقسیم کر دیتے۔ آپ نے مرید کو کہا۔ اس صحرا پر نظر ڈالو۔ مرید نے دیکھا تو سارا صحرا، سونے اور جواہرات سے بھرا پڑا تھا۔ آپ نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں سے یوں نوازا ہو۔ وہ اہل دنیا سے کیا لے۔

حضرت خواجہ سہیل سماع سنتے تو بے ہوش ہو جاتے۔ پچیس ۲۵ دن تک وجد میں رہتے۔ کھانا نہ کھاتے۔ سردیوں میں بھی جسم مبارک سے پسینہ بہتا آپ کے کپڑے تر بتر ہو جاتے۔ حضرت پانی پر پاؤں رکھتے تو پاؤں تر نہ ہوتے۔ شیر اور چیتے آپ، کی قدم بوسی کرتے تو آپ ان پر مہربانی فرماتے۔ اور مختلف جانوروں کو غذا دیتے۔ آج تک آپ کا وہ گھر بیت السباع میں مشہور ہے۔

حضرت کی وفات کا وقت آیا۔ تو آپ کے مریدوں میں سے چار صد کامل اولیاء اللہ آپ کے پاس موجود تھے۔ میں نے گذارش کی کہ آپ کی مسند پر کون بیٹھے گا۔ منبر پر کون وعظ کرے گا۔ اس شہر میں ایک آتش پرست رہتا تھا جس کا نام شاد دل تھا۔ آپ نے فرمایا۔ میرے بعد میری مسند پر شاد دل بیٹھے گا۔ مریدوں نے سمجھا۔ آپ پر موت کا غلبہ ہے یوں بات کرتے ہیں۔ حضرت نے حکم دیا۔ کہ شاد دل کو بلایا جائے۔ جب وہ آیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں اپنے بعد تمہیں اہل اسلام کا مقتدا مقرر کر رہا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد تیسرے دن میرے منبر پر بیٹھ کر وعظ کرنا۔ یہ کہہ کر داصل بحق ہوئے۔ تیسرے دن مسلمانوں کا بہت بڑا مجمع تھا۔ آتش پرست شاد دل اپنے مجوسی لباس میں زنار باندھے منبر پر آ بیٹھا اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ مسلمانو! آپ کے پیرو مرشد نے مجھے آپ کی طرف رسول بنا کر یہاں بٹھایا ہے اور مجھے بشارت دی ہے۔ کہ اے شاد دل اب وقت آپہنچا ہے کہ تو ظاہری اور باطنی طور پر شاد دل (خوش دل) ہو جاؤ۔ تم دیکھ لو۔ میں نے تمہارے سامنے ظاہری زنار توڑ دیا ہے۔ اور اب شاد دل ہو رہا ہوں، تم بھی اپنے اندر کے زنار توڑ کر میرے نزدیک شاد دل ہو جاؤ۔ یہ بات سن کر سے" مجمع نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھا۔ لوگوں

کی دنیا بدل گئی۔ اسی دن سے شاد دل سجادہ مشیخیت پر جلوہ فرما ہوگیا۔ اور طالبان حق کی تکمیل میں مصروف ہوگیا۔

حضرت ابو طلحہ مالک فرماتے ہیں۔ حضرت سہیل جس دن ماں کے پیٹ سے باہر آئے تھے۔ اسی دن سے روزہ دار تھے۔ جس دن فوت ہوئے روزہ دار تھے۔ ساری عمر روزہ رکھا۔ ساری عمر دن کے وقت کبھی کھانا نہ کھایا۔

آپ کی وفات ماہ محرم الحرام ۲۸۶ھ کو ہوئی۔ صاحب نفحات الانس نے ۲۸۳ھ سن وفات لکھا ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے ۲۸۳ھ سال وفات لکھا ہے۔

جناب سہیل شاہنشاہ ذیجا - کہ در ملک دو عالم یافت شاہی
دو اقوال اند بہر سال وصلش - چو تاریخ وصالِ شیخ خواہی
یکے صدیق ہادی جہاں ست - دگر مقبول محبوب الٰہی
۲۸۳ھ ۲۸۲ھ

مبارک ہادی (۲۸۳ھ) سہیل عبد اللہ ولی (۲۸۳ھ) سے بھی سال وفات نکلتا ہے۔

شیخ ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ:۔ اسم گرامی احمد بن عیسیٰ لقب خراز اور طریقہ خرازیہ کے بانی تھے۔ آپ علماء شریعت اور مشائخ طریقت اور قطب الوقت زمانۂ خود تھے۔ علم تصوف میں چار سو سے زیادہ کتابیں لکھی تھیں۔ ذوالنون مصری۔ سری سقطی اور بشر حافی سے صحبت رکھتے تھے۔ سب سے پہلے جس صوفی نے فنا و بقا کی اصطلاحات رائج کیں وہ حضرت ابو سعید ہی تھے۔

آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ عنفوان جوانی میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ظاہری حسن و جمال سے نوازا تھا۔ ایک شخص میری اس شکل پر عاشق ہوگیا۔ میں اس سے کنارہ کشی کرتا۔ ایک دن میں ایک وادی میں آیا۔ تھوڑا سا فاصلہ چلا تو دیکھا۔ کہ وہ شخص میرے پیچھے پیچھے آرہا ہے۔ کہنے لگا اس وادی میں مجھ سے کہاں بچ کر جاؤ گے۔ میرے نزدیک ہی ایک کنواں تھا۔ میں نے کنوئیں

میں چھلانگ لگادی۔ اللہ نے مجھے بچالیا۔ وہ شخص کنویں کے کنارے پر بیٹھ کر رونے لگا۔ میں نے اللہ سے پناہ مانگی اور کہا۔ اے اللہ تو اس بات پر قادر ہے کہ مجھے کنویں سے زندہ رکھے اور اس شخص کے شر سے محفوظ رکھے۔ میں نے محسوس کیا۔ کہ ایک زوردار ہوا نے مجھے کنویں سے باہر لا پھینکا ہے۔ وہ شخص میرے پاس آیا۔ میرے ہاتھ پاؤں چومے۔ اور معذرت خواہی کی۔ جب تک زندہ رہا۔ صدق و صفائی سے میری مصاجبت میں رہا۔

آپ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ میں وادی سے گزر رہا تھا۔ میرے پاس زادراہ نہیں تھی چند دن فاقہ میں گذرے ایک دن میری نظریں ایک آبادی پر پڑیں۔ میں بڑا خوش ہوا۔ دیکھا تو یہ آبادی نہ تھی کھجوروں کا ایک باغ تھا۔ وہاں پہنچا آرام کیا۔ سکون حاصل ہوا۔ میرا خیال تھا کہ کچھ کھانے کو ملے گا۔ میرے نفس کی اس خواہش نے مجھے بے بس کر دیا۔ میں نے قسم کھائی۔ کہ اگر کچھ ملا بھی۔ تو میں نفس کو کچھ نہ دوں گا۔ ریت میں قبر کھودی۔ اور اس میں گھس کر بیٹھ گیا۔ کچھ عرصہ بعد ایک قافلہ آیا۔ اس نے وہاں ڈیرہ جمالیا۔ میرے پاس آئے۔ نہایت ادب و احترام سے مجھے اپنے پاس لے گئے۔ میں نے دریافت کیا۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ کہ میں اس قبر میں پڑا ہوا ہوں۔ انہوں نے بتایا۔ قدرت کی طرف سے ایک آواز آئی کہ ہمارا ایک ولی اس ریگستان میں پڑا ہوا ہے۔ اسے تلاش کرو۔ تلاش کرتے کرتے ہم یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔

حضرت کی وفات ۲۸۷ھ میں ہوئی تھی۔

زاہد ولی و عابد دین مقتدائے دیر ۔	عالم سخی ۔ اہل کرم سعد بو سعید
سالِ وصال او تو باقوالِ اہل کتب	گو بوسعید اسعد ہم سعد بوسعید
۲۸۷ھ	۲۸۶ھ

شیخ عباس بن حمزہ قدس سرہٗ:۔ آپ کی کنیت ابو الفضل اور اصل نیشاپور تھا۔ مشائخ وقت میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت ذوالنون مصری اور بایزید بسطامی سے دوستی تھی۔ ماہ ربیع الاول ۲۸۸ھ میں وفات پائی

چوزیں دنیائے دون فرمود رحلت - جناب شاہ عالی ابن حمزہ
بجستم سال ترحیلش خرد گفت جبیب عباس ہادی ابن حمزہ
۲۸۸ھ

شیخ ابوحمزہ بغدادی قدس سرہ:- آپ کا اسم گرامی محمد بن ابراہیم تھا۔ آپ کو بشر حافی سری سقطی۔ ابوتراب نخشی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی محبت تھی۔ آپ شیخ حارث مریس کے مرید تھے۔ ایک بار بغداد کے بازار میں سے گزر رہے تھے۔ یادالٰہی میں اس قدر مستغرق تھے۔ کہ دینا و ما فیہا کی خبر نہ رہی۔ سوچتے سوچتے شہر سے باہر جانکلے جب ہوش میں آئے تو دیکھا کہ ایک وادی میں کیکر کے درخت کے نیچے کھڑے ہیں۔ یہ وادی بغداد سے چار میل دُور تھی۔ نفحات الانس کے مولف نے آپ کا سن وفات ۲۸۹ھ لکھا ہے۔

شہ روئے زمیں ابوحمزہ - مرشد اہل دین ابوحمزہ
بہر تاریخ رحلتش سرور گو محب یقین ابوحمزہ
۲۸۹ھ

شیخ ابوحمزہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ:- آپ کا اصل وطن نیشاپور تھا۔ اجلہ مشائخ خراسان سے تھے۔ پیر طریقت۔ زہد و حقیقت میں یکتا تھے ایک بار ایک وادی میں سفر کے دوران نذر مانی کہ کسی سے کوئی امداد قبول نہیں کریں گے۔ اور نہ ہی اسباب دنیا میں سے کوئی چیز اپنے ساتھ رکھی۔ دوران سفر۔ لوٹا۔ یا رسی یا ڈول کچھ بھی نہ تھا چاندی کا ایک ٹکڑا جو آپ کی ہمشیرہ نے دیا تھا جیب میں تھا۔ وہ بھی راہ میں پھینک دیا۔ رستہ میں ایک کنواں آیا۔ آپ اس میں جا گرے۔ تین دن گذرے تو آپ نے محسوس کیا۔ کہ باہر کوئی لوگ گزر رہے ہیں۔ خیال آیا۔ کہ انہیں آواز دے کر امداد کے لئے کہا جائے مگر خاموش رہے۔ کہ اس طرح اللہ کے بغیر کسی دوسرے سے امداد طلب کی جائے۔ وہ کنوئیں کے سر پر آ پہنچے۔ یہ کنواں راستے میں ایسی جگہ پر تھا۔ کہ لوگوں کے گرنے کا احتمال تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ اسے مٹی سے پُر کر دیا جائے۔ ان کے اس فیصلے سے آپ کو بے پناہ پریشانی ہوئی۔ اگر چہ زندگی سے

مایوس ہو گئے مگر دل اللہ کے توکل پہ مطمئن تھا۔ لوگوں نے کنویں کی چھت لکڑیاں ڈال کر اُسے ڈھانپ دیا۔ رات کنویں کے کنارے پہ ایک دہشت ناک آواز سنائی دی۔ یوں معلوم ہوا۔ کہ کنواں کھل رہا ہے۔

آپ نے دیکھا ایک لمبا سا جانور کنویں میں کودا ہے۔ آپ نے فیصلہ کر لیا۔ کہ اس جانور کی امداد سے بھی میں باہر نہیں جاؤں گا۔ آواز آئی حمزہ! تمہارا یہ توکل خلاف عبادت ہے۔ تم باہر نکل آؤ۔ یہ جانور ہمارے ہی حکم سے اندر آرہا ہے۔ چونکہ تم نے صرف ہماری ذات پہ توکل کیا ہے۔ ہم نے ہی ایسے مہیب جانور کو تمہاری خدمت میں مقرر کیا ہے۔ جسے دیکھ کر جان نکل جاتی ہے۔ حضرت شیخ نے اس جانور کی دم پکڑی اور کنویں سے باہر آگئے۔

آپ کی وفات ۲۹۰ھ میں ہوئی تھی۔ آپ حضرت ابو حفص حداد کے پہلو میں دفن کئے گئے

شیخ اہل یقین ابو حمزہ - سید حق راہ امین ابو حمزہ

سال ترحیل دے عیاں گردد - از دلی قطب دین ابو حمزہ

۲۹۰ھ

شیخ ابو بکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ:- آپ کا اسم گرامی عبداللہ تھا۔ علوم ظاہری و باطنی میں جامع تھے سید الطائفہ جناب شیخ بغدادی سے صحبت رہتی تھی حضرت ابو الحسن نوری کے فیض یافتہ تھے۔ وفات ۲۹۱ھ میں ہوئی۔

حضرت بو بکر دقاق آنکہ بود - در علوم ظاہر و باطن فہیم

بندہ بو بکر سال رحلتش - نیر سرور گفت ہادی کریم

۲۹۰ھ

شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ:- آپ کی کنیت ابو اسحاق تھی۔ بغداد کے رہنے والے تھے۔ ہمیشہ جذب وصحو اور سکر کی کیفیت میں رہتے تھے۔ خاصان درگاہ الٰہی میں بلند مقام پہ تھے۔ سید جنید بغدادی اور

حضرت ابوالحسن نوری کے معاصرین اور احباب میں سے تھے۔ حضرت خضر سے بھی زیارت اور صحبت کا شرف حاصل تھا۔

شیخ ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایک بار میں مسجد میں نیم خوابی کی حالت میں تھا۔ مجھے آواز آئی۔ اگر میرے دوستوں میں سے ایک دوست کی زیارت کرنا چاہتے ہو تو ابھی اٹھو اور تل توبہ پر جاؤ۔ میں اٹھا راستے میں برف باری اور طوفان تھا۔ میں وہاں پہنچا تو ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ آپ برف میں چار زانو بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس برفانی فضا اور ٹھنڈک کے باوجود پسینے سے شرابور ہیں۔ برف آپ کے سر پر پڑتی فوراً پگل کر زمین پر بہہ جاتی تھی۔ میں آپ کو دیکھ کر بڑا دل خوش ہوا۔ میں نے پوچھا۔ آپ کو یہ رتبہ کیسے ملا۔ فرمایا فقراء کی خدمت سے۔

آپ بے پناہ متوکل اور قناعت کے مالک تھے۔ لوگ آپ کو رئیس المتوکلین کہا کرتے تھے۔ آپ کو خواص اس لئے کہا جاتا تھا۔ کہ آپ زنبیل سیا کرتے۔ اور سوئی دھاگہ اور قینچی کے علاوہ کوئی سامان پاس نہ رکھتے۔ فرمایا کرتے اس قدر اسباب توکل میں حائل نہیں ہوتے۔ ایک دفعہ فرمایا۔ حضرت خضر میری مجلس میں کچھ وقت گزارنا چاہتے تھے۔ میں نے پسند نہ کیا۔ مجھے ڈر تھا۔ کہ اللہ کے ساتھ جو راہ و رسم ہے۔ اس میں خلل واقع نہ ہو جائے۔

حضرت خواص فرماتے ہیں ایک وادی میں دہشت ناک شیر کا سامنا ہوا۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ میری طرف بڑھا۔ میں اور آگے بڑھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ لنگڑا کر چل رہا ہے اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے۔ اس نے اپنا زخمی پاؤں میرے آگے رکھ دیا۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ سوجا ہوا تھا۔ اور اس میں پیپ پڑی ہوئی ہے۔ میں نے سوئی لی اس کا پاؤں کھول دیا۔ قینچی سے اس کا پاؤں اتنا کھول دیا۔ حتیٰ کہ ساری پیپ بہہ نکلی۔ اس کا پاؤں خالی ہو گیا۔ گودڑی کا ایک ٹکڑا لے کر میں نے اس کے پاؤں کو باندھ دیا۔ اسے سکون آگیا۔ اٹھا۔ اور اپنی وادی میں چلا گیا۔ کچھ وقت گزرا میں نے دیکھا۔ کہ اپنے دو بچوں کو اپنے ساتھ لایا

ہے۔اور میرے پاس بٹھادیئے اور یہ بچے دم ہلانے لگے۔تھوڑا سا گوشت لاکر میرے سامنے رکھ دیا۔

آپ نے ایک اور واقعہ بیان کیا۔کہ ایک دن میں ایک وادی میں توکلاً علی اللہ سفر کر رہا تھا ایک شخص میرے پاس آیا۔مجھے سلام کیا۔اور ساتھ رہنے کی اجازت مانگی۔میں نے محسوس کیا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔میں نے اسے کہا۔جہاں میں جارہا ہوں وہاں تم نہیں جاسکتے۔اس نے گذارش کی۔تاہم آپ کے ساتھ جانے سے فائدہ سے خالی نہ ہوگا اور ساتھ ہولیا۔سفر میں پانچ دن رات کچھ کھائے پیئے بغیر گذر گئے تو وہ مجھے کہنے لگا۔اے توکل پہ چلنے والے۔اب توگستاخی کرکے اللہ سے کچھ کھانے کے لئے مانگ تو میں نے اللہ سے دعا مانگی اور کہا اے اللہ مجھے اس بیگانہ دین سے شرمسار نہ کرنا۔کچھ کھانے کا بندوبست کردے۔میں نے دیکھا۔ایک طبق اترا اس میں کھانے کا سامان بھرا پڑا ہے۔ہم دونوں بیٹھ گئے اور پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔اور اللہ کا شکر ادا کیا اب سات دن مزید سفر کرتے رہے اور کچھ نہ کھایا پیا۔میں نے کہا۔اب تم اپنے خدا سے کچھ کھانے کو مانگو۔اس نے بھی میری طرح آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کھانا طلب کیا۔میں نے دیکھا کہ دو طبق آسمان سے اترے جن میں کئی قسم کے کھانے چنے ہوئے تھے۔میں حیران رہ گیا۔وہ میری حیرانی کو تاڑ گیا۔کہنے لگا۔حضرت حیران نہ ہوں۔مجھے بھی مسلمان کیجئے۔یہ سب کچھ آپ کی صحبت کا فیض ہے۔یہ دونوں طبق آپ کی کرامت ہیں میں نے اللہ سے دعا کی تھی۔اللہ اپنے اس بندے کی طفیل آج کھانا بھیج۔اس دن سے وہ شخص مسلمان ہوگیا اور تربیت حاصل کرکے کامل انسان بن گیا۔

حضرت شیخ ابراہیم ۲۹۱ھ میں فوت ہوئے یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو غسل دیا۔آپ کا مزار مبارک طرک اصفہان کے قلعہ کے زیر سایہ ہے۔حضرت جامی نے اپنی کتاب نفحات الانس میں شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بیان کی ہے۔کہ حضرت شیخ ابراہیم جیسا پرہیبت ولی اللہ دیکھنے میں نہیں آیا۔

حضرت عبداللہ انصاری فرماتے ہیں۔ کہ میں نے آج تک کسی ولی اللہ کی قبر سے اتنی ہیبت نہیں پائی جتنی حضرت ابراہیم خواص کی قبر سے آتی تھی یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک شیر ہے جو سویا ہوا ہے۔ اور ابھی اٹھ بیٹھے گا۔

چو رحلت کرد ابراہیم ثانی ۔ بقرب ایزدی از دار دنیا
عیاں شد سال وصلش قطب مسعود ۔ دگر ہم سالک مسکین بفرما

۲۹۱ھ	۲۹۱ھ

قطب معلّیٰ	ابراہیم ہادی ۔	زبدۃ آفاق کامل
۲۹۱ھ	۲۹۱ھ	۲۹۱ھ

شیخ ابوالحسن نوری قدس سرہٗ:۔ اسم مبارک احمد بن محمد یا محمد بن محمد ابن البغوری رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ کے والد ماجد لغشور کے رہنے والے تھے جو ہرات اور مرو کے درمیان ہے۔ آپ بغداد میں پیدا ہوئے۔ مشائخ وصوفیہ آپ کو امیر القلوب کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ بعض صوفیاء آپ کو قمر الصوفیہ کے نام سے پکارتے تھے۔ آپ نے حضرت شیخ سری سقطی قدس سرہٗ سے خرقہ خلافت پایا تھا اور حضرت شیخ احمد حواری کی مجالس سے بھی استفادہ کیا۔ آپ حضرت جنید بغدادی کے معاصر تھے۔ خود مجتہد صاحب مذہب۔ امام طریقت اور سلسلہ نوریہ کے بانی تھے آپ کو نوری اس لئے کہا جاتا تھا۔ کہ رات کی تاریکی میں گفتگو فرماتے تو منہ سے نور کی کرنیں نظر آتیں جن سے سارا ماحول روشن ہو جاتا تھا۔ آپ نور کرامت سے لوگوں کے دلوں کے حالات معلوم کر لیتے۔ آپ صحرا میں ایک صومعہ میں رہا کرتے تھے۔ لوگ آپ کی زیارت کو جاتے تو آپ کے صومعہ سے نور کی شعاعیں دیکھتے جو آسمان کو چھوتیں۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ابتدائے کار میں ایک دن میں دریائے دجلہ پر گیا دو کشتیوں کے درمیان کھڑے ہو کر کہنے لگا۔ جب تک مجھے ساٹھ سیر کی ایک مچھلی نہ ملے گی میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ دریا سے ایک بہت بڑی مچھلی اچھلی میں کنارے پر لایا۔ اور کہا الحمدُ اللہ میرا کام ہو گیا۔ میں نے یہ کرامت حضرت جنید بغدادی کو سنائی۔ تو آپ نے فرمایا ابوالحسن اگر مچھلی کی بجائے اتنا بڑا سانپ نکل آتا۔ اور تجھے ڈس لیتا اور تم مر جاتے تو اس سے کہیں بہتر تھا۔ کہ تم اپنی کرامت کا فخریہ اظہار کرتے۔

خلیفہ بغداد کا ایک مقرب خلیل صوفیہ کی مخالفت پر کمربستہ ہوا۔ دربار میں کھڑے ہو کر کہنے لگا۔ امیرالمومنین! یہاں ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی ہے۔ جو سرود گاتی ہے اور رقص کرتی ہے۔ لوگ ان سے دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ خلاف شرع باتیں کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی وجہ سے لوگ اسلام سے برگشتہ ہو رہے ہیں۔ اگر آپ ان زندیقوں کے قلع قمع کرنے کا اختیار دیں تو میں اس فتنہ کو اکھاڑ پھینکوں۔ خلیفہ نے ان لوگوں کو دربار میں طلب کیا۔ شیخ ابوحمزہ۔ حضرت شبلی۔ حضرت رقام حضرت ابوالحسن نوری اور شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی کے علاوہ بہت سے صوفیاء حاضر دربار ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہم۔ خلیفہ نے سب کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ جلاد نے سب سے پہلے حضرت رقام کی گردن اڑانی چاہی مگر حضرت نوری کود کر آگے بڑھے اور اپنی گردن پیش کر دی۔ مسکراتے اور ہنستے ہوتے موت کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اہل دربار آپ کی اس جرات پر دنگ رہ گئے۔ لوگوں نے کہا۔ اللہ کے بندے۔ تلوار لحاظ نہیں کیا کرتی۔ آپ نے فرمایا۔ میرا طریقہ تصوف تو ایثار ہے۔ یہی میری دنیا کی عزیز ترین چیز ہے۔ میں اپنی زندگی کے چند لمحات اپنے بھائی پر نثار کرنا چاہتا ہوں۔ حالانکہ میں اس زندگی کو آخرت کے ہزار سال سے قیمتی جانتا ہوں۔ خلیفہ نے سنا۔ جلاد کو کہا۔ ہاتھ روک لو۔ مجھے علماء وقت سے فتویٰ لینے دو۔ قاضی شہر کو بلایا گیا قاضی نے کہا ان سب میں سے میں کامل علوم حضرت جنید ہیں۔ ابوالحسن تو دیوانہ مزاج

انسان ہیں۔ ان سے شرعی مسئلہ کیا پوچھوں۔ حضرت جنید بغدادی نے قاضی سے پوچھا حضرت بیس دینار پر زکوٰۃ کتنی دی جائے گی۔ حضرت شبلی نے پڑھ کر جواب دیا۔ کہ ساڑھے بیس دینار۔ قاضی نے پوچھا۔ کوئی شرعی دلیل۔ آپ نے فرمایا۔ سید نا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس چالیس ہزار دینار تھے آپ نے سب کے سب دے دیئے۔ اور کچھ نہ رکھا۔ ہم صوفیا سیدنا صدیق اکبر کی اتباع میں بیس کے بیس دیں گے۔ قاضی نے کہا کہ آدھا دینار کیا ہے؟ حضرت شبلی نے فرمایا۔ یہ کفارہ ہے اس بات کا کہ بیس دینار اپنے پاس کیوں جمع کئے رکھے۔ قاضی نے خلیفہ کی طرف منہ کر کے کہا۔ اگر یہ لوگ زندیق اور ملحد ہیں۔ تو میں فتویٰ دیتا ہوں کہ آج عالم اسلام میں کوئی بھی موحد نہیں ہے۔ خلیفہ اپنے تخت سے نیچے اترا صوفیاء کو احترام سے ملا۔ اور کہنے لگا۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو حاضر ہوں۔ صوفیاء نے کہا بس ایک تکلیف دیں گے۔ کہ آج کے بعد ہم سب کو اپنی مقبولیت سے دُور رکھیئے۔ اور پھر کبھی دربار میں طلب نہ کریں۔ خلیفہ رونے لگا۔ اور بے پناہ احترامات کے ساتھ الوداع کہنے دُور تک پاپیادہ باہر آیا۔

ایک دن حضرت ابوالحسن کے پاس ایک شخص حاضر ہوا۔ آپ اور وہ شخص دونوں رونے لگے۔ کچھ وقت گذرا تو وہ شخص رخصت ہوا۔ حاضرین مجلس نے پوچھا حضرت یہ کون شخص ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ ابلیس تھا۔ وہ اپنی خدمات اور قربت اللہ کے واقعات بیان کر کے رو رہا تھا۔ اور اسے اللہ کی بارگاہ سے محرومی پر رونا آتا تھا۔ میں اس کی باتیں سن کر رو رہا تھا۔ کہ جب اتنا قریب ترین دھتکارا جاسکتا ہے۔ تو دوسرا کون ہے جو دم مارے۔

ایک دن آپ دریائے دجلہ میں نہا رہے تھے۔ ایک چور آگے بڑھا۔ آپ کے کپڑے اٹھا کر بھاگ نکلا۔ ابھی تھوڑی دُور گیا تھا۔ کہ اس کا ہاتھ سوکھ گیا۔ واپس آیا جس جگہ سے کپڑے اٹھائے تھے لا رکھے۔ حضرت نوری نے دعا کی۔ اے اللہ۔ اس چور نے میرے کپڑے لوٹا دیئے ہیں۔ تو بھی اس کے بازو کو توانائی بخش دے۔ وہ اسی وقت صحت یاب ہو گیا۔

ایک بار بغداد کی مارکیٹ میں آگ بھڑک اٹھی سینکڑوں مکانات جل گئے۔لاکھوں کی جائیداد راکھ ہوگئی۔دو رومی غلام جو نہایت حسین وجمیل تھے۔آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آگئے۔ان کے مالک کو وہ بہت پیارے تھے۔اس نے اعلان کیا۔آج جوان دو غلاموں کو بچائے گا اسے دو ہزار دینار خالص انعام دوں گا۔کسی کو جرات نہ ہوتی تھی۔کہ بھڑکتے ہوئے شعلوں میں آگے بڑھے۔اتفاقاً حضرت ابوالحسن نوری وہاں سے گزر رہے تھے۔آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا۔اور آگ میں قدم رکھ کر آگے بڑھے۔بچّوں کو آگ کے شعلوں سے لے آئے۔اُس نے آپ کی خدمت میں دو ہزار دینار پیش کئے۔مگر آپ نے لوٹا دیئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے دنیا کی دولت قبول نہ کرنے کی وجہ سے مجھے یہ انعام دیا ہے۔

ایک دن حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کی خادمہ جس کا نام زیتونہ تھا۔آپ کی خدمت میں نان اور دودھ لے کر آئی۔حضرت نوری نے چولہے میں آگ جلائی تھی۔آپ کے ہاتھ سیاہی سے بھرے ہوئے تھے۔دھوئے بغیر کھانا کھانے لگے۔خادمہ نے دل میں کہا یہ کیسا غلیظ انسان ہے۔کہ گندے ہاتھوں کھانا کھانے لگا ہے۔ناگاہ ایک شخص اندر آیا۔اور شور مچانے لگا کہ زیتونہ نامی عورت نے میرے کپڑے چرائے ہیں۔میں اسے کوتوال کے پاس لے جاؤں گا۔وہ زیتونہ کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹنے لگا۔حضرت نوری اٹھے۔اور کہنے لگے۔اسے نہ لے جاؤ۔تمہارے کپڑے ابھی مل جاتے ہیں۔یہ بات کہہ ہی رہے تھے۔کہ ایک شخص کپڑوں کی ایک گٹھڑی اٹھائے اندر آیا۔اور کہا یہ کس کے کپڑے ہیں؟ اس شخص نے اپنے کپڑے پہچان کر زیتونہ کو چھوڑ دیا۔حضرت نوری نے زیتونہ کو کہا۔ایک بار پھر کہو کہ "یہ کتنا غلیظ آدمی ہے۔کہ گندے ہاتھ سے کھانا کھاتا ہے" خادمہ نے توبہ کی۔اور قدموں میں آگری۔

ایک دن حضرت نوری نے ایک شخص کو دیکھا کہ جس کا گدھا مر گیا تھا اور زور دار ژالہ باری ہو رہی تھی۔وہ شخص بہت گھبرایا ہوا تھا۔حضرت آگے بڑھے اور گدھے پر

قدم رکھ کر فرمانے لگے۔ اُٹھ۔ اور اس شخص کو اپنی منزل پر پہنچا۔ اس شخص نے آپ کا شکریہ ادا کیا اور چلتا بنا۔

صاحب نفحات الانس اور سکینۃ الاولیاء نے آپ کا سال وفات ۲۹۴ھ یا ۲۹۵ھ[1] لکھا ہے۔

حضرت نوری کہ از انوار وے ۔ گشت منوّر بجہاں نور دین

رفت چوں زین خانہ ظلمات ۔ صورت خورشید بخلد برین

رحلت او سید دین ابوالحسن ۔ طرفہ خرد گفت بصدق ویقین

۲۹۵ھ

لہ :۔ احمد بن محمد بن عبداللہ ابوالحسین نوری قدس سرہٗ حضرت سری سقطی کے شاگرد خاص اور حضرت جنید بغدادی کے جلیس مجالس خراسان کے رہنے والے تھے۔ بغداد میں زندگی گذاری۔ علم شریعت میں یگانہ روزگار تھے۔ نوریہ کا سلسلۂ طریقت آپ کے نام سے موسوم ہوا۔ شاعری میں ممتاز مقام کے مالک تھے۔ آپ کی ظاہری زندگی پابند شریعت تھی۔ حضرت جنید کی علمی آراء کے مرید تھے۔ شرع کے نفاذ میں خلیفہ وقت کے شراب خانہ کو توڑ پھوڑ دیا۔ خلیفہ نے پوچھا تم ایسا کرنے والے کون ہو۔ فرمایا میں محتسب ہوں۔ پوچھا تمہیں کس نے محتسب بنایا۔ فرمایا جس نے تجھے خلیفہ بنایا تھا۔ طریقت میں معارف الٰہیہ بیان کرتے ہیں جس سے ظاہر بین علماء اور امراء بھڑک اٹھتے۔ غلام جلیل نے آپ کے خلاف کفر کا فتویٰ حاصل کیا۔ مگر خلیفہ کے دربار میں آپ نے سب کو لاجواب کر دیا۔ آپ پر الزام تراشی کی گئی۔ مگر معترضین کو بجز ندامت کچھ ہاتھ نہ آیا۔ حضرت خواجہ فریدالدین عطار نے تذکرۃ اولیاء میں حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری نے کشف المحجوب میں صاحب رسالہ قیشریہ اور طبقات شعرانی نے آپ کو ہدیۂ تحسین پیش کیا ہے۔ آپ کا سلسلہ طریقت صدیوں تک عراق۔ ایران میں مقبول و محبوب رہا ۔(مترجم فاروقی)

شیخ عمرو بن عثمان صوفی و مکی قدس سرہٗ:۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کے مرید تھے۔
اور حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے استاد و مرشد تھے۔حضرت ابو سعید قدس سرہٗ کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے۔آپ علوم حقائق کے عالم تھے۔اسرار الٰہیہ پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔چونکہ آپ کی باتیں بڑی باریک اور پُر اسرار ہوا کرتی تھیں۔لوگوں کی سمجھ میں نہ آتی تھیں۔لوگوں نے آپ کو اپنی صفوں سے علیحدہ کر دیا۔مکہ معظمہ سے باہر نکال دیا۔ آپ جدہ میں آرہے۔یہی آپ کا مولد اور مسکن تھا۔آپ اس شہر کے قاضی مقرر ہوئے۔ بزرگانِ تصوّف کہتے ہیں کہ حضرت منصور حلاّج آپ کی رنجیدگی کا نشانہ بنے۔اور آپ کی ناراضگی سے ابتلا میں پڑے تھے۔

آپ کی وفات ۲۹۶ھ میں بغداد میں ہوئی۔ایک اور قول میں حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی کے سال وفات ۲۹۷ھ میں آپ کا وصال ہوا تھا۔

جناب شیخ عمرو ابن عثمان ۔ رئیس اولیاء قطب معلّٰی
چو از دار الفناء عزم سفر کرد ۔ بصد اعزاز در فردوس اعلیٰ
منور نامور سالِ وصالش ۔ دگر ہم راہنما گردد ہویدا

۲۹۶ھ ۲۹۶ھ ۲۹۶ھ

شیخ سمنون محبّ قدس سرہٗ:۔ آپ کا اسم گرامی ابوالحسین تھا۔اپنے آپ کو کذاب کے نام سے مشتہر کر رکھا تھا۔جو شخص آپ کو کذاب کہہ کر نہ پکارتا۔آپ اس کی آواز کا جواب نہ دیتے۔علوم شریعت و طریقت میں یگانہ روزگار تھے۔حضرت شیخ سری سقطی۔محمد بن علی قصاب۔ابو احمد قلانسی رحمۃ اللہ علیہم کی مجالس میں بیٹھتے حضرت جنید بغدادی اور ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہما کے خاص مقربین میں سے تھے۔
ایک دن حضرت سمنون کعبۃ اللہ میں تقریر فرما رہے تھے۔آپ نے دیکھا کہ سامعین

پوری توجہ نہیں دے رہے۔ آپ نے چھت سے لگی ہوئی قندیلوں کو مخاطب فرما کر کہا سنو!
میں تم سے محبت کی بات کرنا چاہتا ہوں۔ اسی وقت تمام قندیلیں حرکت کرنے لگیں رقص
میں آکر جھومنے لگیں۔ حتیٰ کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فرش پہ آگریں۔

ایک دن آپ محبت کے موضوع پر گفتگو فرما رہے تھے۔ ایک پرندہ اڑتا ہوا آیا
آپ کے سر پہ آبیٹھا۔ سر سے اترا۔ بازو پہ آبیٹھا۔ وہاں سے اڑا ہاتھ پہ آبیٹھا۔ تھوڑی دیر
بعد زمین پہ آبیٹھا۔ اور اپنی چونچ زمین پہ مارنے لگا۔ اُس کی چونچ سے خون بہنے لگا
حتیٰ کہ تڑپ کر مر گیا۔

کہتے ہیں۔ کہ آخرین عمر میں آپ نے سنّت نبوی پر عمل کرتے ہوئے۔ شادی کر لی۔
ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جب وہ تین سال کی ہوئی تو آپ کے دل میں اس بچی کی محبت
بڑھنے لگی۔ ایک رات حضرت سمنون نے خواب میں دیکھا۔ کہ قیامت برپا ہے۔ جھنڈے
لہرا رہے ہیں۔ ہر قوم کا ایک ایک جھنڈا نصب ہے۔ ان جھنڈوں کے درمیان ایک
بلند ترین جھنڈا ہے۔ جس سے نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ یہ جھنڈا سارے میدان
قیامت پر چھایا ہوا ہے۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ علم کن لوگوں کے لئے ہے۔ لوگوں
نے بتایا۔ محبّان خدا کے لئے۔ سمنون بھی اس جھنڈے کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔ ابھی
کھڑے ہوئے ہی تھے۔ کہ ایک شخص آگے بڑھا اور آپ کو بازو سے پکڑ کر باہر نکال دیا۔
آپ نے حیران ہو کر پوچھا۔ کیا میں محبّ خدا نہیں ہوں میرا تو نام ہی سمنون محبّ اللہ ہے
اس شخص نے بتایا تم محبّ خدا تھے۔ مگر جب سے تم اپنی تین سالہ بچی سے محبت کرنے لگے
ہو۔ اللہ کے دفتر سے تمہارا نام مٹا دیا گیا ہے سمنون نے چلا کر کہا۔ اے اللہ۔ مجھے اپنے
محبت کرنے والوں سے دُور نہ فرما۔ اگر میری بچی کی محبت قاطع محبت الہٰی ہے تو اسے
درمیان سے اٹھا لے۔ کہتے ہیں۔ آپ خواب کی اس آواز سے بیدار ہوئے اور گھر سے
رونے کی آواز سنی۔ پوچھا۔ کہ ہمارے گھر کیوں آہ و فغان برپا ہے۔ لوگوں نے بتایا۔ آپ

کی کچی چھت سے گر کر مر گئی ہے۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ۔ میری محبت کی قاطع کو اللہ نے اٹھا لیا ہے۔

ایک شخص خلیل نامی بغداد کے خلیفہ کا معتمد بن گیا۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ خلیفہ وقت کو وقت کے علماء اور اولیاء سے بے اعتقاد کر دیا جائے۔ وہ آئے دن حضرات مشائخ اور علماء کرام کے خلاف باتیں کرتا۔ اُن کی تضحیک کے لطیفے سناتا۔ ان دن حضرت سمنون کی مشائخیت کی شہرت سارے بغداد میں گونج رہی تھی۔ خلیل نے حضرت کو نشانہ بنانے کا پروگرام بنایا۔ اور ازرہِ حسد خلیفہ کے سامنے رسوا کرنا چاہتا تھا۔ ایک واقعہ یوں ہوا۔ کہ ایک عورت نے حضرت سمنون کو کہا کہ وہ اس کے ساتھ نکاح کر لیں۔ آپ نے انکار کر دیا وہ عورت حضرت جنید بغدادی کے پاس گئی۔ اور کہا۔ کہ آپ سمنون کو لکھیں کہ اس سے نکاح کر لے۔ حضرت جنید نے اسے اپنے دروازے سے ہٹا دیا۔ وہ عورت مایوس ہو کر خلیل کے پاس جا پہنچی۔ اور اس کے کہنے پر انتقام لینے کے لئے آپ پر تہمت لگانے لگی کہ سمنون نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے۔ خلیفہ وقت کے سامنے بیان دیئے۔ خلیل نے آپ کے قتل کے احکامات لے لئے۔ حضرت سمنون کو دربار میں طلب کیا گیا۔ جلاد کو حکم دیا۔ کہ آپ کی گردن اڑا دے۔ مگر اس حکم کے الفاظ زبان سے نکلنے نہ پائے تھے خلیفہ نے بڑا زور لگایا۔ مگر قتل کے احکام کی ادائیگی نہ ہوتی تھی اور کہا کہ انہیں کل دربار میں دوبارہ پیش کیا جائے۔ رات کو خلیفہ نے خواب میں سنا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ اگر تم نے حضرت سمنون کو قتل کرایا تو تمہاری سلطنت کا تختہ الٹ جائے گا۔ علی الصباح خلیفہ نے حضرت کو دربار میں طلب کیا معافی چاہی اعزاز و اکرام سے نوازا۔ خلیل یہ صورت حال دیکھ کر حسد سے جل گیا۔ وہ حضور سے اور دشمنی کرنے لگا۔ حتیٰ کہ جذام کی بیماری میں گرفتار ہو کر صاحبِ فراش ہو گیا۔ اس کے جسم سے پیپ اور خون رسنے لگا۔ حضرت سمنون کو خبر ہوئی تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اے اللہ! اسے صحت عطا فرما۔ خلیل نے حضرت کی دعا

کی خبر سنی۔ تو سخت شرمندہ ہوا۔ توبہ کی۔ اور جو کچھ بھی اس کے پاس تھا بزرگان دین کی نذر کر دیا۔ مگر بزرگان دین نے اس کے نذرانہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر حضرت سمنون نے اُس کی بیچارگی پر پھر دعا کی۔ اور پوری توجہ دی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے توبہ کی توفیق دی۔

شیخ سمنون نے ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔

شیخ سمنون صاحب حسن وجمال - شیخ کامل شیخ اکمل با کمال
سن ترحلیش صبور آمد میاں - ہم رقم شد مہربان سالِ وصال

شیخ ابو عثمان حیری قدس سرہٗ:۔ آپ کا اسم گرامی سعید بن اسماعیل نیشاپوری تھا۔ نیشاپور کے ایک حیرہ میں پیدا ہوئے اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔ آپ حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ اور ابوحفص حدّاد ۔یحیٰی بن معاذ رازی کی مجالس میں بیٹھتے بڑے صاحب کشف وکرامات تھے آپ اپنے ہم عصر صوفیاء میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ شیخ الشیوخ حضرت مخدوم علی ہجویری لاہوری قدس سرہٗ اپنی کتاب کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ حضرت ابو عثمان کو اللہ تعالےٰ نے تین بزرگان دین سے تین مقامات دیئے تھے۔ حضرت یحیٰی بن معاذ سے مقام رجا عطا ہوا حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے مقام عبرت حاصل کیا۔ اور حضرت ابوحفص حدآد قدس سرہٗ سے مقام شفقت حاصل ہوا۔

سفینۃ الاولیاء کے مولف حضرت داراشکوہ نے لکھا ہے۔ کہ ابو عثمان حیری نے حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی۔ حضرت رویم۔ حضرت یوسف ابن حسین اور حضرت محمد فضیل بلخی رحمۃ اللہ علیہم کی مجالس سے استفادہ کرتے تھے۔ ریاضت میں یگانۂ روزگار تھے ابتدائی عمر کے بیس سال تک ریاضت اور مجاہدہ میں صرف کئے اور ان بیس سالوں میں آپ نے بنی آدم کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ اور بڑی شفقت سے عبادت کرتے رہے۔ آپ کی آنکھیں ایک باریک سا سوراخ رہ گئیں۔ انسانوں سے نہ صرف اجتناب کرتے بلکہ ڈرتے تاہم بیس سال

کے بعد ایک وقت آیا کہ آپ کو حکم ہوا۔ کہ لوگوں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کریں۔ پہلے پہلے آپ نے ہمسایوں سے ملنا جلنا شروع کر دیا۔ پھر حکم ہوا کہ مجاوران کعبۃ اللہ سے ملیں چنانچہ مکہ مکرمہ پہنچے۔ حرمین الشریفین کے مشائخ آپ کی آمد سے کشفی طور پر واقف تھے۔ آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اور جب آپ کو اس صورت و شکل میں دیکھا تو پوچھنے لگے۔ ابو عثمان بتاؤ تم نے اتنا عرصہ کیسے گذارا۔ یہاں سے کیوں گئے۔ کیسے وقت گزرا۔ کیا کھویا۔ کیا پایا اور پھر واپس کیسے آ گئے۔ آپ نے فرمایا۔ میں سُکر کی حالت میں چلا گیا تھا۔ سُکر کے مصائب کو دیکھا مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ اب عاجز ہو کر اللہ کے گھر میں آ گیا ہوں۔

شیخ ابو عثمان قدس سرہٗ ۲۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار نیشا پور میں ہے۔

ابو عثمان جیری صاحب حق ۔ کہ بود اندر جہاں مطلوب و مرغوب
بتاریخ وصال او زہاتف ۔ ندا آمد کہ جیری بود محبوب

۲۹۸ھ

شیخ ابو العباس احمد بن محمد بن مسروق قدس سرہٗ:۔ آپ کی کنیت ابو العباس اور مولد و مسکن طوس تھا

بغداد میں قیام پذیر ہوئے۔ حضرت شیخ علی رودباری کے استاد تھے اور حضرت حارث محاسبی قدس سرہ کے شاگرد تھے۔ حضرت سری سقطی۔ محمد بن منصور اور محمد ابن الحسین سے صحبت اور مجالس رکھتے تھے۔ قطب المدار کی مجالس میں بھی پہنچتے تھے۔ آپ آخر کار خود بھی قطبیت کے درجہ کو پہنچے۔ آپ نے اپنی زبانی بتایا۔ کہ ایک دن ایک ضعیف العمر آدمی جو خرقۂ مشائخ میں ملبوس تھا۔ میرے پاس آیا۔ کہنے لگا۔ کہ میرے حق میں جو کچھ دل میں آتا ہے کہو میں نے نظر باطن سے دیکھا۔ تو وہ اندرونی طور پر اسلامی لباس سے بھی محروم اور عاری تھا۔ میرے پاس ہی حضرت شیخ جیری تشریف فرما تھے۔ میں نے آہستہ سے آپ کو بتایا کہ یہ اندرونی نامسلم ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اسے برملا نہ کہیں شاید یہ مسلمان ہو اور اسے یہ بات

گراں گزرے اور ناراض ہو جائے۔ میں نے کہا اب اس کے بغیر چارۂ کار بھی نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کہ تم تو غیر مسلم ہو۔ اس نے کہا۔ آپ نے سچ کہا ہے۔ میں نے ظاہری لباس آپ لوگوں کے امتحان کے لئے زیب تن کیا تھا۔ لیکن اب مجھے دامن اسلام میں جگہ دیں اس نے اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ اور مسلمان ہو گیا۔

آپ کی وفات ۲۹۹ھ کو ہوئی تھی۔

شہِ دینار دین شیخ زمانہ ۔ جناب شیخ بوالعباس کامل!

چو جستم سال وصلش از دلِ خویش ۔ ندا گردید بوالعباس واصل

۲۹۹ھ

شیخ یوسف بن حسین رازی قدس سرہٗ:- آپ کی کنیت ابو یعقوب تھی۔ متقدمین میں شمار ہوتا تھا۔ آپ ذوالنون مصری کے مرید اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کے شاگرد تھے۔ حضرت ابو تراب سے مجالس ہوتیں ابو سعید خراز کے مصاحبین میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی عمر دی تھی۔ آپ آغاز جوانی میں بڑے حسین وجمیل نوجوان تھے۔ عرب کے علاقہ میں پہنچے وہاں کے بادشاہ کی اکلوتی بیٹی آپ کے عشق میں وارفتہ ہو گئی۔ آدھی رات کے وقت لڑکی نے بادشاہ کے محلات کو خیر باد کہا اور آپ کے پاس آگئی۔ آپ اسے دیکھ کر اللہ کے خوف سے کانپ اٹھے۔ وہاں سے بھاگ گئے۔ شہر سے دُور جا کر ایک ویرانے میں سو رہے۔ خواب میں دیکھا کہ ایک سرسبز وادی میں ہیں۔ ایک شخص شاہانہ لباس میں تخت نشین ہے۔ اس کے اِردگرد سبز پوش لوگ صف بستہ کھڑے ہیں۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے بتایا۔ یہ حضرت یوسف ہیں۔ جو یوسف بن حسین کی زیارت کو آئے ہیں۔ آپ یہ بات سُن کر رو پڑے فرمایا۔ میں کیا چیز ہوں۔ جسے حضرت یوسف جیسے پیغمبر خدا ملنے آئیں۔ تخت کے پاس پہنچے۔ سلام عرض کیا حضرت یوسف تخت سے نیچے آئے۔ اور شیخ کو بغل میں لے لیا۔ اور اپنے تخت پہ بٹھایا۔ اور

بڑی عزت بخشی۔ شیخ یوسف نے عرض کی حضرت آپ اللہ کے نبی ہیں۔ مجھ جیسے عاجز پر اتنی کرم نوازی کیسے ہے؟ آپ نے فرمایا۔ جب بادشاہِ عرب کی بیٹی اپنے پورے حسن و شباب سے تم پر مائل ہوئی اور اپنے آپ کو تمہارے سپرد کر دیا۔ اور تم اللہ کے خوف سے وہاں سے بھاگ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اور فرشتوں کو حکم دیا۔ کہ دیکھو۔ تم نے زلیخا کے ورغلانے پر قصد کرنے کا خیال کیا تھا۔ کہ ہم نے تمہاری حفاظت فرمائی۔ مگر میرے محبوب کا امتی آج بغیر کسی خیال کے حسن و شباب کی ساری دولت کو ٹھکرا کر میری پناہ میں آ رہا ہے آج میں اور یہ فرشتے تمہارے استقبال کو آئے ہیں۔ تم اللہ کے برگزیدہ انسانوں میں سے ہو۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاؤ۔ ان کے پاس اسم اعظم ہے۔ ان سے فیض پاؤ۔

حضرت یوسف بیدار ہوئے۔ مصر کا رُخ کیا۔ حضرت ذوالنون مصری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تین سال تک ایک بھی سوال نہ کیا تین سال بعد حضرت ذوالنون مصری نے آپ سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ آپ نے اسم اعظم کا سوال کیا۔ حضرت ذوالنون مصری نے سر پر ایک بڑی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ آپ نے شیخ یوسف کو عطا فرما دی۔ اور کہا اسے لے جاؤ۔ اور میرے ایک دوست کے پاس لے جاؤ اور یہ امانت اسے دے آؤ حضرت شیخ یوسف لے کر چلے۔ راہ میں اس ٹوپی میں کسی چیز سے حرکت کی۔ آپ نے سوچا دیکھوں اس میں کیا چیز ہے۔ سر سے اتار کر دیکھنے لگے۔ تو ایک چوہیا پھدک کر دور بھاگ گئی۔ آپ نے خیال کیا۔ کہ حضرت ذوالنون مصری نے آپ سے مذاق کیا ہے۔ واپس آ گئے۔ اور غصہ میں بھرے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا۔ ابھی تک تم ایک چوہیا کی امانت کو سنبھالنے کی اہلیت نہیں رکھتے اسم اعظم کی برداشت کیسے کرو گے اب اسی وقت اپنے وطن چلے جاؤ۔ پھر کسی وقت آنا۔

حضرت شیخ یوسف رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن آ گئے۔ اور ایک عرصہ دراز تک ریاضت اور مجاہدے کرتے رہے۔ اور بلند مقامات پر پہنچے۔ حضرت ذوالنون مصری نے آتے وقت

آپ کو تین نصیحتیں کی تھیں۔ اور فرمایا۔ یہ تین نصیحتیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو بڑی ہے۔ ایک چھوٹی ہے اور ایک درمیانی ہے بڑی نصیحت یہ ہے۔ کہ آج تک جو کچھ تم نے پڑھا ہے یا لکھا ہے اسے فراموش کر دو۔ تاکہ حجابات ختم ہو جائیں۔ دوسری چھوٹی نصیحت یہ ہے کہ میرا نام کسی کو نہ بتانا۔ کہ میں تمہارا پیر و مرشد ہوں۔ اس میں خود ستائی پائی جاتی ہے تیسرے مخلوق کو ترغیب دینا اور اللہ کی طرف بلانا۔ مگر خود درمیان میں نہ آنا۔ یہ فرماتے ہوئے رخصت کر دیا۔

حضرت شیخ یوسف قدس سرہٗ مصر سے اپنے وطن آئے۔ شہر میں وعظ کہنا شروع کیا چونکہ آپ باریک اور دقیق مسائل بیان فرماتے لوگوں نے آہستہ آہستہ آپ کی مجلس وعظ سے بھاگنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ ایک شخص بھی آپ کا وعظ سننے نہ آتا۔ ایک دن وعظ فرمانے لگے۔ تو دل میں خیال آیا۔ کہ میں کس کو وعظ سناؤں کیوں نہ اسے چھوڑ کر چلا جاؤں۔ یہ خیال آیا ہی تھا کہ گلی سے ایک بوڑھی عورت سے آواز دی۔ اپنے پیر و مرشد کی نصیحت کو بھول گئے ہو۔ تم نے عہد کیا تھا۔ کہ مخلوق کو نصیحت محض اللہ کے لئے کرے گا۔ تم وعظ کرتے جاؤ۔ کوئی آئے۔ یا نہ آئے۔ کہتے ہیں۔ آپ اسی طرح پچاس سال تک وعظ کرتے رہے شہروں۔ گاؤں۔ جنگلوں۔ صحراؤں میں غرضیکہ یہ کام ہر مقام پر جاری رکھا۔ ایک دن ایک بزرگ عبدالواحد بن زید آپ کی مجلس وعظ میں آئے۔ یہ وہ بزرگ تھے جنہیں والدین نے عاق کر دیا تھا اور بڑے سالک راہ خدا تھے۔ اس دن حضرت شیخ یوسف وعظ میں فرما رہے تھے کہ ایک ایسا وقت آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی طرف بلا لیتا ہے یہ بات عبدالواحد کے دل کو لگی۔ اپنی ٹوپی اتار کر پھینک دی۔ کپڑے پھاڑ دیئے۔ نعرے مارتے ہوئے گورستان کی طرف چل نکلے۔ تین دن رات قبرستان میں بے ہوش پڑے رہے حضرت یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں اللہ کا خطاب سنا کہ صبح اٹھو۔ اور میرے بندے کو تلاش کر کے تسلی دو۔ حضرت یوسف اٹھے اور عبدالواحد کو ڈھونڈنے لگے۔ دیکھا قبرستان

میں بے سُدھ پڑے ہوئے ہیں۔ شیخ نے انہیں اٹھایا گلے لگایا۔اس نے آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا۔آپ کو تین دن سے حکم ہوا ہے۔کہ مجھے تلاش کرو۔آپ بڑی دیر سے پہنچے۔

ایک سوداگر کے پاس ایک کنیز تھی جو اپنے حسن و جمال میں بے مثال تھی وہ کہیں سفر پر جانے لگا تو اس نے شیخ حیری کو نیک بزرگ خیال کر کے کنیز کو آپ کے پاس بطور امانت چھوڑ گیا۔اور خود سفر پر روانہ ہو گیا۔چند دنوں بعد شیخ حیری اس کنیز کے حسن و جمال پر شیفتہ و مبتلا ہو گئے مگر اس وسوسہ شیطانی کو دُور کرنے کے لئے ریاضت و عبادت کرتے اور ساتھ ہی حضرت شیخ ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس فتنہ سے نجات کے لئے دستگیری کی درخواست کی۔آپ نے فرمایا۔تمہاری اس مشکل کا حل شیخ یوسف حسین کی دعا میں ہے۔آپ ان کی خدمت میں جائیں۔حضرت حیری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے قطع مسافت کرتے ہوئے۔آپ کے شہر میں پہنچے۔آپ کے گھر کا پوچھا۔تو لوگوں نے بتایا۔ آپ نیک صورت اور بزرگ انسان دکھائی دیتے ہیں۔ایسے بے دین اور زندیق کے گھر جا کر کیا کرو گے۔شیخ عثمان حیری بہت سے لوگوں کی بات سن کر واپس آ گئے۔اور اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں سارا واقعہ پیش کیا۔آپ نے فرمایا۔تم حسین یوسف کو ملے ہو۔کہنے لگے۔حضرت سارا شہر گواہی دیتا تھا۔کہ وہ ملحد اور زندیق شخص ہے میں تو ان کے پاس نہیں گیا نہ انہیں دیکھا۔آپ نے فرمایا تمہیں شہر کے لوگوں سے کیا واسطہ۔جاؤ اور حضرت حسین یوسف کو ملو۔اور اپنا کام کراؤ۔حضرت عثمان واپس گئے۔آپ نے دیکھا ایک بوڑھا دیکھا اپنے پاس ایک خوبرو لڑکا بٹھائے بیٹھا ہے۔اور سامنے جام و مینا رکھے ہیں۔لیکن چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔سلام کے بعد عرض کی۔حضرت یہ کیا ماجرا ہے۔حضرت یوسف حسین نے فرمایا۔گھبراؤ نہیں یہ لڑکا میرا بیٹا ہے۔لوگوں کو اس بات کا علم نہیں۔میں اسے قرآن پڑھاتا ہوں۔اس جام و مینا میں شربت رکھا ہے۔میں اپنی صحت کے لئے پیتا ہوں۔لوگ باہر سے دیکھ کر چلے جاتے ہیں۔حضرت شیخ حیری نے کہا۔آپ ایسا کیوں کرتے ہیں لوگوں میں

غلط تاثر پھیلا ہوا ہے۔آپ نے فرمایا۔ میں ایسا اس لئے کرتا ہوں کہ لوگوں کو میری نیکی اور تقوی پر بھروسہ نہ ہو جائے۔اور کہیں کوئی سوداگر اپنی خوبصورت کنیز امانت چھوڑ کر چلا جائے۔اور پھر میں اس پر عاشق ہو جاؤں۔شیخ عثمان حیری نے آپ کی بات سنی تو قدموں میں گر گئے اور اپنے نفس کی سرکشی اور شیطانی وسوسہ سے نجات پائی۔

شیخ یوسف حسین رحمۃ اللہ علیہ ۳۰۴ھ میں فوت ہوئے۔

یوسفِ دین نبی یوسف حسین - شد چو از دنیائے دوں اندر جہاں
سالِ ترحیلش بقول اہل دین - یوسف ہادی حسین آمد عیاں
باز قطب الدین حسین اے نیک خو - سن وصل و سال ترحیلش بخواں

۳۰۴ھ

لہ : حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی بڑی تعریف کی ہے اور کشف المحجوب میں آپ پر ایک مقالہ لکھا ہے صاحب نفحات الانس نے آپ کو صوفیاء کے طبقہ ثانیہ میں شمار کیا ہے۔اور اپنے وقت کے امام بتایا ہے۔فرقہ ملامتیہ سے رغبت رکھتے تھے۔لوگوں کو اپنی شہرت سے دور رکھنے کے لئے بعض ایسی حرکات کرتے جس سے عام لوگ ہٹ جاتے۔آپ حضرت ذوالنون مصری کی زیارت کے لئے مصر گئے تو انہیں دیکھتے ہی آپ کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے حضرت ذوالنون نے فرمایا۔لوگوں کی تعریف سے مطمئن نہ ہونا اور ان کی قبولیت پر ناز نہ کرنا۔یہ لوگ سکون کے ڈاکو ہوتے ہیں۔

شیخ عبداللہ ابوالعباس بستی بن محمد بن نافع بن مکرم قدس سرہٗ:۔ آپکی نسبت علاقہ قندھا کے رہنے والے تھے۔ تاریخ ابن کثیر میں لکھا ہے۔ کہ ابوالعباس بستی رحمۃ اللہ علیہ نے ستر سال تک پہلو زمین پر نہ لگایا نہ سوئے۔ دیوار یا ستون سے تکیہ لگا لیتے اور عبادت خداوندی میں مشغول رہتے۔ نیشاپور سے حرمین الشریفین میں پہنچے۔ ایک عرصہ تک بیت المقدس میں قیام کیا محرم الحرام ۳۰۴ھ میں فوت ہوئے۔

جناب شیخ عبداللہ بستی ۔ کہ بود او پیر حق آگاہ ہادی
بتاریخ وصال او خرد گفت ۔ ابوالعباس عبداللہ ہادی
۳۰۴ھ

شیخ ابوعبداللہ بن جلا قدس سرہٗ:۔ آپ کا اسم گرامی احمد یحیٰی تھا۔ بغداد میں رہتے تھے دمشق میں سکونت گزین ہوئے۔ شام کے اجلہ مشائخ میں سے تھے۔ آپ شیخ ابوتراب نخشبی کے مرید تھے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے صحبت رکھتے تھے۔ ۳۰۶ھ یا ۳۰۷ھ میں وفات ہوئی۔

شیخ دین ابن جلا چوں از جہاں ۔ رفت در جنت شدہ منزل گزین
بدر اہل دین است سال وصل او ۔ ہم عیاں شد اہل دین اہل یقین
۳۰۶ھ ۳۰۷ھ

حضرت حسین بن منصور حلاج قدس سرہٗ:۔ آپ کی کنیت ابوالمغیث تھی بیضائے فارس کے رہنے والے تھے۔ سوز و مستی شوق و سُکر میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ آپ نے بڑی جدوجہد سے کام لیا۔ مخصوص احوال و مقامات حاصل کئے۔ بلند پایہ تصانیف یادگار چھوڑیں۔ اسرار و حقائق معرفت میں بڑی خشک اور پیچیدہ عبادات سے اظہار خیال کرتے تھے۔ بایں ہمہ آپ کا کلام فصاحت و بلاغت سے مالا مال تھا۔ ان کلمات کی وجہ سے بہت سے علماء و مشائخ نے آپ کے کلمات پر اعتراض کیا ہے۔ اور ان

کے دعووں سے انکار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہیں علوم تصوف میں کوئی درک نہیں۔ بایں ہمہ ابن عطاء
عبداللہ خفیف۔ شبلی۔ ابوالقاسم نصر آبادی۔ سید مخدوم ابوالحسن الہجویری گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
قدس سرہم جیسے مشاہیر نے آپ کے کلام کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا ہے۔ شیخ ابوالقاسم گرگانی
شیخ بوعلی فارمدی۔ امام یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہم تو آپ کے قریبی احباب میں سے تھے اور
آپ کے اسرار و رموز کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور پھر اس کی ترجمانی بھی کرتے تھے۔ حضرت
ابوالقاسم قشیری جیسے دوسرے مشائخ نے آپ کے کلام کو ساحرانہ قرار دیا تھا۔ بعض ظاہرین
علماء نے آپ کی گفتگو کو کفر سے تعبیر کیا۔ بعض نے آپ کو حلولی قرار دیا۔ لیکن جسے توحید کے
رموز و اسرار سے واقفیت تھی۔ وہ اسے حلول نہیں کہہ سکتا۔ چنانچہ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ
الغفار نے آپ کے کلام کو عین توحید قرار دیا ہے۔ اور فرمایا مجھے اس شخص پر سخت تعجب آتا ہے
کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ایک درخت سے اِنّیِ اِنَ اللہ کی آواز کو توحید پر
منطبق کرے اور جب یہی آواز حسین منصور سے آئے تو اسے کفر قرار دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
بات کریں تو ینطق الحق علی لِسَانِ العُمَر (اللہ تعالیٰ عمر کی زبان سے بات کرتا ہے) کو توحید خیال
کریں۔ مگر یہی بات حسین ابن منصور کی زبان سے نکلے۔ تو اسے حلول اور الحاد سے تعبیر کیا جائے

حضرت حسین ابن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے کائنات ارضی کی سیاحت کی۔ مخلوق خدا کو اللہ کی
طرف دعوت دیتے رہے۔ سولہ سال کی عمر میں حضرت عبداللہ تستری رحمۃ اللہ کی صحبت سے استفادہ
کیا۔ بغداد آئے مشائخ بغداد سے استفادہ کیا۔ بصرے پہنچے۔ علماء و مشائخ سے گفتگو رہی۔ ابو
عثمان عمرو مکی سے تعلق پیدا کیا۔ اور ایک عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے۔ حضرت ابو یعقوب
الاقطع آپ کی ذہانت و کمالات سے اتنے متاثر تھے۔ کہ اپنی بیٹی آپ کے نکاح میں دے
دی۔ حضرت ابو عثمان نے علم حقائق میں ایک کتاب لکھی تھی۔ وہ جن اسرار و رموز تصوف پر مشتمل
تھی۔ وہ علماء ظاہر کے لئے ناقابل فہم تھے۔ آپ نے اس کتاب کو ایک عرصہ پوشیدہ رکھا۔
حسین بن منصور نے بڑی جرأت کر کے اس کتاب کے مسائل کو منبروں پر کھڑے ہو کر بیان

کرنا شروع کئے۔ عام علماء کی مجالس میں بیان کئے۔ لوگوں میں واقعی ایک شور برپا ہونے لگا۔ لوگوں نے حسین منصور تو کیا۔ ابو عثمان عمرو کے بھی خلاف ہو گئے۔ حضرت ابو عثمان ان رموز کے افشاء پر حضرت حسین منصور سے سخت ناراض ہوئے۔ اور اپنی مجالس سے علیحدہ کر دیا۔ ساتھ ہی جلال میں آکر فرمایا۔ اللہ حسین کی زبان اور دست و پا کو قطع کردے اور کوئی ایسا شخص پیدا کرے جو اسے تختۂ دار پر کھڑا کرے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت حسین منصور بغداد آئے حضرت جنید بغدادی کی محفل میں ان مسائل پر گفتگو کی۔ مگر آپ نے آپ کے خیالات کو قبول نہ فرمایا۔ بغداد کو چھوڑ کر تستر میں ایک سال تک قیام کیا۔ آپ کسی ظاہر بین عالم کی بات کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور اپنے خیالات کا برملا اظہار کرتے جاتے تھے۔ بعض حلقوں میں آپ کے خلاف حسد پیدا ہو گیا اور اختلاف کی آگ بھڑکنے لگی آپ وہاں سے خراسان میں آگئے۔ اور پورے پانچ سال تک عام لوگوں سے پوشیدہ رہے۔ پانچ سال بعد قاداں میں آئے اور چند کتابیں تصنیف کیں۔ اہواز کے علماء سے گفتگو کی۔ ان کی اس گفتگو نے ان علاقوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی۔ لوگ آپ کے گرویدہ ہونے لگے۔ حتیٰ کہ آپ کو حلّاج الاسرار کیا جانے لگا۔ آپ بصرہ گئے۔ اور پھر حرمین الشریفین حاضر ہوئے حرم میں حضرت ابو یعقوب نہر جوری نے آپ کو جادوگری سے منسوب کیا۔ آپ پھر بصرہ میں آئے۔ اور وہاں سے اہواز پہنچے۔ کچھ عرصہ کے بعد ہندوستان (پاک و ہند) میں آئے۔ اور ایک عرصہ تک علماء مشائخ ہند سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ اور خلق کو اللہ کی طرف دعوت دینے میں مصروف رہے۔ پھر ماوراالنہر اور چین ماچین میں جاکر بڑی گراں قدر کتابیں تصنیف کیں۔ جب آپ واپس آئے۔ تو مختلف ممالک کے علماء کرام اور مشائخ نے آپ کو خط لکھنے اور بعض رموز تصوّف دریافت کرنے شروع کئے۔ ہندوستان والے آپ کو ابو المغیث کے لقب سے یاد کرتے۔ چین والے آپ کو ابو المعین قرار دیتے خراسان کے علماء ابو المحیز کہہ کر خطاب کرتے فارس کے خطوں میں آپ کو ابو عبد اللہ کہہ کر مخاطب کیا جاتا۔ خراسان کے خطوں میں صلاح الاسرار کے نام سے یاد کیا جاتا تھا

بغداد میں آپ کا نام اصطلم تھا۔ اور بصرہ والے آپ کو مجیز کہہ کر یاد کرتے آپ کچھ عرصہ بعد مکہ مکرمہ چلے گئے دو سال تک حرم پاک کی مجاوری کی سعادت حاصل کی۔ بہت سے احوال حقیقت آپ پر ظاہر ہوئے۔ واپس آکر مخلوق کو پھر دعوت فکر دی۔ چونکہ لوگ آپ کے ان احوال و مقامات سے واقف نہ تھے۔ آپ کی مخالفت بڑھنے لگی۔ اور آپ کو پچاس شہروں سے نکال دیا گیا۔

حلاج آپ کو اس لئے کہا کرتے تھے۔ کہ ایک بار آپ روئی کے ایک ڈھیر کے قریب سے گزرے۔ ایک نگاہ کی۔ تو روئی اور بنولے علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ اس دن سے آپ کو حلاج کہا جانے لگا ع۱

حضرت حسین رات دن میں چار سو ۴۰۰ رکعت نماز ادا کرتے تھے اتنی عبادت کو اپنے لئے فریضہ تصور کرتے لوگوں نے آپ کو پوچھا۔ آپ جس مقام پر فائز ہیں۔ اتنی عبادت اور ریاضت کی کیا ضرورت ہے۔ آپ فرماتے۔ رنج و راحت کا دستور پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ یہ فانی لوگ ہوتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پچاس سال کی عمر میں ہزار سال کی نمازیں ادا کی ہیں۔ اور ہر نماز فرض سے پہلے غسل کیا ہے۔

حضرت رشید سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک بار حسین منصور اپنے چار صد ہم خیال صوفیاء کو ساتھ لے کر کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں یہ قافلہ راستہ بھول گیا۔ اور ایک نامعلوم وادی میں جا پہنچا۔ کھانے کی کمی ہوئی۔ چار دن تک سارے لوگ بھوک سے بے حال ہونے لگے، تو آپ سے خوراک کا مطالبہ کیا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ اور صف بستہ ہو جاؤ۔ جب سب صف بستہ

ع۱ حضرت ابوسعید ابوالخیر نے آپ کے نام کی ایک اور توجیہ لکھی ہے۔ کہ آپ کو ایک دُھنیے سے دوستی تھی۔ ہر وقت اُس کے پاس وقت گذارتے ایک دن اس دُھنیے نے از راہ محبت آپ کو روئی اور بنولے علیحدہ کرنے پر لگا دیا۔ تو آپ نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا۔ کہ تمام بنولے روئی سے جدا ہو کر علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ آپ کے انداز کلام سے حق و باطل بھی علیحدہ علیحدہ ہو گیا تھا۔ اس دن سے آپ کا نام حلاج پڑ گیا۔ (مترجم)

ہو گئے۔ آپ ہاتھ سے ہر ایک کے سامنے دو روٹیاں اور بھنا ہوا گوشت رکھتے جاتے۔ اس طرح چار سو افراد کے لئے کھانا مہیا کیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے۔ تو کھجوریں آگئیں اور وادی کے ایک ہی درخت کو جھاڑ کر اتنی کھجوریں حاصل ہوئیں کہ چار سو افراد سیر ہو گئے۔ دوران سفر آپ جس درخت سے پشت لگاتے میوہ زمین پر گرتا۔ اور لوگ پیٹ بھر کر کھاتے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ صحرا میں کوئی درخت نہ تھا۔ آپ نے کھڑے ہو کر دوستوں کو کہا اب مجھے ہلاؤ۔ دوستوں نے آپ کو ایسا ہلانا شروع کیا۔ جیسے درخت کو جھاڑا جاتا ہے۔ اتنی کھجوریں گریں کہ سب سیر ہو گئے۔ ایک دفعہ دوستوں نے انجیر کھانے کا مطالبہ کیا۔ اسی وقت آسمان سے انجیر کے طباق گرنے لگے۔ احباب کے سامنے چنے گئے۔ جنہوں نے پیٹ بھر کر کھائے

ایک دن آپ ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ ایک بچھو آپ کے گرد اگرد چکر لگا رہا تھا۔ آپ کے ایک دوست نے دیکھا تو بچھو کو مارنے دوڑا۔ آپ نے اسے منع کیا اور فرمایا بارہ سال ہوئے ایسی کئی چیزیں میری رفیق زندگی رہی ہیں۔ بچھو تو میری گودڑی میں آشیانہ بنائے رہتے ہیں۔

جب آپ پر سکر وحدت کا غلبہ ہوا تو آپ درجہ فنا فی الفناء پر فائز ہوئے ہر وقت کلمہ انا الحق کہتے رہتے تھے۔ لوگوں کی زبانیں آپ کے خلاف کھلنے لگیں۔ خلیفہ بغداد کو بھی یہ خبر پہنچی۔ علماء ظاہر بیں نے آپ کو قتل کر دینے کا فتویٰ دیا۔ محمد داود نامی شخص اور دوسرے کئی گروہ آپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ علماء فقہا نے احتجاج کیا۔ خلیفہ مقتدر باللہ کو آپ کو قتل کرنے پر آمادہ کیا۔ انہی دنوں حضرت حسین سید الطائفہ جنید بغدادی کے دروازے پر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ زور سے دستک دی۔ آپ نے کہا۔ کون ہے؟ حسین بن منصور نے کہا انا الحق (میں اللہ ہوں) آپ نے فرمایا۔ ایسا نہ کہو۔ بلکہ یوں کہو کہ ہو الحق (وہ اللہ ہے)، کہا۔ ہاں وہ ہمہ اوست ہے۔ مگر آپ کہتے ہیں کہ اللہ گم ہے۔ حالانکہ حسین ابن منصور گم ہے۔ اللہ تو موجود ہے۔ باقی ہے۔ حضرت جنید بغدادی نے فرمایا عنقریب وہ وقت آنے والا ہے۔ کہ تم تختۂ دار کو اپنے خون سے رنگین کرو گے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ مگر اس وقت جب آپ باطنی لباس

سے عاری ہو کر ظاہری لباس زیب تن کریں گے۔

علماء ظاہر بین حسین بن منصور کے خلاف فتویٰ قتل لے کر خلیفہ وقت کے پاس گئے خلیفہ نے کہا۔ جب تک حضرت جنید اس فتویٰ کی تائید و تصدیق نہیں کریں گے میں اس کے قتل کا حکم نہیں دوں گا۔ چنانچہ علماء کرام حضرت جنید قدس سرہٗ کی خدمت میں گئے۔ اور اصرار کیا وہ اس فتویٰ کی تصدیق فرماویں۔ آپ حجرے سے نکلے۔ صوفیاء کا لباس اتارا۔ علماء کی خلعت زیب تن کی۔ اور اس فتویٰ پر لکھا۔ نَحْنُ نَحْکُمُ بِالظَّاہِر (ہم ظاہر پر فتویٰ دیتے ہیں) علماء اس فتویٰ کو لے کر علی بن عیسیٰ وزیر کے پاس گئے۔ اس نے حسین ابن منصور کو بلا کر قید خانے میں محبوس کر دیا۔ آپ ایک سال تک قید خانے میں رہے لوگ آپ کو ملنے جاتے۔ مسائل دریافت کرتے۔ حالات حاضرہ پر گفتگو کرتے۔ آخر کار عام لوگوں کو آپ سے ملنے پہ پابندی لگا دی گئی اور پانچ ماہ تک آپ کے پاس کوئی نہ گیا۔ صرف ابن عطاء اور عبداللہ بن خفیف ایک ایک بار ملاقات کو گئے۔

زندان میں پہلی رات حضرت کو رکھا گیا تو رات کو غائب تھے۔ سارا جیل خانہ تلاش کر مارا مگر آپ کہیں نظر نہ آئے۔ دوسری رات قیدی تو کیا۔ قید خانہ ہی غائب تھا۔ آخر کار تیسری رات حضرت کو قید خانہ میں موجود پایا۔ پوچھا۔ کہ آپ کہاں تھے؟ آپ نے کہا۔ پہلی رات تو میں اللہ کے پاس تھا۔ اور دوسری رات اللہ میرے پاس تھا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قید خانہ بھی غائب تھا۔ اب مجھے اس لئے واپس بھیج دیا گیا ہے۔ کہ احترام شریعت برقرار کروں۔

حسین ابن منصور جیل خانے میں ہر رات ایک ہزار رکعت نماز ادا کیئے کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا۔ جب آپ ہی خدا ہیں تو یہ نماز کس لئے پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہم اپنی قدر جانتے ہیں جن دنوں حسین قید خانہ میں تھے۔ تو آپ کے تین اور ساتھی بھی قید میں تھے۔ آپ نے انہیں بلایا اور مجھے تمہاری بے قراری اور گھبراہٹ دیکھی نہیں جاتی۔ اگر تم لوگ چاہو تو تمہیں آزاد کر دوں۔ انہوں نے کہا آپ تو خود قید میں ہیں۔ آپ کس طرح آزاد کرا سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہم لوگ شریعت کے احترام کے پابند ہیں۔ ہم اسی رشتہ میں پابند ہیں۔ آپ نے ایک انگلی سے اشارہ

کیا تو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ٹوٹ گئیں۔ دروازے کھل گئے۔ ہر دیوار سے دروازے کھل گئے۔ آپ نے فرمایا۔ ہر قیدی آزاد ہے۔ لوگوں نے کہا۔ آپ خود کیوں نہیں آرہے۔ آپ نے فرمایا۔ میرا اور اللہ کے درمیان ایک راز ہے۔ جسے تختۂ دار پر ہی ظاہر کیا جائے گا۔ دوسری صبح جیل کے محافظ آئے اور آپ سے دریافت کرنے لگے۔ کہ دوسرے قیدی کہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ وہ تو رہا ہو چکے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ آپ کہاں تھے۔ فرمایا میں تو یہاں ہی تھا۔ مگر اللہ تعالےٰ مجھ سے ناراض ہے۔ اور وہ ناراضگی تختۂ دار پر آنے کے بغیر دُور نہیں ہو سکتی۔ یہ خبر خلیفہ وقت کو پہنچی تو کہنے لگا۔ اس شخص کے زندہ رہنے سے ملک میں فتنہ پھیلنے کا خدشہ ہے۔ اسے یا تو قتل کر دو۔ یا اتنا مارو کہ آئندہ اس کی زبان سے ایک لفظ نہ نکلے۔ انہوں نے آپ کو باہر نکال کر مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ اور کہتے ہیں آپ کو تین سو ضربیں لگائی گئیں۔ ہر ضرب پر آواز آتی تھی۔ یا ابنَ منصور لاتخف ھذا معراج الصدیقین (اے ابن منصور ڈرو نہیں یہ مقام صادقین کی معراج کا ہے) ادھر حضرت منصور ہر ضرب پر انا الحق کا نعرہ لگاتے۔ آپ کو اس ابتلا میں بھی کامیاب پایا۔ تو آپ کو تختۂ دار پر لے گئے۔ چشم دید گواہوں نے بیان کیا ہے۔ کہ اس منظر کو دیکھنے کے لئے ایک لاکھ لوگ موجود تھے۔ حسین ابن منصور آنکھ کھولتے اور آواز دیتے حَقُ حُقُ حَقُ انا الحق ایک درویش اس مجمع میں سے آگے بڑھا۔ اور آپ کو پوچھنے لگا۔ حضرت عشق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ آج دیکھ لوگے۔ پھر کچھ کل دیکھوگے اور پھر پرسوں دیکھوگے!! اس دن آپ کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا۔ دوسرے روز آپ کی نعش کو جلایا گیا۔ تیسرے دن آپ کی مٹی کو اڑایا گیا۔

حسین ابن منصور راستے میں جا رہے تھے۔ ان کی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کی زنجیروں کا بوجھ بہت زیادہ تھا۔ اور آپ خوش خوش ٹہل رہے تھے۔ لوگوں نے فرمایا۔ آپ کس لئے خوش خرامی کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں تو معراج پر جا رہا ہوں۔ تختۂ دار کے قریب پہنچے باب الطاق تک پہنچے تو تختۂ دار کو چوما۔ اپنا پاؤں سیڑھی پر رکھا۔ تو آپ کے عقیدت مندوں نے دریافت کیا کہ اپنے منکروں اور عقیدت مندوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا۔ منکر لوگ مجھے

سنگسار کریں گے۔ تو ہر ایک کو دو طرح کا ثواب ہو گا۔ اگر پتھر ماریں گے تو ایک ثواب ملے گا۔ کیونکہ تم لوگ تو مجھ سے عقیدت رکھتے ہو اور حسن ظن میں گرفتار ہو۔ مگر وہ لوگ محض اتباع شرع اور توحید کے جذبہ میں سنگباری کریں گے۔ یہ کہتے ہوئے۔ سولی کی سیڑھی پر جا چڑھے۔ اسی اثنا میں آپ کی نگاہیں شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ پر پڑیں۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا حسین اَلَمْ نَنْہَکَ عَنِ العٰالمین (کیا میں تمہیں لوگوں سے منع نہیں کیا کرتا تھا)، آپ نے پوچھا کہ تصوّف کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں وہ تو بہت کم تر بات ہے۔ اور اس سے بلند تر مقام کو ابھی تک آپ نہیں پا سکے۔ چنانچہ لوگوں نے آپ پر سنگباری شروع کر دی۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اتباع شریعت میں ایک پھول پھینکا۔ حسین منصور (رحمۃ اللہ علیہ) کے منہ سے آہ نکلی! حضرت شبلی نے کہا۔ سب لوگ پتھراؤ کر رہے ہیں۔ مگر آپ خاموش رہے۔ میرے پھول پر آپ نے آہ کر دی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ جانتے نہیں۔ معذور ہیں۔ اندھے ہیں۔ مگر تم سب کچھ جانتے ہوئے پھول پھینکتے ہو مجھے درد ہوا۔ اسی میدان میں جلاد آگے بڑھے۔ آپ کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے تو مسکرائے۔ لوگوں نے پوچھا۔ کہ یہ تبسّم کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ عالم بالا تک پہنچنے کے لئے بس ایک قدم کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ خون آلود ہاتھوں کو اپنے چہرے پر ملا۔ اور کہا میرے چہرے کی زردی اس خون سے سرخی میں تبدیل ہو رہی ہے۔ میں اللہ کی بارگاہ میں سُرخ رو ہو کر جانا چاہتا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا۔ یہ اپنی کلائیوں کو خون آلود کرنے کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا "میں نمازِ عشق ادا کرنے کے لئے وضو کر رہا ہوں" جلادوں نے آپ کی آنکھیں نکال دیں۔ مجمع میں کچھ لوگ آہ و فغاں کرنے لگے۔ کچھ سنگ باری کرنے لگے۔ اب جلادوں نے آپ کی زبان کاٹنا چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے چند باتیں کرنے دو۔ آپ نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا۔ اور کہا۔ اے میرے اللہ یہ لوگ تیرے لئے مجھ پر جس قدر سختیاں کر رہے ہیں وہ ان کی دانست کے مطابق درست ہے۔ اگر انہوں نے میرے ہاتھ پاؤں کاٹے ہیں تو تیرے حکم کی تعمیل میں کاٹے ہیں۔ اگر میرا سر تن سے جدا کر رہے ہیں تو تیرے جلال کے مشاہدے میں کر رہے ہیں۔ جلادوں نے آپ کے کان اور ناک کاٹ

ڈالے۔ لوگوں نے پھر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ حضرت حسین ابن منصور نے جو آخری بات کی۔ وہ یہ تھی۔ حُبُ الوَاحِدُ! اَفرَادُ الوَاحِدُ! حُبُ الوَاحِدِ افرادُ الوَاحَدَ۔

پھر ایک آیت کریمہ پڑھی۔ یَستَعجِلُ بِھَا الَّذِینَ لَا یُومِنُونَ بِھَا وَالَّذِینَ اٰمَنُوا مُشفِقُونَ مِنھَا وَیَعلَمُونَ اَنَّہُ الحَقُّ ! ترجمہ

اس کے بعد آپ کی زبان کاٹ لی گئی۔

شام کے وقت خلیفہ کا حکم پہنچا کہ اگر حضرت منصور نے انا الحق کہنے سے توبہ نہیں کی تو اس کی گردن کاٹ دی جائے۔ سر کاٹ دیا گیا۔ آپ نے ایک قہقہہ لگایا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی اس طرح آپ نے اپنی قضا کو اللہ کی رضا کے حوالے کر دیا۔ حاضرین نے سنا کہ آپ کے ایک ایک عضو سے انا الحق انا الحق کی آواز آرہی ہے۔ آپ کا ایک ایک عضو علیٰحدہ کر دیا گیا۔ خون کے قطرے قطرے سے صدائے انا الحق انا الحق سنائی دی جانے لگی۔ آپ کے جسم کو جلا دیا گیا۔ مگر خاکستر کے ایک ایک ذرّہ سے صدائے انا الحق سنی جاتی رہی۔ تیسرے دن آپ کی خاکستر کو دریائے دجلہ میں بہا دیا گیا۔ دریا میں ایک تلاطم برپا ہو گیا اور وادی دجلہ انا الحق کے شور سے گونج اٹھی۔

کہتے ہیں۔ کہ آپ نے تختۂ دار پر آنے سے پہلے اپنے ایک محرم راز کو بتایا تھا کہ جب آپ کی خاکستر دریائے دجلہ میں پھینکی جائے گی کہ تو دوسرے دن دریائے دجلہ میں ایک طوفانی سیلاب آئے گا۔ اور اس کی موجیں بغداد شہر کی دیواروں سے ٹکرانا شروع کر دیں گی۔ اس وقت میری یہ گودڑی دریا کے سامنے لے جاکر کہنا۔ دجلہ تجھے حسین ابن منصور کی اس گودڑی کے پیش نظر شہر سے ہٹ جانا چاہیئے۔ واقعتاً ایسا ہی ہوا۔ اس دوست نے حضرت کی گودڑی سامنے کی اور اس طرح دریائے دجلہ کا رُخ بدل گیا۔ سیلاب تھم گیا اور شہر بغداد بچ گیا۔

اتنے ظلم وستم کے باوجود حضرت حسین ابن منصور کے باقی ماندہ اعضاء اور خاکستر کو جمع کیا گیا۔ اور عقیدت مندوں نے آپ کا ایک مزار تعمیر کرایا۔ بزرگان طریقت فرماتے ہیں۔ کہ طریقت میں جو مقام حضرت حسین ابن منصور کو میسر ہوا اور فتوحات کے جو دروازے کھلے وہ دوسرے اولیاء طریقت

پر بہت کم ہوئے ہیں۔ شیخ عباس طوسی فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میدان عرفات میں آپ کو پابہ زنجیر لایا جائے گا۔ اگر کھلا لایا جاتا تو ڈر ہے کہ آپ کے سوزِ عشق سے تمام عرصات جل جائیں۔

آپ کے قتل کے بعد حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خواب میں دیکھا دریافت کیا آپ سے اللہ تعالیٰ نے کیا سلوک کیا۔ آپ نے بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے مقام صدق دے کر بخش دیا۔ اپنے اکرام سے نوازا۔ آپ سے حضرت شبلی نے پوچھا۔ آپ کے قاتلوں سے کیا سلوک کیا گیا۔ پھر سنگباری کرنے والوں کو کیا سزا دی گئی۔ آپ نے فرمایا۔ وہ معذور تھے۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ حضرت شبلی فرماتے ہیں۔ کہ حضرت حسین ابن منصور رحمۃ اللہ علیہ تختہ دار پر کھڑے تھے۔ شیطان آیا۔ اور کہنے لگا۔ آپ تو انا الحق کہتے ہیں۔ میں نے تو صرف یہی کہا تھا۔ کہ میں غیر اللہ کو سجدہ نہیں کرتا۔ مگر آج تک مجھے لعنت کر رہے ہیں۔ آپ کو رحمۃ اللہ علیہ کہہ کر پکارتے ہیں آپ نے فرمایا تمہاری انا اپنی ذات کے لئے تھی۔ اور میرا انا الحق کہنا۔ اللہ کی ذات کا اظہار تھا۔ تم کہتے وقت خود نہیں تھے۔ میں حق بین تھا۔

صاحب نفحات الانس نے آپ کے واقعۂ قتل بروز منگل چار ذیقعدہ ۳۰۹ھ لکھا ہے۔ سفینۃ الاولیاء کے مصنف نے بھی آپ سے ہی اتفاق کیا ہے۔ مگر مخبر الواصلین آپ کی تاریخ کو ۳۰۷ھ تحریر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک پہلی تاریخ درست ہے اس وقت آپ کی عمر ۹۷ سال تھی۔

۱۔ یافت از حق باجمال حق وصال — ۲۔ نور حق بود و عیاں شد نور عین

۴۔ قتل شد بر نام حق ہم چوں حسین — ۳۔ آنکہ او لفظ انا الحق گفتہ است

شد ازین دار فنا بر دار شد — سال وصل او عجب قتل حسین

۳۰۹ھ

صاحب حق اہل دیں	صدیق زمانہ	ولی مہدی مقدس	مہدی قطب الحق
۳۰۹	۳۰۹	۳۰۹	۳۰۹
قطب دین حق	طالب اللہ حق نما	حبیب اللہ ہادی حق نما	طالب مقبول مطلب
۳۰۹	۳۰۹	۳۰۷	۳۰۷

امام المومنین - ولی ربانی - قطب الہٰی سے بھی تواریخِ وفات برآمد ہوتی ہیں۔

۳۰۹ ۳۰۹ ۳۰۹

شیخ ابوالعباس بن عطاء قدس سرہ:- اسم گرامی محمد بن احمد تھا۔ بغداد کے رہنے والے تھے۔ حضرت ابراہیم مارستانی کے شاگرد تھے۔ حضرت جنید بغدادی سے صحبت فیض رکھتے تھے۔ علماء کرام اور مشائخ کرام میں بڑے ممتاز تھے۔ آپ نے معانی قرآن پاک میں جو تفسیر لکھی وہ دوسری تفاسیر سے بعض لحاظ سے بہت اہم اور منفرد ہے۔

آپ کی وفات ۳۰۹ھ میں ہوئی۔ خلیفہ بغداد کے وزیر اعلیٰ علی بن عیسیٰ نے جس نے حضرت حسین ابن منصور رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ آپ سے پوچھا کہ آپ حضرت حلاّج کے قتل کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ اور ان کے انا الحق کہنے پر آپ کا کیا خیال ہے آپ نے وزیر کو کہا۔ تم اپنی آخرت کا خیال کرو۔ لوگوں کی ذمہ داریوں کو پورے کرنے کی فکر کرو تم حضرت حسین ابن منصور کے مقام اور اقوال کا کیا دریافت کرتے ہو۔ وزیر کو اس حق گوئی پر بڑا غصہ آیا۔ اس نے حکم دیا کہ حضرت کے دانت نکال دیئے جائیں۔ اور آپ کو عذاب دے دے کر قتل کر دیا جائے۔ آپ نے اس ابتلا کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔

افسر اولیا ابو العباس - افسر اتقیا ابو العباس
سال وصلش چو از خرد جستم - شد ندا ابن عطا ابی العباس

۳۰۹

شیخ ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ:- اسم گرامی محمد بن زکریا تھا۔ صوفیہ کبار کے طائفہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ اپنے وقت کے مجتہد تھے۔ اللہ کا خوف ان کے رگ و پے میں تھا۔ اور اس خوف میں روتے رہتے تھے۔ آپ کے دور میں مشائخ وقت میں سے اتنا رونے والا کوئی شخص نہ تھا۔ جو مرید دیکھتا۔ تو آپکی بے قراری

بے صبری۔ تڑپ اور گریہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔

نفحات الانس میں لکھا ہے۔ آپ ایک دفعہ مکہ مکرمہ گئے دو درہم فتوحات میں سے ملے۔ مکہ کے باہر آپ نے دو پتھروں کے درمیان وہ دو دینار رکھ دیئے ان پر نشانی لگادی مکہ شریف میں آپ حضرت ابو عمر حاجی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک مسئلہ دریافت کیا آپ نے فرمایا۔ پہلے جاکر وہ دو درہم پتھروں سے نکال لاؤ۔ اور اپنے کپڑے سلاؤ۔ پھر مسئلہ پوچھنا حضرت ابوبکر واپس آ گئے۔ درہم نکالے۔ اور خرچ کر کے آپ کی خدمت میں آئے۔ روحانی تربیت حاصل کی۔ اور مقام اعلیٰ کو پہنچا۔

اہل تذکرہ نے اس جامع الکمالات کی وفات ۳۱۰ھ لکھی ہے۔

چو شد از دنیا بفردوس بریں ۔ حضرت بوبکر رازی اہل بیت
وصل او بوبکر محبوب حبیب ۔ ہست ہم صوفی کامل پاکباز

۳۱۰ ۳۱۰

شیخ ابوالخیر خصمی رحمۃ اللہ علیہ:۔ بڑے بزرگ تھے۔ عابد زاہد اور متقی عام طور پر بیابانوں میں بسر اوقات کرتے۔ کئی بار تن تنہا پیادہ مکہ مکرمہ پہنچے زیارت کعبہ سے مشرف ہوئے۔ آپ ۳۱۲ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ بوالخیر خیر ہر دو جہاں ۔ آنکہ از اولیا بُردہ سبق
سالِ وصلش چو از خرد جستم ۔ گفت والی بود قطب بحق

۳۱۰

شیخ ابو محمد جریری قدس سرہٗ:۔ تذکرہ نگاروں نے آپ کے مختلف نام لکھے ہیں۔ احمد بن محمد بن حسین۔ حسین بن محمد اور عبداللہ بن یحییٰ تھا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کبار میں سے تھے۔ حضرت جنید بغدادی کی وفات کے بعد آپ ہی ان کے مسند ارشاد پر بیٹھے۔ آپ فقہ۔ تصوّف اور علم اصول کے امام تھے۔ حضرت شیخ سہیل تستری

رحمۃ اللہ علیہ سے خاص اُنس رکھتے تھے۔

ایک دفعہ سارا سال مکہ مکرمہ میں قیام فرماہوئے۔ از رۂ ادب نہ تو پاؤں پھیلائے نہ دیوار سے سہارا لیا۔ اور نہ سوئے۔

صاحب نفحات الانس نے آپ کی وفات ۳۱۲ھ میں لکھی ہے ایک تذکرہ نگار نے ۳۱۴ھ لکھی ہے سفینۃ الاولیاء میں ۳۱۴ھ درج ہے۔ ہماری تحقیق میں بھی ۳۱۴ھ ہی صحیح ہے۔ آپ جنگ قرامطہ میں شریک تھے۔ اور تشنگی کے غلبہ سے جاں بحق ہوئے۔

بو محمد شیخ پیر دستگیر ۔ یافت از عالم چوں حق اتصال
بو محمد پیر تاریخش بگو ۔ ہم بخواں زندہ ولی۔ سالک کمال

۳۱۴ ۳۱۴ھ ۳۱۴ھ

شیخ نبان بن محمد جمال رحمۃ اللہ علیہ:- آپ واسط کے رہنے والے تھے۔ اور مصر میں زندگی بسر کی حضرت ابراہیم خواص کی مجلس میں بیٹھتے تھے۔ شیخ ابوالحسن نوری کے پیروں میں سے تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں جامع تھے۔ علوم تصوف فقہ۔ اصول۔ حدیث وتفسیر میں عبور تھا۔ کرامت اور خوارق میں بڑے بلند مقام پر فائز تھے۔

ایک دفعہ حاکم مصر آپ پر ناراض ہوگیا۔ آپ کو شیر کے آگے پھینک دیا گیا۔ شیر نے آپ کو سونگھا۔ اور آپ کے پاؤں چاٹنے لگا۔ آپ کو وہاں سے نکالا گیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ جب آپ کو شیر کے آگے ڈالا گیا۔ آپ کی کیا کیفیت تھی۔ آپ نے فرمایا۔ اس سے بہتر میرے لئے لمحہ زندگی اور کوئی نہیں تھا۔ مجھے یہ خوشی تھی۔ اس دکھ بھری دنیا سے رخصت ہو کر اپنے رب کریم کی بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں۔ لیکن کیا کرتا شیر کو بھی اس بات کی اجازت نہ تھی کہ مجھے تکلیف پہنچائے۔

آپ ۳۱۶ھ میں فوت ہوئے۔

شیر عالم جناب شیخ نبان ۔ معلّی پیر محبوب الہٰی
چو سرور سال وصلش از خرد جست ۔ بگفتا پیر محبوب الہٰی

۳۱۶

شیخ محمد بن فضل قدس سرہ: آپ کی کنیت ابو عبیدہ تھی۔ بلخ کے رہنے والے تھے۔ شیخ احمد خضرویہ کے مرید تھے۔ آپ نے بلخ میں ایسی باتیں کیں کہ لوگ آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ مگر بعض متعصب حاسدوں نے آپ کو شہر سے نکال دیا۔ شہر سے باہر جا کر آپ نے مڑ کر شہر کو دیکھا۔ اور اہل شہر پر لعنت کی۔ کچھ عرصہ کے بعد بہت سے شہری وباء کا شکار ہو گئے۔ وہاں سے سمرقند پہنچے اور اپنی لیاقت اور قابلیت سے قاضی شہر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد حج کر لیا۔ اور واپسی پر نیشاپور قیام پذیر ہوئے۔ وہاں وعظ و نصیحت کی مسند بچھائی۔ اور ۳۱۹ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار سمرقند میں بنایا گیا۔

چوں محمد جناب ابن فضل ۔ یافت با قرب حق کمال وصال
یار حق گفت دل بر حلت او ۔ پیشوا نیز گفت مہر جمال
۳۱۹ھ

شیخ ابوالحسن وراق رحمۃ اللہ علیہ: آپ کا اسم گرامی محمد عبداللہ بن سعد ہے۔ آپ قدما اور کبار مشائخ میں سے تھے۔ حضرت عثمان حدی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ آپ کی وفات ۳۱۹ھ میں ہوئی۔

بوالحسن آں رہبر دنیا و دین ۔ در مشائخ بود شمع انجمن
حق نما دین ولی سالش بگو ۔ نیر عبداللہ ہادی بوالحسن
۳۱۹ ۳۱۹

شیخ ابوالحسین دراج رحمۃ اللہ علیہ: بغداد کے رہنے والے تھے۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے خرقہ خلافت پایا تھا سماع اور وجد کے دلدادہ تھے۔ مجلسِ سماع میں بیٹھتے تو بے خود ہو جاتے۔ ایک دن سماع کے دوران آہ کھینچی اور واصل بحق ہو گئے۔ آپ کا وصال ۳۲۰ھ میں ہوا۔

احسن الخلق بوالحسین ولی ۔ رفت چوں زین جہاں بخلد بریں
رحلتش ہادی مکرم داں ۔ ہم بخواں بوالحسین محی الدین
۳۲۰ھ

شیخ خیرّ نساج رحمۃ اللہ علیہ:- کنیت ابوالحسن۔ اسم گرامی محمد بن اسماعیل تھا۔ سامرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بغداد میں مجالس قائم کیں حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حضرت جنید بغدادی کے احباب میں سے تھے۔ شیخ نوری اور ابن عطاء کے استاد تھے حضرت ابراہیم خواص اور شبلی رحمۃ اللہ علیہما نے آپ ہی کے ہاتھ پہ توبہ کی۔ آپ نے ہی حضرت شبلی کو حضرت جنید بغدادی کی مجالس میں جانے کا حکم دیا تھا۔

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نفحات الانس میں لکھتے ہیں۔ کہ اگرچہ آپ نساج کے نام سے مشہور لیکن حقیقت میں آپ نساج (جولائے) نہیں تھے۔ نسّاج نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ ابتدائی زمانہ زندگی میں آپ نے اللہ سے یہ وعدہ کیا۔ کہ میں کھجوریں ہرگز نہیں کھاؤں گا۔ حالانکہ یہ میوہ مجھے بڑا دل پسند ہے۔ ایک دفعہ سفر میں تھے۔ کہ نفس کی خواہش نے آپ کو مغلوب کر لیا کہ وہ کھجور کھائیں کچھ کھجوریں اٹھائیں اور ان میں سے ایک دانہ کھا لیا۔ ایک شخص وہاں سے گزرا۔ اس نے آپ کو دیکھ کر کہا۔ اے خیرو! اے گریز پا۔ اے بھگوڑے۔ ایک عرصہ سے تم مجھ سے بھاگ رہے تھے میرے کارخانے سے بھاگ کر چلے گئے تھے۔ دراصل اس شخص کا ایک غلام تھا۔ جس کا نام خیرو تھا۔ مگر وہ بھاگ گیا تھا اور تلاش کے باوجود مل نہیں رہا تھا۔ اور وہ آپ کا ہی ہم شکل تھا۔ وہ شخص آپ کو سخت سُست کہتا رہا۔ آپ بے حد پریشان تھے۔ آپ نے سوچا۔ کہ یہ سزا اور یہ بے حرمتی مجھے اس گناہ کی سزا کے طور پہ ہے جو میں نے اللہ سے عہد باندھ کر توڑا تھا۔ اس شخص نے آپ کو بازو سے پکڑا۔ اور اپنے کپڑا بننے کے کارخانے میں لے گیا۔ اور بٹھا کر کہنے لگا۔ نالائق۔ اپنے مالک سے بدعہدی کر کے کام چوروں کی طرح کام چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ اب تمہیں معاف کر دیتا ہوں۔ اٹھو! جو کام کرتے تھے۔ اب محنت سے کرو۔ یہ کہتے ہوئے۔ ایک کھڈی میں بٹھا دیا۔ آپ بلاچون وچرا کام کرنے لگے۔ اور کپڑا بننا شروع کر دیا۔ اتنی محنت اور جانفشانی سے کام کرنا شروع کیا۔ گویا وہ ایک عرصہ کا تجربہ رکھتے ہیں۔ تین چار ماہ اسی کام میں گزار دیئے۔ ایک رات اٹھے۔ وضو کیا۔ اور مسجد میں پہنچ کر سجدہ ریز ہو کر کہنے لگے اے اللہ۔ میں اپنے کئے پر نادم ہوا اپنے گناہ سے توبہ کرتا

ہوں۔ دوسرے دن مالک نے اپنے اصلی غلام کو تلاش کر لیا۔ اور شیخ خیر نسّاج کو اس کام میں مشغول دیکھ کر سخت شرمسار ہوا۔ ندامت سے معافی مانگی۔ اور ہزاروں عذر نیازمندی کر کے آپ کو احترام سے رخصت کیا۔ اس دن سے آپ کا نام خواجہ خیر نسّاج مشہور ہو گیا۔

حضرت خیر نسّاج کبھی باندگی کا کام کرتے کبھی دریائے دجلہ کے کنارے چلے جاتے اور اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ دریا کی مچھلیاں آپ کے نماز پڑھتے وقت کنارے کے قریب آجاتیں اور ساتھ ساتھ تیرتی دکھائی دیتیں۔ اور آپ کے لئے دریا کی کئی چیزیں بطور تحفہ باہر پھینکتی۔ ایک دن آپ ایک بوڑھی عورت کا کپڑا بن رہے تھے۔ اس بڑھیا نے کہا۔ کل میں تمہیں مزدوری دینا چاہتی ہوں اگر تم یہاں نہ ہو۔ تو میں مزدوری کسے دوں؟ آپ نے فرمایا دریائے دجلہ میں پھینک دینا اتفاقاً دوسرے دن وہ بوڑھی عورت آئی۔ تو آپ وہاں موجود نہ تھے۔ اس نے واقعی مزدوری کی رقم دریائے دجلہ میں پھینک دی۔ حضرت دریائے دجلہ کے کنارے نماز پڑھنے گئے تو ایک مچھلی منہ میں وہی رقم اٹھائے آپ کے سامنے ابھری اور آپ کے سامنے پھینک دی۔

ابو حسین مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت نسّاج کے نزع کے وقت آپ کے سرہانے موجود تھا۔ شام کا وقت تھا۔ حضرت شیخ کو بے ہوشی نے آ دبایا۔ آپ نے آنکھیں کھولیں اور دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "قِف عَفاکَ اللہ" (اللہ تمہیں خوش رکھے، ٹھہر جاؤ!) اگرچہ تم جان لینے پر مامور ہو۔ مگر مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دو۔ میں بھی نماز پڑھنے پر مکلّف ہوں۔ یہ کہہ کر اٹھے۔ وضو کیا۔ دو رکعت نماز ادا کی۔ بعد از نماز سر سجدہ میں رکھا اور جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

سفینۃ الاولیاء اور نفحات الانس میں آپ کا سالِ وفات ۳۲۱ھ لکھا ہے۔

خیر نسّاج خیرِ دین نبی	یافت چوں از جہاں بحق تحصیل
محرم دل عجب ہمی گردد	سال ترحیل وے ز دل ترحیل
نیز تاریخ رحلتِ آں شاہ	ہلست زاہد محمد اسماعیل

۳۲۱ھ

نسّاج ابی الحسن ولی سے بھی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

۳۲۱ھ

شیخ ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ:- اسم گرامی محمد بن موسیٰ تھا۔ ابن فرغانی کے نام سے شہرت حاصل کی۔ حضرت جنید بغدادی۔ اور حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہما کے مشہور خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ علوم ظاہر و باطن۔ اسرار و توحید میں جامع تھے علم اشارات میں آپکی قابل قدر تصانیف یادگار زمانہ رہے۔ حضرت شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سارے خراساں میں توحید کی تبلیغ جس قدر شیخ ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے کی کسی دوسرے بزرگ نے نہیں کی۔

طبقات سلمی کے مولّف نے آپ کا سن وفات ۳۲۱ھ لکھا ہے۔ مگر صاحب نفحات الانس نے ۳۱۶ھ تحریر کیا ہے۔ دوسری طرف محاسن الاخبار کے مصنّف نے ۳۰۸ھ لکھا ہے۔

ابوبکر بود صادق صدیق۔ مقتدا - پیر زمانہ عابد حق شیخ متقی
گفتم بسال رحلت او قول مختلف - بوبکر واسطی و ابی بکر واسطی

۳۱۶ھ ۔ ۳۲۱ھ

عابد ابوبکر محاسن الاخبار نے تاریخ وفات لکھی ہے

۳۰۸ھ

شیخ ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ:- اسم گرامی محمد بن علی جعفر تھا۔ بغداد کے رہنے والے تھے اور حضرت جنید بغدادی کے مریدوں میں سے تھے ہمہ صفت موصوف تھے۔ زہد و تقویٰ میں معروف یگانہ تھے۔ مشائخ کبار میں مانے جاتے تھے سالہا سال حرم محترم میں رہے۔ آپ نے چراغ حرم کا خطاب پایا۔ ساری رات عبادت الہٰی میں مشغول رہتے۔ طواف کعبہ کے دوران بارہ ہزار بار قرآن پاک ختم کیا۔ کعبۃ اللہ کے ناؤدان کے نیچے بیٹھ کر تیس سال عبادت کی۔ ان تیس سالوں میں ایک بار بھی زمین پر پشت لگا کر نہ سوئے۔

شیخ ابوالحسن مزین فرماتے ہیں۔ میں ایک بار سفر حجاز پر تھا۔ زاد راہ کے بغیر ہی ایک صحرا میں فروکش ہوا۔ میرے پاس نہ پانی تھا۔ نہ سواری۔ چلتے چلتے ایک چشمہ پر رکا۔ بیٹھے بیٹھے

سوچنے لگا۔ یہ سارا سفر بغیر زاد راہ۔ اور سواری کے گزرا ہے۔ حوض کے کنارے سے مجھے ایک گرجدار آواز آئی ابو الحسن ان بیہودہ خیالوں سے نفس کو خوش نہ کرو۔ میں نے دیکھا حضرت ابوبکر کتانی تھے۔ میں اسی وقت اللہ کی توفیق پر ایمان لایا۔

حضرت ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایک بار میرے دل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے غبار تھا۔ میں نے پڑھا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق لَا فَتیٰ اِلَّا عَلی لَا سَیفَ اِلَّا ذُوالفقَار فرمایا تھا۔ آپ اتنے طاقتور اور بہادر تھے۔ مانا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے غلط طور پر دعوئ خلافت کر دیا تھا۔ مگر حضرت علی کو چاہیئے تھا۔ کہ صحابہ رسول کو خونریزی سے بچانے کے لئے معاویہ کو خلافت دے دیتے۔ جن دنوں میں صفا و مروا کے درمیان والے مکان میں رہتا تھا۔ ایک رات خواب میں خواجہ عرب و عجم حضرات ابوبکر اور عمر، عثمان و علی رضی اللہ علیہم کے ساتھ میرے غریب خانہ میں جلوہ فرما ہوئے۔ مجھے بغل میں لے لیا۔ اور مجھے حضرت ابوبکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ کون ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں آپ پر قربان! یہ آپ کے ابوبکر ہیں۔ پھر حضرت عمر کی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر حضرت عثمان کی طرف۔ میں ہر بار جواب دیتا رہا۔ آخر میں آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف توجہ فرما کر مجھے پوچھا چونکہ حضرت علی کے بارے میں میرے دل میں کدورت تھی۔ میں جواب دینے میں جھجک گیا۔ اور میری آنکھیں ندامت سے اٹھ نہ سکیں۔ حضور نے بڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مجھے بغل گیر فرمایا۔ حضرت علی فرماتے ہیں۔ معاویہ کی جنگ کے وقت میں لَا سَیفَ اِلَّا ذُوالفقَار کا مظہر تھا۔ مگر میرے نور نظر حضرت حسن نے لَا فَتیٰ اِلَّا عَلی کا مظہر بن کر جنگ و جدال سے تلوار کھینچ لی۔ میرے اس بیٹے نے اپنا حق قربان کر کے معاویہ کو موقعہ دیا۔ کہ وہ بھی خون ریزی سے ہاتھ روک لے۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین صحابہ کو لے کر تشریف لے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کوہ بوقبیس پہ لے گئے۔ ہم دونوں مل کر وہاں پہنچے اور وہاں سے کعبۃ اللہ کا نظارہ کرتے رہے۔ میں بیدار ہوا تو کوہ بوقبیس پہ تھا۔ اب میرے دل پر ذرہ بھر غبار نہ رہا۔ اور

حضرت علی سے جتنی کدورت تھی دل سے دُور ہو گئی۔ رضی اللہ عنہ۔

ایک دن ایک بوڑھا بنی شیبہ سے آیا اور کہنے لگا۔ ابو بکر آپ مقام ابراہیم پر کیوں نہیں جاتے۔ وہاں ایک عالم دین نے مجلس حدیث برپا کی ہوئی ہے۔ اور مختلف روایات کو بیان کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے بزرگ۔ آپ جو کچھ مجھے استاد سے سنانا چاہتے ہیں۔ میں یہاں بیٹھے بے استاد ہی سن رہا ہوں۔ اس نے کہا۔ کس طرح حضرت ابو بکر نے کہا حَدَیثی قَلبِیَ عَنْ رَبِّی۔ آپ نے فرمایا۔ اس پر کیا دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا۔ دلیل اس کی یہ ہے۔ کہ آپ خضر ہیں حضرت خضر نے حیرانی سے پوچھا۔ آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آج تک تمام ولیوں سے مجھے متعارف کرادیا ہے۔ یہ نئے شخص ضرور حضرت خضر ہی ہوں گے۔

ایک بار حضرت ابو بکر نماز ادا کر رہے تھے۔ ایک شخص اندر داخل ہوا۔ اور آپ کی چادر کندھوں سے اٹھائی۔ اور بازار کی طرف بھاگ گیا۔ اس کی یہ خواہش تھی کہ اب چادر کو منڈی میں لے جاکر فروخت کر دے۔ ابھی وہ بازار میں نہ پہنچا تھا۔ کہ اس کے دونوں ہاتھ شل ہو گئے۔ وہ واپس آیا۔ تو شیخ کو پھر نماز میں مشغول پایا۔ چادر اسی طرح آپ کے کندھوں پر ڈال دی اور پاس ہی بیٹھ گیا۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو پوچھا۔ تمہیں کیا ہوا۔ یہاں پریشان بیٹھے ہوئے ہو۔ اس چور نے بتایا کہ اس کے ساتھ یہ کیفیت ہوئی ہے۔ آپ نے ہاتھ اٹھاکر فرمایا۔ اے اللہ۔ اس شخص نے میری چادر مجھے واپس دے دی ہے۔ تو بھی اس کے بازو واپس دے دے۔ اسی وقت اس کے دونوں ہاتھ ٹھیک ہو گئے۔

حضرت شیخ ابو بکر کو کئی بار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہوئی اور اپنے سوالات کا جواب پاتے۔ ایک رات آپ نے حضور نبی کریم کو اکاون بار خواب میں دیکھا۔ آپ کی وفات ۳۲۲ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک کعبۃ اللہ میں ہے۔

وائے صد وائے کہ از دیدہ ظاہر بیناں - صورت گنج نہاں گشت محمد بوبکر

میر یزداں است بتاریخ وصالش سرور - از خرد نیز عیاں گشت محمد بوبکر

۳۲۲ھ ۳۲۲ھ

کنیت ابواسحاق تھی۔ مشائخ شام میں سے

۲۱ شیخ ابراہیم بن داود ورقی قدس سرہٗ:۔ تھے۔ حضرت ذوالنون مصری۔ حضرت جنید۔ ابوعبداللہ جلا سے صحبت رکھتے تھے۔ عمر بہت لمبی پائی تھی۔

آپ کا ایک مرید ایک وادی سے گزر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک غضب ناک شیر اس پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ آپ کی گدڑی میں حضرت شیخ ابراہیم کی گدڑی کا ایک ٹکڑا چسپاں تھا شیر کی غضب ناک نگاہیں اس ٹکڑے پر پڑیں تو سر زمین پر رکھ دیا۔ اور جنگل کی طرف بھاگ نکلا آپ کے خرقہ کی حرمت شیروں کے ہاں بھی پائی جاتی تھی۔

آپ کی وفات ۳۲۶ھ ہے۔

چو ابراہیم بن داود ورقی ۔ سفر ورزید در جنت زدینا
بگو داود ورقی سال تاریخ ۔ بسال رحلت آں شاہ والا

آپ کا نام علی تھا۔ بغداد کے قدیم مشائخ میں

۲۲ شیخ ابوالحسن بن محمد مزین قدس سرہٗ:۔ سے تھے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی۔ حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہما سے مجالس کرتے تھے۔ ایک عرصہ تک مکہ مکرمہ میں مجاور رہے یا ور ہے۔ اولیاء کرام میں دو ایسے بزرگ ہوئے ہیں۔ جن کا نام مزین تھا۔ ایک مزین صغیر اور دوسرے مزین کبیر تھے۔ دونوں بغداد سے تعلق رکھتے ہیں۔ مزین صغیر کا مزار مکہ مکرمہ میں ہے۔ دونوں مزین خالہ زاد بھائی تھے۔

ایک دن حضرت شیخ مزین ایک وادی سے گزر رہے تھے۔ ایک شیر کو دیکھا جو آپ کو غصے سے دیکھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ۔ (پھر تمہیں مارے گا اور قبر میں ڈالے گا) اسی وقت شیر زمین پر بیٹھ گیا۔ اور آپ نے دیکھا۔ کہ وہ مرا پڑا تھا۔ حضرت شیخ پہاڑی پر پہنچے تو آپ نے شیر کا حشر دیکھ کر فرمایا ثُمَّ اِذَا شَاءَ اَنْشَرَهٗ (پھر جب چاہے گا اسے اٹھائے گا) شیر اسی وقت زندہ ہو گیا۔ اور جنگل میں چلا گیا۔

آپ کی وفات ۳۲۸ھ میں ہوئی۔

بوالحسن آں مزین عالم - پیشوائے جہاں بصدق ویقین
رفت چون زین جہان بجنت خلد - سال تاریخ آن ولی امین
بوالحسن بندۂ علی فرما - ہم بخواں بوالحسن مزین دین
۳۲۸ھ ۳۲۸ھ

شیخ ابو علی ثقفی قدس سرہٗ:- اسم گرامی محمد بن عبدالوہاب تھا۔ آپ حضرت ابوالحفص حداد اور حمدون قصار کے اصحاب میں سے تھے اپنے زمانہ کے امام تھے۔ ظاہر و باطن علوم میں یگانۂ روزگار تھے۔ تفسیر و حدیث اور فقہ میں یکتائے روزگار تھے۔ نیشاپور میں آپ کی شہرت کے جھنڈے بلند ہوئے۔

آپ کے ہمسایہ میں ایک ایسا شخص تھا جسے کبوتر بازی کا شوق تھا۔ اس نے ایک دن کبوتر اڑانے کے لئے پتھر مارا جو حضرت ابو علی قدس سرہٗ کی پیشانی پر آ لگا۔ خون کے فوارے چھوٹ پڑے آپ کے عقیدت مند کبوتر باز کو پکڑنے کے لئے دوڑے۔ مگر آپ نے انہیں منع کر دیا۔ اور کہا فلاں درخت سے ایک لمبی سی شاخ کاٹ کر اسے دے دیں۔ اور اسے کہیں کہ اس سے کبوتروں کو اڑایا کرو۔ اور پتھر نہ مارا کرو جب کبوتر باز نے آپ کا یہ حسن سلوک دیکھا کبوتر بازی ترک کر دی ایک دن آپ نے ایک جنازہ دیکھا۔ جسے تین مرد اور ایک عورت اٹھا کر لے جا رہی ہے۔ آپ نے اس عورت کو فارغ کر دیا۔ اور اس کی جگہ خود کندھا دیا۔ قبرستان تک پہنچے۔ مردے کو جنازہ پڑھانے کے بعد دفن کر دیا۔ آپ نے مردے کے بارے میں پوچھا۔ تو لوگوں نے بتایا۔ کہ یہ مخنث تھا۔ ہمسایوں نے اسے مرنے کے بعد اٹھانے سے انکار کر دیا تھا ہم تینوں نے اس بیکس کو اٹھایا۔ تو یہ عورت راستے میں ہمارے ساتھ مل گئی۔ حضرت شیخ نے ان کی یہ بات سنی۔ تو چند دام انہیں دے کر رخصت کر دیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا۔ کہ ایک جوانِ رعنا خوبصورت لباس پہنے آپ کے سامنے حاضر ہوا۔ اور مسکراتے ہوئے

کہنے لگا۔ کہ میں وہی مخنث ہوں۔ جس کے جنازے کو آپ نے کندھا دیا تھا۔ چونکہ لوگوں نے مجھے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو میری بے کسی پر رحم آگیا اور بخش دیا۔ جنہوں نے میرے جنازے کو اٹھایا۔ انہیں بھی بخش دیا گیا تھا۔

آپ ۳۲۸ھ میں فوت ہوئے۔

محمد بو علی بن عبد دہاب ۔ مکمل شیخ کامل شیخ مسعود
بسالِ رحلتش سرور رقم کرد ۔ محمد بو علی ہادی محمود
۳۲۸ھ

شیخ ابو محمد مرتعش قدس سرہٗ:

آپ عبداللہ بن محمد نیشاپوری کے نام سے مشہور تھے بغداد میں قیام رہا۔ ابو حفص حدّاد اور سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہما کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ نے سیاحت میں دنیائے تہذیب کو چھان مارا تھا۔

جب حضرت مرتعش اپنے پیر و مرشد کے حکم سے سیاحت پر نکلے تو ہر سال ایک ہزار فرسنگ سفر کرتے۔ تقریباً ایک ہزار قصبوں میں گھومتے۔ مگر کسی قصبے میں دس روز سے زیادہ قیام نہ کرتے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے زندگی میں تیس حج پا پیادہ کیے ہیں۔ میں نے اس توکل کی زندگی پر غور سے نظر ڈالی تو محسوس کیا۔ کہ یہ بھی نفس کی خواہش کی تکمیل تھی۔ لوگوں نے پوچھا۔ یہ بات کس طرح معلوم ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ ایک دن مجھے میری والدہ نے کہا۔ کہ کنویں سے ایک گھڑا پانی لے آؤ۔ مجھے والدہ کا یہ حکم گراں گزرا۔ اس سے خیال آیا۔ کہ یہ تمام حج بھی تو اپنے نفس کی خواہش پر کئے ہیں۔

ایک درویش نے یہ واقعہ سنایا۔ کہ میں ایک بار بغداد سے حج کے ارادے کے لئے روانہ ہونا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ ابو محمد مرتعش کے پاس پندرہ دینار ہیں۔ اگر وہ مجھے عنایت کر دیں تو میں پہاڑی علاقے میں سفر کے لئے جوتے خرید لوں۔ میں نے ابھی خیال کیا ہی تھا۔ کہ کسی نے

میرے دروازے پر دستک دی۔ میں نے دروازہ کھولا۔ دیکھا۔ تو حضرت ابو محمد مرتعش کھڑے ہیں۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر پندرہ دینار دیتے ہوئے کہا کہ یہ لو۔ اور مجھے تکلیف دینے نہ آنا۔

ایک دن حضرت مرتعش بغداد کے ایک محلے سے گزر رہے تھے۔ آپ کو پیاس نے تنگ کیا۔ ایک دروازہ کھٹکھٹایا۔ تو ایک حسین وجمیل نوخیز لڑکی نے ہاتھ بڑھا کر پانی کا ایک پیالہ پیش کیا۔ آپ کی نظروں نے اس خوبصورت چہرے کو دیکھا۔ تو اس کے حسن وجمال کی رعنائی پر مفتون ہو گئے دروازے پر بیٹھ گئے۔ کچھ وقت گذرا۔ تو گھر کا مالک آیا۔ اسے فرمانے لگے۔ آپ کے گھر سے ایک لڑکی نکلی۔ ایک پیالہ پانی کا دے کر میرا دل لے گئی ہے۔ وہ شخص حضرت شیخ کو جانتا تھا کہنے لگا۔ وہ لڑکی تو میری بیٹی ہے۔ اگر آپ فرمائیں۔ تو میں اسے آپ کے نکاح میں دے دونگا۔ حضرت نے کہا۔ بہت اچھا۔ صاحب خانہ نے ایک مجلس نکاح سجائی۔ احباب کو دعوت دی۔ اور اپنی بیٹی حضرت مرتعش کے نکاح میں دے دی۔ اور کہا۔ اب شیخ کو حمام میں لے جاؤ۔ کپڑے بدلو۔ خرقہ فقر اتار دو۔ شب عروسی ہوئی۔ شیخ نے وضو کیا۔ مصلیٰ بچھایا۔ اور نماز ادا کرنے لگے۔ چند لمحے گزرنے پائے تھے۔ تو فریاد کرنے لگے۔ میری گودڑی کہاں ہے۔ یہ بوجھل کپڑے اتار دو۔ اسی وقت بیوی کو طلاق دے دی۔ اور وہی لباس فقر پہن کر باہر آ گئے۔ لوگوں نے پوچھا حضرت آپ نے یہ کیا کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے ایک آواز آئی۔ کہ تم نے ایک نگاہ سے غیر کو دیکھا۔ ہم نے لباس فقر اتروا لیا۔ اب اگر دوسری بار نگاہ کرو گے۔ تو یاد رکھنا۔ لباس آشنائی بھی اتروا دیا جائے گا۔

آپ ۳۲۸ھ میں فوت ہوئے۔

بو محمد شاہ زمین و زماں ۔ آنکہ در دوستاں حق طاق است

سالِ تاریخ رحلتش سرور ۔ بو محمد ولی آفاق است
۳۲۸ھ

شیخ ابو یعقوب نہر جوری قدس سرہٗ: آپ کا اسم گرامی اسحاق تھا۔ آپ کے والد کا نام محمد تھا۔ آپ علماء مشائخ میں مقبول تھے

سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادی اور عمرو بن عثمان مکی کے ہم صحبت تھے۔ کئی سال مکہ مکرمہ میں مجاوری کرتے رہے ابو یعقوب صرفی کے مرید خاص تھے۔

آپ ۳۲۹ھ میں فوت ہوئے۔ بعض تذکروں میں ۳۳۰ھ درج ہے۔

شد چو یعقوب از جہاں در خلد ۔ سالِ وصلش شد از خرد مطلوب

گفت مطلوب دین ابو اسحاق ۔ ہم امام ولی ابی یعقوب

۳۳۰ھ ۳۲۹ھ

شیخ ابوالحسن صانع دینوری قدس سرہٗ العزیز:۔ آپ کا پورا نام ابو علی بن محمد بن سہیل ہے۔ دینوری کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ مصر میں سکونت پذیر رہے۔ شیخ ابو جعفر صیدلانی کے مرید تھے۔ شیخ ابوالحسن فرقانی۔ اور عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہما آپ کے ہی مرید تھے۔ حضرت سے ممشاد دینوری فرمایا کرتے تھے۔ میں نے دینور میں ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا۔ آفتاب کی دھوپ تھی۔ ایک کرگس اپنے بازو پھیلائے آپ کے سر پر سایہ کر رہی تھی۔ میں نے غور کیا۔ تو وہ ابوالحسن صانع تھے۔ میں نے کہا۔ کہ اس قسم کے جانور بھی آپ کی غلامی میں پڑے ہیں۔

شیخ عالم ابوالحسن دینور ۔ یافت چوں از جہاں بخلد مکان

سالِ تاریخ رحلتش سرور ۔ بوالحسن بو علی مجیب بدان

مسعود طالب حق ۳۳۰ھ زبدہ حق ولی محسن ۳۳۰ھ محب دینوری ۳۳۰ھ بھی تاریخ وفات ہیں۔

شیخ ابوبکر بن طاہرہ بھری قدس سرہٗ:۔ آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن حارث طائی تھا جیلان کے مشائخ میں سے تھے۔ حضرت ابوبکر شبلی آپ کے احباب میں سے تھے۔ یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے۔ صاحب نفحات الانس نے آپ کی تاریخ وفات ۳۳۰ھ لکھی ہے۔

چوزیں دار فنا عزم سفر کرد ۔ شیر دین عابد مسعود طاہر
بگو بو بکر اہل دین وصالش ۔ رقم کن زاہد محمود طاہر
۳۳۰ھ ۳۳۰ھ

شیخ عبداللہ منازل قدس سرہ:- یگانہ روزگار اور محرم اسرار تھے۔ متوکل متورع تھے۔ فرقہ ملامتیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت شیخ حمدون قصّار کے مرید تھے۔ اپنے زمانہ میں تجدید کے امام تھے۔ بوعلی معینی نے ایک مجلس میں بتایا کہ انہیں ایک دفعہ شیخ عبداللہ نے کہا۔ بوعلی موت سے دوستی لگالو۔ کیونکہ اس سے چھٹکارا نہیں ہے بوعلی نے کہا۔ آپ ہی دوستی لگائیں۔ حضرت عبداللہ نے اپنا ہاتھ سرہانے کے نیچے رکھا۔ اور زمین پر لیٹ گئے اور فرمایا۔ لو میں تو مر گیا۔ یہ کہتے ہوئے فوت ہو گئے۔

آپ کی وفات ۳۳۱ھ میں ہوئی تھی۔

چو عبداللہ آں پیر منازل ۔ ز دنیا رفت سوے خلد والا
ز عبداللہ ہادی بندہ حق ۔ شود تاریخ ترحیلش ہویدا
۳۳۱ھ

شیخ ابراہیم بن شعبان کرمان شاہی قدس سرہ:- آپ کی کنیّت ابواسحاق تھی جیلان کے قدماء مشائخ میں سے تھے۔ حضرت ابوعبداللہ مغربی کے خاص احباب میں سے تھے۔ حضرت عبداللہ منازل رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ شیخ ابراہیم کا کیا مقام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ابراہیم حُجَّۃُ اللّٰہ علی الفقراءِ وَ اَہلِ الآداب والمُعَامَلَات ہیں۔

آپ ۳۳۸ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ ابراہیم شاہی شاہ دین ۔ شد چو از دنیا سوئے جنت رواں
جست سرور سال ترحیلش ز دل ۔ گفت ابراہیم ہادئ جہاں
۳۳۸ھ

شیخ بوعلی مستوفی قدس سرہٗ:- آپ کا نام حسن ابن علی بن موسیٰ تھا۔ آپ شیخ ابوعلی کاتب اور ابویعقوب موسیٰ رحمۃ اللہ علیہما کے مرید تھے۔ مصر سے دس میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں مستوفی ہے۔ آپ اس میں رہتے۔ آپ فرماتے ہیں میں نے ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ علی تم درویشوں سے محبت رکھتے ہو۔ انہی کی صحبت کی دولت پاتے ہو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ۔ ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں درویشوں کا وکیل بنادوں۔ تاکہ تم ان کی مشکلات اور مہمات میں امداد کرسکو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ۔ مجھے عصمت۔ کفایت اور دیانت کے اوصاف سے متصف فرما کر یہ ذمہ داری دیں۔ مبادا میں کوئی غلطی کرجاؤں۔ اور مجھے سزا ملے۔ چنانچہ آپ نے مجھے یہ کام تفویض کردیا۔ تمام درویش میری طرف متوجہ ہوئے۔ اور اپنے معاملات میرے سامنے لانے لگے۔ آپ کی وفات ۳۴۰ھ میں ہوئی تھی۔

بوعلی چوں رفت زیں دارِ فنا - گفت دل سالش ز روئے آگہی

بوعلی والی دین سالک بخواں - ہم بگو مہدی حسن ابن علی

۳۴۰ھ

شیخ ابوسعید اعرابی قدس سرہٗ:- احمد بن محمد بصری نام تھا۔ زندگی کا زیادہ حصہ مکہ مکرمہ میں گذارا۔ علوم فقہ و حدیث تفسیر کے عالم تھے۔ علوم باطنی میں ماہر تھے۔ آپ کی بہت سے تصانیف یادگار زمانہ ہیں۔ حضرت جنید اور شبلی عمرو بن عثمان۔ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہم سے صحبت رکھتے تھے۔

آپ کی وفات ۳۴۰ھ میں ہوئی تھی۔

چونکہ از لطف خدائے ذوالجلال - از جہاں در جنت آمد بوسعید

سرورا سالِ وصالش از خرد - گشت پیدا احمد اسعد بوسعید

۳۴۰ھ

شیخ جعفر خدا قدس سرہٗ:- کنیت ابو محمد تھی۔حضرت شبلی کے مرید تھے۔سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اور بر سر مجلس آپ کے کمالات کی تعریف فرماتے۔جعفر خدا قربت کی وجہ سے ہماری نسبت اللہ کے قریب ہے۔شیخ بندرابن فرمایا کرتے تھے۔کہ شیخ جعفر خدا سے بڑھ کر میں نے صاحبِ حال کوئی نہیں دیکھا۔حقیقت یہ ہے۔کہ وہ حضرت شبلی سے بھی زیادہ بزرگ تھے۔

شیخ جعفر قطب دین مرد خدا ۔ رفت مثل گنج چوں در زیر گل

ناصر آمد سال تہ حیلش بدال ۔ نیز کامل طالب حق زندہ دل

۳۴۱ھ ۳۴۱ھ

شیخ ابراہیم مولیٰ صوفی الرقی قدس سرہ:- آپ کی کنیت ابو محمد اسحاق تھی۔قدماء مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔جامع علوم شریعت وطریقت اور حقیقت ہے۔ورع وتقوی میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔شیخ سلیم مغربی کے مرید تھے۔ابو عبد خفیف اور ابراہیم تصار رحمۃ اللہ علیہما سے صحبت رکھتے تھے۔آپ فرمایا کرتے میں نے ابتدائی کار میں شیخ مسلم مغربی کی ملاقات کا ارادہ کیا۔تو دور دراز سفر کر کے ایک مسجد میں پہنچا۔شیخ مسلم اس مسجد میں قیام پذیر تھے۔اس وقت آپ امامت کرا رہے تھے۔آپ نے سورہ الحمد کو کئی جگہ سے غلط پڑھا۔میں بد دل ہو گیا۔اور افسوس کرنے لگا۔کہ میری اتنی محنت بیکار ہو گئی۔رات میں نے یونہی گزار دی۔علی الصبح وضو کے لئے اٹھا۔میں دریائے فرات کے کنارے چلا گیا۔راستے میں مجھے ایک شیر سویا ہوا دکھائی دیا۔مجھے ڈر بھی لگا۔اور حیرانی بھی کہ کس طرف سے دریا پر جاؤں اسی وقت شیخ مسلم آتے دکھائی دیئے۔آپ کو دیکھ کر شیر راستے سے اٹھا۔اور آپ کے قدموں کو چومنے لگا۔آپ نے اس کا کان پکڑا اور کہا۔تمہیں میں نے کئی بار کہا ہے کہ ہمارے عزیز مہمانوں کے راستے میں نہ لیٹا کرو۔اور انہیں ڈرایا نہ کرو۔شیر یہ سنتے ہی جنگل کی طرف بھاگ گیا۔آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ابراہیم تم ظاہری چیزوں کی درستگی میں لگے ہوئے ہو تو ظاہری دنیا کی

چیزوں سے ڈرتے ہو۔ ہم باطن کی درستگی میں مشغول ہیں۔ ہمیں ظاہری دنیا کی چیزیں احترام سے دیکھتی ہیں اور ہم سے ڈرتی ہیں۔

آپ کی وفات ۳۴۱ھ میں ہوئی۔

مرشد حاضر و علم ابراہیم ۔ فلک او نیک نام ابراہیم
جست سرور چو سال ترحیلش ۔ گفت ہاتف امام ابراہیم
۳۴۱

شیخ ابوالقاسم حکیم سمرقندی قدس سرہٗ:- آپ کا اسم گرامی اسحاق بن محمد بن اسماعیل تھا۔ ابو عبداللہ خلاد۔ ابراہیم قصار۔ اور ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہم سے فیض صحبت رکھتے تھے۔ سمرقند کے عالی بزرگان دین میں شمار ہوتے تھے۔

ایک دن آپ ایک مجلس میں وعظ فرما رہے تھے۔ اسی اثنا میں ایک بزرگ آپ کو ملنے آئے۔ مگر آپ کو مصروف پا کر مصلّٰی حوض کے پانی کی سطح پر بچھایا اور نماز پڑھنا شروع کر دی۔ جب آپ مجلس وعظ سے فارغ ہوئے تو اس کی طرف منہ کر کے فرمانے لگے۔ بھائی جو کام تم کر کے مجھے دکھا رہے ہو یہ تو ہمارے بچے بھی کر سکتے ہیں۔ مردوں کا کام تو یہ ہے۔ کہ اتنے مشاغل اور ہجوم مردم کے درمیان دل اللہ سے وابستہ ہو

آپ تین سو بیالیس ۳۴۲ھ میں فوت ہوئے۔

ہادی و مہدیِ زمین و زماں ۔ شیخ کون و مکان اباقاسم
قاسم عالم است رحلتِ او ۔ ہم حکیم جہاں اباقاسم
۳۴۲ھ ۳۴۲ھ

شیخ ابوالعباس سیاری قدس سرہٗ:- آپ کا نام قاسم بن قاسم بن مہدی ہے آپ احمد بن سیّار کے نواسے تھے۔ آپ مرو کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ آپ نے بزرگانِ دین کی صحبت سے استفادہ کیا عالم علوم

شریعت عارف معارف وحقائق تھے۔ آپ شیخ ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ سے ارادت رکھتے تھے مرو میں حقائق و رموز پر جس نے سب سے پہلے سلسلۂ گفتگو کا آغاز کیا وہ آپ ہی تھے۔

آپ کے والد محترم بڑے رئیس اور مالدار تھے۔ ان کے مرنے پر آپ کو وراثت میں سے بہت کچھ مال ومتاع ملا۔ آپ نے اپنا سارا مال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک موئے مشکین کے بدلے دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس موئے مبارک کی برکات سے آپ کو توبہ کی دولت دی اور اپنی معرفت سے وافر حصہ عطاء فرمایا۔ سلسلۂ سیّاریہ آپ سے ہی منسوب تھا۔

ایک دن ایک سبزی فروش کی دکان پر جاکر کھیرے خرید رہے تھے۔ سبزی فروش نے اپنے لڑکے کو کہا۔ کہ بہترین قسم کے کھیرے حضرت کو دینا۔ آپ نے فرمایا کیا تم سب خریداروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہو۔ دکاندار نے کہا۔ نہیں حضرت یہ امتیاز تو آپ کے علم وفضل اور زہد وتقوی کی وجہ سے ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں اپنا علم وفضل چند کھیروں کے بدلے نہیں بیچنا چاہتا۔ آپ نے اس دکاندار سے کھیرے لینے چھوڑ دیئے اور دوسری دکان پر چلے گئے۔

تذکرۃ الاولیاء کے مصنّف شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوالعباس نے وفات سے پہلے وصیّت کی تھی۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک جو انہوں نے اپنا سارا ورثہ دے کر خریدا تھا۔ مرنے کے بعد ان کے منہ میں رکھ دیا جائے۔ تاکہ وہ قبر میں محفوظ و مامون رہیں۔ آج بھی ان کی قبر مرو میں مرجع خلائق بنی ہوئی ہے۔ لوگ قبر پر جاکر استمداد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے کام درست فرماتا ہے۔ یہ برکات حضور کے موئے مبارک کی ہیں۔

آپ کی وفات سنہ ۳۴۲ھ میں ہوئی تھی۔ مگر بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کا سالِ وفات سنہ ۳۴۳ھ لکھا ہے۔

جناب شیخ ابوالعباس سیاہ	خبر گیر جہاں حق گو تے دامن
بگو پیر مکمل سالِ وصلش	ابوالعباس مہدی قطب برخواں
۳۴۲ھ	۳۴۳ھ

شیخ ابوالخیر تیناتی الاقطع قدس سرہ: آپ کا اسم گرامی جوّاد تھا۔ تینات نزدِ مصر آپ کا گاؤں تھا۔ آپ کا ایک ہاتھ کٹ گیا تھا۔ ایک ہاتھ سے زنبیل بُنا کرتے تھے۔ اور اس کی مزدوری سے گذراوقات کرتے تھے کسی دیکھنے والے کو محسوس تک نہ ہوتا کہ آپ ایک ہاتھ سے زنبیل بنتے ہیں۔ آپ کو شیروں سے بہت محبت تھی۔ جنگل میں نکل جاتے تو شیر آپ کے اردگرد آکر آرام کرتے۔

صاحب نفحات الانس نے آپ کے ہاتھ کٹنے کا واقعہ لکھا ہے کہ آپ نے ایک بار اپنے اللہ سے عہد کر لیا۔ کہ میں زمین سے کوئی بھی چیز ہاتھ بڑھا کر نہ اٹھاؤں گا۔ نہ کھاؤں گا۔ تاوقتیکہ کوئی پھل۔ یا فصل خود زمین سے اٹھ کر میرے منہ تک نہ آجائے۔ یا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے پہنچا نہ دے۔ اس طرح گیارہ روز گذر گئے۔ کوئی چیز نہ آئی اور نہ آپ نے کچھ کھایا۔ نکاہت اور کمزوری سے آپ اس قدر مضمحل ہو گئے۔ کہ نوافل پڑھنے ترک کر دیئے بارہ دن گذرے تو قیام نماز کی بھی ہمت نہ رہی۔ حتیٰ کہ سنتیں بھی ترک ہونے لگیں۔ پھر مزید دن گزرے تو ادائے فرائض سے بھی محروم ہونے لگے۔ آپ نے اللہ سے پناہ طلب کی۔ تو پردۂ غیب سے دو روٹیاں اور تھوڑا سا سالن برآمد ہوا۔ آپ نے کھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس طرح ہر روز رات کو دو روٹیاں اور کچھ نہ کچھ چیز آنے لگی۔ آپ کھا لیتے اور یادِ الٰہی میں وقت گذارتے۔ ایک بار لشکر اسلام کے ساتھ بارادۂ جہاد نکلے اور انطاکیہ پہنچے۔ آپ نے وہاں لشکر کے ساتھ ہی قیام کیا۔ جس وادی میں اترے وہاں کچھ پھلدار درخت پھلوں سے لدے نظر آئے۔ پکے ہوئے پھل اپنی خوبصورتی سے دلوں کو دعوتِ خورش دے رہے تھے۔ آپ نے دریا کے کنارے نماز ادا کی تو چاروں طرف سے سرخ و سبز پھل جن پر شبنم کے قطرے پڑے ہوئے تھے۔ نگاہوں کو خیرہ کر رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو بلااختیار آپ نے ہاتھ بڑھایا۔ اور کچھ پھل توڑ کر کھانے لگے۔ ابھی کھا ہی رہے تھے۔ کہ آپ کو وہ عہد یاد آیا۔ جو آپ نے خدا سے کیا تھا۔ آپ نے پھل پھینک دیئے۔ کھایا ہوا تھوکا اور اللہ کے خوف سے کانپنے لگے۔ اسی اثنا میں لوگوں کا ایک مجمع لٹو کے ہاتھ میں

لاٹھیاں اور کلہاڑیاں پکڑے آپہنچے وہ اپنے ایک چور کی تلاش میں تھے۔ انہوں نے آپ کو چور سمجھ کر پکڑ لیا۔ اور اپنے حاکم کے پاس لے گئے۔ حاکم نے آپ کو پوچھا کہ تم کون ہو۔ آپ نے بتایا میں اللہ کا ایک بندہ ہوں۔ اب حاکم نے دوسرے چوروں سے پوچھا۔ تم اسے پہچانتے ہو انہوں نے کہا۔ ہم نے انہیں آج تک نہیں دیکھا۔ حاکم نے کہا۔ میں خوب جانتا ہوں۔ یہ شخص تمہارا سردار ہے تم اسے بچانے کے لئے جھوٹ بول رہے ہو۔ اور اس کے بچانے کے لئے اپنی قربانی دینا چاہتے ہو۔ چنانچہ حاکم نے فیصلہ کر دیا۔ کہ ہر ایک کا ایک ہاتھ ایک پاؤں کاٹ دیا جائے۔ سب کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے اور حضرت ابوالخیر کا بھی ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ جب پاؤں کاٹنے کی نوبت آئی تو آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔ اللہ میرے ہاتھ نے گناہ کیا تھا۔ کٹ گیا۔ پاؤں نے تو کوئی غلطی نہیں کی۔ یہ کہتے ہی ایک سوار دوڑا دوڑا آیا۔ اور اتر کر آپ کے پاؤں میں گر گیا۔ اور امیر کو کہنے لگا۔ آپ کیا کر رہے ہیں۔ کیا آسمان کو اللہ کی زمین پر گرانا چاہتے ہو۔ یہ تو ولی اللہ ہیں بلا وجہ ان کا ہاتھ کاٹ دیا گیا ہے۔ امیر خود اٹھا۔ اور آپ کا کٹا ہوا ہاتھ اٹھایا۔ اور چوما۔ اور قدم بوسی کرنے لگا۔ اور معذرت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ میرے ہاتھ نے ایک خیانت اور بدعہدی کی تھی۔ اسی وجہ سے کٹا ہے۔ شامت گناہ کی وجہ سے میرا ہاتھ بھی گیا۔ اور غائب سے آنے والا وظیفہ بھی گیا۔ آپ لوگوں کا کوئی قصور نہیں۔

اس دن سے آپ نے ایک ہی ہاتھ سے زنبیلیں بنانا شروع کیں اور مزدوری سے گزر اوقات کرنے لگے۔ ایک ہاتھ سے زنبیل بُننا بھی مجھے اللہ کی مہربانی سے ہوئی ہے۔ ورنہ ظاہراً ناممکن ہے۔ آپ ۳۴۳ھ میں فوت ہوئے۔

حضرت بوخیر خیرِ دو جہاں ۔ رفت زیں عالم بفردوس بریں
گر ہمی خواہی کہ گردد جلوہ گر ۔ سال ترحیلش بقول اہل دین
واں امام المومنین ہادی جواد ۔ نیز فرما قبلۂ اہل یقین

۳۴۳ھ ۳۴۳ھ

محبوب ربانی ۳۴۳ھ اور امام المسلمین ۳۴۳ھ

شیخ ابو عمر زجاجی رحمۃ اللہ علیہ:- آپ کا اسم گرامی ابراہیم تھا۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ سید الطائفہ جنید اور ابو عثمان حیری اور حضرت ابو ابراہیم خواص کے ہم صحبت تھے۔ چالیس سال تک مکہ مکرمہ کی مجاوری کی تھی ازرہِ ادب آپ نے حرم کی سرزمین میں پیشاب نہ کیا۔ کئی میل دور وادی میں نکل جاتے ساٹھ حج ادا کئے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ تیس سال تک میں نے اپنے پیر و مرشد جناب جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا بول و براز اٹھایا ہے۔ اور اس خدمت کے لئے مجھے فخر و مسرت ہے۔

ایک بار حج کے موسم میں ایک عجمی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ میں نے حج ادا کر لیا ہے۔ اور مجھے یقین ہے۔ کہ دوزخ میں نہیں جاؤں گا۔ آپ بھی مجھے دوزخ سے نجات کی سند لکھ دیں۔ آپ کے دوستوں نے مجھے مشورہ دیا ہے۔ کہ آپ سے سند فراغت عذابِ دوزخ حاصل کروں۔ حضرت شیخ نے اس کی سادگی دیکھی۔ کہ آپ کے دوستوں نے آپ سے مذاق کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ قبہ خلوت میں چلے جاؤ اور دعا کرو۔ اور زور سے کہنا اے اللہ۔ مجھے سند برات دوزخ عطا فرما۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ ایک کاغذ جس پر سبز روشنائی سے لکھا تھا تمہیں دوزخ کی آگ سے نجات دی جاتی ہے۔ ہاتھ پر آ کر پڑا۔ وہ کاغذ اٹھا کر حضرت شیخ کی خدمت میں آیا۔ اور سر قدموں میں رکھ کر رونے لگا۔ اس کا یہ رونا خوشی کی انتہا تھی۔

آپ کی وفات ۳۴۸ھ کو ہوئی۔

ابو عمرو زجاجی شیخ والا ۔ کہ شیخ بود زاہد پیر و حاجی
بسالِ رحلت آں شاہِ عالم ۔ خرد گر دید بو عمرو ز حاجی
۳۴۸ھ

شیخ جعفر بن نصیر خلدی قدس سرہ:- آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ اور بغداد کے رہنے والے تھے۔ خلد محلہ میں قیام پذیر ہونے کی وجہ سے خلدی کہلاتے تھے۔ آپ ریشم کے کپڑے بُنا کرتے تھے۔ آپ سید الطائفہ

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔حضرت ابراہیم خواص۔ابوالحسن نوری۔شیخ دردیم اور سمنون رحمۃ اللہ علیہم سے مجالس رکھتے تھے۔آپ فرمایا کرتے تھے۔کہ میں نے دو ہزار مشائخ کی خدمت کی ہے اور چھپن بار حج بیت اللہ کیا

آپ کا ایک مرید تھا حمزہ نامی۔ایک رات حمزہ نے حضرت شیخ سے گھر جانے کے لئے رخصت مانگی۔اس نے اپنے بچوں کے لئے کچھ کھانا جس میں مرغ۔پلاؤ اور کباب تھے۔علیحدہ رکھ لئے۔رات کو حضرت نے کہا۔آج تمہیں رخصت نہیں دی جاتی۔رات یہاں ہی رہو۔مگر حمزہ نے بڑا اصرار کیا۔کہ آج مجھے ضرور رخصت دی جائے۔حضرت نے اُس کی ضد پر چھٹی دے دی۔حمزہ نے رات سارے کھانے رکھے تاکہ علی الصبح بچوں کو کھلائے۔صبح کنیز کو کہا۔کہ وہ کھانے کی دیگچی تو اٹھا لاؤ۔وہ لا رہی تھی۔کہ اس کے ہاتھ سے گر کر سارا کھانا زمین پر گر گیا۔حمزہ نے کہا کہ مرغ کی بوٹیاں تو زمین پر سے اٹھا لو۔اور دھو کر کھا لو۔ایک کتا آیا وہ گوشت اٹھا کر چلتا بنا۔حمزہ اور اس کے بچے بھوکے ہی رہے۔دوسرے دن حضرت شیخ کی خدمت میں آیا۔ابھی رات کا واقعہ بیان کرنے ہی لگا تھا۔کہ شیخ نے کہا۔جو لوگ ہماری بات نہیں مانتے ان کا گوشت زمین پر گر جاتا ہے۔اور بوٹیاں کتے اٹھا کر بھاگ جاتے ہیں۔حمزہ کو معلوم ہو گیا یہ سب حضرت کی نافرمانی کا نتیجہ ہے۔

آپ کی وفات ۳۴۸ھ میں ہوئی۔

چو جعفر شیخ خلدی پیر حق بیں ۔ ز دنیا رفت در خلد معلّٰی
بگو امجد معلّٰی طالب حق ۔ وصالش ہم محمد نور فرما

۳۴۸ھ ۳۴۸ھ

شیخ ابوالحسن پوشنجی صوفی قدس سرہ:۔ آپ کا اسم گرامی علی بن احمد بن سہیل تھا۔ پوشنج کے رہنے والے تھے۔تذکرہ نگاروں نے آپ کے گاؤں کا نام پوشنگ بھی لکھا ہے۔اور فوشنج بھی۔یہ گاؤں ہرات کے نواح میں واقع تھا۔آپ خراساں کے جواں مرد مشائخ میں سے تھے۔حضرات ابوالعباس عطا۔شیخ حریری

طاہر مقدسی اور ابو عمرو دمشقی رحمۃ اللہ علیہم کے صحبت یافتہ تھے۔ آپ نے بہت سے سفر کیئے عراق میں عرصہ تک قیام فرما رہے۔ سفر عراق سے واپس آئے تو لوگوں نے آپ کو زندیق کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔ وہاں سے آپ نیشاپور چلے گئے اور قیام پذیر ہوئے۔

ایک بار ایک دیہاتی کا گدھا گم ہو گیا۔ اس نے حضرت شیخ کو پکڑ لیا اور الزام لگایا کہ آپ نے گدھا چرا لیا ہے۔ آپ نے اسے بتایا۔ کہ تمہیں غلطی ہوئی ہے۔ مگر اس نے آپ کی بات نہ مانی۔ اور اصرار کیا کہ نہیں میرا گدھا تو آپ کے ہی پاس ہے۔ جب تک برآمد نہیں ہوتا میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ آخر کار حضرت شیخ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور کہا خداوندا! مجھے اس شخص سے نجات دلا اور اس کا گدھا ظاہر فرما۔ اسی وقت گدھا نمودار ہوا۔ دیہاتی نے آپ سے نہ صرف عذر خواہی کی بلکہ شکریہ ادا کیا۔ اور کہنے لگا۔ مجھے یقین تھا۔ کہ میرا گدھا آپ نے نہیں چرایا۔ مگر مجھے اتنا معلوم تھا کہ میں اللہ سے فریاد کروں بھی تو میری کون سنتا ہے۔ میں نے آپ کو مجبور کیا تو آپ نے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور یوں میرا کام ہو گیا۔

آپ کی وفات ۳۴۸ھ میں ہوئی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد ایک شخص آپ کی قبر پر حاضر ہوا۔ اس نے ایک دنیاوی حاجت طلب کی۔ دوسرے دن حضرت شیخ نے اسے خواب میں آکر کہا۔ ہم سے صرف دینی معاملات میں دستگیری حاصل کیا کرو۔ دنیا کے معاملات میرے سامنے نہ لایا کرو۔ ہمیں دنیا کے امور سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

بوالحسن چوں از جہاں رحلت نمود ۔ سال وصلِ آں سشہ والامکان

شد رقم محبوب دین حق حسن ۔ واصل دین بوالحسن ہم شد عیاں

۳۴۸ھ ۳۴۸ھ

شیخ بندار ابن حسین صوفی بن محمد بن مہلب شیرازی قدس سرہ

آپ کی کنیت ابوالحسین تھی۔ آپ شیخ شبلی اور عبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہما کے خلفاء میں سے تھے حضرت

شیخ ابو جعفر حدّاد کے صحبت یافتہ تھے۔ اپنے وقت کے قطب زمانہ تھے۔ آپ نے ۳۵۳ھ میں وفات پائی۔ حضرت شیخ ابو ذرعہ طبیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو غسل دیا۔ شیخ ابو علی کاتب بھی اسی سال واصل بحق ہوتے تھے۔ آپ کی تاریخ وفات یوں تحریر کی گئی ہے۔

بوالحسین آن صوفیِ اہل صفاء - بود در چشم دو عالم نورعین
سالِ ترحیلش بگو مہدی فرید - ہم بگو سرور کہ صوفی بوالحسین

۳۵۳ھ ۳۵۳ھ

شیخ عبدالملک بن علی بن عبداللہ بن عمرو گارزونی قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی ابو عمرو اصل تھا آپ گارزدن فارس میں سے تھے۔ وقت کے مستجاب الدعوات تھے۔ آپ جو کچھ مانگتے پا لیتے۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے۔ کہ آپ ابدالوں میں سے تھے۔ اور آپ کی صحبت بھی ابدالوں سے رہتی۔ آپ ۳۵۸ھ بروز سہ شنبہ ۲۶ ماہ ذوالحجہ کو واصل بحق ہوئے۔

شہِ عبدالملک شیخ معظم - مکمل راہنمائے جملہ عالم
رقم شد صدر دین تاریخ وصلش - عیاں شد ہم زمحبوب مکرم

۳۵۸ھ ۳۵۸ھ

شیخ علی بن بندار ابن حسین صوفی صیرفی قدس سرہٗ

آپ کی کنیت ابوالحسن اور نیشاپور کے مشائخ میں سے تھے۔ آپ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی۔ رویم۔ سمنون اور ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہم کے مجالس رکھتے تھے۔ آپ نے بہت سے مشائخ کی زیارت کی تھی۔ حدیث۔ تفسیر۔ فقہ میں ماہر تھے۔ ۳۵۹ھ میں وفات پائی۔

سرور ہر دو جہاں سر دفتر علمائے دین - مقتدائے اولیاء زاہد علی متقی
سالِ ترحیلش بود، ساجد علی ابن حسین - ہم رقم گشت از قلم زاہد علی صوفی ولی

۳۵۹ھ ۳۵۹ھ

شیخ ابوبکر دقی قدس سرہٗ:۔ آپ کا اسم گرامی محمد بن داؤد دمشقی تھا۔ دینور کے رہنے والے تھے۔ مگر شام میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ حضرت شیخ دقاق کبیر کے مرید تھے۔ حضرت ابوبکر مصری اور سید الطائفہ جنید بغدادی کی مجالس میں شرف صحبت حاصل کرتے تھے۔ حضرت ابن جلا نے آپ سے روحانی نسبت قائم کی آپ کی مجلس میں مشائخ کا مجمع ہوتا۔

ایک بار آپ ایک وادی سے گزر رہے تھے۔ کہ آپ کے دل میں خیال آیا۔ اے اللہ۔ مجھے اپنے اسرار میں سے کسی راز سے آگاہ فرما۔ اسی وقت نور کا ایک شعلہ نمودار ہوا۔ حضرت شیخ رونے لگے۔ اور روتے روتے جاں بلب ہو گئے۔ آپ نے فریاد کی اے اللہ مجھے قوت برداشت نہیں اپنے راز کو واپس لے لے۔ اسی وقت آپ اصل کیفیت پر آ گئے۔ اور آپ کو سکون ملا۔

آپ شام میں ۳۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی عمر ایک سو سال تھی۔

ابوبکر چوں شد ذرجہاں شد مقیم ۔ تاریخ آن شاہ عالی حق
یکے مہربان دل آگاہ گو ۔ دوبارہ ابوبکر ہادی حق
۳۵۹ھ

شیخ سلیمان ابن احمد طبرانی قدس سرہٗ:۔ آپ اپنے وقت کے فقیہ محدث اور مفسر بے مثال تھے۔ معجم کبیر۔ معجم صغیر۔ معجم اوسط اور دلائل النبوت آپ ہی کی تصانیف ہیں۔ احادیث کی ان کتابوں میں آپ نے ایک ہزار اساتذہ حدیث سے احادیث جمع کیں۔ اور روایت کی ہیں آپ ۳۶۰ھ میں فوت ہوئے۔

سلیمان ابن احمد شیخ دین پیر ۔ کہ علم از ذات پاک او ہویدا
وصالش طرفہ مہدی الکریم است ۔ سلیمان بندہ حق نیز پیدا
۳۶۰ھ ۳۶۰ھ

شیخ ابوبکر مقید قدس سرہ:۔ آپ کا اسم گرامی محمد بن احمد بن ابراہیم تھا۔ جرجر آباد کے رہنے والے تھے کاملین مشائخ اور اساتذہ میں سے تھے۔

ظاہری اور باطنی علوم کے جامع تھے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کے مصاحب تھے۔ ابو یوسف حسین سے صحبت رکھتے تھے۔ بڑی لمبی عمر پائی تھی۔ مستقیم الحال۔ اور صاحب حال بزرگ تھے۔ بڑی تصانیف یادگار چھوڑیں۔

سفینۃ الاولیاء کے موتف نے آپ کی وفات ۳۶۵ھ لکھی ہے۔ نفحات الانس اور تذکرہ العاشقین نے ۳۶۴ھ سالِ وفات لکھا ہے۔

حضرت ابوبکر چوں از دارِ دہر - رفت در قرب خدائے ذوالجلال
نورِ حق سال وصال او بگو - ہم امام اصفیا اہل جلال
۳۶۴ھ ۳۶۴ھ

اہل دین سالک مقیّد - پارسائے کامل - طالب کامل ابوبکر سے بھی تواریخ وصال نکلتی ہیں۔
۳۶۴ھ ۳۶۵ھ ۳۶۵ھ

شیخ اسماعیل نیشاپوری قدس سرہٗ:۔ آپ کے والد بجنید بن احمد قدس سرہٗ تھے۔ اپنے وقت کے قطب اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ حضرت عثمان صیری رحمۃ اللہ علیہ سے فیضِ صحبت پایا تھا۔ اور حضرت جنید بغدادی کو دیکھا تھا۔ وصال ۳۶۵ھ میں ہوا۔

آں ذبیح عشق اسماعیل دیں - رفت چوں از دار دنیا در جہاں
وصلش اسماعیل محی الدین بگو - واقف حق اہل دل ہم کن بیاں
۳۶۵ھ ۳۶۵ھ

شیخ عبداللہ مقری قدس سرہٗ:۔ اسم گرامی احمد بن مقری تھا۔ حضرت ابو یوسف حسین، عبداللہ خرازہ مظفر کرمان شاہی سے صحبت رکھتے تھے حضرت رویم۔ حریری اور حضرت ابن عطا سے فیض حاصل کیا۔ والد محترم سے پچاس ہزار کا ورثہ پایا تھا۔ تمام ورثہ فقرا اور مساکین میں تقسیم کر دیا۔ حرم پاک میں مجاور بن گئے۔ آپ

۳۶۶ھ میں فوت ہوئے۔ایک تذکرہ نگار نے ۳۶۰ھ بھی لکھا ہے

شیخ عبد اللہ پیر دستگیر - شد چو از دنیا بفردوس بریں
میر حسن آمد وصالِ پاک او - عارف زاہد دگر کردم یقین

۳۶۶ھ ۳۶۸ھ

حضرت شیخ عبداللہ رُودباری قدس سرہٗ: آپ کا اسم گرامی احمد بن عطا تھا مشائخ شام میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے دریائے دجلہ کے کنارے ایک گاؤں صور میں سکونت رکھتے تھے آپ علی رودباری کے خواہرزادے تھے۔صوفی۔عالم۔ماہر علوم شریعت۔اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔آپ کی والدہ کا اسم گرامی فاطمہ تھا۔جو حضرت علی رودباری کی بہن تھیں۔

ایک دفعہ دورانِ سفر ایک اونٹ کا پاؤں آپ کے ہاتھ پر آگیا آپ نے درد کی وجہ سے جَلَّ جلالہٗ کا نعرہ لگایا۔اونٹ نے پاؤں اٹھالیا اور اس کے منہ سے جل جلالہ نکلا۔آپ کی وفات ۳۶۹ھ میں ہوئی۔آپ کا مزار مبارک صور میں دریائے دجلہ کے کنارے پر ہے۔

چو زیں دار فنا عزم سفر کرد - بجنت رفت پیر رود باری
شہ دین کن رقم وصلش بگو نیز - محب اولیا محبوب باری

۳۶۹ھ ۳۶۹ھ

شیخ ابو سہل صعلوکی قدس سرہٗ: آپ کا نام محمد بن سلیمان صعلوکی الفقیر تھا۔نیشاپور کے رہنے والے تھے۔شریعت وطریقت کے امام اور یگانۂ روزگار تھے۔وقت کے تمام مشائخ آپ کی ولایت پر متفق اللفظ تھے۔حضرت ابو بکر شبلی مرتعش۔علی سقفی۔رافق۔ابوالحسن قوشنجی اور ابا نصر نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی مجالس میں رہ کر فیضان صحبت حاصل کیا۔سماع کے بڑے رسیا تھے۔دوران سماع وجد اور حال کی کیفیت میں مستغرق رہتے تھے۔ایک بار آپ سے حکم سماع کے بارے میں دریافت کیا گیا۔

آپ نے فرمایا۔ اہل حقائق کے لئے مستحب ہے۔ اہل علم کے لئے مباح ہے۔ اہل نفس کے لئے مکروہ ہے۔ اور فسق و فجور کے خوگر حضرات کے لئے حرام ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے۔ میں نے ساری عمر اپنی جیب سے روپیہ جمع کرنے کے لئے نہیں ڈالا اور کبھی روپے پیسے کو کسی گانٹھ میں نہیں باندھا۔ اور کبھی کسی چیز پہ تالا نہیں لگایا۔

آپ کی وفات ۳۶۹ھ یا ۳۶۸ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار نیشاپور میں ہے۔

بجنت شد چو مثل ماہِ تاباں - بگو ہادی والا سہل صعلوک

بسالِ رحلت او شاہ شاہاں - بسرور گفت ہاتف دیگر از غیب

۳۶۹ھ

ولی الاولیا ابن سلیمان

۳۶۹ھ

شیخ ابراہیم بن ثابت قدس سرہٗ:-

آپ کا اسم گرامی ابو اسحاق تھا۔ بغداد کے مشائخ میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ تھے۔ حضرت ابو عبد الرحمٰن فرماتے ہیں۔ کہ میں نے آپ سے گذارش کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ فرمایا۔ ایسا کوئی کام نہ کرنا جس سے تمہیں پشیمان ہونا پڑے۔

آپ ۳۶۹ھ میں فوت ہوئے۔

رفت ابراہیم چوں از دار دہر - روح او بر عرش شد از خاکباز

رحلتش دل گفت حق بینِ حق نما - نیز ابراہیم عابد پاک باز

۳۶۹ھ ۳۶۹ھ

شیخ ابوبکر فراز قدس سرہٗ:-

آپ مشائخ نیشاپور میں شمار ہوتے ہیں ابو علی سقفی عبد اللہ منازل۔ ابوبکر شبلی۔ ابوبکر طاہر ابہری۔ اور حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہم سے فیض صحبت پایا۔ شیخ عمو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر مجھے شیخ ابوبکر فراز کی زیارت نہ ہوتی تو میں صوفی نہ بن سکتا۔ شیخ عمو نے ایک اور جگہ فرمایا کہ ایک بار میں اپنے دوستوں کے ساتھ سفر حج پہ جا رہا تھا۔ جب ہم نیشاپور پہنچے تو دوستوں نے بتایا

اس شہر میں حضرت ابو بکر فرار رہتے ہیں آڈان کی زیارت کریں بعض دوستوں نے مشورہ دیا۔ کہ وہ تو حج پر جانے والوں کو حج سے روک دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اپنے والدین کی خدمت کرو۔ میں چند لمحوں کے لئے رکا۔ مگر پھر میں نے ارادہ کر لیا کہ آپ کو ضرور ملوں گا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا سلام عرض کیا۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو۔ اور کدھر جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ میں نے بتایا۔ کہ ہرات سے آیا ہوں اور حج پر جا رہا ہوں۔ آپ نے پوچھا تمہارے والدین زندہ ہیں۔ میں نے بتایا۔ کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ واپس چلے جاؤ۔ اور والدین کی خدمت کرو۔ میں اپنے دوستوں کے پاس گیا۔ تو واپس جانے کے ارادہ کو کسی سے ظاہر نہ کیا۔ بایں ہمہ میں حج کو روانہ ہونے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ اتفاقاً مجھے سخت قسم کا بخار ہو گیا۔ حتیٰ کہ مجھے زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ میں اسی طرح حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور صحت کے لئے دعا طلب کی آپ نے فرمایا۔ عمو! وعدہ توڑتے ہو اور صحت کے لئے دعائیں منگواتے ہو۔ اگر تم عہد نہ توڑتے تو بخار میں مبتلا نہ ہوتے میں نے توبہ کی۔ ابھی مجلس سے باہر نہیں نکلا تھا۔ کہ مجھے صحت ہو گئی۔ میں والدین کی خدمت میں لوٹ آیا۔

آپ ۶۷۰ھ میں فوت ہوئے۔

چو صدیق جہاں بو بکر مرحوم ۔ شد از دنیا بخلد آں عابدِ دین

نوشتم شاہ دین سالِ وصالش ۔ دگر بو بکر مہدی زاہد دین

۶۷۰ھ ۶۷۰ھ

شیخ ابو الحسن حصری رحمۃ اللہ علیہ: آپ کا اسم گرامی علی بن ابراہیم حصری تھا بغداد میں رہتے تھے۔ حضرت ابو بکر شبلی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ حضرت امام احمد بن حنبل کے مذہب پر عمل کرتے۔ گفتگو کرنے اور اسرار و رموز کے اظہار میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے اسرار توحید کو واضح طور پر اظہار کیا۔

حضرت شیخ احمد ابو نصر رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہی خلیفہ اعظم تھے۔ مکہ مکرمہ میں گئے۔ تو

آپ نے اسرارِ توحید برسرِ منبر بیان کرنے شروع کر دیئے۔ اُنکی اس صاف گوئی پہ پیرانِ حرم ناراض ہو گئے اور آپ کو حرم شریف سے باہر نکال دیا۔ شیخ ابوالحسن کو آپ کی یہ کیفیت از روئے کشف معلوم ہوئی۔ تو آپ نے دربان کو کہا۔ کہ جب شیخ احمد ابو نصر آئیں تو انہیں میرے پاس نہ آنے دینا جب شیخ ابونصر آئے تو دربان نے آپ کو اندر جانے سے روک دیا۔ وہ تین رات دن آپ کی خانقاہ کے دروازے پہ پڑے رہے۔ تیسرے روز حضرت شیخ باہر نکلے۔ تو شیخ ابونصر نے شیخ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے حرم شریف کی بے حرمتی کی ہے۔ اور منبر پہ کھڑے ہو کر وہ باتیں کہہ دی ہیں جو ظاہری زبان سے کہنا مناسب نہیں تھیں۔ پیرانِ حرم کو ناراض کر دیا ہے اب تم یہاں سے چلے جاؤ اور روم میں رہو۔ اور شہر طرطوس میں قیام اختیار کرو۔ ایک سال تک وہاں گلہ بانی کرو۔ رات کے وقت ویرانوں میں نکل جاؤ اور اللہ کی عبادت میں رات بسر کرو۔ اس وقت تک سونا ترک کر دو جب تک عزیزانِ شہر تم سے خوش نہ ہو جائیں۔ اور تمہیں قبول نہ کریں۔ شیخ احمد نصر اسی وقت روم کو روانہ ہوئے۔ طرطوس پہنچے۔ سوروں کے گلہ کو چرانے لگے۔ اور پورے ایک سال تک خوک بانی کرتے رہے۔ راتوں کو صحرا میں نکل جاتے۔ ساری رات عبادت کرتے۔ ایک سال بعد حضرت شیخ کی خدمت میں بغداد آئے۔ حضرت شیخ اپنی خانقاہ سے بارہ میل آگے بڑھ کر آپ کے استقبال کو آئے۔ بغل گیر ہوئے اور فرمایا "احمد۔ تم میرے بیٹے ہو۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ مجھے تم نے خوش دل کر دیا ہے"۔ اسی دن سے آپ کو حج کے لئے حرم شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ میں پہنچے تو۔ پیرانِ حرم نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اور بڑی شان و شوکت اور احترام سے کعبۃ اللہ میں لے گئے۔

آپ کا وصال ۳۷۱ھ میں ہوا۔

چو رفت از جہاں در بہشت بریں ۔ مکرم عزیز علی بو الحسین
وصالش یکے ہادی عارف است ۔ دگر ہم عزیزے علی بو الحسین

۳۷۱ھ ۔ ۳۷۱ھ

شیخ ابوالقاسم نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ آپ اعاظم وکبار مشائخ میں سے ملنے جاتے تھے نام ابراہیم بن محمد بن حمویہ تھا۔ اور جائے پیدائش نیشاپور تھی۔ حضرت ابو بکر شبلی کے مرید تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں ماہر تھے۔ فقہ، حدیث تفسیر اور طریقت وحقیقت میں یگانۂ روزگار تھے۔ ابو علی رودباری۔ حضرت مرتعش اور ابو بکر طاہری رحمۃ اللہ علیہم کی مجالس میں فیض پایا۔ آخری عمر میں مکہ معظمہ میں مجاور بن گئے۔ اور اسی منصب پر رحمت خداوندی حاصل کر کے وصال پایا۔

لوگوں نے آپ کو نیشاپور سے اس الزام میں باہر نکال دیا تھا۔ کہ آپ محویت کے عالم میں زنار باندھے۔ آتش پرستوں کے آتش کدہ کا طواف کرتے رہے۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا میں اپنے مقصد حاصل کرنے کے لئے دیوانہ وار مارا مارا پھر رہا ہوں۔ میں نے کعبۃ اللہ میں مقصود حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ناکام رہا۔ اب آتش کدہ میں آیا ہوں شاید یہاں سے اس کی ذات کا مشاہدہ حاصل ہو جائے۔

شیخ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ستر حج کئے۔ ایک بار مکہ مکرمہ کے بازار میں سے گزر رہے تھے کہ ایک ناتواں کتے کو پیاسہ اور بھوکا دیکھا۔ بڑا ترس آیا۔ دل چاہا۔ کہ اس کتے کو کچھ کھلائیں۔ مگر پاس کچھ نہ تھا۔ زور سے آواز لگائی "میں گندم کی روٹی کے بدلے چالیس حج کا ثواب بیچنے کو تیار ہوں ہے کوئی جو مجھے ایک روٹی دے"، ایک شخص نے آگے بڑھ کر ایک روٹی دے دی اور چالیس حج خرید لیئے۔ اور ایک گواہ بھی مقرر کر لیا۔ شیخ نے روٹی لی اور بھوکے کتے کو کھلا دی۔ اسی وقت ایک شخص نے اٹھ کر شیخ کے کندھے پر زور سے تھپڑ مارا اور کہا "بیوقوف! تم نے ایک روٹی کے بدلے چالیس حج بیچ دیئے ہیں۔ تمہارے باپ آدم علیہ السلام نے تو ساری بہشت کو دو دانہ گندم پر فروخت کر دیا تھا۔ اس ایک روٹی میں ہزاروں دانے موجود ہوں گے"، شیخ نے یہ بات سنی تو سخت نادم ہوئے۔ اور سر جھکا لیا۔

ایک بار حضرت شیخ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں جبل رحمت پر قیام فرما تھے۔ گرمی کی

شدت کا یہ عالم تھا۔ کہ سخت گرم لو چل رہی تھی۔ آپ کو سخت بخار نے آلیا۔ آپ بخار کی شدت میں زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک مرید آپ کے سرہانے آکر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو حکم فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے پانی کا ایک ٹھنڈا پیالہ درکار ہے۔ اس شخص نے اِدھر اُدھر نظر ڈالی۔ ہاتھ پاؤں مارے مگر ٹھنڈا پانی کہیں سے نہ ملا۔ بڑا مایوس ہوا۔ دیکھتے دیکھتے بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا۔ اور ژالہ باری شروع ہو گئی اس کے سامنے اولوں کا ڈھیر لگ گیا۔ اس نے محسوس کیا۔ کہ یہ حضرت شیخ کی کرامت ہے۔ اپنا برتن بھرا۔ اور حضرت کے پاس لے آیا۔ آپ نے پوچھا۔ یہ اولے کہاں سے لے آئے ہو۔ اس نے سارا واقعہ سنایا اور اعتراف کیا کہ یہ آپ ہی کی کرامت ہے۔ آپ نے فرمایا میں یہ ٹھنڈا پانی نہیں پیئوں گا۔ اس کے پینے سے میرے نفس میں رعونت آجائے گی۔

ایک دن آپ مجلس میں بیٹھے گفتگو فرما رہے تھے۔ کہ ایک درازقد نوجواں اندر آیا۔ آپ کی باتیں سنیں اور بڑا متاثر ہوا۔ چند لمحوں بعد باہر نکلا تو زور سے نعرہ مارا "میرا کام پورا ہو گیا۔ گھر گیا اپنی والدہ کو کہنے لگا۔ میرے لئے کفن دفن کا انتظام کرو۔ میں جا رہا ہوں۔ یہ کہتے ہی جان اللہ کے حوالے کر دی۔

حضرت شیخ ابوعثمان مغربی نے مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں اپنی قبر خود ہی تیار کر لی تھی اس آرزو پر کہ مرنے کے بعد مجھے وہاں دفنا دیا جائے۔ شیخ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو کہا جس قبر کو آپ نے تیار کرایا ہے۔ اس میں مجھے دفن کیا جائے گا۔ مگر آپ کو نیشاپور میں دفنایا جائے گا۔ یہ بات ابوعثمان کو ناگوار گذری۔ کچھ دنوں بات شیخ ابوعثمان کو ایک ضروری کام کے لئے بغداد جانا پڑا۔ بغداد سے ہوتے ہوتے۔ ہرات گئے اور کچھ دنوں بعد نیشاپور میں چلے گئے اور وہاں ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور نیشاپور میں دفن کر دیئے گئے۔ جو قبر جنت البقیع میں تیار کی گئی تھی۔ اس میں حضرت ابوالقاسم کو دفنایا گیا۔

آپ کی وفات ۳۷۳ھ میں ہوئی تھی۔ ہمارے اس قول کی تائید صاحب نفحات الانس

اور صاحب سکینۃ الاولیاء نے بھی کی ہے۔ مگر امام یافعی کے قول کے مطابق۔ اور مجلس الاخبار میں امام قشیری کے حوالے سے آپ کا سن وفات ۳۶۷ھ لکھا ہے۔

شیخ ابوالقاسم کہ از انوار حق ۔ گشت روشن در جہاں مانند ماہ
سال وصلش ہست قاسم نیک نام ۔ سالک ہادی ابوالقاسم بخواہ
قطب دوران ۔ وحید زمان ابوالقاسم ۔ قاسم ولی عالی جاہ

۳۷۲ھ

۳۶۷ھ ۔ ۳۶۰ھ ۔ ۳۷۲ھ

شیخ ابوبکر طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ:- آپ کو کثرت عبادت۔ ورع اور تقویٰ کی وجہ سے طاؤس الحرمین کا لقب ملا تھا۔ کئی سال تک مکہ مکرمہ میں مجاور رہے۔ آپ حضرت ابوالحسین مالکی کے شاگرد تھے۔ حضرت ابراہیم کرمان شاہی سے صحبت رکھتے تھے اور اپنی روحانی نسبت آپ سے ہی قائم رکھی۔

آپ ۳۷۴ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی قبر مکہ معظمہ میں ہے۔

حضرت بوبکر طرطوسی ولی ۔ شد چو از ملک جہاں اندر جناں
قطب ربانی است سالِ وصلِ او ۔ نیز بوبکرِ سعید است اے جواں

شیخ عبدالواحد بن علی سیّاری رحمۃ اللہ علیہ:- آپ حضرت ابوالعباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد، مرید اور خواہر زادہ تھے آپ کی توبہ کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن آپ نے صوفیہ کرام کو دعوت سماع دی۔ سماع کے دوران ایک صوفی کو وجد آگیا۔ اور اس عالم وجد میں وہ ہوا میں اڑنے لگا۔ اور گم ہو گیا اور پھر اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ اس حیرت انگیز واقعہ کو دیکھتے ہی آپ کے دل میں جذبۂ عشق الٰہی ظاہر ہونے لگا اپنا گھر صوفیہ کے لئے وقف کر دیا۔ اپنے مال و دولت کو اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا۔ اور توکل۔ زہد و تقویٰ کو اختیار کر لیا۔

آپ کی وفات ۳۷۵ھ میں ہوئی۔

عبد واحد پیر یکتا شیخ دین ۔ رفت چوں در روضہ دارالسلام
سید کونین اقدس سال او ۔ ہم عیاں آمد مقدس نیک نام
۳۷۵ھ ۳۷۵ھ

سیاری عزیز ۔ سالک پارسا ۔ عبد واحد سید اہل یقین بھی تواریخ وفات ہیں۔
۳۷۵ ۳۷۵ ۳۷۵

شیخ عبداللہ برقی رحمۃ اللہ علیہ :۔ آپ مشائخ مصر میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ آپ کا مولد برق متصل خوارزم تھا۔ نعت رسول ۔ مدحت مصطفیٰ کے ساتھ ساتھ آپ کو علوم تفسیر حدیث اور فقہ میں درجۂ کمال حاصل تھا۔

ایک بار آپ بیمار ہوئے۔ آپ کے لئے شربت پیش کیا گیا۔ مگر آپ نے پینے سے انکار کر دیا۔ فرمانے لگے۔ اللہ کے گھر میں ایک حادثہ برپا ہوا ہے۔ جب تک اسے درست نہ کر لیا جائے۔ میں شربت نہیں پیوں گا۔ آپ نے تیرہ دن تک کچھ نہ کھایا نہ پیا۔ اس زمانہ میں قرامطی حملہ آوروں نے حرم پاک پر قبضہ کر لیا تھا۔ بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا۔

آپ ۶۷۶ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ عبداللہ برقی زاہد دور زماں ۔ آنکہ در عہدش میانِ کفر و دین فرق آمد است
سال ترحیلش بگو قطب جہاں اہل یقین ۔ یکدل برقی۔ دو دیگر سید برق آمد است
۶۷۶ھ

شیخ ابو نصر سراج قدس سرہٗ :۔ آپ کا نام عبداللہ بن علی طوسی تھا۔ فقیر لقب تھا۔ علوم شریعت ۔ طریقت میں کامل و اکمل تھے۔ ریاضات و مجاہدات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی قابلِ قدر تصانیف آپ کی لیاقت علمی اور روحانی کی آئینہ دار ہیں۔ کتاب لمعہ نے تو خصوصی طور پر تصوف میں اپنا مقام پیدا کیا۔ آپ شیخ ابو محمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت روحانی رکھتے تھے۔

شیخ ابو نصر جب بغداد میں وارد ہوئے۔ تو ماہ رمضان تھا۔ آپ مسجد شونیزیہ میں گوشہ گزین

ہو گئے۔ اور درویشوں کی امامت آپ کے حوالے ہو گئی۔ ہر رات نماز تراویح میں پانچ قرآن شریف
ختم کیا کرتے تھے۔ آپ کا خادم رات کو ایک جو کی روٹی پکالاتا اور آپ افطاری فرماتے عید کے
دن آپ نے امامت فرمائی۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ کے حجرے میں تیس روٹیاں جوں کی توں پڑی
ہوئی تھیں۔

ایک رات چند حضرات آپ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ سردیوں کی راتیں تھیں۔ آگ جل رہی
تھی۔ توحید و معرفت کی باتیں ہو رہی تھیں۔ شیخ اچھے مزاج میں تھے۔ اٹھے۔ اور آگ میں جا کھڑے
ہوئے۔ اور آگ پر ہی مصلیٰ بچھا کر نماز ادا کرنا شروع کر دی۔ سجدے سے سر اٹھایا تو آپ کا ایک
بال بھی نہیں جلا تھا۔

آپ نے اپنی زندگی میں ہی فرمادیا تھا۔ کہ میرے مزار کے سامنے سے جو جنازہ گذرے گا بخشا
جائے گا۔ اب تک یہ رسم جاری ہے۔ کہ لوگ آپ کے مزار کے سامنے سے جنازہ لیکر گزرتے ہیں۔
آپ ۳۷۷ھ میں فوت ہوئے۔ ایک اور قول کے مطابق ۳۷۸ھ میں وفات پائی ہماری
تحقیق میں دوسری تاریخ وفات صحیح ہے۔

مقتدائے زمانہ شیخ کبیر - شیخ بونصر ھادی دو جہاں
سال وصلش سراج اقطاب است - ہم رقم کن سراج اوج جناں

۳۷۷ھ ۳۷۸ھ

شیخ ابوالقاسم روزی قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی جعفر بن احمد بن محمد تھا۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ ابن عطا محمد بن الجواری۔
ابو علی رودباری کی مجالس میں بیٹھتے تھے۔ اپنے والد سے بہت سا مال ورثہ میں ملا۔ تمام کا تمام
صوفیہ میں تقسیم کر دیا۔ جب انتقال ہوا۔ تو ایک گودڑی کے بغیر کوئی چیز نہ تھی۔

مشائخ اقلیم رے فرمایا کرتے تھے۔ کہ شیخ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چار چیزیں تھیں
جمال باکمال۔ (ظاہری بھی اور باطنی بھی) زہد و تقویٰ۔ بے پناہ مال و دولت۔ اور پھر سخاوت میں

کھلا ہوا ہاتھ۔

آپ نے ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔

زاہد متقی ابو القاسم - اہل جاہ و سخی ابو القاسم
سال وصلش چو جستم از دل خود - گفت کامل ولی ابو القاسم

۳۷۰ھ

شیخ ابو بکر کلا آبادی رحمۃ اللہ عنہ:- محمد ابن ابراہیم بن یعقوب کلا آبادی نام تھا۔ بخارے کے رہنے والے تھے۔ کتاب تعرّف آپ کی معروف تصنیف ہے۔ مشائخ عظام فرماتے ہیں۔ اگر تعرف نہ ہوتی۔ تو تصوّف سے بالکل ناواقفیت رہتی۔

آپ نے بروز جمعہ ۱۹ جمادی الاوّل ۳۸۰ھ کو وفات پائی۔

چوں ابو بکر ابن ابراہیم پیر - از جہاں ورزید در جنت مقام
رحلتش سلطان بوبکر آمد - ہم بگو بو بکر محبوب انام

۳۸۰ھ ۳۸۰ھ

شیخ ابو الخیر حبشی قدس سرہٗ:- نام اقبال۔ لقب طاؤس الحرمین۔ کنیت ابو الخیر ابتدائی عمر میں آپ ایک حبشی غلام کی حیثیت سے جرجان کے ایک امیر کے ہاں رہتے تھے۔ جب آپ کے مالک نے آپ کو عبادت گذار پایا۔ تو فرمایا کرتے۔ کہ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو مانگ لیا کرو۔ مگر آپ نے کبھی بھی اپنی ضرورت کو پیش نہ کیا۔ ایک دن اس امیر آدمی نے نہایت اصرار اور عقیدت سے کہا۔ آپ مجھے ضرور کسی خدمت کا موقعہ دیں شیخ ابو الخیر نے کہا۔ اگر یہ بات ہے تو پھر مجھے خالصتاً لوجہ اللہ آزاد کر دو۔ مالک نے کہا حقیقت یہ ہے کہ میں نے کئی سال سے آپ کو آزاد کر دیا ہوا ہے۔ میں آپ کا غلام ہوں۔ اور آپ میرے آقا ہیں۔ آپ اسی دن بغداد کو روانہ ہوئے کہ ایک ولی کامل کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس ولی کامل نے آپ کو دیکھ کر فرمایا۔ میں ایک عرصے سے آپ کا منتظر تھا۔ اپنا روحانی حصہ لے کر

حجاز مقدس کو چلے جاؤ۔ اور آج سے تمہارا لقب طاؤس الحرمین ہو گا۔ حضرت ابو الخیر حرم پاک میں آ گئے۔ اور پورے ساٹھ سال مجاوری کی۔ آپ نے اس ساٹھ سالہ زندگی میں نہ تو کسی سے کوئی چیز طلب کی۔ نہ کسی کے سامنے اپنی ضرورت کو پیش کیا۔ نہایت تنگدستی سے وقت گذارا۔ اگر بہ تقاضائے بشریت کہیں سے کوئی چیز طلب کرتے تو آواز آتی۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ سجدہ میرے سامنے کرتے ہو۔ تو ہاتھ غیر کے سامنے پھیلاتے ہو۔

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کے سامنے حاضر ہوئے تو عرض کرتے "السلام علیک یا رسول الثقلین"۔ روضہ مبارکہ سے آواز آئی "علیک السلام یا طاؤس الحرمین"

آپ کی وفات نفحات الانس کے مطابق ۳۸۳ھ میں ہوئی۔ مگر اخبار الاولیا کے مولف نے آپ کا سال وفات ۳۸۴ھ لکھا ہے۔

شیخ حبش خواجۂ اقبال پیر ۔ مصدر حق مظہر اجلال بود
سال وصلش حبش یک دل بگو ۔ نیر مقبول جہاں اقبال بود
۳۸۳ھ ۳۸۳ھ

طاؤس حرمین اور میر اقبال سے بھی تو اریخ وفات آتی ہے۔
۳۸۴ھ ۳۸۴ھ

شیخ ابراہیم منسوجی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی کنیت ابو علی تھی۔ بغداد کے متقدمین اجلہ مشائخ سے مانے جاتے تھے۔ شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہتے تھے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے۔ کہ آپ ہر سال ایک کھلے پیراہن میں پیادہ اور پا برہنہ حج بیت اللہ کو جاتے تھے۔ بخارا سے مکہ شریف تک صرف ایک سیب بطور خوراک کھاتے۔ اور کچھ نہ کھاتے تھے۔ ماہ شعبان ۳۸۶ھ میں واصل بحق ہوئے۔

شیخ دین مقتدا اہل کمال ۔ صاحب حال و قال ابراہیم

سرورا از سال ترحلیش بگو نیز گو اہل کمال ابراہیم
۳۸۶ھ

شیخ ابوالحسین بن سمعون قدس سرہٗ:۔ آپ کا اسم گرامی محمد بن احمد بن اسماعیل بن سمعون تھا۔ مشائخ میں ناطق کے خطاب سے مشہور تھے۔ اور ابن سمعون سے شہرت رکھتے تھے۔ آپ حضرت شیخ شبلی کے ہمعصر تھے اور بغداد کے مقتدر مشائخ میں مانے جاتے تھے۔

ایک دن آپ مسجد میں وعظ فرما رہے تھے۔ ایک درویش آپ کے منبر کے پایہ کے ساتھ بیٹھا تھا سو گیا۔ آپ بھی وعظ کرنے سے رک گئے۔ درویش بیدار ہوا تو آپ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ تم خواب میں رسول خدا کی زیارت سے مشرف ہوئے ہو۔ میں بھی اُدّیا وعظ بیان کرنے سے خاموش ہو گیا تھا۔ جب تک تمہاری خواب مکمل نہیں ہوتی میں خاموش رہا ہوں۔

آپ کی ولادت ۳۰۰ھ میں ہوئی تھی۔ اور وصال بروز جمعہ ۱۵ ذیقعدہ یا ذوالحجہ ۳۸۶ھ میں ہوا۔ وفات کے بعد آپ کو کسی وجہ سے اپنے ہی گھر میں دفن کر دیا گیا ۳۹ سال بعد لوگوں نے آپ کو قبرستان میں دفن کرنا چاہا۔ قبر کھودی گئی۔ تو آپ کا کفن اور جسم اسی طرح تازہ اور صحت مند تھا۔ گویا ابھی فوت ہوئے ہیں اور نیا نیا کفن پہنا ہے

جناب شیخ سمعوں بوالحسین است ۔ امین و مامن و ہادی و مامون

مکرم سال تولیدش عیاں شد ۔ دل سرور چو جست از طبع موزوں
۳۰۰ھ

بگو سمعون ناطق سال وصلش

۳۸۶ھ

مجوان مہدی امجد ابن سمعون

۳۸۶ھ

ناطق ولی مسعود ۔ شاہ عطا ۔ سالک حق بوالحسین ۔ امجد ولی اللہ سمعون
۳۸۶ھ ۳۸۶ھ ۳۸۶ھ ۳۸۶ھ

شیخ ابوطالب محمد بن علی بن عطیہ الحاری المکی قدس سرہٗ: آپ مکہ میں پیدا ہوئے شیخ عارف ابوالحسین محمد بن ابی عبداللہ احمد بن سالم البصری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ شیخ ابوالحسین اپنے والد ابوعبداللہ بن احمد بن سالم کے مرید تھے اور وہ اپنے والد عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ تصوف کی مشہور کتاب قوت القلوب شیخ ابوطالب نے تصنیف کی تھی۔ مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ دنیائے اسلام میں رموز طریقت پر اس پائے کی کوئی کتاب نہیں ہے جو اسرار الٰہی کو بیان کرتی ہو۔

آپ کی وفات بقول نفحات الانس ۳۸۶ھ ہے۔ مگر مخزن الاسرار میں سال وفات ۳۸۰ھ لکھا ہے۔

شیخ ابوطالب شہ مطلوب حق - پیر کی مقتدا و متقی

مرد طالب اہل دین شد وصل او - ہم عیاں شد مہربان طالب ولی

۳۸۶ھ ۳۸۶ھ

شیخ ابوبکر سوسی قدس سرہٗ: محمد بن ابراہیم الصوفی السوسی رحمۃ اللہ علیہ شام میں پیدا ہوئے۔ شیخ عمرو احمد کوتانی رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی نسبت قائم ہوئی نفحات الانس میں لکھا ہے۔ کہ ایک رات شیخ ابوبکر سماع کی مجلس میں بیٹھے تھے، ایک مطرب نے یہ شعر پڑھا۔

اَلْقَدَمُ اَخْوَانِ الصِّدْقِ مِنْھُم نُسْبَتْ - مِنَ الْمَوْدُتْ لَمْ یُعْدَلْ بِہٖ نُسْبَتْ

یہ شعر سنتے ہی شیخ اور اہل مجلس وجد میں آ گئے مطرب اور قوال بھی بے ہوش ہو گئے مطرب نے تو حضرت شیخ کے مصلے پر قے کر دی۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ جس بوریے پر مطرب نے قے کی ہے۔ اس میں لپیٹ کر اسے ایک کونے میں لٹا دو۔ صبح ہوئی تو مطرب ہوش میں آیا۔ اپنے آپ کو ایک بوریے میں پڑا پایا۔ چلایا۔ اور کہا مسلمانو! یہ کیا حالت ہے؟ ایک شخص

آگے بڑھا۔ اور مطرب کو بوریے سے باہر نکالا۔ حضرت شیخ کے سامنے آیا۔ اپنا سارا ساز توڑ دیا۔ اور توبہ کرلی۔ مرقع فقر پہنچا۔ اور حضرت شیخ کے مریدوں میں داخل ہو گیا۔ حضرت شیخ کی وفات کے بعد سجادہ مشیخت پر بیٹھا۔ اس مطرب کا نام بقولِ شیخ عبداللہ انصاری محمد عراقی تھا۔ حضرت شیخ ابوبکر سوسی نے ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

پیر موسیٰ کہ بود شیخ جہاں ۔ داشت باذکر و فکر مانوسی

مہر سوسی ست سالِ رحلت او ۔ نیز بو بکر ھادی سوسی

۳۸۶ھ ۳۸۶ھ

حضرت شیخ ابوبکر سوسی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے ایک سال بعد یعنی ۳۸۷ھ میں ہفتم ماہ شعبان سلطان امیر ظہیر الدین سبکتگین بادشاہِ غزنی بیس سال حکومت کرنے کے بعد چھیاسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس بادشاہ کے ضمناً اور مختصر حالات درج کرنے ضروری ہیں مورخین نے حضرت سبکتگین کے حالات لکھتے ہوئے لکھا

سبکتگین بادشاہِ غزنی:۔ ہے۔ کہ سبکتگین ترک زادہ تھا۔ اور ایران سے تعلق رکھتا تھا۔ حوادث زمانہ نے آپ کو غربت کا شکار بنا دیا۔ الپتگین بادشاہ نے آپ کو خرید لیا۔ اور کچھ عرصہ زیر تربیت رکھ کر اعلیٰ فرائض کی بجا آوری پر مامور کر دیا۔ اسحاق بن الپتگین کی وفات کے وقت اس کا کوئی وارث جانشینی کے قابل نہیں تھا۔ سبکتگین کا نکاح الپتگین کی لڑکی سے ہو گیا تھا۔ اس طرح بادشاہ کے داماد کی حیثیت سے تخت نشین ہو گیا۔ اتفاقاً پہلے سال ہی ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ راجہ جیپال نے لاہور میں مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھا گیا۔ لاہور فتح کرنے کے بعد ملتان کو فتح کیا۔ بہت سا مالِ غنیمت فوج میں تقسیم کیا۔ دوسری بار جب حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ تو راجۂ لاہور غزنی میں پہنچا۔ اور خراج دینا قبول کر لیا۔

راجہ جیپال کچھ عرصہ کے بعد مقابلہ میں اتر آیا۔ ہندوستان کے دوسرے راجے بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ سخت لڑائی ہوئی۔ مگر سب کے سب شکست کھا گئے۔ اور میدان جنگ

سے بھاگ نکلے۔ آخر کار راجہ جیپال نے شکست تسلیم کرتے ہوئے۔ خراج دنیا قبول کر لیا۔ ناصرالدین سبکتگین بیس سال تک حکمرانی کرتا رہا۔ بادشاہ کا وزیر باتدبیر ابوالعباس فضل بن احمد تھا۔ سن وفات ناصرالدین سبکتگین کا یوں ہے۔

رفت از دنیا چو در خلد برین ۔ ناصرالدین بادشاہ اہل دین
شد عیاں فرد زمانہ رحلتش ۔ گشت پیدا نیز سید بادشاہ

۳۸۷ھ ۔ ۳۸۷ھ

شیخ ابوالقاسم دینوری واعظ قدس سرہٗ آپ کا اسم گرامی عبدالصمد بن عمر بن اسحاق تھا۔ فقہ و حدیث کے امام تھے۔ زہد و تقویٰ میں یگانۂ روزگار۔ اور مجاہدہ میں معروف تھے۔ آپ کا ذریعہ معاش یہ تھا، کہ طبیبوں اور عطاروں کی دوائیاں کوٹ کر روزی کمایا کرتے تھے۔ آپ کی وفات بروز منگل مورخہ ۱۴ ماہ ذوالحج ۳۹۷ھ کو ہوئی تھی۔ آپ کا مزار پُر انوار حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے مزار کے پہلو میں ہے۔

شیخ ابوالقاسم چو از عالم برفت ۔ سال وصل آں شہ کون و مکان
ہست محبوب زمان عبدالصمد ۔ نیز ابوالقاسم ولی عالی بداں

۳۹۷ھ ۔ ۳۹۷ھ

خواجہ یحیٰی بن عمار شیبانی قدس سرہٗ آپ ہرات کے عظیم مشائخ میں سے تھے۔ آپ عبداللہ بن خفیف کی صحبت میں وقت گزارتے تھے۔ سب سے پہلے ہرات میں جو شخص علم تصوف، رسوم دینیہ اور اتباع سنت وہ آپ کی شخصیت تھی۔ چنانچہ قاضی ابوعمر بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ہرات میں آئے۔ حضرت خواجہ یحیٰی کی مجالس میں حاضری دی۔ تو کہنے لگے۔ میں مشرق و مغرب کے تمام ممالک میں گیا ہوں۔ مگر میں نے ہرات میں دین کو تر و تازہ پایا۔ اور یہ حضرت شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

آپ کی وفات ۴۰۲ھ میں ہوئی۔

رفت زین عالم چو یحییٰ زندہ دل ۔ عقل بہر سالِ نقل آنجوان
گفت عابد نامور یحییٰ بگو ۔ نیز یحییٰ قطب ربانی بخواں

۴۰۲ھ ۴۰۲ھ

شیخ ابو علی دقاق قدس سرہٗ:- حسن بن دقاق اپنے وقت کے شیخ تصوف، اور امام شریعت تھے۔ ریاضت و عبادت توکل و کرامت میں روحانیت کی علامت تھے۔ آپ ابو القاسم نصیر آبادی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ وقت کے بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا، اور ان کی خدمت میں وقت گذارا تھا۔ لوگ آپ کو شیخ نوحہ گو کہا کرتے تھے کیونکہ آپ نہایت دردمندی سے گریہ کرتے۔ اور بڑے ذوق و شوق سے آہ و زاری کرتے تھے۔ ساری عمر زمین پر پشت لگا کر نہیں سوئے۔ ہر سال اپنی سکونت تبدیل کر دیتے، اور فیضان روحانیت عام کرتے۔ حضرت ابو القاسم قریشی آپ کے داماد تھے، اور آپ سے ہی نسبت روحانی رکھتے تھے۔ انہوں نے آپ کی مجالس کے ملفوظات جمع کئے تھے۔

شیخ علی مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک بار ایک شخص آپ کی مجلس میں حاضر ہوا، اور توکل کے معانی دریافت کئے۔ آپ اس وقت ایک ریشمی عمامہ زیب سر کئے بیٹھے تھے۔ اس سائل کا دل اس عمامہ پر بڑا مائل ہوا۔ مگر آپ سے توکل کے معنی دریافت کرتا رہا۔ آپ نے فرمایا۔ توکل یہ ہے۔ کہ دوسروں کی پگڑیوں پر نگاہ نہ رکھی جائے۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنی پگڑی اتاری اور سائل کے سر پر رکھ دی۔

ایک بار آپ کے پاس کپڑے نہ تھے، برہنہ حضرت عبد اللہ عمر رضی اللہ عنہ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ کسی نے آپ کو پہچان لیا۔ لوگ آپ کے گرد جمع ہوگئے، بزرگوں نے التجا کی کہ آپ وعظ فرمائیں۔ حضرت شیخ منبر پر جلوہ فرما ہوئے۔ دائیں جانب دیکھتے ہوئے فرمایا۔ اللہ اکبر پھر بائیں جانب دیکھتے ہوئے فرمایا۔ اللہ خیر والبقیٰ! پھر آپ قبلہ رو ہو کر فرمانے لگے۔ رضوان اللہ

واللہ اکبر۔ آپ کے اس قول پر حاضرین پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی مجمع میں ایک شور برپا ہوا کئی لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آپ اسی وقت منبر پر سے نیچے آئے۔ اور مسجد کے دروازے سے نکل کر باہر چلے گئے۔ اس دن کے بعد آپ کو کسی نے نہیں دیکھا۔

ایک اور روایت میں یوں لکھا ہے۔ کہ آخری عمر میں آپ اپنے مکان کی چھت پر جا کر کھڑے ہو جاتے۔ دل کے درد کے سبب وہ تمام دنیا کی چیزوں سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ سورج کی طرف منہ کر کے فرماتے۔ اے سرگردانِ بادیۂ مملکت، امروز تبا تیرا یہ سفر کیسے گذرا ہے۔ تم نے کائنات ارضی کے درد مندوں کو دیکھا ہو گا۔ میرے جیسے اندوگین کو کہیں دیکھا ہے۔ اور دنیا کے زیر و زبر ہونے والے لوگوں میں سے میرے جیسا انسان دیکھا ہے۔ اس قسم کی ہزاروں باتیں کرتے رہتے حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو جاتا۔

آپ ماہ ذیقعدہ میں ۴۰۵ھ میں فوت ہوئے۔

رفت چوں زین جہاں بخلد بریں - شیخ دقاقِ عاشقِ مشتاق

ہست تاریخ رحلتِ آں شاہ - زاہد دین ابو علی دقاق
۴۰۵ھ

شیخ عبد الرحمان سلمی قدس سرہ: آپ کا اسم گرامی محمد بن حسین بن محمد بن موسیٰ سلمی تھا۔ آپ کی دو کتابیں تفسیر حقائق اور طبقات مشائخ۔ یادگار زمانہ ہیں۔ ان تصانیف کے علاوہ اور بہت سی کتابیں آپ کے قلم سے نکلیں۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ آپ نے ایک سو سے زائد کتابیں تصنیف کی تھیں۔

آپ حضرت شیخ ابو القاسم نصیر آبادی قدس سرہٗ کے خلیفہ بھی تھے اور مرید صادق بھی حضرت ابو القاسم شیخ شبلی کے مرید تھے۔ حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ اپنے شیخ میر ابو الفضل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ کی صحبت میں آئے۔ اور تکمیل حاصل کر کے خرقہ خلافت سے مشرف ہوئے۔

آپ کی وفات ۴۱۲ھ میں ہوئی۔

رفت چوں آخر بہ فردوس بریں - ازجہاں سلمیٰ محمد بن حسین
پیرِ منعم ہست سال وصل او - ہم بخواں سلمیٰ محمد بن حسین

شیخ ابوسعید پالینی قدس سرہٗ آپ کا اسم گرامی حسن تھا۔ ایک اور قول کے مطابق احمد بن محمد بن اسماعیل بن حفص تھا۔ ہرات کے قریب ایک موضع مالین میں پیدا ہوئے۔ علوم فقہ۔ حدیث اور تفسیر میں یگانۂ روزگار تھے۔ علوم طریقت اور حقیقت میں آپ نے اکنافِ عالم کی سیر کی۔ بہت سے مشائخ کی صحبت سے فیض پاتے رہے۔

آپ کی وفات بھی ۴۱۲ھ میں ہوئی تھی۔

رفت چوں سعید از عالم - سالِ تاریخ آں شہ دینی
حق طلب قطب بوسعید بگو - ہم حسن بوسعید مالینی
۴۱۲ھ

شیخ ابوالحسن جہضم ہمدانی قدس سرہٗ آپ کا اسم گرامی علی بن عبداللہ بن حسین بن جہضم ہمدانی تھا۔ بہت بڑے بزرگ تھے۔ شیخ طریقت تھے۔ حضرت شیخ کوکبی کے مرید تھے۔ جعفر خلدی سے بھی فیض پایا تھا۔ حرم پاک میں امام رہے۔ آپ کی ایک تالیف مسمیٰ بہ بہجۃ الاسرار تھی۔ اس میں صوفیہ کی حکایات۔ احوال۔ مقامات اذکار و کرامات تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ اسی نام کی ایک اور مشہور کتاب بہجۃ الاسرار ہے۔ جس میں صرف جناب غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے کمالات خوارق اور کرامات درج ہیں۔ مگر یہ کتاب خواجہ شہاب الدین ہروری کی تصنیف ہے۔[۱]

حضرت شیخ ابوالحسن نے ۴۱۴ھ میں وفات پائی۔

بوالحسن آں شیخ محبوب خدا - بود در چشم جہاں چوں نور عین
سالِ ترحیلش عیاں شد از خرد - بوعلی محبوب ہمدانی حسین
۴۱۴

[۱] :-

شیخ ابو عبداللہ طاقی قدس سرہٗ:- آپ کا اسم گرامی محمد بن فضل بن طاقی سختانی اہروی تھا۔ آپ موسیٰ بن عمران صیرنی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ علوم ظاہر و باطن میں کامل اور زہد و تقویٰ میں مکمل تھے۔ آخرین عمر میں آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو گئے۔ اس حالت میں بھی آپ سے ہزاروں کرامات ظاہر ہوتی تھیں وہ آنکھ والوں سے ہر حالت میں آگے رہے آپ کی زبان حق ترجمان سے جو کچھ نکلتا اللہ تعالےٰ اسے پورا فرما دیتے تھے۔

آپ ۴۱۶ھ میں فوت ہوئے۔

چو رحلت کرد زین دنیائے فانی ۔ جناب شاہ عالی جاہ طاقی

رصالش اہل دین اہل یقین طاق ۔ ہم اہل حسن عبد اللہ طاقی

۴۱۶ ۔ ۴۱۶ھ

شیخ ابو عبداللہ داستانی قدس سرہٗ:- اسم گرامی محمد بن علی داستانی تھا۔ لقب شیخ المشائخ پایا۔ آپ کی نسبت تین واسطوں سے شیخ عمر بسطامی جو حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے خواہرزادہ اور خلیفہ تھے سے ملتی ہے۔ حضرت ابوالحسن خرقانی کے احباب میں سے تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں ماہر تھے۔ شیریں کلام اور خوش بیان تھے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت شیخ سہیگی سے جو آپ کے احباب میں سے تھے۔ سنا ہے۔ کہ ایک دفعہ بسطام میں مکڑی کا طوفان امڈ آیا۔ مکڑی تمام درخت اور فصلیں چاٹ گئی۔ اور بسطام کے نواح و مضافات مکڑی کے لشکروں سے سیاہ ہو گئے لوگ چلا اٹھے۔ اس طرح ہر طریقہ سے مکڑیوں کو اڑا رہے تھے۔ حضرت شیخ نے دریافت کیا۔ کہ یہ کیا شور و غوغا ہے۔ لوگوں نے مکڑی کے بارے میں بتایا۔ تو آپ چھت پر آئے اور آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں۔ مکڑی کا لشکر زمین سے اڑنے لگا۔ اور دیکھتے دیکھتے زمین خالی ہونے لگی۔ چند

سے بے حد متاثر ہوا۔ سومنات فتح ہوا۔ سومنات کے بت کو محمود غزنوی نے اپنے ساتھ اٹھالیا۔ تاکہ اس کے بعد ہندوؤں کو اس بت پرستی سے محروم کر دیا جائے۔ محمود غزنوی نے اس بت کو مسجد غزنی کے سامنے پھینک دیا۔ اس لشکر میں میر مسعود غازی اپنی فوج کے ساتھ غزنی میں آئے تھے۔ ہندوستان کے کافروں کے پیغام رساں محمود غزنوی کے وزیر اعلیٰ خواجہ حسن میمندی کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست گذار ہوئے۔ کہ سلطان غزنوی کو آمادہ کریں۔ کہ وہ ہمارے اس معبد بت کو اس طرح ذلیل نہ کرے۔ اور اسے عبادت کے لئے ہمیں لوٹا دے۔ ہم اس بت کے وزن کے برابر خالص سونا دینے کو تیار ہیں۔ خواجہ حسن میمندی اس خطیر معاوضے پر راضی ہو گئے۔ اور سلطان محمود کی خدمت میں گذارش لے کر اندر گئے۔ اتفاق سے حضرت میر مسعود غازی بھی دربار میں موجود تھے۔ آپ جرأت سے اٹھے اور فرمانے لگے۔ کیا وزیر اعظم چاہتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن آذر کو بت تراش پکارا جائے اور محمود غزنوی کو بت فروش کہا جائے؟ آج تک سارے ہندوستان میں اور عالم اسلام میں سلطان محمود کی شہرت "بُت شکن" ہے۔ پھر لوگ سلطان بت فروش کہہ کر پکاریں گے۔ وزیر اعظم کی یہ سکیم تو پوری نہ ہوئی۔ مگر اس نوجوان کی تقریر سے وزیر اعظم کبیدہ خاطر ہو گیا۔ اور اس کی دلی خواہش تھی۔ کہ اسے کسی طرح اپنے انتقام کا نشانہ بنایا جائے۔

سلطان محمود اس صورت حال سے واقف تھا۔ ایک دن حسن میمندی کی دل جوئی کے لئے سلطان نے خواجہ مسعود سالار کو علیٰحدہ طلب فرمایا اور مسعود غازی کو مشورہ دیا۔ کہ آپ کے والدین کاہلر میں تمہارے منتظر ہیں۔ تم وہاں پہنچو۔ اور کچھ عرصہ کے لئے آرام کرو۔ شکار کھیلو۔ جب کسی مہم کی ضرورت پڑی۔ تمہیں بلا لیا جائے گا۔ چند دن بعد اپنے سپہ سالار افواج میکائیل کو اپنا وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ اور کہا مجھے خواجہ حسن بہت پسند ہیں۔ مگر بت فروشی کا تصوّر ذہن میں لانے والے سلطنت غزنویہ کے لئے مفید نہیں ہیں۔ حضرت مسعود غازی غزنی سے روانہ ہو کر ہندوستان آئے۔ اور اپنے والدین کے پاس پہنچے۔ کچھ عرصہ کے بعد کئی ہزار لشکر کو لے کر ملتان کی شورش کو ختم کرنے کے لئے ملتان آئے وہاں سے پاک پٹن ہوتے ہوئے دہلی گئے۔ اور پھر قنوج میں قیام پذیر ہوئے۔ دریائے گنگا

کے کنارے کے ایک طرف ہندوؤں کی سلطنت تھی حضرت غازی مسعود کی دلی خواہش تھی کہ ان علاقوں کو فتح کر لیا جائے۔ اس وقت دہلی پر راجہ ہیپال کی حکومت تھی۔ آپ نے کچھ عرصہ میں دہلی کے گرد و نواح کے علاقوں کو اپنے حملوں سے صاف کر دیا۔ پھر دہلی کے راجہ ہیپال کو مقابلے کے لئے للکارا۔ راجہ بے پناہ لشکر لے کر مقابل آیا۔ ایک ماہ تک جنگ جاری رہی۔ اسی اثنا میں یہ خبر آئی کہ دولت غزنویہ کے چند امراء جن میں ملک ہی بختیار۔ میر سیف الدین علوی۔ سید عزالدین۔ ملک دولت خان۔ میاں رجب وغیرہ جیسے معروف سپہ سالار شامل تھے۔ وزیر اعظم حسن میمندی سے ناراض ہو کر ہندوستان آگئے ہیں۔ اور وہ سیدھے میر مسعود کی خدمت میں آئے غازی مسعود سالار نے اس انقلاب اور امراء کے آنے کو اللہ تعالیٰ کی عنایات میں سے جانا۔ اور ان کا زبردست استقبال کیا۔ اور بڑے اعزاز و اکرام سے اپنے لشکر میں مناسب مناصب پر مقرر کیا۔ اس دن لڑائی کا سخت ترین دن تھا۔ میر سید عزالدین چند نوجوانوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔ سالار مسعود غازی اپنے اشرف الملک کے ساتھ بات کر رہے تھے۔ کہ راجہ ہیپال کے لڑکے گوپال نے آپ پر گرز سے حملہ کر دیا۔ اس گرز کا وار تو خالی گیا۔ مگر آپ کی ناک زخمی ہو گئی۔ اور دندان مبارک بھی زخمی ہو گئے۔ اشرف الملک نے یہ صورت حال دیکھی تو تلوار اٹھا کر آگے بڑھے اور گوپال کو ایک ہی وار سے واصل جہنم کر دیا۔ اور پھر کفار کے لشکر پر بھرپور حملہ کر دیا۔ شام سے پہلے پہلے راجہ ہیپال بھی میدان جنگ میں مارا گیا۔ اور فتح کے بعد دہلی کے پایۂ تخت پر قبضہ کر لیا گیا۔

اس جنگ کے خاتمے پر بے پناہ مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ حضرت میر مسعود پورے چھ ماہ دہلی میں قیام پذیر رہے۔ وہاں کے معاملات کو از سر نو درست فرماتے رہے اور سکہ و خطبہ بنام سلطان محمود غزنوی چلنے لگا۔ چھ ماہ کے بعد ملک بایزید کو دہلی کا گورنر مقرر فرما کر خود میرٹھ پر متوجہ ہوئے۔ میرٹھ سے زمینداروں کو اسلام کے زیر نگین کیا۔ یہ خبر سنتے ہی محمود غزنوی بڑا خوش ہوا۔ اس وقت ایک اجلاس میں خواجہ حسن میمندی کو وزارت عظمیٰ سے ہٹا دیا۔ اور

امیر جنگ میکائیل کو وزارت کا قلمدان سنبھالنے کا اعلان فرما دیا۔ حضرت امیر مسعود میرٹھ کے علاقوں کی فتوحات کے بعد قنوج پر حملہ آور ہوئے۔ اس علاقے کے زمینداروں نے مل کر آپ سے مقابلہ کیا۔ اس سارے علاقہ میں ان جنگوں سے جو تباہی آئی۔ اس کے نتیجہ میں قنوج سے لے کر اودوھ تک تھوڑا سا علاقہ محفوظ اور آباد رہا۔ قنوج کی سلطنت ان دنوں راجہ جیپال کے پاس تھی۔

اسی مہم کے دوران آپ کے چچا سید سیف الدین کو رخصت کر کے ایک لشکر کی سربراہی میں برائچ کی طرف روانہ کیا۔ آپ کے ساتھ میر نصر اللہ جو اپنی قوم کے سپہ سالار تھے آپ کی مدد کے لیئے ساتھ روانہ کیا۔ میاں رجب جو آپ کے رازدار اور کوتوال تھے۔ کو بھی اسی لشکر کے ساتھ کیا۔ اور ان کے لڑکے کو کوتوال بنا دیا۔ میاں رجب اس لشکر میں شریک ہوئے اور ایک معرکے میں میر سید سیف الدین شہید ہو گئے۔ سید میر سیف الدین کا مزار بہرائچ میں ہے اور ایک بہت بڑا گنبد آج تک قبر پر موجود ہے۔ اس قبر مبارک پر لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس شہر میں میر نصر اللہ ایک میل کے فاصلہ پر آسودۂ خاک ہیں۔ یہ روضہ برسات کے موسم میں زیارت گاہ عوام ہوتا ہے۔ میر مسعود غازی کی خانقاہ عالیہ سے ایک میل کے فاصلے پر میاں رجب کا مزار ہے۔ چونکہ اس قبر پر صاحب مزار کے جلالی تاثرات موجود ہیں۔ عام لوگ وہاں جاتے ہوئے خوف کھاتے ہیں۔

ملک مہی بختیار جو حضرت مسعود غازی کے رشتہ دار بھی تھے۔ ایک لشکر جرّار لے کر اس علاقہ کی طرف بڑھے۔ فتح پر فتح کرتے ممالک شرقیہ کو زیر تصرف لے آئے۔ آپ کی فتوحات کا سلسلہ خطۂ کانور تک جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے شربت شہادت نوش کیا۔ آپ کا مزار پُر انوار خطہ کانور میں واقع ہے۔ اس مقام سے حضرت مسعود غازی نے میر حسن عرب کو جنوب کی طرف روانہ کیا۔ وہ قسبہ مہدیہ داکاسی تک ایک بڑا لشکر لے کر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ اور لڑتے لڑتے شہادت پائی۔ اس سرزمین میں آج تک شہدا

کے مقابر پائے جاتے ہیں۔

سیّد عزالدّین المعروف بہ لعل پیر ایک لشکر لے کر قصبہ گوپامو اور اس کے ملحقات کی طرف بڑھے۔ اس علاقہ میں آپ نے بہت بہادرانہ جنگیں لڑیں۔ اور میدان جنگ میں شہید ہوئے۔ آپ کا مرقد گوپامو میں زیارت گاہِ خلق بنا ہوا ہے۔ ملک فضل کو ان کے اہل وعیال اور اقربا سمیت بنارس اور اس کے نواح کی طرف جانے کا حکم دیا۔ وہ بھی مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے اسی طرح ملک عمر اور طغرل کو ان کے ساتھیوں کے ساتھ میواڑہ کی طرف روانہ کر دیا۔ آپ نے بھی اسی نواح شہادت پائی۔ ملک عمر اور طغرل کے مزارات بجنور میں واقعہ ہیں۔ خاص وعام کی زیارت گاہ ہیں۔ انہیں حضرات میں سے میر سید قاسم بھی اسی علاقہ میں شہید ہوئے تھے۔ آپ کا مزار قصبہ مدوسرائے اور کنتور کے درمیان واقع ہے۔ ان کے پہلو میں ہی ابراہیم خواص۔ شیخ صندو اور شیخ بدو اور دوسرے شہداء عظام آسودہ ہیں۔ ان کے دوسرے احباب شہید اور دوسرے شہدا قصبہ سدھور میں آرام فرما ہیں۔ انہیں پیر کھوکھر بھی کہتے ہیں۔ ان اصحاب کے علاوہ نرانجی شہید اور وسوائے شہید۔ تصرفات روحانی اور باطنی میں ممتاز مانے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ حاجی شریف شہید ہیں۔ ان کا روضہ اقدس موضع ابنلورہ سلیکہ پرگنہ میں واقع ہے۔ آپ کے جان نثار دوستوں میں قاضی طاہر شہید خاص طور پر قابلِ ذکر بزرگ ہیں۔ جن کا مزار پرگنہ سدھور کے جنگل میں پایا جاتا ہے۔ آپ کے دوسرے فدیوں میں حضرت میر سیّد عبداللہ شہید اپنے تمام شہید دوستوں سمیت قصبہ ابنہی میں آسودہ خاک ہیں۔ اس طرح حضرت سیّد الشہید جناب مسعود غازی نے اپنے احباب کو وسط ہند کے ان جنگی محاذوں پر دادِ شجاعت دینے پر لگا دیا تھا۔ کہ انہوں نے کفار کے مقابلہ میں لڑتے لڑتے قدم قدم پر قربانیاں دیں آپ اس عرصہ میں قصبہ سترگہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اسی اثنا میں آپ کو خبر ملی کہ آپ کی والدہ مکرمہ ستر معلّٰی کا ہلہ میں وفات پا گئی ہیں۔ میر ساہو علوی نے آپ کی والدہ کا جنازہ غزنی کو بھیج دیا۔ اور خود اپنے بیٹے کو ملنے۔ اور اسے تسلّی دینے کے لئے سترگہ تشریف لائے۔ باپ کے آنے کی خبر سن کر سلطان الشہداء میر مسعود غازی استقبال کے لئے

آگے بڑھے۔اور والد مکرم کو نہایت اعزاز و احترام سے اپنے گھر لائے۔اس سال حضرت سلطان محمود غزنوی واصل بحق ہوئے۔آپ کو غزنین کے باغ نیر وزی میں دفن کیا گیا۔جونہی سلطان محمود کی وفات کی خبر برصغیر ہندوستان میں پہنچی۔کافروں کے حوصلے بلند ہو گئے۔اور وہ جوق در جوق اسلامی لشکر اور چھاؤنیوں پر ٹوٹ پڑے۔وہ متفق ہو کر چاہتے تھے۔کہ اسلام کے نام لیواؤں کو ہندوستان سے نکال باہر پھینکیں۔ایک منافق حجام نے یوں کیا۔حضرت میر کی حجامت بناتے وقت ناخن تراش زہر میں بھگو کر ناخنوں میں زخم لگا دیا۔تاکہ زہر آپ کے جسم میں سرایت کر جائے۔آپ کو زہر اثر کرنے ہی والا تھا۔کہ آپ کے خادموں کو معلوم ہو گیا میر ساہو نے حکم دیا کہ اس بد نہاد سازشی حجام کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔میر ساہو ایک لشکر لے کر علاقے کے ہندو زمینداروں پر ٹوٹ پڑے۔بڑی جنگ کے بعد بہت سے دشمن کھیت رہے۔ہندو زمینداروں کے دو بڑے سرداروں کو قید کر کے زنداں خانے میں رکھا گیا۔ملک عبداللہ راجو کو قصبہ گرد اور ملک حیدر کو مانک پور میں متعین کر دیا اور خود اپنے مرکز کی طرف واپس آگئے۔چند دنوں بعد میر سیف الدین نے بہرائچ سے عرضداشت بھیجی۔کہ اس علاقے کے کافروں نے بہت بڑا حملہ کر دیا ہے۔اس لئے میری امداد کو پہنچنا چاہیئے۔حضرت میر مسعود غازی نے اپنے والد مکرم میر ساہو سے رخصت لی اور بہرائچ کو روانہ ہوئے۔آپ وہاں پہنچے ہی تھے۔کہ دشمنوں کا زور ٹوٹنے لگا اسی اثنا میں دو ماہ کے بعد آپ کو اپنے والد میر ساہو کے انتقال کی خبر ملی۔کہ وہ بتاریخ ۲۴ ماہ شوال ۴۲۳ھ سر درد کی شدت سے انتقال فرما گئے ہیں۔قصبہ ستر کھ میں دفن کر دیئے گئے۔یہ خبر سنتے ہی دشمنوں نے پھر شورش برپا کر دی۔اور اسلامی لشکر پر چاروں طرف سے حملے ہونے شروع ہوئے۔آخر کار تیرہ ماہ رجب کی آخری رات کو موضع جوگی کے جو شہر سے ایک کوس کے فاصلہ پر تھا۔سخت جنگ کا آغاز ہوا۔پیر کے دن علی الصباح سالار سیف الدین کو ایک لشکر دے کر تمام سپاہیوں کے جمع کرنے کا حکم دیا۔خود حضرت سلطان الشہید غازی مسعود نے غسل کر کے عمدہ پوشاک زیب تن کی شمشیر اور خنجر سے مسلح ہوئے۔اور خوش و خرم شہر سے باہر نکلے۔میر سیّد

ابراہیم کو جو آپ کے ہم عمر بھی تھے۔ اور محبوب و مصاحب بھی تھے۔ چند معتبر امراء کے ساتھ ڈیرہ میں چھوڑ کر سوار ہوئے۔ اور اپنی فوجوں کو عسکری قاعدے سے ترتیب دے کر میدان جہاد کو روانہ کیا۔ یہ لشکر باغ سورج کنڈ پہنچا۔ انہوں نے دیکھا کہ دشمن سالار سیف الدین پر غالب آرہے ہیں۔ میر نصر اللہ کو چند امراء کے ساتھ سالار موصوف کی امداد کو روانہ کیا۔ اور خود درختوں کے ایک چبوترے پر بیٹھ کر جنگ کی کارروائیوں کی نگرانی کرنے لگے۔

ہفتہ کے روز یہ جنگ زوروں پر تھی۔ اتوار کی دوپہر تک سخت جنگ جاری تھی۔ اسی جنگ میں آپ کے اکثر ساتھی جن میں سید نصر اللہ۔ میاں رجب کوتوال۔ اور سالار سیف الدین تھے۔ شہادت کے رتبہ پر سرفراز ہوئے۔ بعضے دفنا دیئے گئے۔ بعضے سورج کنڈ کے حوض میں ڈال دیئے گئے۔ بعض کو انہی کپڑوں میں لپیٹ کر خاک بوس کر دیا گیا۔ حضرت میر مسعود غازی گھوڑے سے اترے تازہ وضو کیا۔ شہداء کی نماز جنازہ ادا کی۔ فاتحہ خوانی کے بعد دوبارہ اپنی جنگی گھوڑی پر سوار ہوئے۔ بقیۃ السیف ساتھیوں کو ساتھ لے کر دوبارہ میدان جنگ میں اترے۔ آپ کی جرات دیکھ کر کافروں کا لشکر میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ اپنے باغ میں رک گئے اور اپنے ساتھیوں کو جمع کرنے لگے۔ دشمنوں نے پھر اپنے قدم جما لئے۔ اور لوٹ آئے۔ اس میدان جنگ میں حد نگاہ تک کشتوں کے پشتے دکھائی دیتے تھے۔ مورخہ چودہ رجب المرجب ۴۲۴ھ بروز اتوار نماز عصر کے وقت قضاء سے چار تیر بیک وقت آپ کے گلے میں آ پیوست ہوئے کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے۔ گھوڑی کی پشت سے نیچے گرے۔ سکندر دیوانہ اور دوسرے خدمت گزاروں نے آپ کو چبوترے پر ایک بستر پر لٹا دیا۔ سکندر دیوانہ نے آپ کے سر کو اپنے پہلو میں رکھا تھا۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کی نہر جاری تھی۔ وہ زار زار رو رہا تھا۔ سلطان الشہید نے ایک بار آنکھ کھولی۔ تھوڑے سے مسکرائے۔ اور کلمہ ہو زبان پر لائے۔ اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ط

دہلی کے سلطان محمد تغلق بادشاہ بہڑائچ پہنچے۔ میر مسعود غازی کے مدفن کی زیارت کی۔ اور روضہ منورہ مطاہرہ کی زیارت سے آنکھوں کو روشن کیا۔ مجاروں کو ہزاروں روپیہ نقد نذرانہ پیش کیا۔ ایک جاگیر عطا کی۔ اور روضہ مبارک کی تعمیر نو کرائی۔

حضرت میر مسعود غازی کی شہادت کے بعد آپ سے بہت سی کرامات اور خوارق ظاہر ہوتے ان کرامات کو لکھنے بیٹھیں تو دفتروں کے دفتر بھر جائیں۔ بہت سی مخلوق آپ کی کرامات کی قائل ہے۔ ہر سال عرس کے موقعہ پر ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مند بڑے بڑے جھنڈے اٹھائے ہندوستان کے گوشے گوشے سے جمع ہوتے ہیں۔ جو لوگ عرس پر پہنچنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے اپنے شہروں اور قصبوں میں حضرت مسعود غازی کے علم تیار کر کے آپ کی یادوں کو تازہ کرتے ہیں۔

صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں۔ علمبرداروں کی یہ بدعت پہلے موجود نہ تھی۔ حضرت مسعود غازی کی شہادت کے چار سو (۴۰۰) سال بعد یہ رسم چل نکلی۔ نویں صدی ہجری میں ہندوستان کا ایک راجہ جسکے اولاد نہیں تھی حضرت سالار کے مقبرے پر حاضر ہوا۔ اور نذر مانی۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اولاد دے گا تو میں ایک ریشمی جھنڈا جس پر موتی جڑے ہوں گے حضرت کے دروازے پر چڑاؤں گا۔ اللہ کی مہربانی سے اسی سال اس راجہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس نے اپنی نذر کو پورا کرنے کے لئے ایک بہت بڑا ریشمی جھنڈا تیار کرایا اور حضرت کے روضہ عالیہ پر نصب کیا۔ اس دن سے اس بدعت کو رواج ملا۔ اب جس شخص کے ہاں اولاد نہ ہوتی۔ نذر مانتا۔ اور جھنڈا لے کر آتا۔ ہوتے ہوتے دہلی اور لاہور تک کے شہروں میں سے ہزاروں عَلم جانے لگے۔ ڈھول بجانے والے جو اپنے آپ کو حضرت سالار کے مزار کے حقدار قرار دیتے ہیں۔ عَلم کے آگے ڈھول بجاتے ہوئے اور نذریں اکٹھی کرتے ہوئے روانہ ہوتے ہیں اس علم برداری۔ اور دف بازی میں بڑی بڑی چابکدستی کا مظاہرہ کرتے اور منزل بمنزل پھرتے پھرتے روضہ اقدس پر پہنچتے ہیں۔ جو لوگ حضرت کے روضہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ وہ سارے جھنڈے نذرانے اور سازو سامان ان ڈھول بجانے

والوں کو بخش دیتے ہیں

معارج الولایت کے مصنف نے آپ کا سن وفات ۴۲۴ھ لکھا ہے۔ تذکرۃ الشہدا۔ اور دوسرے تذکرہ نویس اسی تاریخ کو درست مانتے ہیں۔ مگر صاحب سفینۃ الاولیاء نے آپ کا سن وفات ۴۲۹ھ تحریر کیا ہے۔ میرے خیال میں صاحب سفینۃ الاولیاء کی تاریخ درست نہیں ہے۔

شاہ سالار سیّد مسعود ۔ غازی دین احمد مختار

سالِ تولید اوست مطلع نور ۔ صاحب قدر گفتہ ام اے یار

۴۰۵ ۴۰۵

عقل تاریخ نقلِ آں سرور ۔ گفت محبوب سید سالار
۴۲۴

سیّد الشہدا	محمد مسعود	ولی مہدی شہید	سلطان عزیز مسعود
۴۲۴ھ	۴۲۴ھ	۴۲۴	۴۲۴

شیخ ابُو علی سیاہ قدس سرہٗ:۔ آپ مرو کے مشائخ عظام میں سے تھے۔ ابوالعباس قصّاب احمد نصر اور ابو علی دقاق کی مجالس میں صحبت حاصل کرتے تھے ابتدائی عمر میں کاشت کاری کرتے تھے۔ اور تیس سال تک ان معمولات کو روزہ رکھ کر ادا کرتے رہے۔ اس روزہ کی خبر اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو نہ ہوئی۔ صبح گھر سے نکلتے تو دو روٹیاں ساتھ رکھ لیتے اور کہتے کہ میں کاشت کاری کے لئے جا رہا ہوں۔ اور وہاں ہی کھانا کھا لوں گا دن کے وقت یہ روٹیاں درویشوں کو کھلا دیا کرتے تھے۔ اگر آپ کے دوسرے ساتھی کاشت کار کھانے کا پوچھتے تو فرماتے میں گھر سے کھا کر چلا تھا۔

نفحات الانس میں لکھا ہے۔ کہ آپ کو کسی نے پوچھا۔ کوئی ایسا شخص ہے جس پر لوگوں کے مصائب ظاہر ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں ایسے لوگ ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کے ستر العوب کی صفت سے متصف ہوتے ہیں۔ وہ کہنے لگا۔ یہ صفت بند دل میں نہیں آسکتی۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا تم اپنے آپ کو مجھ سے چھپانے کی کوشش کرو۔ آپ نے اُس کی طرف ایک نظر بھر کر دیکھا۔ تو اس کا بدن

سُوجنے لگا۔ حتیٰ کہ وہ کپڑوں سے باہر آگیا۔ اس کے کپڑے پھٹنے لگے۔ وہ ننگا ہو گیا۔ اس کا ایک ایک عضو دکھائی دینے لگا۔ وہ چیخا۔ التجا کی۔ کہ مجھے بچالیں۔ آپ نے دعا کی۔ اور وہ اپنی اصل حالت پر آگیا۔

شیخ ابو علی سیاہ کورے ان پڑھ تھے۔ ایک دفعہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ ہاتھ میں کاغذ اٹھائے جا رہا ہے۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کیا ہے۔ اس نے کہا۔ اس وقت کے مفتی اعظم امام بوعلی سے ایک مسئلہ پر فتویٰ لکھوا کر لایا ہوں۔ آپ نے ایک نگاہ ڈال کر فرمایا۔ اسے کہو اس نے غلط فتویٰ لکھ دیا ہے۔ وہ شخص واپس مفتی اعظم کے پاس گیا۔ اور شیخ ابو علی سیاہ کی رائے سے آگاہ کیا۔ مفتی صاحب نے اس فتویٰ کو دوبارہ غور سے دیکھا۔ تو واقعی اس میں سخت غلطی ہوئی تھی۔ مفتی اعظم اسی وقت اٹھے۔ حضرت ابو علی سیاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ دست بوسی کی اور مرید ہو گئے۔ آپ ماہ شعبان ۴۲۴ھ میں فوت ہوئے۔

بو علی آں سیاہِ والا جاہ ۔ زد چو در جنت برین خرگاہ

سالِ ترحیل آں امام زمان ۔ بو علی شد عیاں ہمچوں ماہ

۴۲۶ھ

شیخ ابواسحاق بن شہریار گازرونی رحمۃ اللہ علیہ: اسم گرامی ابراہیم اور اصل وطن فارس تھا۔ آپ کا روحانی تعلق حضرت شیخ ابوحسین علی بن محمد فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ آپ کے مناقب و فضائل احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتے۔ صاحب کرامت اور خوارق بزرگ تھے۔ زہد و تقویٰ۔ ریاضت و عبادت میں بے مثال تھے۔ کمالات ظاہری و باطنی کے مالک تھے۔ جس دن حضرت شیخ پیدا ہوئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ کے گھر سے نور کا ایک ستون آسمان تک بلند ہوا۔ اس نور کی شعاعیں چار دانگ عالم میں پھیل گئیں۔

جب آپ سن بلوغ اور عمر شعور کو پہنچے عشق الٰہی نے اپنی طرف راغب کیا۔ اور آپ کے

دل میں تین بزرگوں کی ارادت پیدا ہوئی۔ ان میں ایک تو عبداللہ خفیف تھے۔ دوسرے حارث محاسبی تھے اور تیسرے ابو عمرو تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔ کہ خدایا۔ مجھے آگاہ فرمادے کہ مجھے کس بزرگ سے رجوع کرنا چاہیئے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ابو عبداللہ خفیف کے گھر سے کتابوں کا ایک اونٹ لاد کر لا رہا ہے۔ صبح کے وقت آپ اس نتیجہ پہ پہنچے کہ مجھے حضرت ابو عبداللہ سے فیضان حاصل ہوگا۔ اس دن شیخ حسین اکابر تشریف لائے اور شیخ ابو عبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ کے گھر سے کتابیں لاکر آپ کے سامنے رکھ دیں۔ چنانچہ شیخ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت شیخ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ہر روز لذیذ کھانا پکاتے اور درویشوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے ایک دن آپ کے باپ نے آپ کو فرمایا۔ کہ بیٹا! تمہیں اتنا خرچ کرنے کی ہمت نہیں ہے کہ ہر مسافر آئے اور تم اس کی مہمانی کرتے رہو۔ ایک دن ایسا آئے گا۔ کہ تم اس کام سے تنگ آجاؤ گے۔ آپ نے والد کی بات سنی اور خاموش رہے۔ اتفاقاً اسی دن مسافروں کی ایک بہت بڑی جماعت آپہنچی کسی کو خبر نہ تھی۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ شام کا وقت تھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ اچانک ایک آدمی اندر آیا اور بہت سی روٹیاں دے گیا۔ ساتھ ہی انجیر اور باداموں کا حلوہ لایا۔ اور آپ کے سامنے رکھا آپ نے فرمایا اسے درویشوں میں تقسیم کردو۔ والد محترم نے دیکھا تو حیران رہ گئے اور آئندہ کے لئے اس ضمن میں کبھی نصیحت نہ کی۔

میر ابو الفضل دیلمی عام طور پر شراب کے نشے میں دھت رہا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت شیخ کی زیارت کو حاضر ہوئے۔ اور شراب سے توبہ کر لی۔ اور کہنے لگے۔ حضرت! میں فخر الملک کا وزیر ندیم ہوں۔ وہ شراب پیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے دوبارہ شراب کی ترغیب ملے۔ اور توبہ ٹوٹ جائے۔ آپ نے فرمایا۔ توبہ کرلو۔ اور اگر وزیر پھر تمہیں اس بات پہ آمادہ کرے تو مجھے یاد کر لینا۔ ابو الفضل نے توبہ کرلی اور چلا گیا۔ ایک دن وہ دوسرے شرابیوں کے مجمع میں موجود تھا۔ وزیر نے اسے بھی شراب پینے کو کہا مگر اس نے اپنی توبہ کا تذکرہ کر دیا۔ لیکن وزیر نے پھر اصرار کیا۔ ابو الفضل نے تنگ آکر اپنے میر کو یاد کیا۔ اسی وقت ایک بدحواس بلی مجلس میں آکودی اور لوٹتے لوٹتے تمام شراب کے جام اور بوتلیں

توڑتی گئی۔ شراب زمین پر گر گیا۔ اور مجلس کا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ ابوالفضل اس کرامت کو دیکھ کر بڑا رو دیا۔ وزیر نے اسے روتا دیکھ کر کہا۔ کیا بات ہے؟ اس نے وزیر کو سارا واقعہ سنا دیا۔ اس نے کہا۔ تم اپنی توبہ پر قائم رہو اور کسی کی پروا نہ کرو۔

ایک دن حضرت شیخ کی مجلس میں دو شخص جو باپ بیٹا تھے۔ حاضر ہوئے انہوں نے توبہ کرنا چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ توبہ اس صورت میں قبول کی جائے گی۔ کہ تم پھر توڑنے کا نام نہ لو۔ ورنہ دین دنیا کی عقوبت میں پھنس جاؤ گے۔ انہوں نے اقرار کر لیا کہ ہم کبھی توبہ نہیں توڑیں گے۔ توبہ کر لی۔ بیں چند دنوں بعد پھر توبہ توڑ دی۔ ایک دن دونوں آگ جلا رہے تھے۔ آگ کا ایک شعلہ اٹھا۔ دونوں کو جلا کر خاکستر بنا گیا۔

حضرت شیخ کے بدن مبارک سے اتنی خوشبو آیا کرتی تھی۔ کہ عنبر اور کستوری کی خوشبو اس کے سامنے ہیچ تھی۔ جس بازار یا گلی سے گزرتے ایک عرصہ تک مہک آتی رہتی۔ لوگوں نے کہا ہے کہ آپ کے ہاتھ پر چوبیس ہزار لوگوں نے توبہ کی۔ اور اسلام قبول کیا ایک لاکھ مسلمان عام گناہوں سے تائب ہوئے اور حضرت کے حلقۂ ارادت میں آئے۔ آپ کے پاس ایک رجسٹر تھا جس میں توبہ کرنے والے مرید۔ احباب۔ قریبی اور دوسرے آشناؤں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جب آپ کا وقت وفات قریب آیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ یہ رجسٹر میرے ساتھ دفن کر دیا جائے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ کی وفات کے بعد کئی لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا گزری۔ آپ نے بتایا سب سے بڑی مہربانی تو مجھ پر یہ ہوئی کہ جتنے لوگوں کے نام میرے حساب میں درج تھے۔ سب کو بخش دیا گیا۔ دوسرے جو شخص کسی دینی حاجت کے لئے میری قبر پر آئے گا وہ اپنی مراد پائے گا۔

بادشاہ کا ایک وزیر آپ کا بے حد عقیدت مند تھا۔ وہ کوشش کرتا۔ کہ شیخ اس سے کچھ قبول فرما لیں۔ مگر آپ اس سے کچھ نہ لیتے۔ ایک دن اس وزیر نے کہا۔ آپ نے میری کوئی چیز قبول نہیں کی۔ آج میں آپ کے لئے چند غلام خرید کر آزاد کر دیئے ہیں۔ اور ان کا ثواب آپ کو

دے دیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میرے مذہب میں بندوں کو آزاد کرنا درست نہیں بلکہ آزاد لوگوں کو اللہ کا غلام (بندہ) بنانا فرض ہے۔

کہتے ہیں حضرت شیخ ابواسحاق گارزونی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی ہجویری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے۔ لیکن دونوں بزرگوں کی باہمی ملاقات کا ذکر کہیں نہیں ملتا آپ کی وفات ۴۲۶ھ ہے۔

سوئے جنت شد چو از دار فنا ۔ شاہ ابواسحاق محبوب جہاں
سال وصل او چو جستم از خرد ۔ گفت دل محسن علی عالی مکان
گارزونی زیب اقطاب آمدست ۔ میر بواسحاق سلطان زباں

۴۲۶ھ ۴۲۶ھ

سالک عالی حبیب اصفیا اہل اللہ قطب الاصفیا سے بھی تواریخ وفات نکلتی ہے۔

۴۲۶ھ ۴۲۶ھ

شیخ ابومنصور محمد حکیم انصاری قدس سرہٗ

آپ کے والد ماجد معروف ولی اللہ حضرت عبداللہ انصاری شیخ الاسلام تھے سید شریف حمزہ عقیلی کے مرید تھے حضرت ابوالمظفر ترمذی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتے شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔ میں نے ستر سال سے زیادہ عرصہ تک علم حاصل کیا۔ لکھنا شروع کر دیا اور بڑی محنت شاقہ اور ریاضت کی۔ میں نے غور کیا تو ابھی اس سبق کے حرفِ اوّل کی تکمیل بھی نہ ہوئی۔ جو میں نے اپنے والد مکرم سے لیا تھا۔

آپ کی وفات ۴۳۰ھ میں ہوئی۔ مزار پرانوار بلخ میں شیخ ابوحمزہ شریف عقیلی کے روضے کے پہلو میں ہے۔

منصور کہ بود شاہ انصار ۔ شد پیش خدا قبول و منظور
تاریخ وصال او بسرور ۔ دل گفت زہے حبیب منصور

۴۳۵ھ

شیخ احمد قدوری قدس سرہٗ:- وقت کے برگزیدہ علماء اور فقہاء میں سے تھے۔ حدیث، تفسیر، فقہ، صرف و نحو، منطق و معانی میں بڑا بلند رتبہ رکھتے تھے۔ فقہ کی مشہور کتاب قدوری آپ ہی کی تصنیف ہے۔ آپ کے عالی قدر والد کا اسمِ گرامی محمد ہے۔ آپ ۴۳۷ھ میں فوت ہوئے۔

از فنا چوں سوئے جنت رخت بست - رہبر دین شیخ احمد متقی
گوشہ اسلام سالِ وصل او - نیز فرما نورِ حسن احمدی

۴۳۷ھ ۴۳۷ھ

شیخ ابوسعید بن ابوالخیر قدس سرہٗ:- آپ کا اسم گرامی فضل اللہ تھا۔ اور خراسان کے رہنے والے تھے۔ آپ مقتدائے اہل طریقت اور پیشوائے اہل حقیقت تھے۔ صاحب علوم ظاہر و باطن اور مشرف القلوب تھے۔ دنیا آپ کی گفتگو سے مسخر ہو جاتی تھی۔ حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ چند واسطوں سے سید الطائفہ جنید بغدادی کے مرید تھے۔ آپ شیخ ابوالفضل حسن۔ اور وہ ابوالنصر سراج اور وہ ابو محمد مرتعش اور وہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مرید تھے۔ شیخ ابوالفضل کی وفات کے بعد آپ نے شیخ عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اور بعض مشکلات کے حل کے لئے ایک سال تک شیخ ابوالعباس کی صحبت میں رہے۔

کہتے ہیں۔ ایک رات شیخ ابوالعباس اپنے صومعہ سے باہر نکلے۔ آپ نے کسی وقت فصد کرایا تھا۔ اتفاقاً زخم کھل گیا۔ اور خون جاری ہو گیا۔ حضرت ابوسعید کو خبر ہوئی تو آپ کے پاس پہنچے۔ اور زخم دھو کر دوبارہ باندھ دیا۔ اور شیخ کے خون آلود کپڑے اتار دیئے۔ اور انہیں دھو کر حضرت کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ کہ ان کپڑوں کو میرے سامنے خود پہن لو۔ آپ نے حسب الحکم حضرت شیخ کا لباس پہن لیا۔ یہ کپڑے پہنتے ہی آپ کی قلبی مشکلات دور ہو گئیں۔ اور مراتب میں عروج حاصل ہوا۔ علی الصباح احباب مجلس نے آپ کو لباس شیخ

میں دیکھا۔ تو بڑے متعجب ہوئے۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ رات ایک کیفیت طاری ہوئی تھی

ابو سعید اپنا نصیب اور حصہ لے گئے۔

ایک دن آپ کے پاس دو شخص آئے۔ آپ کے پاس بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے اور کہنے لگے۔ حضرت ہمیں ایک مسئلہ میں راہنمائی فرمائیں۔ ایک نے کہا۔ ازل و ابد کا اندوہ ہی تمام ہے دوسرے نے کہا۔ ازل و ابد کی خوشی ہی سب کچھ ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا۔ قصاب کے بیٹے کا گھر اندوہ سے پُر ہے۔ اور خوشی وہاں نہیں آتی۔ لَیْسَ عِنْدَ رَبِّکُمْ صَبَاحٌ وَمَسَاءٌ۔ یہ تمہارے اللہ کے نزدیک نہ صبح ہے۔ نہ شام۔ جب یہ دونوں حضرات چلے گئے تو لوگوں نے آپ سے پوچھا۔ حضرت یہ کون تھے۔ آپ نے فرمایا۔ ایک تو حضرت ابو الحسن خرقانی تھے۔ اور دوسرے ابُو عبداللہ داستانی تھے۔ رحمۃ اللہ علیہما۔

حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر نے علوم تصوف میں بہت سے اشعار کہے ہیں۔ ایک رباعی میں فرماتے ہیں۔

چشم ہمہ اشک شدہ چو از غم بگریست - در عشق تو بے چشم ہمی باید زیست

از من اثرے نماند این عشق از چیست - چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

(غم دوست میں میری آنکھیں رُو رُو کر آنسو بن گئی ہیں۔ تیرے عشق میں تو بے چشم ہی جیا جا سکتا ہے۔ یہ عشق کیا ہے؟ مجھ سے تو کچھ اثر نہیں رہا۔ چونکہ میں تمام تر معشوق ہو چکا ہوں۔ آخر عاشق کون ہے؟

بزرگانِ دین نے ایک رباعی ایسی یاد کی ہے۔ جو حضرت کے منہ سے نکلی۔ اور پھر اسے لوگ بخار کی حالت میں مریض کے گلے میں باندھ دیتے ہیں۔ جس سے شفا ہو جاتی ہے - وہ رباعی یوں ہے۔

"اے در صفتِ ذات تو حیران کہ و مہ - وز جملہ جہاں خدمت درگاہ تو بہ

علت تو ستانی و شفا ہم تو دہی - یارب تو بہ فضل خویش بستاں و بدہ"

اے ذات اقدس تیری صفتِ ذات میں چھوٹے بڑے سب حیران ہیں۔ تمام جہاں سے تیرے ہی دروازے کی خدمت بہتر ہے تو ہی بیماری دیتا ہے اور تو ہی شفا بخشتا ہے۔ اے اللہ تو اپنے فضل و کرم سے لے اور عطا کر۔

ایک شخص نے حضرت ابو سعید کو بتایا۔ کہ فلاں ولی اللہ تو پانی پر چلنا جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ بڑا آسان کام ہے۔ ہمارے ہاں تو مینڈک بھی پانی میں تیرتے پھرتے ہیں"۔ پھر اس نے کہا "فلاں ولی اللہ ہوا میں اڑتے ہیں"۔ آپ نے فرمایا "یہ بھی آسان کام ہے۔ زاغ و زغن ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں"۔ اس نے کہا کہ فلاں ولی اللہ ایک قدم ایک شہر میں اور دوسرا قدم دوسرے شہر تک اٹھاتا ہے"۔ آپ نے فرمایا"۔ یہ کمال تو شیطان میں بھی پایا جاتا ہے"۔ آپ نے فرمایا۔ "ان چیزوں کی بارگاہ الٰہی میں کوئی عزت و منزلت نہیں ہے۔ اصل مقام عظمت یہ ہے کہ وہ خلق خدا میں رہے، امور دنیا میں حصہ لے۔ زن و فرزند میں زندگی گزارے۔ مخلوق خدا سے ملے جلے مگر ایک لحظہ کے لئے یاد خداوندی سے غافل نہ رہے۔ اور ذکر خداوندی کو فراموش نہ کرے۔"

شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ولادت بروز اتوار یکم ماہ محرم ۳۵۷ھ ہے مگر تاریخ وفات بروز جمعہ چہارم ماہ شعبان ۴۴۰ھ ہے آپ نے وصیت فرمائی تھی۔ کہ یہ رباعی آپ کے جنازے کے ساتھ باآواز بلند پڑھی جائے۔

خوبتر چیست زین لعب الم کار - دوست بادوست رفت یار بیار

باشد اندوہ او سراپا فرح - گر رود نزد دوست عاشق زار

آپ کی تاریخ وفات ان اشعار سے بھی برآمد ہوتی ہے۔

بو سعید آں خیر دین فضل جہاں - بہر عالم در دو عالم مقتدا

سالک معصوم شد تولید او - رحلتش آمد سعید رہنما

۳۵۷ھ ۴۴۰ھ

سعید راہنما	سعید نامدار	محرم بو سعید	سلطان سعید	ولی زمان بو سعید
۴۴۰	۴۴۰	۴۴۰	۴۴۰ھ	۴۴۰ھ

شیخ ابو عبداللہ ماکو قدس سرہٗ:- آپ کا اسم گرامی علی بن محمد بن عبداللہ تھا۔ ابن ماکو عرف رکھتے تھے جوانی میں حضرت شیخ عبداللہ خفیف کی صحبت میں فیض یاب ہوئے۔ حضرت اباقاسم قیشری ابوسعید۔ ابوالعباس نہاوندی قدس سراہم سے بھی فیض پایا تھا۔ شیراز میں ۲۴۲ھ میں انتقال ہوا۔

پیر عبداللہ پیر پیر و جوان - بود یک پیر پیر حق آگاہ
سال وصلش چو از خرد جستم - گفت ہاتف مکرم عبداللہ
۴۴۲ھ

شیخ اسماعیل لاہوری قدس سرہٗ:- آپ بخارا کے سادات عظام میں سے تھے۔ لاہور کے قدیم مشائخ اور محدثین میں شمار ہوتے ہیں علوم ظاہری اور باطنی میں جامع تھے زہد و تقوی میں بے مثال تھے۔ علم تفسیر و حدیث اور فقہ میں اپنے وقت کے امام تھے ۳۹۵ھ کے آخر میں لاہور وارد ہوئے (یہ وہ زمانہ تھا۔ جب محمود غزنوی کی فتوحات سے لاہور اہل اسلام کا مسکن بن رہا تھا) لاہور آتے ہی آپ نے عام مخلوق کو دعوت اسلام دی۔

تحفۃ الواصلین کے مولف لکھتے ہیں۔ واعظانِ اسلام میں سب سے پہلے عالم دین تھے۔ جنہوں نے لاہور میں قیام کیا۔ اور عام لوگوں کو نور اسلام سے منور کیا تھا۔ آپ کا وعظ اتنا موثر ہوتا۔ کہ آپ کی مجلس میں بے پناہ لوگ جمع ہوتے۔ اپنے تو اپنے اسلام سے بیگانے لوگ بھی آپ کے وعظ سے متاثر ہوتے۔ آپ کی خوش بیانی کا یہ عالم تھا کہ ہر روز مجلس وعظ میں ہزاروں غیر مسلم دولتِ ایمان حاصل کرتے تھے۔ ایک بار جو ہندو یا دوسرے مذہب کا آدمی آپ کی مجلس میں بیٹھتا کلمہ پڑھے بغیر نہ جاتا۔ متعدد اقوال اور مستند حوالوں سے یہ حقیقت سامنے آئی ہے۔ کہ لاہور میں سب سے پہلے جس شخص نے لوگوں کو قرآن سنایا۔ اور اس کے مطالب ذہن نشین کرائے وہ آپ ہی کی شخصیت تھی۔

حضرت شیخ اسماعیل لاہور آئے۔ پہلے دن نماز جمعہ کے وقت خطبہ دیا تو دو صد پچاس غیر مسلم مسلمان ہوئے۔ دوسرے جمعہ تک سارے شہر اور گرد و نواح میں آپ کی شہرت پھیل گئی۔ اور

پھر پانچ سو پچاس لوگ دولت ایمان سے مشرف ہوئے تیسرے جمعہ کو ایک ہزار غیر مسلم لوگوں نے دامن کو اسلام میں جگہ پائی۔

صحیح اقوال کے مطابق آپ کی وفات ۴۴۸ھ تھی۔ آپ کا مزار پر انوار لاہور میں موجود ہے۔[1]

قدیم مورخین نے آپ کا سالِ وفات لفظ مہتاب سے اخذ کیا ہے۔

شیخ دنیا و دین امام زماں - سید دین فقیہہ اسماعیل

سالِ وصلش فقیر محبوب است - نیز پیر وجیہہ اسماعیل

۴۴۸ھ - ۴۴۸ھ

شیخ ابوالحسن علی روزی بن محمود بن ابراہیم قدس سرہٗ:۔ آپ وقت کے عظماء مشائخ سے تھے۔ ابوالحسن حضری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ شیخ عبدالرحمٰن سلمٰی سے صحبت حاصل کی۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجھے ایک ہزار مشائخ سے ملاقات اور صحبت کا موقعہ ملا ہے۔ اور ہر ایک سے ایک ایک واقعہ یاد ہے کتاب رباط روزی کی تصنیف بیان کی جاتی ہے جسے آپ نے اپنے پیر و مرشد ابوالحسن حصری کے لئے تصنیف کی۔ آپ رمضان میں ۴۵۱ھ میں فوت ہوئے۔

رفت چوں زین جہاں بخلد برین - رونق ولی ولی حسن روزی

عارف زندہ دل بگو تاریخ - ہم رقم کن علی حسن روزی

۴۵۱ھ - ۴۵۱

[1] :۔ مال روڈ سے ہال روڈ کی طرف آئیں تو کیتھڈرل سکول کی عمارت کے شروع ہوتے ہی آپ کا مزار ہے سامنے ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل آفیسر کا دفتر ہے۔ سڑک کے بائیں جانب جہاں حیات سنز کا کارخانہ ہے۔ ایک چبوترا ہے یہ آپ کا مزار ہے ایک زمانہ میں ایک بہت خوبصورت باغ تھا۔ نہریں تھیں اور کنویں تھے۔ مگر آج اس کا نام و نشان نہیں۔ (ماٰثر لاہور محمد دین فوق)

شیخ ابو الفضل محمد بن حسن ختلی قدس سرہٗ

آپ بیت الجن میں قیام پذیر رہے بیت الجن دمشق کے نواح میں عقبہ کی چوٹی پر واقعہ ہے حضرت علی الہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طریقت میں میری اقتداء آپ سے تھی وہ عالم تھے۔ علوم حدیث۔ تفسیر روائیت وکرامت میں یگانہ روزگار تھے۔ ظاہری و باطنی مقامات سے آشنا تھے حضرت شیخ حصری کے مرید تھے۔ ابو عمر قذوینی اور ابوالحسن کے خاص احباب اور جلیس تھے۔ ساٹھ سال تک بحکم خداوندی گوشہ نشین رہے۔ عام لوگوں میں کبھی اپنے آپ کو نمایاں اور ممتاز نہیں ہونے دیا۔ بڑی لمبی عمر پائی تھی۔ خوارق وکرامات بے عدد و بیشمار ظاہر ہوئیں۔

آپ نے متصوفانہ لباس زیب تن کرنے سے گریز کیا۔ عام لوگوں کے لباس میں رہتے مگر اتنی بارعب اور مہیب شخصیت تھی۔ کہ ہر شخص بات کرتے وقت کانپ جاتا حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ اپنی معروف کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک دن میں آپ کے ہاتھوں پر وضو کے لئے پانی انڈھیل رہا تھا میرے دل میں آیا۔ کہ جب کاتب تقدیر نے ہر ایک بات تقدیر میں لکھ دی ہے تو لوگ اپنے پیروں کی خدمات اور دوسری ریاضتیں کیوں کرتے ہیں۔ اور ان خدمات کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ شیخ نے وضو کے دوران ہی مجھے ایک نگاہ سے دیکھا۔ اور فرمایا علی! تمہارے دل میں جو خیال آیا ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ دراصل ہر کام کا ایک سبب ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی خاکی انسان کو تاج مملکت سے نوازتا ہے تو پہلے اسے گناہوں سے توبہ کی توفیق دیتا ہے! اپنے بندوں کی خدمت میں مشغول کر دیتا ہے وہ خدمتِ خلق میں مشغول ہو کر لوگوں کا خادم بن جاتا ہے۔ اس خدمت کے صلہ میں اسے کرامت اور عزت حاصل ہوتی جاتی ہے

صاحبِ کشف المحجوب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔ کہ ایک بار حضرت شیخ نے بیت الجن سے دمشق کا قصہ فرمایا۔ بارش ہو رہی تھی۔ ہم تمام خادم اور ہم سفر کیچڑ میں بڑی مشکل سے چل رہے تھے ہم منزلِ مقصود پر پہنچے، دیکھا۔ کہ شیخ کے جوتے خشک ہیں۔ مجھے بڑی حیرانی ہوئی۔ میں نے پوچھا۔ کہ

معاملہ کیا ہے۔آپ نے فرمایا جب سے میں اپنا قدم اللہ کے راستہ میں رکھا ہے۔اللہ تعالےٰ نے میرے قدم کو کیچڑ سے محفوظ کر دیا ہے۔

صاحب نفحات الانس اور کشف المحجوب نے آپ کا سن وصال بیان نہیں فرمایا۔لیکن نفحات الانس کے حاشیہ میں آپ کا سال وفات ۴۵۳ھ تقریباً سے گزرا ہے۔

پیر ابوالفضل بن حسن ختلی ۔ بود شیخ ہم صغار و کبار
دے سرور ولی رہبر گفت ۔ سالِ ترحیل آں شہِ ابرار
۴۵۳ھ

معدن الانوار ۴۵۳ھ — جنتی ۴۵۳ھ

شیخ علی مخدوم الجلابی الہجویری الغزنوی لاہوری قدس سرہ: آپ کے والد کا نام عثمان بن ابی علی

جلابی الغزنوی تھا۔شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی الجنیدی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔حضرت امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر تھے۔آپ علوم ظاہر و باطن میں جامع تھے۔زہد و ورع میں کمال کے رتبہ پر تھے۔ریاضت وکرامت خوارق وولائیت میں یکتائے روزگار تھے۔بلند مدارج اور ارجمند مقامات کے مالک تھے۔آپ کا سلسلہ عالیہ تین واسطوں سے حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔شیخ ابوالفضل بن حسن ان کے پیر حضرت شیخ خضر اور ان کے پیر حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہم تھے۔حضرت علی الہجویری نے اپنے پیر مرشد کے علاوہ بہت سے مشائخ کاملین سے صحبت حاصل کی۔جن میں حضرات شیخ ابوالقاسم گورگانی۔ابوسعید ابوالخیر۔ابوالقاسم قشیری کے اسماء گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔آپ نے ان بزرگوں سے بڑا روحانی استفادہ کیا۔

نفحات الانس اور سکینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ غزنی سے تعلق رکھتے تھے غزنی میں دو محلے جلاب اور ہجویر تھے۔آپ کی نسبت انہیں مقامات کی وجہ سے جلابی اور ہجویری ہے

آپ کے والد ماجد کا مرقد غزنی میں ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر بھی غزنی میں ہی ہے۔ آپ کے ماموں حضرت شیخ تاج الاولیاء کا مزار بھی ساتھ ہی ہے۔

حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بڑے صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ آپ کی مشہور کتاب کشف المحجوب ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں۔ جو آپ کی اس تصنیف کے کمالات کا معترف نہ ہو۔ بلکہ فارسی زبان میں کشف المحجوب سے پہلے علوم تصوف میں کوئی کتاب موجود نہ تھی۔

حضرت خواجہ نظام الدین مخدوم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات فوائد الفواد میں لکھا ہے۔ کہ حضرت مخدوم علی الہجویری کے لاہور آنے سے پہلے پیشتر خواجہ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے پیر بھائی اور حضرت شیخ ابو الفضل ختلی کے خلیفہ تھے۔ لاہور کی قطبیت پر مامور تھے حضرت علی ہجویری کو خراسان میں حکم ہوا کہ لاہور چلے جائیں۔ اور وہاں کام کریں۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ کہ میرے بھائی حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ پہلے ہی لاہور میں کام کر رہے ہیں۔ مجھے وہاں مامور کرنے میں کیا حکمت ہے؟ شیخ ابو الفضل ختلی نے فرمایا۔ کہ تم جاؤ! اور وہاں قیام کرو۔ حکمت اور وجوہات دریافت کرنا ضروری نہیں۔ حضرت مخدوم یہ حکم پاتے ہی شب و روز سفر کرتے لاہور پہنچے۔ آپ جس رات لاہور پہنچے۔ آپ نے شہر کے باہر ہی مقام فرمایا۔ علی الصباح شہر کے ایک دروازے میں داخل ہونے لگے تو لوگ حضرت شیخ حسین زنجانی کا جنازہ اٹھائے باہر آرہے تھے اسی رات حضرت شیخ زنجانی کا انتقال ہوا تھا۔ آپ بھی جنازے میں شریک ہوئے۔ اور اپنے مرشد کے اس خلیفہ کو اپنے ہاتھوں دفن کیا۔ اور خود شہر کے مغربی جانب جہاں آج آپ کا مزار پُر انوار ہے۔ قیام فرما ہوئے[1]۔

---

[1] یہ روایت صرف فوائد الفواد میں ہی ملتی ہے۔ کسی اور کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ حالانکہ حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کی آمد۔ اور قیام لاہور کا زمانہ حضرت مخدوم علی الہجویری کی وفات سے چالیس سال بعد کا ہے روایت سے مندرجہ بالا روایت سے اتفاق کرنے میں تامل ہے۔ مورخین اور محققین نے اس روائیت کی روشنی میں لکھا ہے کہ غالباً یہ کوئی اور بزرگ تھے جنہیں ملفوظات فوائد الفواد میں آپ کے نام سے ملتبس کیا گیا ہے۔

سکینۃ الاولیاء میں لکھا ہوا ہے۔ کہ جب مخدوم علی ہجویری لاہور میں قیام فرما ہوئے آپ نے اپنی خانقاہ کے ساتھ ایک مسجد تعمیر کی جس کا رخ شہر کی دوسری مساجد سے ہٹ کر تھا۔ وہ تھوڑا سا جنوب جانب تھا۔ اس وقت کے علماء لاہور نے آپ کی مسجد کے محراب پر اعتراض کیا۔ لیکن حضرت مخدوم خاموش رہے۔ ایک دن آپ نے تمام علماء لاہور کو طلب کیا۔ اور خود جماعت کی امامت کرائی۔ سلام کے بعد فرمایا۔ ذرا دیکھیں۔ کعبۃ اللہ کس سمت واقع ہے۔ اسی وقت تمام حجابات درمیان سے اٹھ گئے۔ اور ہر ایک نے قبلہ کو اپنے سامنے پایا اور آپکی مسجد کی سمت کو درست قرار دیا۔

آپ کا مزار بھی مسجد کی نسبت سے شمالاً جنوباً ہے۔ ایک عرصہ تک آپ کے مزار پر گنبد نہیں تھا۔ ۱۲۷۸ھ میں (مصنف خزینۃ الاصفیاء کے عہد میں) حاجی نور محمد فقیر نے ایک بلند اور عالی شان گنبد تعمیر کرایا۔ اور قدیم مسجد جو حوادث زمانہ سے بوسیدہ ہو چکی تھی از سر نو تعمیر کرائی حضرت علی الہجویری مخدوم لاہوری کا شجرہ نسب یوں درج کتب ہے حضرت مخدوم علی بن عثمان بن سید علی بن عبدالرحمان۔ بن شاہ شجاع۔ بن ابوالحسن علی بن حسین اصغر بن سید زید شہید۔ بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہم بن علی کرم اللہ وجہہ۔ یاد رہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پر انوار زمانہ قدیم سے خلائق کی عقیدت گاہ اور مرجع فیض رہا ہے۔ پرانے زمانے اور موجودہ زمانے کے لوگ آپ کے مزار پر حاضر ہو کر حاجات روائی کراتے۔ متقدا اولیاء اللہ نے دینی اور دنیاوی فواید حاصل کرتے رہے ہیں۔ خواجہ بزرگ معین الدین چشتی قطب الہند۔ فریدالدین گنج شکر قدس سرہم جیسے اولیاء کبار اور مشائخ نامدار آپ کے مزار پر انوار سے فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ یہ بزرگ ایک عرصہ تک اس مزار پر خلوت گزین رہے۔ اب تک حضرت خواجہ بزرگ کا خلوت کدہ آپ کے مزار کے پہلو میں موجود ہے۔ اور حضرت خواجہ فرید کا مقام چلہ کشی اب تک موجود ہے۔

ایک روایت میں ہے۔ کہ جب خواجہ بزرگ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ حصول مقاصد

کے بعد قطبیت ہندوستان کی خلعت سے سرفراز ہوئے۔ تو آپ حضرت کے مزار کو ہر بار پہ حاضر ہوتے رخصت کے وقت آپ کے مزار کی طرف منہ کر کے فرمایا۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا - کاملاں را پیر کامل ناقصاں را راہنما

اسی دن سے آپ کا لقب گنج بخش ہجویری مشہور ہوا ہے۔

جامع الکمالات حضرت مخدوم علی ہجویری کی وفات کا سال سفینۃ الاولیاء کے مصنف نے سنہ ۴۶۶ھ لکھا ہے۔ اخبار الاصفیاء اور نفحات الانس کے مولفین نے سنہ ۴۶۵ھ تحریر کیا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پر انوار شہر لاہور کے مغرب کی طرف واقعہ جمعرات کو بے پناہ مخلوق مزار کی زیارت کو حاضر ہوتی ہے۔ یہ بات مشہور ہے کہ جو شخص چالیس جمعرات یا متواتر چالیس دن آپ کے روضہ کی حاضری دے۔ اس کی دلی تمنا یا حاجت پوری ہوجاتی ہے۔

علی الغزنوی آں شاہ ہجویر - سراپا نور روشن ماہِ ہجویر
عیاں تاریخ او چوں ماہ گفتم - علی ہجویری عالی جاہ گفتم

۴۶۴ھ

علی سید ولی ہجویر	پارسا کامل علی	حق بیں واقفِ حق	حبیب اولیاء گنجینۂ نور
۴۶۴ھ	۴۶۴ھ	۴۶۴ھ	۴۶۴ھ
حق نما ہادی معصوم	کاشف دین	ولی مولا علی	عالی قطب لاہور
۴۶۵ھ	۴۶۵ھ	۴۶۵ھ	۴۶۴ھ
ہجویری علی ہادی نامی	شمسِ دیں	گلشن دیں	گوہر ہجویری
۴۶۵ھ	۴۶۴ھ	۴۶۴ھ	۴۶۵ھ
پیر لاہوری	علی مہر علی	اور گنجینۂ اسرار محبوبی	
۴۶۴ھ	۴۶۵ھ	۴۶۴ھ	

سے بھی تواریخ وفات برآمد ہوتی ہیں۔

شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ: آپ خراسان کے اعاظم مشائخ میں شمار ہوتے تھے رسالہ قشیریہ۔ تفسیر الطائف الاشارات آپ کی ہی مشہور تصانیف ہیں۔ آپ حضرت شیخ دقاق کے مرید بھی تھے اور داماد بھی شیخ ابوعلی فارمدی کے استاد تھے۔ کشف المحجوب کے مصنف فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ ایک ایسا وقت بھی تھا۔ کہ مجھے پتھر کے ایک ٹکڑے کی ضرورت پڑی جو سنگریزہ زمین سے اٹھاتا۔ لعل بن جاتا۔ میں اسے زمین پر ہی پھینک دیتا تھا۔

آپ کی وفات تمام تذکرہ نگاروں نے ماہ ربیع الاول ۴۶۵ھ لکھی ہے۔

گشت راہی چوں سوئے خلد بریں ۔ شیخ دنیا دین ابی القاسم
ہلست وصلش محبّ عالی قدر ۔ ہم محب یقین ابی القاسم
۴۶۵ھ ۴۶۵ھ

منعم دین قاسم ۔ قاسم امام اصفیاء اور ابوالقاسم مقدس طبیب سے بھی تواریخ وفات نکلتی ہیں
۴۶۵ھ ۴۶۵ھ ۴۶۵ھ

شیخ الاسلام عبداللہ انصاری قدس سرہٗ: کنیت ابواسماعیل اور والد گرامی کا نام ابومنصور محمد انصاری تھا۔ شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور ہوئے۔ نفحات الانس میں جہاں کہیں شیخ الاسلام کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد آپ کی ہی ذات بابرکات ہے۔ آپ کو اپنے والد مکرم سے ارادت حاصل تھی۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ آپ ابومنصور مست انصاری کی اولاد میں سے تھے۔ مست انصاری حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ مست انصاری سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آصف بن قبیس کے ساتھ خراسان میں آئے۔ اور ہرات میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کی اولاد میں سے شیخ الاسلام کے علاوہ بہت محدثین۔ مفسرین پیدا ہوئے ہیں۔ طریقت میں آپ بڑے بلند مقام اور مدارج پر فائز تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں ابھی نو سال کا ہی تھا۔ کہ لکھنا شروع کر دیا اور لکھنا میرے

لئے آسان کام تھا۔ چودہ سال کی عمر میں مجھے مجلس میں مسند پر بٹھایا جانے لگا۔ میں عربی میں شعر کہہ سکتا تھا۔ عربی میں میرے چھ ہزار اشعار تھے۔ اور فارسی اور تازی زبان میں میرے شعروں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ تین لاکھ احادیث نبوی مجھے زبانی یاد ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت بروز جمعہ بوقتِ شام ۱۲ ماہ شعبان ۳۹۶ھ میں ہوئی۔ وفات ۹ ربیع الآخر ۴۸۱ھ میں پچاسی سال کی عمر میں ہوئی۔

شاہ انصار شیخ عبداللہ ۔ بود محبوب حضرت باری

نور علم است نیز محرم حق ۔ سال تولید او چو بشماری

۳۹۶ھ ۳۹۶ھ

رحلتش عارف مکمل دان ۔ نیز والی امام انصاری

۴۸۱ھ ۴۸۱ھ

شیخ ابو عبداللہ حمیدی قدس سرہٗ: آپ علماء عظام اور فقہا اعلام میں سے تھے علوم حدیث و تفسیر میں بڑے بلند مراتب کے مالک پر فائز تھے۔ آپ کی مشہور کتاب جمع بین الصحیحیں ہے۔ آپ کی وفات ۴۸۸ھ میں ہوئی۔

شیخ ابوالحسن نجار قدس سرہٗ: صاحبِ نفحات الانس فرماتے ہیں۔ کہ آپ منہدری کے بزرگ تھے شریعت و طریقت میں بڑے مستحکم قدم رکھتے تھے۔ آخر کار مکہ معظمہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اور بڑی مقبولیت پائی۔ آپ بروز جمعہ دوم ماہ ذوالحجہ ۴۸۱ھ کو چوراسی (۸۴) سال کی عمر میں فوت ہوتے۔

خواجہ بوالحسن ولی جہاں ۔ مرشد خلق از صغار و کبار

گفت سرور بسالِ تاریخش ۔ بود محبوب بوالحسن نجار

۴۸۱ھ

شیخ ابوالحسن ہروی دالنخانجہ آبادی قدس سرہٗ: اسم گرامی ابونصر بن ابی جعفر بن ابی اسحاق خانجہ آبادی تھا۔ ایک اور

مقام پر آپ کا نام محمد بن احمد بن ابی جعفر لکھا ہے۔ کرمان کے رہنے والے تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی کے عالم تھے۔ فقہ و حدیث میں یکتائے زمانہ تھے۔ آپ کی توبہ کا سبب یہ ہوا۔ کہ ایک دن ایک شخص ایک کاغذ پر فتویٰ پوچھنے آیا۔ جس کا مضمون اور مفہوم یہ تھا۔ "کیا فرماتے ہیں آئمہ دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے جوانی کے عالم میں اپنی گدھی کو لاٹھیوں سے پیٹا۔ گدھی نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ اے شخص! تم نے مجھے جس طرح ظلم کا نشانہ بنایا ہے۔ قیامت کے دن اس کا کیا جواز پیش کرے گا اور اس ظلم سے کیسے نجات حاصل کر سکے گا" اس دن سے آج تک بیس سال گزر چکے ہیں کہ وہ شخص اللہ کے خوف سے رو رہا ہے۔ اور آنسو کی بجائے خون بہاتا ہے، آپ از روئے شرع شریف بتائیں۔ کہ اُس کے وضو طہارت اور نماز کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابو نصر نے یہ فتویٰ پڑھا تو اس واقعہ کی ہیبت سے کانپ اٹھے۔ اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو اس شخص کے گھر کی طرف روانہ ہوئے اس کے گھر پہنچے تو وہ انتہائی غم و اندوہ سے دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑا تھا۔ اس کے چہرے سے پردہ اٹھایا تو دیکھا۔ کہ ایک بوڑھا نورانی چہرے کے ساتھ لیٹا ہے۔ اس کی آنکھوں سے خون کے آنسو بہہ بہہ کر رخساروں پر جم گئے ہیں لیکن لبوں پر تبسم اور مسکراہٹ کی جھلک نمایاں نظر آ رہی ہے۔ ابو نصر کو اس کی مسکراہٹ سے بڑا تعجب آیا تجہیز و تکفین میں مصروف ہوئے۔ فارغ ہو کر واپس آئے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ایک بوڑھے شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا "اے جوان۔ تم کیوں رو رہے ہو۔ کیا تمہیں قرآن کی کسی ایسی آیت کی اطلاع ملی ہے کہ تم نے اس پر عمل نہیں کیا اور رو رہے ہو۔ یہ گریہ تو دامن سوختہ کی طرح دل سوختہ کی طرح نہیں ہے۔ یہ بات کہہ کر وہ بوڑھا تو چلا گیا۔ مگر شیخ کے دل کے درد میں اضافہ کرتا گیا۔ اور سوز عشق بڑھتا گیا۔ گھر پہنچے۔ جو کچھ تھا۔ غریبوں اور درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ گھر سے نکلے اور سفر پر روانہ ہو گئے کہتے ہیں۔ اس سیاحت میں آپ نے تین سو کامل اولیاء اللہ سے ملاقات کی۔ ان کی خدمت سے استفادہ کیا۔ ان کی صحبت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ دوران سفر کعبۃ اللہ میں قیام کیا۔ بیت المقدس میں رہے۔ اور مدینہ منورہ میں پہنچ کر

بے پناہ ریاضت کی۔ایک طویل عرصہ کے بعد ہرات واپس آئے۔

حضرت ابونصر ۵۰۰ھ میں فوت ہوئے۔آپ نے ایک سو چوبیس سال عمر پائی تھی آپ کا مزار پُرانوار خانجہ آباد میں مرجع خلائق ہے۔

چوں بونصر از جہاں پدرود گشت ۔ یافت اندر جنت الفردوس جا

رحلتش قطب الہدیٰ بونصر خواں ۔ نیز ہروی پیر زیب الاولیا

۵۰۰ ۵۰۰

حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ: آپ کی کنیت ابو حامد ہے۔ لقب زین الدین۔ ارتومس کے رہنے والے تھے۔ مذہباً شافعی تھے۔تصوف میں شیخ ابو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت روحانیت رکھتے تھے ابتدائی تعلیم طوس اور نیشاپور میں پوری کی۔تکمیل و تحصیل علوم متداولہ اور مروجہ مختلف مدارس میں کی۔ نظام الملک طوسی (علم دوست وزیر) سے ملاقات ہوئی۔ تو اس کی نگاہ مردم شناس نے آپ کو منتخب کر لیا۔اور آپ مدرسہ نظامیہ بغداد کے مہتمم قرار دیئے گئے ایک وقت آیا کہ اپنے اختیارات دوسرے علماء کے حوالے کر کے بیت اللہ شریف چلے گئے۔ حج کے بعد شام آئے اور وہاں سے بیت المقدس پہنچے۔وہاں سے بصرہ قیام کیا اور ایک عرصہ تک اسکندریہ میں قیام پذیر ہوئے۔پھر اپنے وطن واپس آئے۔اور بڑی مفید کتابیں تصنیف کیں۔ان تصانیف میں احیاء العلوم۔جواہر القرآن۔تفسیر یاقوت (چالیس جلدیں) مشکوٰۃ الانوار اور کیمیائے سعادت نے تو علمی دنیا میں اپنا لوہا منوایا۔پھر ایک خانقاہ تعمیر کی۔اور عبادت الٰہی میں تجدیداً مشغول ہو گئے۔

نفحات الانس کے مؤلف فرماتے ہیں۔کہ اکابرین دین میں سے ایک شخص نے بتایا میں حرم بیت اللہ میں بیٹھا تھا۔ایک بدعتی وہاں آیا۔اور مصلّی بچھا لیا۔اور اپنے دامن کے پتھر کی ایک تختی نکال کر سامنے لا رکھی۔اس پر چند حروف لکھے ہوئے تھے۔اس نے انہیں چوما۔اور اپنے سامنے رکھ کر نماز پڑھنے لگا۔اور اپنی پیشانی کو اس پر ملتا رہا۔اور تضرع وزاری کرتا رہا اس کے بعد اس نے

اپنا سر اٹھایا۔ اسے چوما۔ آنکھوں پر ملا۔ اور پھر اپنے دامن میں چھپا کر جانے کے لئے اٹھا میں نے
اس کی یہ ساری حرکات دیکھیں تو مجھے کراہت آئی۔ کہ یہ کیا کر رہا ہے۔ میں نے دل میں کہا کاش آج
رسول اکرم زندہ ہوتے۔ اور اہل بدعت کو ان کے مکروہ کاموں کی برائی سے آگاہ فرماتے میں یہ سوچ
ہی رہا تھا۔ کہ مجھے غنودگی آگئی۔ میں نے ایک وسیع اور کشادہ میدان دیکھا جس میں بے پناہ مخلوق
خدا جمع ہے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک کتاب ہے۔ تمام کے تمام ایک شخص کے سامنے پیش ہو
رہے ہیں۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا تو بتایا گیا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک تخت پر جلوہ
فرما ہیں۔ اور لوگ چاہتے ہیں۔ کہ اپنے عقائد کی کتابیں حضور کی بارگاہ میں پیش کر کے ان کی تصحیح کرا لیں
میں بھی اس حلقہ میں جا پہنچا میں نے دیکھا۔ ایک شخص آگے بڑھا۔ اور اپنے نظریات وعقائد کی
کتاب پڑھنے لگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مرحبا! یا شافعی!" اے شافعی خوش رہو!
ایک اور شخص آگے بڑھا۔ اس نے بھی اپنی کتاب پیش کی۔ یہ امام ابوحنیفہ تھے۔ آپ نے فرمایا "مرحبا
یَا اَبِی حُنَیْفَۃُ" رُفِّتَ امام الاعظم۔ اے ابوحنیفہ تم امام اعظم ہو۔ اسی طرح امام مذاہب میں سے ایک
ایک بزرگ آگے بڑھتے اور اپنی اپنی کتابیں پیش کر کے منظوری لیتے جاتے۔ اسی اثنا میں ایک اور شخص
آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں بے جلد کتابوں کی چند جلدیں تھیں۔ اس کی خواہش تھی۔ کہ وہ بھی بارگاہ نبوی
میں پیش کرے ایک دوسرا شخص حلقہ میں سے اٹھا۔ اور اسے ڈانٹ کر باہر نکال دیا۔ اس کے ہاتھ سے
وہ اوراق گر پڑے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے شیخ یہ وہی نظریات ہیں جسے آپ نے کعبۃ اللہ
میں اس شخص کو نماز کے دوران دیکھا تھا۔ اور تجھے اس کی حرکات اچھی نہ لگی تھیں۔ جب لوگوں کا ازدہام
کم ہوا تو میں بھی آگے بڑھا۔ میرے پاس بھی ایک مجلد کتاب تھی۔ میں نے گذارش کی یا رسول اللہ۔ یہ
کتاب معتقد من منعقد، ہے۔ اہل اسلام کے لئے نہایت مفید ہے۔ اگر اجازت ہو تو پڑھ کر سناؤں
حضور نے ازرہ ترحم اجازت دی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ کون سی کتاب ہے۔ گذارش کی "قواعد العقائد"
ہے جسے محمد بن محمد غزالی نے تصنیف کیا ہے۔ آپ نے مجھے پڑھنے کی اجازت دی۔ میں پڑھتا گیا۔
جب میں اس مقام پر پہنچا جہاں لکھا تھا کہ "غزالی می فرماید للہ تعالیٰ بَعَثَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الْقُرَیْشِی

محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکافۃ العزت وَالعجم وَالجنّ والانس ،، یہ کلمات سنتے ہی حضور کا چہرۂ انوار مسرت اور خوشی سے دمکنے لگا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا محمد غزالی کہاں ہیں۔ غزالی کو پیش کیا گیا سلام پیش کیا۔ حضورؐ نے نہایت شفقت سے سلام کا جواب دیا۔ اور اپنا دستِ مبارک غزالی کے ہاتھ میں دے دیا۔ غزالی آپ کا ہاتھ چومتے جاتے۔ اور آنکھوں سے بار بار لگاتے اور والہانہ طور پر اپنے چہرے کو حضور کے دست مبارک پر لگاتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی نشست میں عقائد کو سنا۔ اور بڑی تفصیل سے ان خیالات کو سنتے رہے۔ میں ان خیالات کو سنتے سنتے خواب سے اٹھا۔ میری آنکھوں میں ابھی تک رونے کے اثرات موجود تھے اور جس واقعہ کو میں نے دیکھا تھا۔ اس کے اثرات زندگی بھر میرے دل و دماغ پر رہے۔

شیخ محمد صادق شیبانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مناقب غوثیہ میں لکھتے ہیں کہ شبِ معراج کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ نے دریافت کیا کہ آپ نے تو فرمایا ہے کہ "عُلَماءُ اُمَّتی کَاَنْبیَاءِ بَنی اِسْرائیل (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہوں گے) میں چاہتا ہوں۔ کہ آپ کی امت کا ایک عالم میرے پیش کیا جائے۔ تاکہ میں اس سے بات کر سکوں۔ اسی وقت امام غزالی کے روح کو بیدار کیا گیا۔ اور حاضر کیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سلام کریں اور خدمت میں حاضر ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امام غزالی سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے۔ امام نے عرض کی۔ میرا نام محمد بن محمد غزالی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے تو صرف تمہارا نام پوچھا ہے۔ باپ کا نام تو نہیں پوچھا۔ یہ کیا فضول حرکت ہے آپ نے عرض کی۔ جس دن آپ کو جلوۂ شجرِ طور سے نوازا گیا تھا۔ تو اللہ تعالےٰ نے سوال کیا تھا۔ مَا تِلْکَ بِیَمِینِکَ یَا مُوسیٰ (اے موسیٰ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے ؟) اس وقت آپ نے جواب دیا تھا کہ یہ عصاء ہے اَتَوَکَّؤُا عَلَیْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِی وَلِیَ فِیهَا مَآرِبُ اُخْرٰی (یہ عصاء ہے۔ میں اس سے تکیہ کر لیتا ہوں بکریوں

کے لئے پتے جھاڑتا ہوں۔ اور اس کے علاوہ کئی کام لیتا ہوں) اللہ تعالیٰ نے تو صرف آپ کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیز کے بارے میں سوال کیا تھا۔ مگر آپ نے اتنے جوابات دیئے۔ ان کا کیا مطلب تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتایا۔ جس وقت مجھے مِا تِلْکَ، بِیَمِیْنِکَ یامُوسیٰ کہا گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ ہماری دل جوئی کے لئے دریافت فرما رہے ہیں۔ ورنہ اس کی ذات سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں تھی۔ ہمیں بھی موقعہ ملا۔ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے ایک سوال کے جواب میں تفصیلاً جواب دینے میں اپنی خدمت گذاری کا اظہار مقصود تھا۔ حضرت امام غزالی نے عرض کی۔ حضرت آپ نے میرا نام دریافت فرمایا۔ تو میں نے بھی اظہار عقیدت کے طور پر اپنا۔ اپنے والد اور ان کے والد کا نام بتلاتے ہوئے سلسلہ کلام دراز کیا تاکہ آپ سے گفتگو کو طول دیا جا سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش رہے۔ مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھڑی کے اشارے سے امام غزالی کو روک کر فرمایا کہ انبیاء کے سامنے زیادہ گفتگو ادب کے خلاف ہوتی ہے۔ امام غزالی نے گردن جھکا دی۔ مگر حضور کی چھڑی نے آپ کے کندھے کو چھویا۔ کہتے ہیں۔ امام غزالی پیدا ہوئے تو یہ نشان پیدائشی طور پر آپ کے جسم پر موجود تھا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب منخول لکھی تو اپنے استاد امام الحرمین کی خدمت میں پیش کی۔ استاد مکرم نے کتاب پڑھی تو فرمایا "غزالی تم نے مجھے زندہ درگور کر دیا ہے" یعنی یہ کتاب میری تمام شہرت پر حاوی ہو گی۔ اور میری شہرت دب کر رہ جائے گی (استاد کی طرف سے یہ انداز تحسین کتنا لطیف اور جامع ہے)

حضرت امام غزالی کی ولادت ۴۵۰ھ میں ہوئی۔ مگر بعض تذکرہ نویسوں نے ۴۴۹ھ بھی لکھی ہے۔ وفات ۱۴ جمادی الآخری ۵۰۵ھ یا بقولے ۵۰۰ھ ہوئی۔

آں محمد بن محمد شیخ حق - مطلع نور یقین روشن جبیں
شد عیاں بحر العلوم احمدی - سرور اتو لید آں عین الیقین
۴۵۰ھ ۴۴۹ھ

روشن ماہتاب	محبت	تکمیل نور دین	گل گلشن	مہدی فقر
۴۴۹ھ	۴۴۹ھ	۴۵۰ھ	۴۵۰ھ	۴۴۹ھ

گفت سرور سالِ ترحیلش عیاں ۔ عابد موسے امام المسلمین ۵۰۵ھ

صاحب تاج	محبت مجتبیٰ	زینت ابدال	شمس زمین
۵۰۵ھ	۵۰۵ھ	۵۰۵ھ	۵۰۵ھ

عالم طیب امام المسلمین	رہبر محمود	راہبر اہل دین	محمد بن محمد پیر مہدی
۵۰۵ھ	۵۰۵ھ	۵۰۷ھ	۵۰۷ھ

محمد بن محمد یار محبوب سے بھی تواریخ ولادت اور وصال برآمد ہوتی ہیں ۔
۵۰۵ھ

حکیم سنائی غزنوی قدس سرہٗ: آپ کی کنیت ابوالمجد بن آدم تھی۔ آپ صوفی شعراء میں سربرآوردہ تھے۔ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ والد حضرت شیخ رضی الدین علی تھے۔ کتاب حدیقۃ الحقیقت آپ کی بہترین تصنیف ہے۔ آپ کی توبہ کا واقع یوں بیان کیا گیا ہے۔ کہ سلطان ابراہیم غزنوی جاڑوں کی سردی میں غزنین سے کسی ملک کی فتح کے لئے نکلے۔ حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حق میں ایک خوبصورت قصیدہ لکھا تھا۔ آپ سلطان کے دربار کی طرف جارہے تھے۔ تاکہ وہ قصیدہ پیش کر سکیں راستے میں ایک مجذوب دیکھا جو شراب کے نشہ میں دھت ہو کر ساقی کو کہہ رہا تھا۔ شراب کا ایک پیالہ ابراہیم غزنوی کے اندھے پن کے لئے اور پلادو۔ ساقی نے کہا۔ وہ غازی مرد ہے۔ بادشاہِ اسلام ہے۔ وہ کیسے اندھا ہو سکتا ہے؟ مجذوب نے کہا۔ کیا وہ اندھا نہیں کہ اپنے ملک کو آباد اور خوشحال کرنے کی بجائے دوسرا ملک فتح کرنے کو چل نکلا ہے۔ پیالہ اٹھایا اور پی گیا۔ ایک بار پھر اٹھا اور کہا کہ ایک پیالہ حکیم سنائی شاعر کے اندھے پن کے صدقے دے دو" ساقی نے کہا وہ تو ایک دانا شاعر ہے۔ وہ کیسے اندھا

ہے! مجذوب نے کہا۔ وہ نامبارک مرد ہے۔ اگر وہ اندھا نہ ہوتا۔ تو سلطان کے پیچھے بے فائدہ قصیدہ لکھ کر نہ دوڑتا۔ جھوٹی باتوں پر مشتمل قصیدہ لکھ کر خوش ہونا۔ یا خوش کرنا کون سی عقلمندی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اسے اس کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات سنی تو ان کے دل کی کیفیت بدل گئی۔ تارک الدنیا ہو کر یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

دارالشکوہ اپنی کتاب سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں۔ کہ چونکہ حدیقہ سنائی میں کئی الحاقی اور نامعقول اشعار تھے۔ انہیں پڑھ کر میرے دل میں تغیر و تکدر پیدا ہوا اور حکیم سنائی کے متعلق میری رائے بڑی نامناسب ہو گئی۔ چنانچہ جب میں غزنی گیا۔ تو عہد کیا کہ تمام بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کو جاؤں گا۔ مگر حکیم سنائی کے مزار پر نہیں جاؤں گا۔ مجھے رات خواب میں یوں دکھائی دیا کہ میں غزنی کے تمام مزارات کی زیارت کر رہا ہوں۔ مجھے کسی نے بتایا کہ یہ حکیم سنائی کی قبر ہے۔ میں نے غور کیا۔ تو سفید سنگِ مرمر کی ایک قبر نظر آئی۔ اس پر کتبہ لکھا ہوا تھا۔ "یہ سنائی سُنّی العقیدہ کی قبر ہے،، جب میں نے یہ واقعہ دیکھا۔ تو مجھے معلوم ہوا۔ کہ حکیم سنائی سُنی تھے۔ دوسرے روز میں مزارات کی زیارت کو نکلا تو میں نے دیکھا۔ کہ سفید پتھر کی ایک قبر جسے میں خواب میں دیکھ چکا تھا۔ سامنے ہے۔ مجھے یقین ہو گیا۔ کہ جن اشعار کی وجہ سے میرا دل مکدّر ہو گیا تھا وہ حکیم سنائی کے نہیں تھے۔ بلکہ الحاقی تھے۔ کسی بدعتی رافضی نے کتاب میں درج کر دیئے تھے۔

حضرت حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ ۵۲۵ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کے مزار پر یہی سنِ وصال لکھا ہوا ہے۔

چوں سنائی حکیم روشن دل ۔ گشت از دیدۂ جہاں مستور
شاہ عالم حکیم سرور گفت ۔ رحلتش ہم زہے مہٗ نوراست

۵۲۵ھ

تاج العارفین ابوالفاءؒ قدس سرہٗ: اسم گرامی کاکیش تھا۔ کبار مشائخ اور بزرگان دین میں سے تھے۔ شیخ محمد شپکنی کے مرید تھے۔ ارشاد

طالبان میں اپنی مثال آپ تھے۔ شیخ علی ہیتی۔ شیخ بقاء و شیخ عبدالرحمان طفسونجی شیخ مطرالبازدونی شیخ ماجد گردی۔ شیخ جاگیر۔ شیخ احمد جیسے آپ کے ہی مرید اور تربیت یافتہ تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ جوانی کے عالم میں آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضرت شیخ ابو فاء نے سلسلۂ گفتگو منقطع کرتے ہوئے۔ حاضرین مجلس کو کہا "یہ نوجوان جو ابھی میری مجلس میں آیا ہے۔ اسے مجلس سے باہر نکال دو" لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑے دنوں بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی پھر اسی مجلس میں چلے گئے تو شیخ ابوالوفاء نے دوبارہ کہا "اس نوجوان کو میری مجلس سے اٹھا دیا جائے" لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ مگر شیخ بار بار اس مجلس میں جاتے رہے۔ حتیٰ کہ جب آپ چوتھی بار مجلس میں داخل ہوئے۔ تو شیخ ابوالوفا رحمۃ اللہ علیہ منبر سے نیچے اتر آئے۔ حضرت غوث الاعظم سے بغل گیر ہوئے۔ اور حاضرین مجلس کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ سب کے سب اٹھو اور اس نوجوان کی تکریم و تعظیم کرو۔ یہ نوجوان غوثِ اعظم ہیں۔ میں نے انہیں تین بار اپنی مجلس سے نکالنے کا اس لئے حکم نہیں دیا تھا۔ کہ ان کی اہانت مقصود تھی۔ بلکہ حقیقت یہ تھی۔ کہ تم لوگ اس کے مقام سے واقف نہیں تھے۔ اس وقت تم مجھے اس نوجوان سے بہتر خیال کرتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ غوث اعظم ناقدر شناسوں کی مجلس میں آگئے ہیں۔ مجھے اپنے اللہ کی عزت و جلال کی قسم ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک وقت آئے گا۔ کہ یہ نوجوان منبر پہ کھڑے ہوگا۔ اور کہے گا "میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے۔ (قدمی هٰذه علیٰ کل رقبۃ ولی اللہ")

لوگوں کو یہ بات کہنے کے بعد شیخ ابوالوفا نے حضرت غوث الاعظم کو مخاطب کیا اور کہا۔ جب آپ اس مقام پہ پہنچیں تو مجھے یاد کر لینا۔ کیونکہ اس وقت آپ اللہ کی محبوبیت کے مقام پر ہوں گے۔ حضرت شیخ نے آپ کی خدمت میں ایک عصاء۔ پیالہ۔ سجادہ۔ تسبیح۔ مصلا۔ پیراہن پیش کیا۔ اور کہا میری طرف سے یہ تحائف اپنے پاس رکھنا۔ کہتے ہیں۔ جناب غوث الاعظم اس تسبیح کو زمین پر رکھتے تو اس کا ایک ایک دانہ جدا جدا ہو جاتا۔ پیالہ کسی کو دینا مقصود ہوتا تو ہاتھ سے اچھلتا اور خود بخود دوسرے کے ہاتھ میں جا پہنچتا۔

آپ ۵۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار پرانوار قلمینا مضافات بغداد میں ہے آپ اسی سال کی عمر میں رحلت فرما ہوئے۔

بو الوفا تاج سر دینا و دیں - چوں ازیں دنیا بجنت یافت جا
سرور دین گشت از سرور عیاں - سال وصل آں امام با صفا
۵۳۰ھ
نیز تاریخش نداشر از خرد - ہادی محبوب تاج اولیاء
۵۳۰ھ

خواجہ عبداللہ جوی قدس سرہٗ: اسم گرامی محمد بن حمویہ تھا۔ خراسان کے اجلہ مشائخ میں سے تھے اور حضرت شیخ عبداللہ بستی کے عظماء خلفاء میں سے شمار ہوتے تھے۔ علوم شریعۃ اور طریقت میں ماہر تھے۔ حضرت عین القضات اپنے اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔ کہ ہمارے زمانے میں تین حضرات مقتدائے وقت میں سے ہیں ایک شیخ احمد بن محمد غزالی۔ دوسرے محمد بن محمد غزالی اور تیسرے خواجہ عبداللہ بن محمد حمویہ جوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ حضرت شیخ حموی ایک کتاب صلوٰۃ الطاعین جو حقایق و دقائق سے مالا مال ہے صوفیہ کے لئے مشعل راہ بنی۔ آپ کی وفات ۵۳۰ھ ہجری میں ہوئی جبکہ آپ کی عمر نوے سال تھی۔

خواجۂ دین شیخ عبداللہ پیر - یافت از دنیا چو در جنت قرار
سن وسالِ رحلتش ہادی تقی ست - نیز عبد اللہ محمد نامدار
۵۳۰ھ ۵۳۰ھ

شیخ ابونصر احمد جام زندہ پیل قدس سرہٗ: کنیت ابونصر۔ والد کا اسم گرامی۔ ابوالحسن تھا۔ جام کے نزدیک موضع ناحق میں پیدا ہوئے۔ مقتدائے اہل طریقت تھے پھر یگانہ زمانہ بنے۔ قطب العہد اور غوث الوقت مشہور ہوئے۔ آپ حریر بن عبداللہ الجبلی کی اولاد میں سے تھے جنہیں حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یوسفِ اُمت محمدیہ کہا تھا۔

حضرت شیخ احمد اول عمر میں اُمّی محض تھے بائیس سال گزرے تو اللہ کی رحمت نے علم کی روشنی سے نوازا۔ پہاڑوں میں گوشہ نشین ہوئے ریاضت اور مجاہدہ میں پورے تیرہ سال گزار دیئے۔ چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالےٰ کے الہام کی روشنی میں مخلوق خدا کی راہنمائی میں نکلے۔ علم الدنی کے ابواب کھل گئے۔ آپ نے توحید۔ اسرار اور حکمت میں تین سو کتابیں لکھیں۔ یہ کتابیں وقت کے عارفین اور حکماء کے لئے مطالعہ کا ذریعہ بنیں۔ اسرار تصوف میں عمدہ اشعار کہتے۔ گفتگو اور تحریر آیات قرآنی اور احادیث کے حوالے سے پُر ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کثیر الاولاد کیا تھا۔ آپ کے بیالیس لڑکے تھے۔ آپ کی زندگی میں ان لڑکوں کے ہاں ۳۹ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں حضرت شیخ کی وفات کے وقت چودہ لڑکے اور تین لڑکیاں موجود تھیں۔ یہ چودہ بیٹے صاحب علم اور صاحب تصنیف تھے۔ پھر مشائخ کی صف میں تھے۔ اور صاحب کرامات تھے۔

حضرت شیخ احمد جام کی عمر ساٹھ سال تھی تو فرمایا کرتے تھے۔ کہ اب تک میرے ہاتھ پر لیے ہزار لوگوں نے توبہ کی ہے۔ آپ کے صاحبزادے شیخ ظہیر الدین علی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب رموز الحقائق میں لکھتے ہیں۔ کہ میرے والد کے اپنی عمر کے آخری حصہ میں ساٹھ ہزار لوگوں نے توبہ کی تھی۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک ایسا خرقہ تھا۔ جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آپ کو منتقل ہوا تھا۔ آخر کار یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ یہ خرقہ حضرت احمد جام کو منتقل کیا جائے چنانچہ حضرت ابوسعید ابوالخیر نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی۔ کہ میرے مرنے کے بعد ایک جوان رعنا سرو قد۔ ارزق چشم احمد جام نامی آئے گا۔ یہ خرقہ اسے دے دیا جائے۔ کیونکہ اسی کی امانت ہے۔ چند سال اسی طرح گزرے۔ شیخ ابوطاہر نے خواب میں دیکھا۔ کہ آپ کے والد ابوسعید ابوالخیر دوستوں کا ایک مجمع لئے بڑی تیزی سے تشریف لا رہے ہیں۔ پوچھا کہ اس قدر کیوں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ قطب الاولیاء آرہے ہیں۔ ہم لوگ ان کے استقبال کو جا رہے ہیں۔ دوسرے دن حضرت شیخ طاہر اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نوجوان ان اوصاف کے ساتھ جو والد

محترم نے بیان کی تھیں۔ خانقاہ میں آیا۔ شیخ نے ایک ہی نگاہ میں پہچان لیا۔ اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ استقبال کیا لیکن اپنے والد کا خرقہ پیش کرنے میں کچھ تامل کر رہے تھے۔ حضرت شیخ احمد جام نے فرمایا۔ حضرت امانت کی سپرداری میں دیر کرنا اچھی بات نہیں۔ یہ بات سنتے ہی شیخ ابو طاہر وجد میں جھوم اٹھے۔ خانقاہ سے خرقہ لائے۔ اور حضرت شیخ احمد کو نہایت اعزاز کے ساتھ پہنچایا۔

کہتے ہیں یہ خرقہ بائیس[۲۲] اولیاء اللہ کی وساطت سے حضرت احمد جام تک پہنچا تھا۔ شیخ مودود چشتی بھی حضرت احمد جام سے نسبت روحانیت رکھتے تھے۔ مناقب شیخ مودود میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ آپ کی وفات ۵۳۶ھ میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۹۰ سال تھی آپ کا مزار پُر انوار بمقام جام موجود ہے۔

جناب شیخ احمد پسر بونصر - کہ بود او رونق دین زیب اسلام
امیر المومنین محبوب گفتم - بسال رحلت آں شیخ خوش کام

۵۳۶ھ

عشق اللہ (۵۳۶ھ) اور بونصر کامل احمد جام (۵۳۶ھ) سے بھی تاریخ وصال نکلتی ہے۔

شیخ عبدالاول بن شعیب سجزی ہروی رحمۃ اللہ علیہ:

ابوالوقت کنیت تھی۔ خاص و عام میں قبول تھے۔ علوم ظاہر و باطن میں ماہر تھے۔ حدیث میں شیخ الاسلام۔ جمال الاسلام داودی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ حضرت شیخ الاسلام عبداللہ انصاری کی صحبت میں رہے۔ خراسان سے بغداد میں پہنچے۔ آپ کی ولادت ماہ ذی القعدہ ۴۵۸ھ میں ہوئی۔ اور وفات ماہ ذیقعد ۵۵۳ھ میں بغداد میں ہوئی۔ آپ کا مزار شونیز متصل مزار شیخ رویم ہے۔ یاد رہے۔ کہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی نے آپ کی نماز جنازہ کی امامت کرائی تھی۔

جناب عبد اول شیخ والا - کہ از روز ازل مقبول حق بود
اگر خواہی دلا سالِ وصالش - بداں ابن شعیب ہادی محمود

۵۵۳ھ

شیخ عدی بن مسافر الشامی الہنکاری قدس سرہٗ: آپ قدمائے مشائخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جناب غوث الاعظم محی الدین عبد القادر جیلانی۔ حضرت شیخ حماد۔ شیخ دباس۔ شیخ عقیل منجی سے صحبت رکھتے تھے۔ کرامات وخوارق میں مشہور رہتے۔ سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ پہلی بار سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔ تو آپ ہی رفیق سفر تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے حج کیا۔

سفینۃ الاولیاء کے مصنف نے آپ کا سالِ وفات ۵۵۷ھ لکھا ہے تذکرۃ العاشقین میں ۵۵۸ھ لکھا ہے۔ آپ کا مزار پرانوار جبل ہنکار میں واقع ہے۔

عدی ابن مسافر پیر شامی - کہ دانش بود اہل علم وادراک
زدل انور منیر آمد وصالش - چو حشمش رفت مثل گنج در خاک

۵۵۷ھ

شیخ ماجد گردی قدس سرہٗ: آپ تاج العارفین ابو الوفا قدس سرہ کے مرید اور خلیفۂ خاص تھے صاحب کشف وکرامت تھے۔ آپ کی توجہات عالیہ سے بے پناہ مخلوق خدا ہدایت یافتہ ہوئی۔ آپ حضرت غوث الاعظم کے احباب اور اصحاب میں سے تھے۔ اور آپ سے ہی فیض نامہ حاصل کیا تھا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ حضرت مجھے کعبۃ اللہ کی زیارت اور طواف کی اجازت دیں۔ میں سفرِ حج میں تن تنہا جانا چاہتا ہوں حضرت نے اپنا کوزہ اسے دیا۔ فرمایا۔ سفر میں جہاں بھوک اور پیاس لگے اس کوزہ سے ٹھنڈا میٹھا پانی اور روٹی ملے گی۔ دورانِ سفر واقعی ایسا ہی ہوتا رہا۔

آپ ۵۶۱ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار پرانوار جبل حمرین پر واقع ہے۔

شیخ دین ماجد چو زین دنیائے دوں - رفت ہمچو سرو در باغ جناں
رحلتش سردارِ ماجد آمد است - نیز ماجد ہادی الاسرار خواں
۵۶۱ھ ۵۶۱ھ

سخی سرور سلطان (سید احمد) قدس سرہٗ: آپ خطہ ملتان کے مشہور ترین اولیائے کبار میں سے تھے۔ پیر خانو۔ لکھی خان اور لکھ داتا کے القابات سے مشہور ہوئے۔ تشریف الشرفاء میں آپ کی نسبت یوں درج ہے۔

سید زین العابدین — سید عمر — سید عبد اللطیف — سید بہاء الدین — سید غیاث الدین — سید بہاء الدین — سید صلاح الدین — سید زین العابدین — سید علی — سید صالح سید عبد الغنی۔ سید جلیل — سید خیر الدین — سید ضیاء الدین — سید دارو — سید عبد الجلیل رومی — سید اسماعیل سید امام جعفر صادق سید محمد باقر — سید زین العابدین — حضرت سید امام حسین — حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ قدس سرھم۔

سب سے پہلے آپ کے والد مکرم سید زین العابدین عرب شریف سے وارد برصغیر ہوئے۔ اور ملتان کے قریب موضع کرسی کوٹ میں قیام فرما ہوئے۔ اس موضع کے مقدم پیرا کی بیٹی عائشہ سے شادی کی۔ پیرا کھوکھر قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اس بی بی کے بطن سے سید احمد سخی سرور سلطان) اور ان کے بھائی عبد الغنی (جنہیں سید خان ڈھوڈ کے نام سے شہرت ملی)، پیدا ہوئے۔ سید احمد مادر زاد ولی اللہ تھے۔ بچپن سے ہی آپ کی پیشانی سعادت پر انوار ولائیت جلوہ گر تھے۔ اپنے والد محترم سے راہ طریقت کا آغاز کیا۔ سفر بغداد اختیار کیا۔ اور جناب غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فیض کامل حاصل کیا۔ کچھ عرصہ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں گزارا۔ واپسی پر موضع چشت میں پہنچے۔ حضرت مودود چشتی سے فیض حاصل کیا خرقہ خلافت اور اجازت بعیت حاصل کی۔ اور اس طرح آپ زمانہ کے کاملین میں شمار ہونے لگے۔ حضرت خضر علیہ السلام اور دوسرے رجال الغیب سے ملاقات فرماتے تھے وقت کے ابدال اور اوتاد آپ کے

پاس آیا کرتے تھے۔ آپ اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے بکریاں چرایا کرتے تھے اور کاشت کاری کے کاموں میں بھی حصہ لیتے تھے۔

آپ سفر بغداد سے واپس وطن آئے۔ تو لاہور تشریف لائے۔ لاہور میں ان دنوں مولانا محمد اسحاق لاہوری نے مسند علم بچھا رکھی تھی آپ نے مولانا کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اور آپ علوم مروجہ سے مستفیض ہوئے۔ ظاہری علوم سے فارغ ہو کر موضع سوہدرا نزد وزیر آباد پہنچے اور دریائے چناب کے کنارے پہنچ کر قیام فرما ہوئے۔ چند سال اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے دور دراز سے مخلوق خدا آنے لگی۔ اور اس چشمۂ فیض سے سیراب ہونے لگی۔ چونکہ دنیا داروں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا۔ جو آپ کے دروازے پر آتا اور محروم جاتا۔ اس لئے لوگوں میں آپ کا نام سخی سرور اور لکھ داتا مشہور ہو گیا۔

ایک دفعہ سوہدرے کے نمبردار عمر بخش کو ایک ایسی بیماری نے آ لیا جس کا علاج ناممکن تھا اس کے رشتہ دار اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کی التماس کی۔ ابھی لوگوں نے اپنی بات پوری نہ کی تھی۔ کہ حضرت نے زمین سے تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور انہیں کہا۔ اس مٹی کی ایک خوراک مریض کو کھلاؤ ٹھیک ہو جائے گا۔ عمر بخش اسی دن سے شفایاب ہو کر کاروبار زندگی میں مصروف ہو گیا۔

ایک دن سوہدرے کے تمام نمبردار اور دوسرے امراء آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارے گاؤں میں احمد ترکھان کے پاس ایک گھوڑی ہے۔ جو میں خریدنا چاہتا ہوں نمبردار مل کر احمد ترکھان کے گھر گئے۔ مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس دن کے بعد وہ اپنی گھوڑی کو گاؤں والوں سے چھپائے رکھتا۔ نمبرداروں نے احمد ترکھان کی اس حرکت کی اطلاع حضرت سخی سرور کو دے دی۔ آپ فرمانے لگے ۔ احمد ترکھان یہ گھوڑی نہیں بیچتا تو گھوڑی خود میرے پاس آ جائے گی۔ ابھی چند لمحے گزرنے پائے تھے کہ گھوڑی دوڑتی ہوئی آپ کے دروازے کے سامنے آ کر رک گئی حضرت اس گھوڑی پر سوار ہو کر دھونکل چلے گئے۔ اور

چند دن گوشۂ عزلت میں بیٹھے رہے۔

دھونکل کا نمبردار جوندا نامی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ حضرت میں نے اپنے بیٹے دھونکل کے نام اس موضع کا نام رکھا ہے مگر میرا بیٹا چند دنوں سے لاپتہ ہے مجھے اس کا علم نہیں۔ دعا فرمائیں کہ وہ آجائے۔ آپ نے فرمایا۔ آج آجائے گا۔ اسی دن وہ گھر آگیا۔

ایک دن حضرت سلطان سخی سرور دھونکل میں عزلت گزین تھے۔ وضو کے لئے پانی نہیں تھا۔ آپ نے اپنا عصا زمین پر مارا۔ پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ آپ نے ایک چوبی میخ زمین میں ٹھونک دی۔ چند دنوں بعد سرسبز ہو گئی۔ جہاں نماز پڑھتے تھے، وہاں مسجد تعمیر ہو گئی۔

ایک دن آپ وزیر آباد سے سات میل دُور موضع رتی پہنچے۔ اس گاؤں کا ایک شخص گائیں چرا رہا تھا۔ آپ نے اس سے دودھ مانگا۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگا۔ یہ گائیں تو دودھ نہیں دیتیں۔ آپ نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ ان گائیوں کے بچے سامنے لائے جائیں اور دودھ دوہا جائے۔ خادموں نے ایسا ہی کیا۔ ان بچھڑوں سے اتنا دودھ برآمد ہوا کہ تمام برتن لبالب بھر گئے۔

دھونکل میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد آپ کے دل میں وطن کی محبت جاگی۔ آپ کوٹ کڑی جو اِن دنوں شاہ کوٹ کہلاتا ہے۔ تشریف لائے۔ یہاں آکر آپ نے سید عبدالرزاق کی بیٹی سے شادی کی۔ جس سے دو سال بعد آپ کے ہاں ایک بیٹا سراج الدین پیدا ہوا۔ حاکم ملتان کھیوہ خان نے اپنی بیٹی بی بی بائی آپ کے نکاح میں دے دی۔ بے پناہ مخلوق آپ کے حلقۂ ارادت میں آگئی، آپ کے خالہ زاد بھائی آپ سے حسد کرنے لگے۔ آپ اپنے بھائی سید عبدالغنی اور اپنی بیوی کے ساتھ شاہ کوٹ سے نکل آئے اور ایک پہاڑی کے دامن میں جہاں آپ کا مزار ہے۔ قیام کیا۔ بایں ہمہ آپ کے رشتہ داروں نے خاندانی دشمنی کی بنا پر وہاں پہنچ کر آپکو آپ کی بیوی کو۔ آپ کے بیٹے سید سراج الدین المعروف بہ سید راج کو شہید کر دیا۔

خلاصۃ التواریخ کے مؤلف نے لکھا ہے۔ کہ آپ کی شہادت کے بعد ایک شخص قندھار

سے ملتان جا رہا تھا۔ آپ کے مزار کے نزدیک سے گزرا۔ اس کے اونٹ کا پاؤں پھسلا اور لنگڑا ہو گیا۔ مزار پر حاضر ہو کر دعا کی اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو صحت یاب کر دیا۔ اسی طرح تین بیمار شخص ایک نابینا۔ ایک جذامی اور ایک نامرد آپ کے مزار پر آئے تینوں شفایاب ہو گئے۔

آپ کی شہادت کا سانحہ ۵۷۷ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ اور آپ کا مزار مخلوق خدا کی زیارت گاہ ہے۔

سید سرور سخی احمد - بود سلطان عالم و والی
جُست سرور چو سال تاریخش - ہاتفش گفت سرور عالی

۵۷۷ھ ۵۷۷ھ

شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول قدس سرہٗ:

اسم گرامی یحییٰ بن حبش تھا۔ ریاضت اور عبادت میں کامل تھے۔

حاشیہ:- شیخ الاشراق حضرت شہاب الدین یحییٰ بن حبش بن امیرک ابوالفتح سہروردی قدس سرہٗ ۵۴۵ھ یا ۵۵۰ھ میں بمقام سہرورد متصل زنجان پیدا ہوئے۔ آپ نے مروجہ علوم وفنون میں دسترس حاصل کی۔ اور اسلامی علوم میں عالم متجر ہے۔ آپ علوم غریبہ اور حکمتِ اشراق میں ماہر مانے جاتے تھے۔ صاحب ریاضت، صاحب سلوک تھے۔ آپ نے مراغہ میں حضرت مجدالدین جیلی سے حکمتِ واصول کی تعلیم حاصل کی۔ اصفہان پہنچے۔ اس وقت کے استادِ علوم وحکمت ظہیرالدین قادری سے استفلوہ کیا۔ وہاں کے صوفیاء کی مجالس میں حصہ لیا۔ اور عالم اسلام کے صاحب نظر اہل تصوف سے ملاقاتیں کیں وہاں سے سیر وسیاحت دنیائے اسلام پر نکلے۔ مکاشفات پر عبور حاصل کیا۔ آفاق وانفس کے سیر کے بعد تیس سال کی عمر میں شام اور حلب میں پہنچے ان دنوں سلطان صلاح الدین ایوبی کے فرزند ارجمند ملک ظاہر حلب کے حکمران تھے۔ یہ شہزادہ آپ کا معتقد ہو گیا اپنے معاصر فلسفہ دانوں۔ دانشمندوں اور علماء دین سے مناظرے کئے۔ اور شکست فاش دی۔ اس فتح نے علماء وقت کو آپ کے خلاف کر دیا۔ آپ کے خلاف فتویٰ کفر صادر کیا گیا۔ آخر کار علماء وقت نے ایک محضر نامہ تیار کیا۔ جس پر آپ کے قتل کی مہریں ثبت کیں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی اس فتویٰ کی تصدیق کر دی۔ مگر آپ کے بیٹے نے اس فیصلہ پر عمل درآمد کرنے سے انکار کر دیا۔ تاہم آپ کو ۵۸۲ھ میں قتل کر دیا گیا۔

سیاح جہاں تھے۔ توحیدی کلمات برملا کہتے۔ حلب آئے تو علماء نے آپ کے قتل کا فیصلہ دے دیا۔ اور علماء کے فتویٰ سے آپ کو قتل کر دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں آپ کو قتل کر دیا گیا تھا۔ یا بھوک کی شدت سے انتقال کر گئے۔ آپ نے اس قسم کے عذاب کو اپنے لئے مباح بنا لیا تھا۔ حلب کے لوگ آپ کے مختلف الرّائے تھے۔ کچھ لوگ تو آپ کو بے دین اور زندیق کہتے۔ مگر کچھ لوگ آپ کو ولی اللہ اور صاحب کرامات مانتے تھے۔ مولانا عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب نفحات الانس میں فرماتے ہیں کہ علم ان کی عقل پر حاوی تھا۔ حالانکہ عقل کو علم پر غالب ہونا چاہیے۔

آپ کی وفات ۵۸۱ھ میں ہوئی۔ بعضوں نے ۵۸۸ھ لکھی ہے نفحات الانس میں ۵۸۷ھ تحریر ہے۔ ہمارے نزدیک یہی قول صحیح ہے صاحب مخبر الواصلین نے آپ کا سن وفات ۵۸۶ھ لکھا ہے۔

رہبر عالم شہاب الدین شہید ۔ رفت چوں زیں دہر در باغ جناں
سال وصلش آں شہ والا صفات ۔ عمدۂ دنیا شہاب الدین بخواں
۵۸۷ھ

شیخ الاشراق اپنے علم و فکر کی بدولت تھوڑی عمر میں ہی شہرۂ آفاق ہوئے صبر تحمل اور ریاضت میں مشغول رہتے تصنیف و تالیف میں مصروف ہوئے۔ مطارحات۔ تلویحات۔ لمحات۔ حکمۃ الاشراق۔ الواح العمادیہ۔ الہیاکل النوریہ المقامات بستان القلوب۔ البارقات الہیہ۔ لوامع الانوار۔ اعتقاد الحکماء۔ رسالۃ العشق۔ رسالہ فی حالۃ الطفولیہ۔ رسالہ عقل سرخ روزے باجماعات صوفیہ۔ آواز پر جبرئیل۔ پرتو نامہ۔ یزداں شناخت صفیر سی مرغ۔ لغت موراں۔ رسالۃ الطیر۔ دعوات الکواکب۔ الواح الفارسیہ۔ الہیاکل الفارسیہ لوامعات الہیہ طوارق الالہیہ اور النفحات اسماویہ کے علاوہ بہت سے رسالے لکھے

آپ نے فلسفۂ مشائین پر کتاب حکمۃ الاشراق لکھی تو آپ کا لقب شیخ الاشراق پڑ گیا۔ دراصل شیخ ان حکماء میں سے ہیں جنھوں نے فکر ایران کو اپنایا۔ فلسفہ یونانی اور فلسفہ عرب کو ہدف تنقید بنایا۔ قطب الدین شیرازی قدس سرہٗ نے آپ کی کتاب حکمۃ الاشراق کی شرح لکھتے ہوئے ایک گراں قدر مقدمہ لکھا ہے جس میں آپ کے نظریات اعتقادیات اور عقائد پر بحث کی ہے اور ان نظریات کے منابع پر روشنی ڈالی ہے (ماخوذ مقدمہ کتاب حکمۃ الاشراق ترجمہ و شرح ڈاکٹر سید جعفر سجادی۔ تہران۔ مطبوعہ دانشگاہ تہران۔ ایران)

مقتدائے ایزدی	ہادی متقی زاہد	ہادی اقدس شہاب الدین	سالک یزداں
۵۸۷ھ	۵۸۷ھ	۵۸۸ھ	۵۸۶ھ

شہاب الدین مقتول
۵۸۱ھ

شیخ عبدالرحیم مغربی قدس سرہٗ: کنیت ابو محمد تھی اور سرزمین مغرب کے رہنے والے تھے۔ مصر کے سربرآوردہ مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ کرامات عالیہ اور مقامات بلند کے مالک تھے ایک دن آپ وضو فرما رہے تھے۔ ایک شخص مسلوب الحالت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تھوڑا سا پانی مانگا۔ حضرت نے وضو کا باقی ماندہ پانی اسے عطا کیا۔ ایک گھونٹ پیتے ہی سلب شدہ حالت بحال ہوگئی۔

آپ کی وفات ۵۹۲ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار موضع قنی جو مصر کے قریب ہے، واقع ہے۔

جناب مغربی پیر جہانگیر ۔ ز دنیا شد چو در فردوس اعلیٰ
یکے لاثانی آمد سال وصلش ۔ دگر عبدالرحیم عابد معلیٰ

۵۹۲ھ ۵۹۲ھ

شیخ نظام الدین گنجوی قدس سرہٗ: آپ مشہور شاعر۔ اجل صوفی۔ اور عظیم عالم دین تھے۔ گنجہ شہر میں رہائش پذیر رہے۔ آپ ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر عالم دین تھے زہد و تقویٰ ورع و فقہ میں بے مثال تھے۔ رضی زنجانی سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ عمر گراں یہ قناعت اور عزلت میں گزار دی۔ اہل دنیا سے ہمیشہ دور رہے۔ سلاطین کی صحبت سے پرہیز کیا۔ بڑے بڑے شہنشاہوں کی دلی تمنا ہوتی کہ آپ کی تصانیف میں ان کا نام آئے۔ تاکہ وہ بھی یادگار صفحہ ہستی بن سکیں۔ آپ کی پانچ کتابیں یادگار زمانہ ہیں۔ اور ان کا نام پنج گنج ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ پنج گنج لطافت و بلاغت کا مرقع ہے اور حقائق و معرفت کا خزینہ ہے۔ آپ کی آخرین کتاب سکندر نامہ ہے۔ یہ کتاب ۵۹۲ھ میں مکمل ہوئی تھی۔ اور فارسی ادب و تاریخ میں بہترین کتاب مانی جاتی ہے۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے۔ کہ جب خواجہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی کتاب مخزن الاسرار کے جواب میں مطلع الانوار لکھی۔ اور اس میں زوردار فخریہ شعر لکھا۔

"دبدبۂ خسرویم شد بلند - زلزلہ در گور نظامی فگند"

(میری بادشاہی کا دبدبہ بلند ہوا تو نظامی گنجوی کی قبر میں زلزلہ بپا ہو گیا۔)

استرہ ہرچند دمے تیز داشت - موسترد مونتو اند شگافت

(استرہ خواہ کتنا ہی تیز ہو۔ وہ بال مونڈھ تو سکتا ہے۔ بالوں کو چیر نہیں سکتا)

اس فخریہ انداز سے حضرت نظامی کے روح کی غیرت بیدار ہوئی۔ ایک برہنہ تلوار ہوا میں لہرائی۔ امیر خسرو کانپ گئے ڈر کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی پناہ میں پہنچے۔ حضرت نے دستگیری فرماتے ہوئے۔ اپنی آستین آگے بڑھا دی۔ نظامی گنجوی کی تلوار اس آستین کو کاٹتی ہوئی چلی گئی۔

حضرت شیخ نظامی گنجوی قدس سرہٗ نے بارگاہِ خداوندی میں بڑی محبوبیت سے شعر کہے ہیں

گناہِ من ا نامدے در شمار - ترا نام کے بودے آمرزگار

(میرے گناہ اگر نہ گنے جا سکتے۔ تو تیرا نام بخشنہار کیسے ہوتا)

تو نیکی کنی من نہ بد کردہ ام - کہ بدرا حوالت بخود کردہ ام

(تو ہمیشہ اچھا کام کرتا ہے۔ بلکہ میں نے بھی برائی نہیں کی کیونکہ میں نے تو تمام برائیوں کو اپنی طرف منسوب کر لیا ہے)

حضرت نظامی گنجوی اپنی تجریدی زندگی کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

چوں بعہد جوانی از بر تو - بدرکس نرفتم از درِ تو

ہمہ را بر درم فرستادی - من نمیخواہم و تو میدادی

چونکہ بر درِ گہر تو گشتم پیر - زانکہ ترسیدنی است دستم گیر۔

حضرت شیخ گنجوی کی وفات ۵۹۶ھ میں ہوئی۔ مزار پر انوار گنجہ میں ہے۔

آں نظام الدّین نظام دو جہاں ۔ شد چو در جنت ازیں فانی سرا

گنج عرفاں گنجوی پاک باز ۔ ہست سال رحلتش آں مقتدا

۵۹۶

شیخ عبداللہ قریشی ہاشمی ہنکاری قدس سرہٗ:- محمد ابراہیم نام تھا۔ صاحب کشف و کرامات تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں یگانہ روزگار تھے۔ اپنے وقت کے صاحبِ تصوف بزرگ تھے۔ آپ کی وفات ۵۹۹ھ میں ہوئی۔

شیخ عبد اللہ پیر رہنما ۔ مصدرِ عز و جلال ہاشمی

رفت زیں دنیا چو در خلد بریں ۔ در نقاب آمد جمال ہاشمی

ہاشمی ہادی اکبر شد عیاں ۔ رحلتش ہم پیر آلِ ہاشمی

۵۹۹ھ ۵۹۹ھ

سید حسن زنجانی قدس سرہٗ:- آپ لاہور کے قدیم علماء صوفیاء میں سے تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں جامع تھے۔ صاحب سیاحت، کرامت اور خوارق تھے۔ آپ کو خاندانِ عالیہ جنیدیہ سے خلافت ملی تھی۔ آپ حضرت یعقوب زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ زنجان سے لاہور آئے تھے۔ بے پناہ لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں جمع ہوئے آپ کی وفات ۶۰۰ھ میں ہوئی [۱]

---

[۱]:- سابقہ صفحات میں فاضل مؤلف نے حضرت مخدوم سید علی الہجویری لاہوری قدس سرہٗ کے حالات میں فوائد الفواد کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں لکھا ہے کہ جس دن حضرت داتا گنج بخش ہجویری وارد لاہور ہوئے۔ حضرت حسن زنجانی کا جنازہ دروازے سے باہر آرہا تھا۔ اور حضرت سید علی ہجویری نے آپ کو خود دفنایا تھا۔ پھر ساتھ ہی یہ لکھا ہے، کہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کئی سال لاہور میں قیام کرنے کے بعد ۴۶۴ھ میں فوت ہوئے۔ دوسری طرف حضرت شیخ حسن زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۶۰۰ھ لکھا جارہا ہے، یہ روایت کہاں تک درست ہے؟ آیا یہ وہی بزرگ تھے، جو داتا گنج بخش کی آمد کے دن جنازہ بر دوش نظر آئے (ترجم)

یشخ دین میر زبدۂ آفاق - پیسر واقف حسین زنجانی
جستم از دل چو سال ترحیلش - گفت عارف حسین زنجانی

سید احمد توختہ ترمذی ثُم لاہوری قدس سرہٗ:- آپ قدماءِ مشائخ عظام اور سادات کرام لاہور میں سے تھے اوّل عمر میں ترمذ میں رہے۔ پھر اشارۂ غیبی سے وطن مالوف سے عازم ہندوستان ہوئے۔ دورانِ سفر آپ اپنے ساتھ اپنی دو بیٹیاں جن کے نام بی بی حاج اور بی بی تاج تھے۔ ہندوستان لائے۔ آپ براہ کیچ مکران پہنچے۔ بڑی بیٹی بی بی حاج شاہزادہ بہاء الدین محمد ولد سلطان قطب الدین محمد شاہ والی کیچ مکران کے نکاح میں دی۔ یہ شاہزادہ حضرت شیخ ابوالحسن ہنکاری قریشی کی اولاد میں سے تھے آگے بڑھے۔ لاہور آئے۔ اور لاہور کے محلہ چہل بی بی میں سکونت اختیار کی اور ہزاروں طالبان حق کی راہنمائی فرماتے رہے۔ کثیر خلق کو راہ ہدایت پر لائے اور فیضانِ روحانیت سے مالا مال کیا۔ آپ کے لاہور کے قیام کے دوران آپ کے برادر زادہ سید شاہ زید بھی لاہور پہنچے۔ دوسری لڑکی تاج بی بی اس برادر زادے سے بیاہ دی۔ اور انہیں ہندوستان کے وسطی علاقہ کی طرف جانے کا حکم دیا۔ شہزادہ سید شاہ زید بمقام سوانہ برہمن پہنچے تو شہید ہوتے۔ آپ کا کفار سے مقابلہ ہوا تو تین میل تک سر کے بغیر ہی تیغ زنی کرتے رہے۔

راقم (مفتی غلام سرور لاہوری) نے حضرت کے حالات تذکرہ قلندری سے نقل کئے ہیں تذکرہ قلندری کے مؤلف لکھتے ہیں۔ کہ سید احمد توختہ سادات حسینی میں سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے جا ملتا ہے۔ سید احمد ترمذی۔ بن سید علی ترمذی بن حسین ثانی بن سید حسین محمد مدنی بن سید شاہ ناصر مدنی بن سید موسیٰ بن سید علی بن امام علی اصغر بن امام زین العابدین بن سید امیر المومنین سید الشہداء شہید کربلا سید کونین امام حسین بن علی اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ

آپ کو لقب توختہ یوں ملا تھا کہ رات حضرت پیر روشن ضمیر حجرے کے اندر سے آپ کو

آواز دی۔ آپ دوڑے دوڑے آ گئے۔ مگر حجرے کا دروازہ بند پاکر دروازے پر کھڑے رہے اور ازرہِ ادب اپنی حاضری کی اطلاع نہ دی۔ ساری رات دہلیز پہ کھڑے کھڑے گزار دی۔ علی الصباح شیخ نے حجرے کا دروازہ کھولا۔ سید احمد کو دہلیز پہ کھڑے پایا۔ اور دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ اور توختہ کے لقب سے نوازا۔ توختہ ترکی زبان میں کھڑے ہونے والے کو کہتے ہیں جو شخص ہر وقت حاضر باش ہو اسے "توختہ" کہا جاتا ہے۔

سید احمد توختہ ۶۵۲ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار پر انوار لاہور کے محلہ چہل بی بی (اندرون موچی دروازہ)، ان دنوں طویلہ غلام محی الدین قریشی میں واقعہ ہے۔ سابقہ مورخین نے آپ کا مادۂ تاریخ "مرشد پنجاب" سے نکالا ہے۔

رفت در جنت چو زیں دار فنا ۔ سید احمد شہ بنا و پیر
پیر ہادی میرہ عالی جاہ گفت ۔ عقل سال انتقال آں امیر
ماہتاب اہل دین احمد نجواں ۔ ہم بگو سید ولی میر کبیر

۶۰۲ھ ۶۰۲ھ

سید یعقوب صدر دیوان زنجانی لاہوری قدس سرہ: آپ اولیائے کبار لاہور میں شمار ہوتے تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں جامع تھے۔ شریعت و نجابت میں یکتا تھے۔ سلسلہ عالیہ جنیدیہ سے تعلق رکھتے تھے صاحب حال و قال بزرگ تھے۔ آپ کے والد محترم سید علی صحیح النسب حسینی سادات میں سے تھے آپ کا سلسلہ نسب سولہ واسطوں سے حضرت امام موسیٰ کاظم سے جا ملتا ہے۔ آپ ایمائے غیبی سے ۵۰۵ھ میں ترکستان سے برصغیر میں وارد ہوئے۔ لاہور میں سکونت اختیار کی۔ آپ کی شیخیت کا شہرہ چار دانگ عالم میں گونجنے لگا۔ صاحب کرامت و خوارق ہونے کی وجہ سے لوگوں میں متعارف ہوئے لاہور کے علماء اور شرفاء نے آپ کے مقام مشیخیت کو تسلیم کیا تھا۔

آپ کے زمانے میں معز اللہ لہ بہرام شاہ بادشاہ بن مسعود شاہ بن ابراہیم شاہ غزنوی

ہندوستان کا بادشاہ تھا پنجاب میں غزنوی سلطنت کا گورنر طغرل نامی تھا۔ وہ آپ کا بڑا معتقد تھا۔ گورنر کی وجہ سے بے پناہ مخلوق خدا بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں آگئی۔ اور لاہور سے نکل کر آپ کی شہرت پورے پنجاب میں پھیلنے لگی۔ آپ سے کرامات اور خوارق ظاہر ہوئیں جن دنوں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری چشتی رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے اور حضرت داتا گنج بخش کے مزار پُر انوار پر معتکف ہوئے۔ تو حضرت صدر دیوان لاہور میں موجود تھے۔ یہ دونوں بزرگان دین بڑی محبت سے اکٹھے رہتے تھے اور حضرت صدر دیوان کو حضرت اجمیری سے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ حضرت صدر دیوان کے مزار کے قریب ہی آج تک حضرت خواجہ اجمیری کی نشست گاہ آج تک عوام کی زیارت گاہ ہے۔

معتبر اور صحیح اقوال سے آپ کا سن وفات ۱۶ ماہ رجب ۶۰۴ھ ہے۔

چو زنجانی ازین دنیا سفر کرد ۔ محب ایزدی گردید محبوب
شہ مقبول زنجانی رقم شد ۔ بسالِ رحلتش آں شاہ مطلوب
۶۰۴ھ
بگو مسعود مہدی صدر دیوان ۔ دگر فرما مقدس پیر یعقوب
۶۰۴ھ ۶۰۴ھ

شیخ روزبہان صفیر بقلی الشیرازی قدس سرہٗ:

آپ کا اسم گرامی ابو محمد بن ابی البقراء البقلی الشیرازی تھا آپ سلطان الفقراء۔ برہان العلماء اور قدوۃ العشاق کے خطابات سے مشہور تھے آپ عراق، شام حجاز کے سفر کئے، شیخ ابو النجیب سہروردی کے سکندریہ کے دار العلوم میں بخاری شریف کے درس میں ہم سبق تھے۔ آپ کو شیخ سراج الدین محمود بن خلیفہ بن عبد السلام بن احمد بن سال سے خرقۂ خلافت ملا، شیراز کے اطراف میں ریاضت کرتے رہے آپ ان ریاضات کے دوران صاحب شوق و وجد و سماع ہوئے۔ آپ بہت سی تصانیف کے مالک ہیں تفسیر عرائس البیان آپ کی معروف اور مشہور تفسیر ہے۔ شرح شطحیات ابن عربی۔ کتاب الانوار فی شرح الاسرار بھی دنیائے تصوف میں

معروف کتابیں آپ کی تصنیف ہیں۔ آپ نے شیراز کے جامع عتیق میں پچاس سال درس و وعظ کیا
حضرت شیخ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت بقلی نے مشائخ کو دعوت دی میں بھی اس
دعوت میں شریک تھا۔ میں آپ سے متعارف نہیں تھا۔ مگر میرے دل میں یہ بات تھی۔ کہ میں
بہان بقلی سے علم و فضل میں بلند تر ہوں۔ میرے پاس ہی ایک روشن ضمیر بزرگ تشریف فرما تھے
وہ میرے قلبی خیالات کو تاڑ گئے۔ اور فرمانے لگے۔ ابوالحسن، یہ خیال دل سے نکال دو۔ اس
زمانے میں بہان بقلی سے زیادہ عالم اور صاحب حال کوئی بھی نہیں ہے۔ آپ تو یگانۂ زمانہ ہیں
شیخ ابوبکر طاہر حضرت شیخ بہان بقلی کے احباب میں سے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں اور
روزبہان ہر سحری کو باری باری قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔ آپ کا انتقال ہوا تو میرے لئے دنیا
تنگ ہو گئی۔ میں رات کے آخرین حصہ میں اٹھا۔ نماز پڑھی۔ اور حضرت روزبہان بقلی کے مزار پر
چلا گیا۔ قبر کے پاس بیٹھ کر میں نے قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا۔ میں اپنے اس دوست کے فراق
میں تلاوت قرآن کے دوران رونے لگا۔ میرے دل میں بار بار خیال آتا۔ کہ آج میں اس بھری دنیا
میں تنہا رہ گیا ہوں میں نے دس سپارے پڑھے ہی تھے۔ قبر سے قرآن پڑھنے کی آواز آنے لگی۔
آپ نے حسبِ معمول دس پارے پڑھے اور میں سنتا گیا۔ صبح ہوئی تو دوسرے احباب بھی
آنے شروع ہوئے تو قبر سے یہ آواز خاموش ہو گئی۔

آپ کی وفات ۶۰۶ھ میں ماہ محرم الحرام میں ہوئی۔

جناب روزبہان الشیخ ذیجاہ - کہ بُد راغب بحق مرغوب شیراز
نوشتم پیر ہادی عارف پاک - بسال وصل آن مطلوب شیراز

۶۰۶ھ   ۶۰۶ھ

آپ بطائح کے اعاظم مشائخ میں سے تھے۔
شیخ ابواسحاق اغرب قدس سرہٗ: صاحب کرامات و خوارق تھے۔ جامع علوم
دینی و دنیاوی تھے۔ شریعت و طریقت میں یگانۂ روزگار تھے۔ شافعی فقہ پہ پابند تھے۔ ہمیشہ

استغراق میں مراقبہ فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ آپ نے تیس سال تک آسمان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا ایک دن جنگل میں سے گزرتے ہوئے ایک شیر کا سامنا ہوگیا۔ شیر آپ پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا کہ آپ نے فرمایا میں سید عبدالقادر جیلانی کا غلام ہوں شیر نے فوراً آپ کے پاؤں میں سر رکھ دیا آپ کا سن وفات ۶۰۹ھ ہے۔

رفت چوں زیں جہاں بہ خُلد بریں ۔ شاہ روشن ضمیر بو اسحاق

مہدی متقی عیاں گردند ۔ سالِ ترحیل میر بو اسحاق

۶۰۹ھ

آپ مشہد شریف کے سادات کرام میں

سیّد میر حسین خنگ سوار قدس سرہٗ:۔ سے تھے۔ نسبت ارادت اپنے آباد و اجداد سے تھی۔ اپنے حالِ کرامت کو چھپانے کے لئے آپ دنیا داروں سے ملتے جلتے اور اپنے آپ کو ظاہر نہ ہونے دیتے۔ سلطان معزالدین سام کے ساتھ ہندوستان پر حملہ آوروں کے ساتھ آئے۔ سلطان معزالدین نے ہندوستان کو فتح کرلیا۔ اور قطب الدین ایبک کو دہلی کا گورنر مقرر کرکے خود واپس ایران چلا گیا۔ میر حسین خنگ سوار بھی قطب الدین ایبک کے ساتھ رہے۔ قطب الدین ایبک نے آپ کو اجمیر شریف پر گورنر مقرر کردیا۔ ان دنوں اجمیر میں راجہ پتھورا حکمرانی کرتا تھا۔ میر حسین اجمیر میں پہنچے۔ تو آپ کو حضرت خواجہ معین الدین سجزی سے بڑی عقیدت ہوگئی۔ اور بڑی خوش اعتقادی سے آپ کی صحبت اختیار کرنے لگے۔ میر حسین کی ملاقاتوں اور حسنِ عقیدت کو دیکھ کر بے پناہ لوگ حضرت خواجہ اجمیری کے ہاتھ پر بیعت ہونے لگے، مگر اس علاقہ کے متعصب ہندؤں کو آپ سے عداوت ہوگئی۔ وہ اس وقت کے منتظر تھے کہ میر حسین کو شہید کردیں۔ سلطان قطب الدین ایبک کی وفات کی خبر اجمیر پہنچی تو اس دن حضرت میر حسین اپنے لشکر کے ساتھ نواحی اجمیر میں قیام پذیر تھے اور چند سپاہیوں کے ساتھ قلعہ ہیلی میں مقیم تھے۔ رات کے وقت ہندو دشمنوں نے چاروں طرف سے زوردار حملہ کردیا۔ حضرت میر حسین اپنے چند ساتھیوں سمیت لڑتے ہوئے شہید ہوگئے صبح کے وقت حضرت خواجہ بزرگ معین الدین اجمیری اپنے مریدوں کے ساتھ شہداء کی لاشوں پر

پر آئے۔ نماز جنازہ ادا کی۔ میر حسین کو دوسرے شہداء کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر دفن کر دیا صاحب معارج الولایت نے آپ کا سن شہادت ۶۱۰ھ لکھا ہے۔

چوں حسین از عالم دنیائے دوں - رفت در خلد برین با زیب و زین
گفت سرور سال ترحیلش خرد - میر والی سید والی حسین

قطب الاولیاء نامی شہید سے بھی سن شہادت ۶۱۰ھ نکلتا ہے۔

شیخ عزیز الدین مکی ثم الاہوری قدس سرہٗ: آپ سادات کرام اور علماء ذی شان سے تھے۔ اہل شریعت اور طریقت تھے تحفۃ الواصلین میں لکھا ہے کہ آپ اصل میں بغداد کے رہنے والے تھے چند واسطوں سے سلسلہ طریقت حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ سے ملتا ہے۔ آپ بغداد سے مکہ مکرمہ گئے۔ بارہ سال تک وہاں رہے بیت اللہ کی مجاورت اختیار کی۔ اعتکاف میں رہے۔ اس طرح آپ کو پیر مکی کا خطاب ملا۔ اشارہ ربانی سے آپ مکہ مکرمہ سے عازم لاہور آئے ۵۷۴ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے لاہور کا محاصرہ کیا۔ غزنوی گورنر خسرو ملک بن ظہیر الدولہ اس محاصرے سے بڑا تنگ ہوا حضرت عزیز مکی ان دنوں لاہور میں تھے۔ آپ سے دعا کی استدعا کی۔ اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دعا کی۔ اور فرمایا جاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ نے مزید چھ سال اپنے امان و حفاظت میں لے لیا ہے اور کوئی حملہ آور تمہیں تنگ نہیں کرے گا چھ سال بعد یہ سلطنت غوری خاندان کے سپرد کر دی جائے گی۔ چنانچہ شہاب الدین غوری اپنا مقصد حاصل کیے بغیر واپس چلا گیا۔ پھر ۵۸۰ھ میں سیالکوٹ کو فتح کرنے کے بعد لاہور پر دوبارہ حملہ آور ہوا۔ سیالکوٹ کا قلعہ تعمیر کیا۔ اسے اپنی چھاؤنی بنایا۔ لاہور کا محاصرہ کیا۔ اسے فتح کر لیا۔

حضرت پیر مکی چھتیس سال تک لاہور میں قیام فرما رہے۔ تدریس علوم دینیہ میں مصروف رہے خدام کو تلقین کرتے رہے۔ مخلوق خدا کو دولت روحانیت سے مالا مال کیا۔ اور ۶۱۲ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار لاہور میں (راوی روڈ) پر واقع ہے۔

زدنیا چو شد در بہشت معلیٰ ۔ شہِ دین و شیخ زمن پیر نکی
وصالش بگو آفتاب حسین ۔ بخواں نیز پیر حسن پیر نکی
۶۱۲ھ ۶۱۲ھ

شیخ ابوالحسن گردویہ قدس سرہٗ: اسم گرامی علی بن حمید السعیدی تھا۔ ابن صباغ کے نام پر مشہور تھے۔ آپ سے بے شمار خوارق اور لاتعداد کرامات ظاہر ہوئیں۔ آپ کے والد رنگریزی کرتے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا بھی ان کے کام میں شریک ہو۔ لیکن بیٹے کو اس کام میں دلچسپی نہیں تھی۔ وہ عام طور پر صوفیہ کی خدمت میں رہتا۔ علماء کی مجالس میں بیٹھتا اور پھر اولیاء اللہ کی تلاش میں نکل جایا کرتا تھا اور لوگوں کے کپڑے رنگنے سے خالی پڑے رہتے تھے۔ صوفیہ کی صحبت سے جو وقت بچتا اُسے عبادت خداوندی میں صرف کر دیتا۔ ایک دن باپ دکان پر آیا۔ شیخ ابوالحسن دکان میں نوافل ادا کرنے میں مشغول تھے۔ اور کپڑوں کا ڈیر لگا ہوا تھا۔ باپ اس صورت حال کو دیکھ کر بہت ناراض ہوا۔ بیٹے نے باپ کو غضب ناک دیکھا۔ تو سارے کپڑے اکٹھے کیئے اور تغار میں پھینک دیئے۔ یہ دیکھ کر باپ کو اور غصہ آیا۔ اور کہنے لگا تم نے لوگوں کے کپڑوں کو تباہ کر دیا ہے۔ تمام کے تمام ایک رنگ میں ڈبو دیئے ہیں بیٹے نے تغار میں ہاتھ ڈالا۔ کپڑے باہر نکالے۔ باپ حیران رہ گیا۔ کہ ہر ایک کپڑا اسی رنگ میں رنگین تھا۔ جس کی خواہش کپڑے کے مالک نے کی تھی۔ باپ نے بیٹے کی یہ کرامت دیکھ کر آئندہ کے لئے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

آپ ۱۱ ماہ شعبان المعظم ۶۱۲ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار مصر کے ایک گاؤں میں ہے۔

چو شد از جہاں شیخ دین ابوالحسن ۔ بتاریخ آں مُرشد مقتدا
یکے مرشد ابوالحسن کن رقم ۔ دگر بوالحسن رہبر اولیاء
۶۱۲ھ ۶۱۲ھ

شیخ مجدالدین بغدادی قدس سرہٗ: کنیت ابوسعید۔ ابو شریف تھی۔ نام نامی شرف الدین ابن المویدبن ابوالفتح تھا۔ بغداد کے رہنے والے

تھے۔آپ حضرت نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ اور جلیس خاص تھے۔آپ پر حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی نظرِ خاص تھی۔آپ بغداد سے خوارزم اس وجہ سے آئے۔کہ بادشاہ خوارزم نے خلیفہ بغداد سے التماس کی کہ بغداد سے کوئی ایسا طبیب حاذق بھیجا جائے جسے اپنا ذاتی معالج رکھیں۔خلیفہ بغداد نے شیخ مجددالدین کو اس لئے شاہ خوارزم کے پاس ایک طبیب کی حیثیت سے بھیج دیا آپ کے والد اور والدہ بھی طبیب کامل تھے۔آپ خوارزم میں آگئے۔مگر طب کی بجائے حضرت نجم الدین کبریٰ کی مجالس میں حاضری دینا شروع کر دی۔اور ان کی زیر تربیت رہ کر خاصان خدا میں شمار ہونے لگے۔

آپ ظاہری حسن کے لحاظ سے خوبصورت جوان رعنا تھے۔پہلے نجم الدین کبریٰ کے وضو کرانے کی خدمت میں رہے ایک دن عالم سُکر میں کہنے لگے۔میں تو بطخ کا انڈا تھا۔اور دریا کے کنارے بیکار پڑا ہوا تھا۔حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ نے مجھے اپنے پروں کے نیچے رکھ کر تربیت دی۔میں انڈے سے نکلا۔بطخ بنا تو دریا میں تیرنے لگا۔حضرت شیخ کنارے پر بیٹھے مجھے دیکھا کرتے۔حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ نے سنا تو فرمایا۔مجددالدین اب دریا میں چلے گئے ہیں۔اسی دریائے معرفت میں غرق ہوں گے۔لوگوں نے یہ ارشاد مجددالدین تک پہنچایا۔تو آپ ڈر گئے۔حضرت سعدالدین حموی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے۔اور التماس کی۔کہ جب شیخ نجم الدین کبریٰ اچھے مزاج میں ہوں۔مجھے اطلاع دینا میں معافی طلب کر لوں۔شاید مجھے اس دریا سے سلامتی کا کنارہ مل جائے

ایک دن حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ بڑے خوش وقت تشریف فرما تھے۔سعدالدین نے مجددالدین کو خبر کر دی۔مجددالدین دھکتے ہوئے انگاروں کا ایک طشت اٹھائے۔شیخ کے دربار میں حاضر ہوئے۔اور جوتوں کی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔حضرت نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔تو فرمایا۔ مجددالدین تم نیازمندانہ آئے ہو۔انشاء اللہ سلامتی پاؤ گے لیکن آخر کار دریا میں موت ہوگی تم اولیاء اللہ کے سردار ہو گے۔ایک وقت آئے گا۔خوارزم کے تمام روساء اور امراء کے سر تمہارے سامنے سرنگوں ہوں گے اور پھر اس خطۂ زمین میں بڑی تباہی و بربادی آئے گی۔

خوارزم شاہ کی والدہ حسن و جمال میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔وہ اکثر و بیشتر حضرت

مجد الدین کی مجلس وعظ میں آیا کرتی تھی۔ اور آپ کے وعظ سے لطف اندوز ہوتی۔ کبھی ایسا اتفاق بھی ہوتا۔ کہ رات کے وقت شیخ کی زیارت کو چلی آتی۔ ایک رات شاہ خوارزم شراب کے نشے میں دھت تھا۔ حضرت شیخ مجد الدین کے مخالفین نے موقع غنیمت جانتے ہوئے۔ اسے کہا کہ آپ کی والدہ نے خفیہ طور پر مجد الدین سے نکاح کر لیا ہے۔ اور اس وقت دونوں باہمی اختلاط کر رہے ہیں سلطان خوارزم نے حکم دیا۔ کہ دن نکلنے سے پہلے پہلے مجد الدین کو دریا بُرد کر دیا جائے۔ یہ خبر شیخ نجم الدین کبریٰ کو ملی تو آپ کو بے حد ملال ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون میرے بیٹے مجد الدین کو دریا میں پھینکا گیا ہے اور اسے مار دیا گیا ہے۔ سر سجدہ میں رکھا۔ دعا کی اے اللہ! اس جلد باز ناعاقبت اندیش بادشاہ سے تخت سلطنت خالی کرا دے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمالی۔ ادھر سلطانِ خوارزم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ تو سخت نادم ہوا۔ پیادہ پا حضرت نجم الدین کی خدمت میں آیا۔ سونے کا ایک طشت اٹھائے دو تلواریں لٹکائے سر پر کفن باندھے مجلس میں پہنچا۔ اور سر ننگا کر کے جوتوں کی جگہ کھڑا ہو گیا اور سر جھکا کر کہنے لگا۔ "اگر دیت کا حکم ہو تو یہ سونا حاضر ہے۔ اگر قصاص کا حکم ہو تو تلوار اور کفن حاضر ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ "کَانَ ذَالِکَ فِی الْکِتَابِ مَسْطُوراً" "یہ بات تو کاتب تقدیر نے لکھ دی ہے، مجد دین کی دیت تو اب تیری ساری سلطنت ہی ہے یہ سلطنت تم سے چھن جائے گی۔ تیرا سر قلم کر دیا جائے گا۔ ہزاروں بے گناہوں کا قتل عام ہو گا۔ اس دار و گیر میں ہم خود بھی جان کی قربانی دیں گے۔ بادشاہ ناامید ہو کر واپس چلا گیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد چنگیز خان کی فوجیں سلطنت خوارزم کو تہس نہس کرتی آگے بڑھیں۔ سلطان خوارزم قتل کیا گیا۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ بھی اسی معرکے میں شہید ہوئے۔ حضرت شیخ مجد الدین کی شہادت ۶۱۶ھ میں ہوئی بعض تذکرہ نگاروں نے سال شہادت ۶۰۶ھ بھی لکھا ہے۔

مقتدائے اہل حق شیخ زمن - شیخ مجد الدین شریف دوجہاں
رفت از دنیا چو در خلد بریں - رحلتش زاہد شریف آمد عیاں
۶۱۶ھ

شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ:

کنیت ابوالجناب اور لقب کبریٰ تھا اسم مبارک احمد بن الخیوتی اور خطاب نجم الدین کبریٰ کا لقب ملنے کا واقعہ یوں ہوا کہ طالب علمی کے زمانہ میں جس سے مناظرہ کرتے مدِمقابل پر غالب آتے اس وجہ سے طامتہ الکبریٰ کے خطاب سے مشہور ہو گئے۔ لفظ طامتہ تو کثرتِ استعمال سے حذف ہو گیا۔ حضرت شیخ آپ کو ولی تراش کے لقب سے بھی پکارتے تھے۔ آپ عالم وجد میں جس کسی پر نگاہ ڈالتے اسے مرتبہ ولایت تک پہنچا دیتے۔ ایک دن ایک سوداگر آپ کی خانقاہ پر حاضر ہوا۔ آپ اس وقت خوش وقت تھے۔ ایک نگاہ کیمیا اثر ڈالی۔ تو سوداگر کو رتبہ ولائیت عطا فرما دیا۔ حضرت شیخ نجم الدین نے پوچھا کہ کس ملک کے رہنے والے ہو۔ اس نے بتایا کہ فلاں ملک سے آیا ہوں۔ آپ نے اسے اجازت نامہ لکھ کر دیا۔ اور اسے اس کے ملک کا قطب الارشاد مقرر کر دیا۔

ایک دن ایک جرّی باز ایک کمزور سی چڑیا کا پیچھا کر رہا تھا۔ حضرت نجم الدین کبریٰ کی ایک نگاہ چڑیا پر پڑی۔ چڑیا میں اتنی قوت پیدا ہو گئی کہ وہ پیچھے پلٹی۔ اور باز کو شکار کر کے نجم الدین کبریٰ کے سامنے قدموں میں لا پھینکا

ایک دن حضرت شیخ عالم وجد میں تھے۔ سامنے ایک کُتے کو آتے دیکھا نگاہ پڑی تو کتا بیخود ہو گیا۔ شہر چھوڑ کر گورستان کا رُخ کیا۔ اس دن کے بعد لوگوں نے دیکھا۔ کہ شہر بھر کے کتے اس کتے کے گرد حلقہ کر کے مؤدب بیٹھ جایا کرتے تھے اور سر زمین پر رکھے پڑے رہتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ مر گیا۔ تو حضرت نے از رہِ مہربانی حکم دیا۔ کہ اس کتے کو ایک قبر میں دفنایا جائے اور اس پر مزار بنا دیا جائے۔ مولانا روم نے اسی کُتے کی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

یک نظر فرما کہ مستغنی شوم زبنائے جنس ۔ سگ چو شد منظور نجم الدین سگاں را سرورست

حضرت نجم الدین کبریٰ فردِ زمانہ تھے۔ اور تصوف و طریقت میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ کی کرامات اور خوارق سارے عالم اسلام میں مشہور تھیں۔ آپ کی نسبت روحانی دو واسطوں سے تھی ایک تو شیخ عمار یاسر سے شیخ ابوالقاسم گرگانی تک اور دوسری شیخ اسماعیل قصری سے محمد مانکیل

تک۔ اُن سے محمد بن داود۔ ابو عباس ادریس۔ ابوالقاسم رمضان ابو یعقوب طبری۔ ابو عبداللہ بن عثمان۔ ابو یعقوب ہنرجوری۔ ابو یعقوب موسیٰ۔ عبدالواحد زید۔ کمیل بن زیاد۔ امیرالمومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔

شیخ نجم الدین کبریٰ حضرت شیخ روزبہان بقلی سے بھی فیض یاب ہوئے تھے۔ ابتدائی دور میں حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ۔ محی السنّہ کے شاگردوں کے ساتھ بیٹھے شرح السنّہ پڑھ رہے تھے۔ جب سبق اختتام کو پہنچا تو ایک درویش اندر آیا۔ حضرت شیخ نجم الدین درویش کو دیکھ کر بڑے متغیر الحال ہوئے۔ آپ کی زبان سُن ہوگئی۔ سبق پڑھنے سے رک گئے۔ مجال کلام اور طاقت گفتگو سلب ہوگئی۔ وہ درویش تو چلا گیا۔ مگر آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ تھے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ بابا فرخ تبریزی تھے۔ جو مجذوب اور محبوب الٰہی ہیں۔ وہ رات حضرت شیخ پر بڑی بے قراری سے گذری۔ دوسرے دن آپ اپنے استاد اور چند ہم سبق حضرات کو لے کر بابا فرخ تبریزی کی زیارت کو گئے مجلس میں بیٹھے ہی تھے کہ چند لمحوں بعد بابا فرخ کے جسم میں پھیلاؤ شروع ہو گیا۔ وہ آفتاب کی طرح ابھرنا شروع ہوئے۔ بدن کے کپڑے پھٹنے لگے۔ جب دوبارہ اصلی حالت پر آئے۔ تو اپنے کپڑے اتار کر شیخ نجم الدین کبریٰ کو دے دیئے۔ اور فرمایا۔ اب تم دفتر پڑھنے میں وقت ضائع نہ کرو بلکہ سَرِّ دفترِ عالم بنو۔ بابا فرخ کا لباس پہنتے ہی حضرت نجم الدین کبریٰ کی نگاہیں فرش سے عرش تک تمام چیزوں پر حاوی ہونے لگیں اور باطن میں اللہ کے سوا کچھ نہ رہا۔ دوسرے دن مدرسہ میں سبق پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے۔ کتاب پڑھنے لگے تو سامنے بابا فرخ کی شکل سامنے دکھائی دی۔ فرما رہے تھے۔ کل تم علم الیقین سے بھی گذر گئے۔ مگر آج پھر ظاہری علوم پر آ بیٹھے ہو۔ شیخ نجم الدین نے کتاب ایک طرف رکھی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ چند دنوں بعد آپ نے وہ کتاب لکھنا شروع کی جو زیرِ تصنیف تھی۔ بابا فرخ پھر سامنے نظر آئے۔ اور فرمانے لگے۔ شیطان نے پھر تمہیں دوسری طرف لگا دیا ہے خبردار اس کے بہکانے میں نہ آنا۔ حضرت شیخ نے قلم ایک طرف پھینکا۔ دوات کو ایک طرف رکھ دیا اور اللہ کے ساتھ لَو لگالی۔ اور دل کو اللہ کی ذات کے ساتھ وابستہ کر لیا۔

آپ ۱۰ رجمادی الاوّل ۶۱۸ھ میں چنگیزی لشکروں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے چنگیزی حملہ کے وقت حضرت شیخ کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ تھی۔ آپ نے اپنے احباب و اصحاب کو بلایا اور کہا اس طوفان کے آنے سے پہلے پہلے جو اصحاب اپنے اپنے وطن جانا چاہتے ہیں وہ جا سکتے ہیں مشرق سے اٹھی ہوئی آگ مغرب تک پھیلنے والی ہے۔ مجھے شہادت نصیب ہوتی ہے یہ وہ مصیبت ہے جس کا اب کوئی علاج نہیں۔ چنانچہ تمام احباب کو الوداع کیا۔ ہاتھ میں نیزہ اٹھایا۔ بغل میں پتھروں کا ایک تھیلا لیا۔ اور تاتاری کافروں کے لشکر کے مقابلہ میں نکلے اور شہادت پائی۔ شہادت کے وقت آپ کے ہاتھ میں ایک تاتاری کے بال آگئے تھے آپ نے انہیں اتنے زور سے پکڑا شہید ہو گئے مگر کوئی شخص بال نہ چھڑا سکا۔ حتیٰ کہ وہ بال کاٹنے پڑے۔

اگرچہ ہزاروں لوگ شیخ کی نگاہِ کیمیا اثر سے درجۂ کمال کو پہنچے۔ لیکن آپ کے بعض خلفاء دنیائے روحانیت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ حضرت مجد الدین بغدادی۔ سعدالدین حموی بابا کمال خجندی۔ شیخ رضی الدین۔ علی لالا۔ سیف الدین باخرزی۔ نجم الدین رازی —— کمال الدین گیلی۔ مولانا بہاء الدین والد مولانا جلال الدین رومی۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین خصوصی طور پر آپ سے مستفیض ہوئے تھے۔ تصوّف کا سلسلۂ عالیہ کبرویہ آپ سے ہی جاری ہوا تھا

شیخ کبریٰ جناب نجم الدین - پیرِ عالی مقام ولی والا
گفت سرور بسالِ ترحیلش - نجم دین پیر زاہد کبریٰ

۶۱۸ھ

منصور کبریٰ - ہادی و والی مقتدا - کبریٰ ولی حق کبیر - اسعد - اکبر

۶۱۸ھ — ۶۱۸ھ — ۶۱۸ھ — ۶۱۸ — ۶۱۸ھ

کنیت ابو محمد تھی۔ صاحب اسرار و معارف

شیخ یونس بن شیخ یوسف شافی قدس سرہٗ:۔ و کرامت بزرگ تھے۔ آپ نے حضرت سید عبد القادر غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مجالس سے بڑا فیض حاصل کیا۔ خرقۂ خلافت حضرت شیخ علی ہیتی سے پایا۔ شیخ علی ہیتی تاج العارفین ابو الفرماء کے خلیفہ۔ اور وہ شیخ ابو محمد شنبکی اور وہ شیخ ابو بکر بطانجی کے خلیفہ تھے۔ شیخ ابو بکر بطانجی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اویسی تھے حضرت بطانجی ان سے روحانی فیض حاصل کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو خواب میں خرقہ عالیہ عطاء فرمایا تھا۔ جو شیخ علی ہیتی تک پہنچا۔ اور پھر یہ خرقہ شیخ یونس کو عطا کیا گیا۔ آپ کے بعد یہ خرقہ عالیہ غائب ہوگیا وہ تصوف کے فرقہ یونسیہ کے بانی تھے۔

حضرت شیخ یونس ذیعقدہ ۶۱۹ھ میں فوت ہوتے تھے۔ آپ کا مزار پُر انوار رباط یعقوبی میں ہے۔

رفت چوں در جنت والا زین دار فنا ۔ یونس دین محمد مقتدائے دو جہاں
رحلتش یونس مقدس پیر عابد کن شمار ۔ نیز یونس ابن یوسف صوفی محمود داں
۶۱۹ ۶۱۹

کنیت ابو الحسن اسم مبارک علی تھا۔ صاحب اسرار ربانی

شیخ علی ادریس یعقوبی قدس سرہٗ:۔ اور واقف احوال و مقامات عالی تھے آپ اپنے زمانے میں قطب وقت تھے۔ بے پناہ مرید رکھتے تھے ۶۲۱ھ میں فوت ہوئے۔

شہ ہر دو جہاں اعلیٰ علی ادریس یعقوبی ۔ برتبہ از ہمہ بالا علی ادریس یعقوبی
ز عاشق طالب حق سال ترحیلش بجو سرور ۔ دگر تحریر کن والا علی ادریس یعقوبی
۶۲۱ھ

خصوصی مقالہ

چھٹی صدی ہجری

کے

صوفیہ کے افکار و احوال پر ایک نظر

مرتبہ :- اقبال احمد فاروقی مترجم خزینۃ الاصفیاء

یہ مقالہ کتاب کے متن سے علیحدہ پڑھا جائے

صاحب خزینۃ الاصفیا (حضرت مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہٗ) نے صوفیاء کرام کے تذکرہ کو ان کی کرامات اور خوارق کی روشنی میں ترتیب دیا ہے۔ ان کے سامنے ان بزرگانِ دین کے کمالات اور ذاتی اوصاف کو قارئین تک پہنچانا مقصود تھا۔ مگر ان بزرگان دین نے اجتماعی طور پر اسلامی معاشرہ کی دینی اور روحانی تربیت میں کیا حصہ لیا۔ عالم اسلام کے سیاسی نشیب و فراز پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوئے اور پھر ایران اور اس کے ملحقہ خطوں میں اعتقادی اور نظریاتی آویزشوں میں ان صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا۔ ان نفوس قدسیہ نے اسلام کی عظمت کو عام لوگوں کے دلوں میں دلنشین کرنے کے لئے کس ہمت مردانہ سے کام لیا۔ ان امور کا مختصر جائزہ قارئین کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

اسلامی فتوحات کا وہ زمانہ جس میں عرب فاتح حکمران قوت بن کے زندہ رہے تین صدیوں سے زیادہ نہیں۔ ایران کی سرزمین بغداد کے زیر اثر رہی۔ خلفاء عباسیہ کے احکامات تمام عالم اسلام پر نافذ رہے۔ مگر طاہریہ دورِ حکومت نے عباسی حکمرانوں کو پہلی بار اپنی حکمرانی سے ہاتھ روکنے پر مجبور کیا۔ یہ سلطنت اگرچہ مختصر عہد (۲۰۵-۲۵۹ھ) تک رہی۔ مگر اس کے زوال کے ساتھ ایران سیاسی بدامنی کا شکار ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ معتمد باللہ کے عہد حکومت میں صفاریہ سلطنت (۲۵۶ سے ۲۷۹ھ) قائم ہو گئی۔ یعقوب ابن لیث کا شاندار دَور اسماعیلیہ خاندان کے عروج کا دَور تھا۔ مگر سامانی فاتحین نے ایران کی سرزمین کو اپنی سلطنت کے لئے مخصوص کر کے (۲۶۵ سے ۲۹۰ھ) تیسری صدی کے آخر تک اپنی حکمرانی کو برقرار رکھا۔ سامانی زوال کے بعد

دیلمیوں نے جس شان سے ایران پر پوری ایک صدی تک حکومت کی (۳۱۶ھ سے ۴۳۴ھ) اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ دیلمی حکمران علم پروری اور فیاضی میں مشہور تھے۔ مگران کے زوال کے بعد خاندان غزنویہ نے اس خطہ پر سلطنت کی بنیاد رکھی۔ تو عدل وانصاف اور معارف ونظریات کے شیریں دھارے پھوٹ پڑے۔ غزنوی اپنی فتوحات کی وجہ سے ایران کی سرحدوں سے آگے بڑھ کر برصغیر پاک وہند پر اسلامی پرچم لہرانے اور مسلمان سلطنت قائم کرنے کا مثالی کردار ادا کرنے میں شہرت رکھتے ہیں۔ اس خاندان نے عالم اسلام کے ایک وسیع حصہ میں (۳۵۱ھ سے ۵۸۲ھ) پوری ڈیڑھ صدی حکومت کی۔ اور علم وفضل کی سرپرستی کی غزنویوں کے ساتھ ساتھ سلجوقی خاندان نے بھی اپنی فتوحات اور مستحکم حکومت کی مثالیں قائم کیں۔ یہ خاندان ۴۲۹ھ سے ۵۹۲ھ تک ایران کے مختلف علاقوں پر حکومت کرتا رہا۔ مرزا طغرل بیگ سلجوقی۔ الپ ارسلان (۴۵۵ھ سے ۴۶۵ھ) ملک شاہ سلجوقی (۴۶۵ھ سے ۴۸۵ھ) جیسے قابل حکمران حسن بن صباح کے فتنوں اور فلسطین پر صلیبی یلغار تک ایران پر چھائے رہے۔

ایران کا یہی زمانہ ہے۔ جس میں ہمارے جلیل القدر صوفیاء اور بلند پایہ بزرگان دین نے تصوف کے بلند قدر سلسلوں کی بنیادیں رکھیں اور اسلامی معاشرے کو روحانی برکات سے مالا مال کیا مختلف سلسلہ ہائے تصوف میں ابھرنے والے مشاہیر اپنے وقت کے نہ صرف آئمہ روحانیت اور پیشوائے دین تھے بلکہ وہ اسلام کی حقانیت کو مخلوقِ خدا کے دل نشین کرنے میں پیش پیش تھے انھوں نے سیاست کی دغا بازیوں سے پریشان مخلوق کو سہارا دیا۔ سفاک فاتحین کی انسان دشمنی کے اثرات کو مہر و محبت کے جذبات سے معمور کیا۔ انسانوں کے درماندہ قافلے اہل اللہ کی نگاہوں کے سایوں میں رک جاتے انسانی گمراہیوں کے کٹے ہوئے قافلے ان بزرگان دین کے زیر سایہ سلامتی کی منزل پا لیتے۔ ظالم حکمرانوں کی چیرہ دستیوں کے شکار لوگ اہل اللہ کی خانقاہوں میں نہ صرف پناہ پاتے۔ بلکہ اللہ تک رسائی کی راہیں پاتے۔ تاریخ کے صفحات اس بات کے شاہد ہیں کہ مسلمان فاتحین کی تلواروں نے اتنی تعداد میں انسانوں کو مسلمان نہیں بنایا۔ جتنا اہل نظر کی پاک نگاہوں

نے لوگوں کو اسلام کا گرویدہ بنایا تھا۔ تلواریں عام لوگوں کو مخالف جان کر سروں کی فصلیں کاٹتی گئیں۔ مگر بزرگانِ دین کی نگاہِ شفقت غیر مذہبوں کو بھی اپنا بنا بنا کر نجات و فلاح کی راہیں دکھائی گئی۔ ہم نے سابقہ صفحات میں جن تین صدیوں کے حکمران خاندانوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان تین صدیوں کے دوران (یعنی تیسری صدی ہجری سے چھٹی صدی ہجری تک) جن جلیل القدر بزرگان دین نے اسلامی معاشرے کی روحانی نشوونما میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ اس میں سلسلہ عالیہ جنیدیہ۔ قادریہ اور سہروردیہ کے بانی اور ان کے جانشین خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان تینوں سلسلوں نے اپنے دامن میں جن ہستیوں کی پرورش اور تربیت کی تھی۔ ان میں سے اکثر کے حالات آپ سابقہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ ان میں سید الطائفہ جنید بغدادی۔ ابوبکر شبلی۔ سیدنا عبدالقادر محی الدین۔ غوث الاعظم جیلانی۔ ابن عربی شیخ اکبر۔ شیخ بایزید بسطامی۔ خواجہ ابوالحسن خرقانی حضرت امام غزالی حسین بن منصور۔ حضرت مخدوم گنج بخش ہجویری شیخ الاسلام عبداللہ انصاری۔ اور شیخ احمد جام اور نجم الدین کبریٰ قدس سرہم جیسے حضرات کے اسمائے گرامی دنیائے تصوف میں عظمت کے مینار بن کر قیامت تک درخشاں رہیں گے۔ ان بزرگان دین نے اپنی مجالس میں جن حضرات کو تربیت دی وہ کائناتِ ارضی کے گوشے گوشے میں پھیلتے گئے۔ اور اسلامی فکر کو دلوں کی گہرائیوں تک پہنچاتے گئے۔ ان کی خانقاہوں میں سے جو نکلا۔ وہ نگاہِ کیمیا اثر لے کر نکلا۔ ان کی مجالس سے جو اٹھا۔ وہ نور کی شعاعیں لے کر ابھرا۔ ان کی محافل میں جو بیٹھا۔ وہ قطب زمانہ بن کر اٹھا۔ صوفیہ کی تعلیمات کا یہ ایک درخشندہ دَور تصوّف ہے۔ حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں ان سلسلہ ہائے تصوّف کا تذکرہ کیا ہے جو صوفیہ کی تربیت روحانی کے لئے قائم ہوئے تھے۔ محابیہ۔ قصاریہ۔ طیفوریہ۔ جنیدیہ۔ نوریہ۔ سہیلیہ۔ حکیمیہ۔ خرازیہ۔ حفیفیہ شطاریہ ہاں حلولیہ اور حلاجیہ جیسے فرقوں نے آگے چل کر اسلامی نظریات میں بڑا فتنہ برپا کیا تھا اس لئے ان سلسلوں کو مردود قرار دیا گیا ہے۔

ان صوفیاء کی تعلیم نے صرف عوام الناس ہی کو نہیں بلکہ علماء دین کو جو تربیت دی وہ روحانیت

کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ شعراء نے ان مجالس کا رنگ لیا تو روحانیت اور عرفان کے چشمے پھوٹنے لگے۔ ان کے کلام نے زنگ آلود دلوں کو نورِ محبت سے منور کر دیا۔ حکیم سنائی۔ فریدالدین عطار حتیٰ کہ۔ خاقانی۔ فردوسی۔ عمر خیام۔ رودکی۔ غزالی۔ معزی۔ نظامی۔ اور انوری جیسے بلند پایہ شعراء اس دور کے صوفیاء سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام میں کسی نہ کسی پہلو اہل اللہ کا رنگ اُبھرا تھا۔ اور وہ رنگ آج تک ہمارے شعری کلام و زبان کی زینت ہے۔

بایں ہمہ چھٹی صدی ہجری میں دنیائے اسلام سیاسی طور پر جہاں مستحکم اور ممتاز تھی وہاں اس کی علمی اور روحانی روشنی کائنات ارضی کے مختلف گوشوں کو اپنی تہذیبی اور تمدّنی اثرات سے راہنمائی کر رہی تھی۔ مختلف اقوام عالم ایشیائے کوچک اور ایران۔ خراسان۔ شام اور مصر کی درسگاہوں سے دامن مراد بھر کر اپنے اپنے وطنوں کو پہنچ رہے تھے۔ اس صدی میں ایران کی شمالی سرحدوں کے ساتھ ساتھ ایک وسیع سلطنت خوارزم قائم ہوئی۔ جس میں سلاطین خوارزم نے اپنی علم دوستی اور معارف پروری کے ساتھ ساتھ جرأت و بہادری کی جو مثالیں قائم کیں۔ وہ رہتی دنیا تک قابلِ فخر ہوں گی۔ یہ سلطنت اپنے جاہ و جلال کی وجہ سے تاریخ عالم میں اپنی مثال آپ تھی۔ سلطان قطب الدین محمد خوارزم شاہ۔ مظفرالدین خوارزم شاہ پھر سلطان علاؤالدین اور جلال الدین خوارزم شاہ کے نام تو آسمانی شہرت کی بلندیوں تک چمکتے رہیں گے۔ یہ سلطنت ۵۲۲ھ سے لے کر ۶۱۷ھ تک وسط ایشیاء کے اُن علاقوں پر مشتمل تھی۔ جن میں بلخ۔ ترمذ۔ نیشاپور سیستان۔ ماوراالنہر۔ ماژندران۔ کرمان۔ غزنین۔ فرغانہ۔ کاشان۔ قذوین۔ ہمدان۔ اصفہان۔ قم۔ کاشانی۔ سمرقند اور بخارا جیسے علاقے اسلامی تہذیب کے گہوارے شامل تھے۔ چھٹی صدی کے دوران اس علاقہ میں علماء و صوفیہ نے علمی۔ روحانی اور تہذیبی ترقی کے جو آثار صفحہ تاریخ پر مرتب کئے وہ تاریخ کا درخشندہ باب ہے۔

ان شہروں میں خوارزم شاہی کے دوران مشاہیر علم و روحانیت نے اپنی شہرت کے جھنڈے بلند کئے۔ ان میں سے محمد بن موسیٰ الخوارزمی اور ابو عبداللہ محمد بن احمد بن یوسف تو دنیائے

سائنس کے ممتاز سکالر تھے۔ موسیٰ خوارزمی خلیفہ مامون العباسی کے دربار میں ایک ستارہ شناس کی حیثیت سے ابھرے۔ وہ علم نجوم کے ساتھ ساتھ حساب دان۔ جغرافیہ دان۔ اور بہت بڑے مؤرخ تھے کی حیثیت سے دربار عباسیہ کے ساتھ وابستہ رہے انہوں نے کتاب التاریخ تالیف کی جسے بعد میں مسعودی۔ اور طبری نے اپنی تاریخی کتابوں کا مآخذ بنایا۔ اس نے الجبر والمقابلہ لکھ کر دنیا کے حساب دانوں کے لئے نئے اصول مرتب کئے۔ ان کتابوں کے لاطینی۔ فرانسیسی میں ترجمہ ہوئے[1]

انہوں نے اصطرلاب کے فن پر کتاب العمل بالاصطرلاب اور کتاب العمل علی اصطرلاب لکھیں۔ انہوں نے آسمان اور ستاروں کی گردش پر نقشے اور اٹلس تیار کیں جو بعد میں آنے والے سائنس دانوں کے لئے مشکل ثابت ہوئیں[2]

محمد بن احمد خوارزمی نے مفاتح العلم لکھی جو دنیائے اسلام کا قدیم انسائیکلوپیڈیا کہلاتی ہے۔ یہ کتاب سامانی دربار کے وزیر ابوالحسن عبیداللہ کے نام سے معنون تھی وہ ۳۶۶ھ سے ۳۸۰ھ تک نیشاپور میں رہے۔ وہ حساب داں اور ترجم کی حیثیت سے شہرہ آفاق ہوئے جنہوں نے علوم یونان پر بہت سی کتابیں عربی میں منتقل کیں۔

بغداد کے مدرسہ نظامیہ نے جب اپنا ایک شعبہ نیشاپور میں دارالعلوم نظامیہ کے نام پر قائم کیا تو اسے نظام الملک طوسی جو ملک شاہ سلجوقی کے وزیر تھے۔ کی سرپرستی ملی۔ یہ عالم اسلام کے لئے ایک مثالی دینی درسگاہ تھی۔ خوارزم شاہ نے بھی سلجوقی سلطنتوں کی طرز پر ایک دارالعلوم قائم کیا۔ جس میں امام فخرالدین رازی جلیل القدر شیخ الجامعہ تھے۔ بخارا دور میں علم وادب کی شہرت سے عروس البلاد بن کر دنیائے علم میں چمکا۔ دنیا بھر کے علماء اور سکالر اسی مرکز میں جمع ہونے لگے۔ امام رازی کے اس دارالعلوم کے علاوہ خوارزم شاہی دور میں بہت سے ذیلی مدارس قائم ہوئے جو علم کے پیاسوں کے لئے آب حیات کے چشمے تھے۔ خوارزم شاہ نے اپنے شہروں میں بڑی بڑی لائبریریاں قائم کی۔ جو بغداد و شام کے علمی ذخیروں کے ہم پلہ تھیں۔ یاقوت الحموی جو ایک مشہور عرب جغرافیہ دان اور

---

[1]:۔ شارٹ ہسٹری آف خوارزمی شاہی، پروفیسر غلام ربانی عزیز ایم اے، مطبوعہ۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۷۰ء صفحہ ۲۱۴

[2]:۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۔ جلد پنجم ۔ صفحہ ۹۱۲

مورخ تھا۔ ان دنوں خراساں کے شہر مرو میں گیا۔ وہ لکھتا ہے میں نے اس شہر میں دو عظیم الشان مساجد دیکھیں ایک حنفیوں کی تھی ایک شافعیوں کی۔ مرو کی لائبریری میں کتابوں کی تعداد اور ان کے علمی موضوعات دنیائے علم و ادب کا بہترین سرمایہ تھی۔ الحموی نے اسی لائبریری میں بیٹھ کر اپنی کتاب معجم البلدان کو ترتیب دیا تھا۔ العزیزیہ اور الکمالیہ جیسے کتاب خانے اپنی مثال آپ تھے۔ نظامیہ اور خاتونیہ مدارس کے کتب خانے اہل علم کے لئے ایک خزانہ تھے۔

ان علمی خزانوں کے زیر سایہ وطواط اور علامہ زمخشری جیسے شعراء اور ادیب پیدا ہوئے۔ ابوالفتح محمد بن ابی القاسم شہرستانی[۱] (ولادت ۱۰۷۶/۴۶۹ھ) اتنا عظیم عالم تھا کہ بقول صاحب تاریخ خوارزم اگر وہ فلسفہ کے ریگزار میں نہ بھٹکتا تو وہ ایک دینی امام ہوتا۔ شہرستانی اپنی فلسفیانہ موشگافیوں کے باوصف دین کی وہ خدمات سرانجام نہ دے سکا جس کی اس ذہین اور فطین سکالر سے توقع تھی۔ وہ احمد بن توانی اور ابونصر قشیری کا ہم سبق تھا۔ وہ ایک عظیم متکلم تھا۔ علم کلام میں ابوالقاسم انصاری کا شاگرد تھا۔ مگر حدیث میں ابوالحسن علی بن احمد بن محمد مدائینی کا شاگرد تھا۔ وہ فن تقریر میں بے مثال صلاحیت کا مالک تھا۔ اس کے سامعین اس کی تقریریں سن کر محور ہو جاتے۔ اس نے بغداد کے نظامیہ میں جو تقاریر کیں وہ تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔ نہایۃ الاقدام۔ الملل والنحل۔ کتاب دقائق الاوہام۔ ارشاد العقائد العوام اور مبداء المعاد اس کی مشہور تصانیف ہیں۔ اس زمانہ میں علامہ زمخشری (۵۳۸-۴۶۷ھ) خوارزم میں پیدا ہوا۔ ایک عرصہ تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ اسی لئے جار اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ وہ علم حدیث تفسیر۔ نحو اور صرف میں یگانہ روزگار تھے۔ تفسیر الکشاف۔ المفرد المرکب السوبیہ۔ المفصل اساس البلاغۃ فی اللغتہ۔ نصوص الاخبار جیسی مشہور کتابیں تالیف کیں[۲]۔ ان علمی اور ادبی کارناموں کے باوجود علامہ زمخشری نظریاتی معتزلی تھے۔ اور اس مکتب فکر کے بہت بڑے ترجمان تھے۔ آخری عمر میں ایک ٹانگ سے معذور ہو گئے۔ اور بیساکھیوں کے سہارے چلا کرتے تھے۔ انہیں فخر خوارزم کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

.....

---

[۱]: معجم البلدان صفحہ ۱۴۵ جلد پنجم۔ مگر ابن خلکان نے آپ کی ولادت ۱۰۴۵ھ/ ۴۳۷ھ لکھی ہے۔

[۲]: شارٹ ہسٹری آف خوارزم صفحہ ۲۲۰۔ از پروفیسر غلام ربانی عزیز۔

اسی زمانے نے زمخشری کا ایک شاگرد۔ ناصر المتطاہری (۵۳۸ھ، ۶۱۰ھ) دنیائے شہرت میں ابھرا۔ یہ شخص صرف و نحو۔ السانیات اور شعر گوئی کے علاوہ مختلف اصناف ادب کا امام تھا۔ یہ ایک بہت بڑا فقیہہ اور مبلغ تھا۔ اور فقہ حنفی پر ایک اتھارٹی مانا جاتا تھا۔ مگر عمر کے آخرین حصہ میں یہ بھی معتزلی ہو گیا تھا۔ اس کی دو مشہور کتابیں شرح مقامات الحریری۔ اور کتاب المعرب دنیائے اسلام میں بڑی مقبول ہوئیں۔ یہ فقہ حنفی کی بڑی مستند کتاب مانی جاتی ہے۔ وہ ۶۰۱۵ھ میں بغداد گیا۔ معتزلی ہونے کے باوجود وہ سلطان محمد خوارزم کے دربار میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

ابوالقاسم محمود بن عزیز الارذدی الخوارزمی بھی علامہ زمخشری کا معاصر تھا۔ یہ ادب اور فلسفہ میں معروف تھا یاقوت الحموی کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کا بہترین سکالر تھا وہ ایک فلاسفر تھا۔ مذہبیات اور تصوف کے خلاف تھا۔ اسے "آفتاب مشرق" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ اگرچہ وہ شاہی دربار سے وابستہ رہا۔ مگر فلسفہ اور الحادی نظریات نے اسے ذہنی اور قلبی سکون سے محروم کر دیا تھا۔ آخرکار وہ مرو شہر میں خودکشی کر کے ۵۲۱ھ میں مرا۔ اس دور نے شہاب الدین خوانی جیسا صاحب علم بھی پیدا کیا۔ یہ عالم دین ایک نادر کتاب خانہ کا مالک تھا۔ دنیا بھر کی نادر و نایاب کتابیں اس کے کتب خانہ میں جمع تھیں۔ تاتاریوں کے حملہ کے وقت اسے اس ساری لائبریری سے محروم ہونا پڑا۔ مگر پھر بھی وہ بہت سی نایاب کتابوں کو ساتھ لے کر خوارزم کو چھوڑ کر نسا میں قیام پذیر ہوا۔ مگر وہاں بھی افراتفری آپہنچی تو اس کی عظیم تصانیف عام لوگوں نے لوٹ لیں۔ جس کا اسے بے حد قلق ہوا۔ اور وہ اس نقصان کو برداشت نہ کر سکا۔ النساوی جس نے صراح الجلال الدین لکھی تھی۔ ابوالقاسم کی یہ نایاب کتابیں جمع کرنے لگا۔ مگر وہ بھی اس افراتفری میں یہ شہر کتابوں کے خزانے سمیت چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

اس دور میں متکلمین کے زمانہ میں سے علامہ فخرالدین رازی نے اپنا مقام پیدا کیا۔ امام رازی کے والد ابوالقاسم ضیاءالدین محمد اپنے وقت کا بہت بڑا خطیب تھا۔ وہ متکلم صوفی۔ محدث اور مفسر کی حیثیت سے دنیائے اسلام میں معروف ہوئے۔ آپ نے کمال السامانی کے

ساتھ فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور علوم فلسفہ کا مطالعہ کیا۔ آپ ایک غریب آدمی تھے۔ تلاش روزگار کی کشمکش میں تھے۔ دوسری طرف آپ ذہنی بے اطمینانی کا شکار تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اسلامی دنیا کو یونانی فلسفہ نے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کئی نظریات اور مختلف فرقے اسلام کی حدود میں ہی ابھرنے لگے تھے۔ علماء اسلام کے لئے ان باطل نظریات کا رد کرنے کے لئے بڑا کام کرنا پڑا۔ امام فخر الدین رازی ایک مناظرِ اسلام کی حیثیت سے اُبھرے۔ خوارزم میں معتزلہ کا زور تھا۔ مگر آپ نے انہیں مناظروں میں شکست دی تو انہوں نے بادشاہ سے مل کر آپ کو وہاں سے نکال دیا۔ وہ جس ملک میں جاتے میدان مناظرہ میں فتح یاب ہوتے انہیں اس دور میں برصغیر پاک و ہند میں بھی آنا پڑا۔ کچھ عرصہ کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ نے دولت دنیوی سے مالا مال کیا۔ تو آپ غوری سلطنت کے دوران غیاث الدین کے دربار میں پہنچے۔ بادشاہ شافعی تھا۔ اس نے ہزاروں شافعی مدارس جاری کئے ہوئے تھے۔ امام رازی نے ہرات میں ایک بہت بڑا دار العلوم بنوایا جس میں ہزاروں طلباء کو داخلہ ملا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب کہ ہرات قرامطیوں (شیعوں) کا مرکز تھا۔ امام کو اپنے علمی انہماک سے کام کرنے کا پورا موقعہ نہ مل سکا۔ ایک دفعہ شیعوں اور سنیوں کے درمیان ایک زبردست مناظرہ ہوا جس میں غیاث الدین غوری بھی موجود تھے۔ رازی نے اپنے مخالف کو ایک گالی دی جس پہ بڑا ہنگامہ ہو گیا۔ لوگوں نے بادشاہ پہ دباؤ ڈالا اور اس طرح امام فخر الدین رازی ہرات کو چھوڑ کر رے میں چلے گئے[1]

غیاث الدین غوری کے بعد اس کا بھائی شہاب الدین غوری برسر اقتدار آیا۔ تو امام فخر الدین رازی کو دوبارہ ابھرنے کا موقعہ ملا مگر قرامطیوں اور معتزلہ کی مخالفت نے آپ کے قدم نہ جمنے دیئے اور مخالفت زوروں پر رہی۔ شہاب الدین ایک فدائی کے ہاتھوں قتل ہوئے تو اس قتل میں بھی امام رازی کو شریک ٹھہرایا گیا۔ لوگوں کا ایک جم غفیر آپ کو قتل کرنے کے لئے آپ کے گھر پر حملہ آور ہوا۔ مگر ایک وزیر کے موقعہ پہ پہنچ جانے سے آپ بچ گئے غوری

---

[1] : دی شارٹ ہسٹری آف خوارزم۔ صفحہ ۲۲۴

عہد حکومت میں قرامطی آبادی کثرت سے تھی۔ آپ کو ان ممالک میں ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ آپ نے تنگ آ کر خوارزم کا رُخ کیا۔ آپ کی علمی شہرت خوارزم پہلے پہنچ چکی تھی۔ آپ وہاں پہنچے تو بادشاہ نے استقبال کیا۔ اپنے بیٹے علاؤ الدین کا اتالیق مقرر کیا۔ علاء الدین تخت نشین ہوا تو امام کا رتبہ اور بڑھا۔ اور آپ کو شیخ الاسلام کے عہدے پر مقرر کیا گیا۔ آپ اس عہدے کے باوجود وعظ اور تدریس کرتے رہے۔ آپ طلباء کو لیکچر دیتے۔ اور مساجد میں وعظ کرتے۔

آپ شوال ۱۲۰۹/۶۰۴ھ چھیاسٹھ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ ہرات میں مزار بنا۔ بعض مورخین نے آپ کی موت قرامطیوں کی زہر خورانی سے واقع ہوئی تھی آپ کی تفسیر کبیر (مفتاح الغیب) بارہ جلدوں آج تک اشاعت پذیر ہو رہی ہے۔ اس تفسیر کبیر کے علاوہ آپ نے ۸۹ کتابیں لکھیں جو دنیائے علوم و فنون میں معروف و مشہور ہوئیں۔

امام فخر الدین رازی کے علاوہ اس خطہ میں جن اہل علم نے دینی اور علمی خدمات سرانجام دیں ان میں بہاء الدین محمود بن قوید البغدادی عطا الملک الجوینی کے دادا مؤلف تاریخ جہانگشائی بڑے ممتاز فاضل تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ محمد بن احمد بن علی بن محمود النسوی۔ نظام الدین الخوارزمی۔ ابو الحسن الخوارزمی العمرانی الخوارزمی۔ قاسم بن حسین زین المشائخ (م ۱۱۶۶/ ۵۶۲ھ) فرید العصر ابو مراد (م ۱۱۱۳/ ۵۰۷) السکاکی جیسے سکالر اور ماہرین علوم اسلامیہ آسمان شہرت پر چمکے۔ ان علماء نے اپنی تالیفات۔ اور تدریسی خدمات سے اہل طلب کے دامن گوہر مراد سے بھر دیئے

ان بزرگان علم و فضل کے علاوہ اس صدی میں جن شعراء نے میدان سخنوری میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ ان میں صابر بن اسماعیل۔ رشید الدین وطواط۔ مجد الدین نساء ابو علی الحسن مروی شاہ پور نیشاپوری۔ وغیرہ جیسے بے پناہ شعرا کے نام صفحہ تاریخ پر ہویدا ہیں۔

سابقہ صفحات میں ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے کہ مختلف اسلامی ممالک میں علماء شعراء اور خاص کر صوفیاء نے علمی ادبی اور روحانی اداروں کی بنیادیں رکھیں۔ اور پھر ان میں ذہنوں اور دلوں کی تربیت کی۔ اور اس طرح عالم اسلام میں اسلام کی روحانی قدروں کو زندہ رکھا۔ پانچویں صدی ہجری میں ایران کے اکثر علاقوں میں سلجوقیوں غزنویں کا اقتدار قائم ہوا۔ تو جہاں انہوں نے علم و ادب کی اشاعت کی سرپرستی کی وہاں ان ممالک میں اس صدی کے وسط میں مذہبی مباحث کا آغاز ہوا۔ مختلف اسلامی فرقوں نے اپنے اپنے نظریات پیش کرنے میں شدت اختیار کر لی۔ اہل علم ایک دوسرے سے الجھنے لگے۔ دینی راہنماؤں نے یونانی فلسفہ کے ماہرین کو علم کلام سے دبانا شروع کیا اور اس طرح مناظرانہ فضا قائم ہوگئی۔

ایران۔ عراق۔ خوارزم۔ شام اور مصر میں علمی مدارس کی بنیادیں رکھی گئیں۔ ان مدارس کی سرپرستی شاہان وقت کرتے تھے ہر مدرسہ کے ساتھ ایک عظیم کتب خانہ قائم کیا گیا۔ جن کی تفصیلات سابقہ صفحات پر ہدیۂ قارئین ہوئی ہیں فقہیان وقت نے دینی علوم کے دروازے کھول دیئے۔ خلیب۔ مقرر۔ مناظر مقرہ اور مصنف تربیت پاکر نکلنے لگے۔ بعض اوقات ان مدرسوں کا نظام ایک متولی۔ مہتمم یا چند نگران حضرات کے سپرد ہوتا۔ جو اوقاف۔ وظائف اور فتوحات سے طلباء علماء کے تعلیمی اخراجات پورے کرتے۔ ایسے مدارس کی پوری طرح حوصلہ افزائی ہوتی۔ اور ان کی سرپرستی کی جاتی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ان ممالک میں بڑے بڑے نابغہ روزگار حضرات زیور علم سے آراستہ ہو کر آگے بڑھے۔

ان علمی خدمات کا ایک رخ بڑا ہی مایوس کن تھا کہ ایک مکتب فکر کے علماء دوسرے مکتب فکر کے علماء کو میدان مناظرہ میں شکست دینے کے در پے رہتے تھے۔ حقیقت جوئی۔ اور علمی اشاعت کی بجائے متکلمین۔ مناظرین اپنے مخالفین کو زیر کرتے رہتے۔ سابقہ چار صدیوں میں اسلامی علوم نے بڑی ترقی کی تھی۔ علماء دین نے فقہ۔ اصول۔ حدیث۔ علم کلام۔ تفسیر ادبیات عرب یونانی فلسفہ اور شعر و ادب کی روشنیوں کو سارے عالم اسلام میں پھیلا دیا تھا۔ مگر پانچویں صدی ہجری اور چھٹی صدی ہجری میں ان تمام کمالات کی رفتار رک گئی۔

خلفاء عباسیہ نے یونانی فلسفہ کی سرپرستی کی۔ ایرانی دانشوروں نے یونانی فلسفہ کی روشنی میں تحقیقات کا دائرہ وسیع کر دیا تھا اور حقائق اشیاء پر بڑا اعلیٰ کام ہونے لگا تھا۔ اسی دور نے فارابی۔ محمد بن زکریا رازی۔ ابو علی سینا۔ جیسے نابغہ روزگار پیدا کئے۔ لیکن پانچویں صدی ہجری میں اسلامی اقتدار پر ترکوں اور ایرانیوں کا قبضہ ہونے لگا۔ تو عباسی خلفاء بھی خشک مغزی۔ اور تعصب سے کام لینے لگے۔ مذہبی مباحث کا آغاز ہوا۔ مناظروں کی حوصلہ افزائی ہونے لگی فلاسفر علم الکلام کے مناظرین کے سامنے شکست کھانے لگے۔ دینی رجحان کے سامنے خالی فلسفہ قدم نہ جما سکا۔ ایک طرف فارابی کا فلسفہ۔ اور دوسری طرف بوعلی سینا کی حکمت الجھنے لگیں۔ چھٹی صدی ہجری میں ایک ایسا وقت آیا۔ کہ امام غزالی جیسے دینی علماء نے فلسفیوں کو چاروں شانے چت کر دیا۔ اور فلسفہ کو کفر اور فیلسوف کو کافر قرار دیا جانے لگا۔

۴۳۰ھ میں سلطان مسعود غزنوی کو سلجوقیوں نے شکست دی وہ ایران چھوڑ کر ہندوستان چلا گیا۔ طغرل سلجوقی ایران کے اکثر ممالک پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد الپ ارسلان نے اپنی فتوحات کو وسعت دی ۴۶۵ھ میں ملک شاہ سلجوقی نے اقتدار میں آ کر سلطنت سلجوقیہ کو مزید وسعت دی اسے نظام الملک طوسی جیسا علم پرور وزیر ملا۔ ان دونوں نے اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت میں بڑا زبردست حصہ لیا۔ مگر جلال الدین ملک شاہ سلجوقی۔ اور نظام الملک کی وفات کے ساتھ علمی شمعیں ماند پڑنے لگیں۔ اور مذہبی نزاع اور نظریاتی انتشار عام ہونے لگا۔

پانچویں صدی ہجری میں اشعری مکتب علم نے بڑی ترقی کی۔ یہ لوگ خشک ظاہر بین۔ اور یونانی فلسفہ کے مخالف ضرور تھے۔ مگر انہوں نے شیعیوں اور قرامطیوں کی بالادستی کو روک دیا۔ اپنے مدارس۔ اور مجالس میں نظریات اہلسنت کو علمی رنگ دیا۔ شیعہ سنی منازعات کے علاوہ اس زمانہ میں شافعیوں۔ اور حنفیوں کے علیٰحدہ علیٰحدہ مدرسے قائم ہوئے۔ اور دونوں مکاتیب علم نے بڑی ترقی کی۔ اس صدی کے علماء اپنے معاندین اور مخالفین کو پست کرنے کے لئے جس طرح کوشاں تھے۔ اس وقت کے صوفیاء بھی اپنے سلاسل کے علاوہ دوسرے سلسلوں کو اچھی

نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے اگر امام غزالی نے فلاسفہ کی تکفیر اور ماوراء الطبیعات کی بحثوں کو باطل اور کفر قرار دیا تھا۔ تو خواجہ عبداللہ انصاری پیر ہرات جیسے صوفیاء نے متقدمین صوفیہ کی آزاد منشی اور حریت ضمیری کو روک دیا۔ اور انہیں شریعت کے معیار اور ترازوں پر رکھا جانے لگا۔ اس صدی میں مذہبی اختلاف بڑھے۔ شیعہ سنی کھل کر نبرد آزما ہونے لگے۔ اشعری اور معتزلی میدان مناظرہ میں اترنے لگے۔ اسماعیلی اور قرامطی نزاع و جدال کا شکار ہونے لگے حتیٰ کہ علماء اہل سنت بھی شافعی حنفی اور حنبلی بھی اپنی علیحدہ علیحدہ درسگاہیں قائم کرنے لگے۔ مناظروں اور مجادلوں سے بڑھ کر فرقہ وارانہ فسادات کا آغاز ہوا۔ ہماری تاریخی کتابیں ایسے فسادات کی تفصیلات بیان کرتی ہیں۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ کہ اس صدی کے صوفیہ تقریباً بارہ سلسلوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ اگرچہ یہ تمام سلاسل روحانی تربیت کے لئے کوشاں تھے۔ تاہم ان کے بعض اختلافات اور نظریات زمین و آسمان کے اختلاف کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایک طرف شیخ ابوالحسن خرقانی (جسے محمود غزنوی اپنی فتوحات کے لئے دعاؤں کا سرچشمہ جانتا ہے) قدس سرہٗ کائنات کی مصروفیتوں سے کنارہ کش ہو کر گوشۂ استغراق میں خلوت گزین ہوتے ہیں تو دوسری طرف حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر جیسے عارفانِ وحدت الوجود صحبت فقرا مجالس سماع۔ شور و وجد کا اہتمام کرتے ہیں۔ باباطاہر عریاں ایک عاشق سوختہ دل کی طرح روح مذہب تصوف کو عام کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں تو دوسری طرف شیخ احمد غزالی (صاحب کتاب سوانح) زور و شور کا تصوف پیش کرتے ہیں۔ شیخ ابوالقاسم قشیری صاحب رسالہ قشیریہ میانہ روی اور اعتدال کی مثال بن کر سامنے آتے ہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالی جو صوفی اہل ظاہر اور متشرع تھے۔ فقہا۔ اصحاب فتویٰ۔ ارباب قال وقیل کے مدارس کو اسلامی کی روحانی قدروں سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ اس صدی میں خواجہ عبداللہ انصاری (صاحب طبقات صوفیہ) جیسے صوفی برملا اعلان کرتے ہیں۔ کہ جو شخص مذہب حنبل کی پیروی نہیں کرتا۔ اور ظواہر شرع سے روگردانی کرتا ہے۔ رحمت الہیٰ سے محروم ہو جائے گا۔ اسی صدی کے آخر میں حضرت شیخ الاسلام احمد جامی المعروف بہ ژندہ پیل جام طریقت کا دوسرا نام اتباع شریعت

توبہ گنہگاران۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر شراب اور شراب خانوں کی عملی ویرانی رکھتے ہیں اور عملی طور پر اپنے مکتب فکر کے مشائخ کو ایک عالم دین ہی ایک محتسب شریعت کی حیثیت سے اجاگر کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ صوفیاء کے اختلافات ظاہراً ایک ہی بہار کے مختلف اللون پھول ہیں مگر زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ہم اس مقالے میں ان صوفیاء کے افکار کا ایک مختصر جائزہ لے رہے ہیں۔ ورنہ تفصیلات میں جائیں تو ان نظریاتی اختلافات کا دائرہ وسیع ہوجائے گا جسے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ اس صدی کے صوفیاء کے نظریات کی ترجمانی کا ایک رخ شعر ادب کی چاشنی ہے۔ صوفیاء میں سے اکثر عرفان واسرار کے اظہار کے لئے شاعری کو ذریعہ بنایا۔ اپنے لطیف کلمات کو شعر وادب کا حصہ بنادیا۔ اور ان شعری اسالیب کو آگے چل کر صوفیاء نے بام عروج تک پہنچادیا۔ سنائی۔ عطار۔ رومی۔ حافظ رومی۔ جامی غرضیکہ سینکڑوں صوفیاء نے شعر وادب کو تصوف کا ترجمان بنادیا۔ آج تصوف اور عرفان کی اکثر چیزیں ہمیں شعر وادب میں نظر آئینگی

جس طرح ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔ اس صدی میں جہاں مذہبی مناقشات، مناظرات اور تعصبات نے اسلامی علوم کی اس رفتار کو سست کردیا تھا۔ جو سابقہ ادوار کا طرۂ امتیاز تھی۔ وہاں صوفیاء کے باہمی عرفانی اختلافات نے بھی اصول ومبانی میں کسی چیز کا اضافہ نہ ہونے دیا۔ ہاں موضوعات تصوف پر بے شمار کتابیں لکھی ہیں۔ جو آج تک صوفیاء کے لئے مشعل راہ ہیں۔ اس صدی نے صوفیاء نے صاحب سلسلہ لوگوں کو پیدا کیا۔ تصوف کے مؤلفین ومصنفین کی ایک جماعت آگے آئی۔ شعر وادب کی سرزمین نے تصوف کے گلہائے رنگا رنگ کو نمایاں کیا۔

چھٹی صدی ہجری کے آغاز تک صوفیاء کرام کی فکر میں ایک تبدیلی آئی۔ جو صدیوں قائم رہی کہ وہ اہل ظواہر سے ہٹ کر علیحدہ مسند ارشاد بچھانے میں کامیاب ہوئے علماء مذاہب نے مجادلات منازعات جنگ ہفتائے دو دولت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ صوفیہ نے اس طرز کی شہرت سے کنارہ کشی۔ علماء شاہان وقت کے درباروں میں مناصب جلیلہ حاصل کرنے کے درپے رہے صوفیاء نے اپنی خانقاہوں کو شاہی دربار سے محفوظ رکھا۔ وہ من حیث المجموع عوام اور خواص کے

علاوہ شہنشاہوں کے احترام وعقیدت کا مرجع بنے رہے۔ تاریخ کے صفحات بتاتے ہیں کہ ان دنوں سلطان محمود غزنوی جیسے فاتحین شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ تک برہنہ پا حاضر ہوتے ہیں طغرل سلجوقی جیسے بابا طاہر عریان اور بابا جعفر ہمدانی کے حجروں کا طواف کرنا باعث عزت خیال کرتے ہیں۔ یہ صوفیاء ایک طرف شریعت کے اتباع کو اپنا مقصدِ حیات جانتے تھے۔ دوسری طرف دینی علماء سے اس لئے کنارہ کش رہتے تھے۔ کہ وہ حصول مال کے لئے بادشاہوں کے درباروں کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ صوفیہ زیادہ قناعت اور دنیا کی بے اعتنائی سے وقت گزارتے تھے اور مذاہب کے اختلافات اور منازعات سے سروکار نہیں رکھتے تھے۔ وہ ہر چھوٹے بڑے پر ایک جیسی نگاہ محبت ڈالتے تھے۔

اس صدی نے جن صوفیاء کو تاریخ کے صفحات پر محفوظ کر لیا تھا۔ ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی آسمان شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ (۱) حضرت شیخ ابو علی دقاق قدس سرہٗ نیشاپور میں ۴۰۵ھ میں فوت ہوئے آپ استاد ابوالقاسم قشیری قدس سرہٗ آپ کے شاگرد بھی تھے۔ اور داماد بھی۔ آپ نے اپنے شاگردوں کے ذریعہ اور تصوف کو عام کر دیا۔ (۲) ابوالفضل حسن سرخسی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر کے پیرو مرشد تھے۔ (۳) شیخ ابو عبدالرحمان سلمی نیشاپوری مؤلف "طبقات الصوفیہ" بڑے کامل عارف تھے ۴۱۲ھ میں فوت ہوئے۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر ابوالفضل حسن سرخسی کی وفات کے بعد آپ سے بیعت ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ (۴) شیخ ابو عبداللہ داستانی م ۴۱۷ھ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کے ہم مجلس اور معاصرین میں سے تھے۔ (۵) شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ م ۴۲۵ھ صوفیہ اصحاب سُکر میں سے تھے۔ طریقت وسلوک میں حضرت بایزید بسطامی کے پیروکار اور ان کے اسرار و رموز کو عام کرنے میں پیش پیش رہے (۶) حافظ ابونعیم اصفہانی (مؤلف حلیتہ الاولیاء) ۴۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ (۷) ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر المیھنی (م چہارم شعبان ۴۴۰ھ) بایزید بسطامی اور ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہما کی طرح وحدت الوجود کے افکار کے ترجمان تھے۔ اگرچہ یہ تینوں بزرگ نظریہ

وحدت الوجود کے بانی نہیں تھے۔ مگر وحدت الوجود کے نظریہ کو پیش کرنے میں موثر کردار کے مالک تھے۔ انہوں نے زور شور سے اس نظریہ کو عام کیا۔ مخصوص رنگ دیا۔ مومنین کی خانقاہ کے انکار کی اشاعت کی۔ اپنی خانقاہوں کو مضبوط کیا اور قواعد وجودیہ کو مرتب کیا۔ یہ حضرات "برادرانِ طریقت"، "اخوان صفا" اور مواسات تصوف کا بہترین نمونہ تھے۔ جن میں صوفیہ کی یک رنگی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ حضرت داتا گنج بخش ہجویری قدس سرہ حضرت ابوسعید آپ کے مخلص احباب میں سے تھے [۱]

(۷) ابو عبداللہ شیرازی معروف بابن باکوبہ و باباکوہی (م ۴۴۲ھ) قدس سرہ (۸) شیخ ابوالقاسم گورگانی (م ۴۵۰ھ) حضرت ابوسعید ابوالخیر کے معاصرین میں سے تھے قدس سرھما۔ (۹) بابا طاہر عریان ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ جن کی رباعیات بزبان اوری مشہور ہیں (۱۰) استاد ابوالقاسم قشیری (م ۴۵۶ھ) آپ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہما کے استاد تھے۔ (۱۱) ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری غزنوی (م ۴۶۷ھ) صاحب کتاب معروف کشف المحجوب، قدس سرہٗ (۱۲) ابو علی فارمدی (م ۴۷۷ھ) آپ حضرت امام قشیری کے تربیت یافتہ تھے حجۃ الاسلام امام غزالی کے استاد طریقت تھے (۱۳) خواجہ عبداللہ ہروی قدس سرہٗ صاحب کتاب طبقات الصوفیہ و منازل السائرین (م ۴۸۱ھ) (۱۴) ابوبکر نساج قدس سرہٗ۔ آپ حضرت شیخ ابوالقاسم گورگانی کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔ شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد طریقت تھے (م ۴۸۷ھ) (۱۵) حجۃ الاسلام ابو حامد محمد غزالیؒ مولف احیاء العلوم و کیمیائے سعادت نے بھی ۵۰۵ھ میں وفات پائی تھی۔

---

[۱] :۔ اگرچہ حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر بڑے مآخذ ملتے ہیں۔ مگر حضرت ہجویری کی کشف المحجوب میں آپکے حالات کی جامع تفصیل ملتی ہے۔ حضرت ابوالحسن ہجویری نے آپ کو بے پناہ ہدیہ تحسین پیش کیا ہے اور ایک مستقل باب باندھا ہے جس میں آپ کے سلسلہ طریقت کی تعریف کی ہے۔ آپ کے ایک پوتے محمد کمال الدین بن ابوالروح لطف اللہ بن ابوسعید نے "اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابوسعید" کتاب لکھی ہے (یہ کتاب ۱۸۹۹ء میں ایک روسی مستشرق ژوکوفسکی نے دوبارہ مرتب کر کے چھپائی تھی۔ حال ہی میں فاضل معظم آقای احمد بہمنیار نے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ کیا ہے۔ [۲] :۔ احمد غزالی طوسی حضرت امام غزالی کے چھوٹے بھائی تھے آپ کی وفات ۵۲۰ھ

(۱۶) سنائی غزنوی (ابوالمجد دود بن آدم) اس صدی کے بزرگ ترین جامع ترین عارف ہوئے ہیں۔ آپ کا دیوان۔ مثنوی حدیقۃ الحقیقہ الفاظ و معانی کے شاہکار ہیں۔ جزالت اور حسن سبک میں فارسی ادب کا ایک بہترین نمونہ ہیں۔ آپ ۵۲۵ھ میں فوت ہوئے۔ (۱۷) شیخ الاسلام احمد نامقی المعروف بہ زندہ پیل (۴۴۱ھ تا ۵۳۶ھ) قدس سرہٗ۔ اس زمانہ کے شیخ طریقت اور راہنمائے کامل تھے۔ آپ نے گوشہ نشینی کی بجائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نفاذ میں عملی حصہ لیا اتباع سنت و استحکام شریعت کو اپنا شعار بنا لیا۔ شراب اور شراب خانہ کو مسمار کیا۔ گناہ آلود انسانوں کو توبہ کرائی اور شریعت کا پابند بنایا۔ آپ بہت اہم تصانیف کے مالک تھے۔ اور آپ کی تعلیمات سے ایک زمانے نے استفادہ کیا۔ حضرت جام عام صوفیہ سے ہٹ کر برسر عام نفاذ شریعت کے علمبردار رہے۔ خواجہ حافظ کا یہ شعر آپ کی خمر اور میخواروں کے خلاف جہاد کی طرف اشارہ ہے۔!

حافظ مرید جام می است اے صبا برو - وز بندہ بندگی برساں شیخ جام را

یہ وہ ہستیاں تھیں جن کے فیضان سے اسلامی دنیا کا معاشرہ تربیت پا رہا تھا۔ چھٹی صدی ہجری کے آغاز ہوتے ہی دنیائے اسلام میں ایک اور تبدیلی رونما ہوئی کہ شام فلسطین اور حلب کے علاقوں صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا۔ عیسائی دنیا من حیث القوم مسلمانوں کی ریاستوں پر حملہ کرنے لگی۔ ان حملوں کے دفاع پر بہت سے علاقہ اپنی معاشرتی اور تمدنی حیثیت کھو بیٹھے تھے۔ اسی صدی میں جیساکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ امت مسلمہ کے اندرونی اختلافات بڑھنے لگے عقائد اور مذہبی تنازعات وحدت ملی کو پارہ پارہ کر رہے تھے۔ شمالی سرحدوں پر تاتاریوں کی بڑھتی ہوئی قوت اسلامی سلطنت کے دروازوں پر دستک دی رہی تھی۔ سلطنت عباسیہ اپنی مرکزیت اور قوت حاکمہ کھو

سابقہ صفحہ قزوین میں ہوئی تھی۔ آپ چھٹی صدی ہجری کے صاحب حال عرفاء میں سے تھے۔ ابن خلکان نے آپ کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔ مورخ علام نے آپ کو صاحب کرامات و ارشادات لکھا ہے۔ ایک وقت آیا کہ امام غزالی کی جگہ مسند تدریس پر مدرسہ نظامیہ میں جلوہ فرما ہوئے اسی زمانے میں اپنے بھائی کی کتاب احیاء العلوم کی تلخیص "لباب الاحیاء" کے نام سے لکھی آپ کی ایک اور تصنیف الذخیرۃ فی علم البصیرہ ہے آپ نے عالم اسلام کی سیاحت کی عین القضاۃ ہمدانی آپ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔ جو آگے جا کر ایک ممتاز صوفی مشہور ہوئے تھے۔

رہی تھی۔ ان خطرات کے باوجود سلطنت اسلامیہ کے مختلف ممالک اتنے مضبوط اور طاقت ور تھے کہ علم وادب اور عرفان وتصوف کے مدارس اور مراکز متاثر نہیں ہوئے۔ ان میں کام ہوتا رہا۔

اس صدی کے سیاسی حالات اور بیرونی مداخلت کے اثرات سے جو نتائج اسلامی معاشرہ پر مرتب ہوئے ان میں چند تبدیلیاں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ تعصب۔ تنگ نظری۔ فلسفہ پر مذہب کا رواج معاشرے میں اخلاقی پستی۔ خرافات۔ جہالت وجنگ وجدل جن میں مختلف مذاہب کے راہنما بھی ملوث تھے۔ عام ہوگیا۔ صلیبی حملہ آوروں سے بہت سے علاقے غیر محفوظ ہوگئے۔ یہ حالات عالم اسلام پر دو سو سال تک یعنی چھٹی اور ساتویں صدی ہجری تک طاری رہے۔ حتیٰ کہ ساتویں صدی کے آغاز پر تاتاری حملہ آوروں نے دنیائے اسلام کی تہذیبی اور معاشرتی آثار کو تہہ وبالا کرکے رکھ دیا۔

چھٹی صدی ہجری میں اندرونی اور بیرونی مشکلات کے باوجود علم کی بالادستی قائم رہی۔ اس دور میں علم ہی ذریعہ عزت ووقار تھا۔ ذہین لوگ علم ودانش کے منازل طے کرتے۔ دربار شاہی تک رسائی حاصل ہوتی۔ خوشحالی قدم چومتی۔ عوام میں احترام ہوتا۔ اور سوسائٹی میں بلند مقامات حاصل ہوتے اس نقطۂ نظر سے اس صدی کو اسلامی معاشرہ میں علمی اور مذہبی دور تصور کیا جاتا ہے۔ اس دور میں مقرِ قرآن ہونا۔ محدث ہونا۔ فقیہہ ہونا۔ شاعر ہونا۔ واعظ ہونا۔ امام ہونا۔ مدرس ہونا۔ مفتی ہونا۔ ذاکر ہونا مجتہد ہونا۔ ہی ذریعہ آسائش وعزت تھا۔ دینی علوم سے ہٹ کر فلسفہ۔ عقلیات۔ فنون ومعاشیات میں کمال حاصل کرنا کوئی قابل ستائش کارنامہ نہیں تھا۔ بسا اوقات فلاسفہ۔ عقلیات پر بات کرنے والے آزاد رومی کے ترجمان اہل مذہب کے فتوؤں کا نشانہ بنتے۔ اور فسق وفجور کے الزامات میں دھرلئے جاتے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی مولف حکمۃ الاشراق اور بانی حکمۃ الاشراق گردن زدنی قرار پائے گئے۔ ایسے فلاسفر اور اشراقین صرف علماء دین کے نقادی کی زد میں نہیں آئے شعراء کی نوک قلم کا نشانہ بھی بنے۔ خاقانی شروانی جیسا شاعر جسے مذہب وتصوف سے واسطہ تو نہ تھا۔ مگر وہ بھی فلسفہ اور فیلسوف کو معاف نہیں کرتا۔ اور انہیں فاسق وفاجر تصور کرتا تھا۔

تاتاریوں کے طوفان سے اس صدی کے جن نبرد گوں کی کتابیں بچ بچاکر اہل علم تک پہنچی ہیں

ان سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اس صدی کا شاعر۔ عالم دین اور صوفی اعتدال سے ہٹ کر بات کرتا تھا فضل فروشی۔ خودنمائی اور تنگ نظری کے آثار جابجا نظر آتے ہیں۔ مذہب میں مبالغہ۔ مقامات اولیا میں کرامات کی بھرمار شعروں میں خودستائی اور تعلی اور اصول اور قوانین سے ہٹ کر ذاتی اور شخصی برتری کو ترجیح دی جاتی تھی۔

خلافت عباسیہ کے کمزور ہونے سے مختلف امراء ملوک کی غارت گری نے سلطنت اسلامیہ کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا تھا۔ دوسری طرف بیرونی خطرات نے عوام الناس میں بے اطمینانی پیدا کر دی تھی۔ غارت گری۔ آشفتگی۔ اور بے یقینی نے لوگوں کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ ان حالات سے لوگوں کی اخلاقی قدریں بری طرح متاثر ہوئیں۔ معاشرے کی یہ حالت اس وقت کے شعراء کے کلام سے مترشح ہوتی ہے۔

حالات کی ناہمواریوں کے باوجود چھٹی صدی ہجری کے صوفیاء احترام۔ اور ستائش کی نظر سے دیکھے جاتے تھے عوام و خواص ان بزرگانِ دین کی طرف توجہ دیتے۔ اور عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے۔ ان کی عظمت و اہمیت میں ان حالات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ ظاہر بین علماء درباروں میں مناصب و مقام حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ ان کی معاشی حالت اہل اقتدار اور دنیا پرستوں کی خدمات سے وابستہ تھی۔ وہ وعظ۔ فتوی۔ اثر و رسوخ۔ عہدہ۔ منصب کی بنا پر عوام کے مسائل حل کرتے تھے۔ مگر قلبی طور پر لوگوں کو اپنے قریب نہ کر سکتے تھے۔ وہ عہدوں کو حاصل کرنے۔ ان پر قائم رہنے کے لئے بادشاہوں اور عوام دونوں کی خدمت کرتے اور لحاظ کرتے اور دنیا کی آسائشوں کی خاطر دن رات کوشاں رہتے۔ دوسری طرف صوفیہ اپنی خانقاہوں میں دین کے محاسن کی تربیت دیتے۔ بادشاہوں سے دُور رہتے۔ دنیا اور دنیادی جاہ و حشم کو خاطر میں نہ لاتے دین کی باریک ترین قدروں کو بھی سنت رسول سمجھ کر اپناتے۔ نہی عن المنکر سے ڈرتے امر بالمعروف پر پابند بناتے۔ خود ان کی ذاتی زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کا نمونہ ہوتی۔ وہ عشق مصطفیٰ کی تربیت سے دلوں کو منور کرتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ عوام ان کی خانقاہوں کے سامنے

ہجوم رکھتے اور سلطانیں ان کی زیارت کو غنیمت جانتے۔ فتوحات کے لئے دعائیں کراتے۔ ان کے تبرکات کو ذریعہ فلاح دارین جانتے تھے۔ لوگ ظاہر میں علماء کے مناظروں۔ مجادلوں۔ مذہبی تعصبات شیعہ سنی مباحث۔ اسماعیلی۔ اشعری۔ معتزلی مناقشات سے تنگ آچکے تھے۔ وہ دینی معاملات میں اعتدال صلح جوئی۔ اور یگانگت اور اتحاد کے پیاسے تھے۔ ان کی یہ پیاس صوفیہ کی مجالس میں بجھتی تھی۔ جہاں نہ تنگ نظری تھی۔ نہ تعصّب تھا۔ نہ نزاع تھا نہ خشکی تھی۔ نہ سخت گیری تھی۔ یہ عشق و محبت کے خوگر طریقہ صلح و صفا رکھتے تھے۔ عقیدۂ وحدت الوجود نے ہر ایک سے محبت کرنا سکھایا تھا۔ یہی ان صوفیہ کا عرفان اور طریقت تھا۔ اِس نظریہ وحدت الوجود نے آگے جاکر بڑی اشاعت پائی۔ مگر اس صدی کے صوفیہ نے اسے اصلاح امت کے لئے بہترین طریقہ سے استعمال کیا۔ سنائیؔ اور عطارؔ جیسے شعراء نے ان افکار کو عام کیا۔ پھر رومیؔ۔ حافظ۔ سعدیؔ اور جامیؔ جیسوں نے سینوں میں بھر دیا۔ اس نظریہ نے ابن عربی اور ان کے شاگردوں نے اس چار دانگ عالم تک پہنچایا۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو محبت دی فاسق و فاجر تک صوفیہ کے ہاں پناہ پاتے حضرت محمود خرقانی نے تو اپنی خانقاہ کے دروازے پر لکھوا دیا تھا۔

"ہر کہ اینجا بیاید اور طعام بدہید و از ایمانش میرسید"

میری خانقاہ میں جو بھی آئے اسے کھانا کھلاؤ۔ اس کے عقیدے کے بارے میں سوال نہ کرو۔ یہ موثر طریقہ تصوف تھا۔ جس نے دلوں کو تسخیر کر لیا۔

ہم سابقہ صفحات میں تصوف کے ان سلسلوں یا فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ جو چھٹی صدی ہجری میں اصلاح احوال میں کوشاں رہے یہ مختلف سلاسل "مہر و محبت" کی قدر مشترک پہ قائم رہے۔ ہر فرقہ یا ہر سلسلہ کے صوفی نے "مہر و محبت" کے قانون کو ادّیت دی۔ اسی فلسفہ "مہر و محبت" نے صوفیاء کو لوگوں کے دلوں میں جگہ دی "سلسلۂ قادریہ" بغداد سے حضرت غوث اعظم کے روحانی افکار کی بنیادوں پہ اٹھا مشرق و مغرب میں چھا گیا۔ حضرت غوث پاک کی نگاہ کے تربیت یافتہ مغرب و مشرق میں پھیلنے گئے اور سلسلۂ قادریہ کی ضیائیں کو بکھیرتے گئے۔ جناب غوث پاک نے شریعت کو

اپنے روحانی سلسلہ کو بنیاد قرار دیا۔ آپ کا ہر ایک خلیفہ۔ شاگرد جسے آپ "مریدی" کے لفظ سے یاد فرماتے ہیں۔ شریعت کے احکام کا پابند رہا۔ اور پابندی کراتا رہا۔ اس خانوادے کے تربیت یافتہ حضرات نے اپنی شہرت اور صداقت کے جھنڈے بلند کئے۔ جو آج تک یادگار زمانہ ہیں۔

حضرت شہاب الدین سہروردی اسی زمانہ کی موثر شخصیت ہیں۔ انہوں نے سلسلۂ سہروردیہ کی بنیادیں رکھیں۔ اور اپنے شاگردوں کو عالم اسلام کے دور دراز علاقوں میں بھیجا۔ جہاں خلائق کی راہنمائی کا کام ہوتا رہا۔ اس سلسلہ کے جلیل القدر بزرگوں نے خراسان سے نکل کر مصر۔ افریقہ۔ پاک و ہند میں اپنی خانقاہیں قائم کیں۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے سلسلہ چشتیہ کو برصغیر میں مقبول بنانے میں بڑا کام کیا اس سلسلہ کے بزرگان دین نے بادشاہان وقت سے خراج عقیدت حاصل کیا۔ اور عوام الناس کے اخلاق کو سنوارنے میں اپنا کردار ادا کیا۔

حضرات نقشبندیہ گو سو سال بعد عروج پر آئے۔ مگر ان کے بزرگان دین نے جن بنیادوں کو خوارزم۔ بخارا۔ اور ایران کے شمالی حصول پر رکھا تھا۔ اُن پر خواجہ خواجگان حضرت بہاء الدین نقشبند نے جو محلات عرفان تیار کئے۔ اس کے زیر سایہ خواجہ عبداللہ احرار۔ حضرت مجدد الف ثانی جیسے عظیم بزرگوں نے اپنے مدارس قائم کر کے اسلامی معاشرت کو سنوارا۔

چھٹی صدی ہجری میں جن مشائخ وعرفاء نے اپنے افکار کو پھیلایا ان میں شیخ حماد دباس (م ۵۲۵ھ) کا نام قابل ذکر ہے۔ آپ حضرت شیخ سید عبدالقادر گیلانی کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ شیخ عدی بن مسافر (م ۵۵۶ھ) قدس سرہٗ نے موصل کے علاقہ میں سلسلہ قادریہ کے انوار کو عام کیا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ (م از ۴۷۱ھ تا ۵۶۱ھ) نے بغداد میں جو کام کیا۔ اس کے اثرات ازقاف تاقاف پھیلے۔ آج تک حضرت کی غوثیہ تعلیمات سے مالامال نظر آتے ہیں آپ نے دین کو زندہ کرنے میں جس ہمت مردانہ سے کام لیا وہ آپ کو محی الدین منواتے میں کامیاب ہوئی ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۶۳ھ) احمد غزالی کے تربیت یافتہ تھے۔

آپ کی کتاب "آداب المریدین" نے تصوف کے تمام سلسلوں سے روشناس کرایا تھا۔ آپ کے ایک رفیق تصوف حضرت عمار یاسر بدلیسی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے مربی تھے۔

سید احمد بن ابوالحسن رفاعی قدس سرہٗ (م ۵۷۸ھ) بانی سلسلہ رفاعیہ اسی صدی کے نامور بزرگ تھے۔ ابو مدین مغربی شعیب نے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کو روحانی تربیت دی۔ حضرت ابن عربی نظریہ وحدت الوجود کے ترجمان اور "فصوص الحکم" اور "فتوحات مکیہ" جیسی بلند پایہ کتابوں کے مصنف اسی صدی کی یادگار ہیں۔ ابو مدین بغدادی کو شیخ مغرب کا لقب ملا۔ اسی زمانہ میں شیخ روز بہان بقلی (م ۶۰۶ھ) صاحب تصنیف اور صاحب عرفان بزرگ تھے۔ اپنے مخصوص نظریات کے ترجمان بنے۔ شیخ مجد دالدین بغدادی (جنہیں محمد خوارزم شاہ کے حکم سے ۶۱۶ھ میں دریائے جیحون میں ڈبو دیا گیا تھا) حضرت نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ خاص تھے۔ آپ نے خوارزم۔ بغداد کے علماء اور صوفیاء کی تربیت کی۔ حضرت فرید الدین عطار آپ کے افکار سے بڑے متاثر تھے۔ نجم الدین کبریٰ (جن کا ذکر خیر سابقہ صفحات پر تفصیل سے گزرا ہے) قدس سرہٗ اس صدی کے بلند پایہ بزرگوں میں سے تھے۔ آپ طامۃ الکبریٰ۔ شیخ ولی تراش۔ کے القاب سے ملقب تھے۔ سلسلہ کبروی کے بانی تھے تاتاری حملہ کے دوران ۶۱۸ھ میں جام شہادت نوش کیا۔ آپ کی تصانیف نے صوفیاء کے معارف کو بیان کیا۔ شیخ مجد دالدین بغدادی شیخ سعد الدین حموی۔ بہاؤ الدین ولد (والد مکرم حضرت مولانا جلال الدین رومی) باباکمال جنیدی۔ شیخ رضی الدین علی لالہ۔ شیخ سیف الدین باخرزی۔ نجم الدین رازی (مولف مرصاد العباد معروف بہ نجم الدین دایہ) نے آپ کی زیر نگاہ تربیت پائی تھی۔ یہ لوگ چھٹی صدی ہجری کے آفتاب و ماہتاب روحانیت تھے۔ قطب الدین حیدر زادی (م ۶۸۰ھ) حیدریہ سلسلہ کے بانی تھے اور خراسان کے بیشتر علاقوں میں آپ کا اثر رہا۔ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اسی صدی ہجری کے معروف صوفی شاعر اور صاحب عرفان بزرگ ہوئے ہیں۔

چھٹی صدی ہجری کے سلسلہائے تصوّف پر ایک طایرانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ اگران سلاسل کی تفصیلات صوفیہ کرام کی روحانی توجہات، معاشرے کی اصلاح و تربیت کے لئے مختلف مکاتیب تصوّف کے کارناموں کو بیان کیا جائے تو ایک مستقِل کتاب کی ضرورت ہے۔

اس مقالہ میں جن عام کتابوں کے متن اور حواشی کے علاوہ جن کتابوں سے خصوصی مدد لی گئی ہے۔ ان میں نفحات الانس (جامی)، شارٹ ہسٹری آف خوارزم شاہی (پروفیسر عزیز) ہسٹری آف پرشیا (بہ گیڈ یر سائیک)، تاریخ تصوّف السلام در ایران از صدرِ اسلام تا عصر حافظ دکتر قاسم غنی۔ اخبار الصالحین (نواب معشوق علی خان) خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

اُمید ہے کہ محققین تاریخ تصوّف ان اغلاط پر پردہ پوشی فرمائیں گے جو مقالہ نگار کے قلم کی لغزش کا نتیجہ ہیں۔ اور عام قارئین دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ جنہوں نے اس دور کے بزرگان دین کے حالات کو خلوصِ دل سے پڑھا ہے۔

خاک پائے بزرگان دین اقبال احمد فاروقی

شیخ فریدالدین عطار قدس سرہٗ:- آپ موضع کدکن کے رہنے والے تھے۔ یہ گاؤں نیشاپور کے نزدیک تھا۔ آپ نے شیخ مجدالدین بغدادی سے بیعت کی۔ شیخ رکن الدین اکاف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اور وقت کے مشہور مشائخ اور بزرگانِ دین کی صحبت میں بیٹھتے۔ بڑے صاحب وجد و تواجد بزرگ تھے۔ سماع سے شغف رکھتے تھے۔ بعض صوفیاء لکھتے ہیں کہ آپ حسین بن منصور کے اویسی تھے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی لکھتے ہیں کہ حضرت حسین منصور حلّاج کی روح نے ڈیڑھ سو سال بعد حضرت عطار پر اثر کیا تھا۔ اس طرح حضرت عطار آپ کے زیرِ اثر آئے۔ حضرت مولانا جامی نفحات الانس میں تحریر فرماتے ہیں کہ توحید و اسرار کے جتنے معارف حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی مثنویوں اور غزلیات میں پائے جاتے ہیں۔ کسی دوسرے صوفی شاعر کے ہاں نہیں ملتے آپ کی مشہور کتابیں۔ پندنامہ تذکرۃ الاولیاء۔ الٰہی نامہ۔ شتر نامہ۔ منطق الطیر وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ مولانا جلال الدین رومی حضرت عطار کو ان الفاظ میں دادِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

ہفت شہرِ عشق را عطار گشت ۔ ما ہنوز اندر خمِ یک کوچۂ ایم

(حضرت فریدالدین عطار نے عشق کے سات شہروں کی سیر کی ہے۔ مگر ہم ابھی تک کوچۂ عشق کا ایک گوشہ بھی طے کرنے نہیں پائے)

آپ کی توبہ اور تارک الدنیا ہونے کا ایک واقعہ عام تذکرہ نگاروں نے درج کیا ہے۔ آپ اپنے شفاء خانہ کے دروازے پر بیٹھے تھے ایک درویش آیا۔ چند بار شفاء اللہ کہا حضرت نے اُس درویش کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ درویش نے کہا۔ خواجہ آپ کو موت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا۔ جب تمہیں آئے گی۔ درویش نے سنتے ہی کہا میری طرح مرنا چاہتے ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں! درویش نے اپنا لکڑی کا پیالہ سرہانے رکھا۔ زمین پہ لیٹا۔ اور داعیٔ اَجل کو لبیک کہا۔ حضرت عطار درویش کا یہ واقعہ دیکھ کر دنیاوی کاموں سے دست بردار ہو گئے۔ سارا شفا خانہ اور دوسرے اسباب دنیا کو لوگوں لٹا دیا۔ اور عشق

انہی کی دکان پر آ بیٹھے۔

شیخ محمد صادق شیبانی اپنی کتاب مناقب غوثیہ میں لکھتے ہیں۔ کہ شیخ فرید الدین حضرت صنعان کے مرید تھے جس وقت حضرت صنعان کی زبان سے جناب غوث الاعظم کے متعلق جب گستاخانہ کلمات نکلے۔ تو حضرت عطار آپ کے پاس موجود تھے۔

حضرت شیخ فرید الدین عطار کی ولادت شعبان ۵۱۳ھ میں ہوئی۔ وفات ۶۲۸ھ یا ۶۲۷ھ میں ہوئی۔ صاحب مخبر الواصلین نے سالِ وفات ۶۲۶ھ لکھا ہے۔ آپ تاتاری کافروں کے ہاتھوں شہید ہوئے شہادت کے وقت آپ کی عمر ایک سو چودہ سال تھی؛ آپ کا مزار نیشاپور میں واقعہ ہے۔[۱]

شہ عالم فرید الدین عطار - وحید العصر صوفی مصفّا

فرید الدین ولی محبوب ہادی - بخواں تولید آں شاہ معلّی

بگو مہدی فرید الدین مقبول [۵۱۳] - کہ گر دو سال عقل از نقل پیدا

آپ شیخ نجم الدین کبرائی کے مرید تھے۔ آپ کے خلفاء میں
شیخ بہاء الدین قدس سرہٗ
سے محمد بن حسین بن احمد الخطیبی قدس سرہٗ بہت مشہور ہوئے ہیں آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کی والدہ علاؤالدین بن محمد بن خوارزم شاہ کی بیٹی تھیں۔ کہتے ہیں کہ اس لڑکی کے والد کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اشارہ فرمایا تھا۔ کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی آپ کے والد حسین بن احمد سے کر دے۔ شیخ بہاء الدین اسی بیٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ اور اپنے زمانے میں قطب الارشاد اور قطب الوقت ہوئے

آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کی صحبت میں رہے۔ حضور نبی کریم نے آپ کو خواب میں سلطان العلماء کے لقب سے نوازا تھا۔

جب شیخ بہاء الدین علم و فضل میں مشہور ہوئے۔ تو امام فخر الدین رازی جیسے علماء بھی آپ سے حسد کرنے لگے۔ اور آپ کے متعلق مشہور کر دیا کہ آپ بادشاہ وقت کے باغی ہیں۔ آپ نے ان لوگوں کی الزام تراشی سے تنگ آکر بلخ سے ہجرت کی۔ اس وقت آپ کے فرزند حضرت جلال الدین رومی چھوٹے بچے تھے۔ آپ بلخ سے نکلے بغداد آئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کون لوگ ہیں۔ کہاں سے آئے ہو اور کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو حضرت شیخ بہاء الدین نے کہا نَحْنُ مِنَ اللّٰہ۔ وَاِلَی اللّٰہِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ یہ بات حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے سنی تو فرمایا۔ یہ بات بہاء الدین بلخی کے علاوہ اور کون کہہ سکتا ہے۔ یہ وہی معلوم ہوتے ہیں۔ استقبال کو آگے بڑھے اور التجا کی کہ آپ کی خانقاہ میں چند روز قیام فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ سب سے بہترین جگہ تو مدرسہ کے مضافات ہیں۔ چنانچہ آپ دار العلوم مستقدیہ میں قیام پذیر ہوئے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے جو شیخ بہاء الدین کے پاؤں سے موزے اتارے تیسرے روز وہاں سے روانہ ہو کر روم کو نکلے۔ چار سال آذر بائیجان میں رہے۔ سات سال تک لازندہ میں قیام کیا مولانا جلال الدین رومی

اٹھارہ سال کی عمر میں اسی شہر میں شادی ہوئی۔ ۶۲۳ھ میں سلطان ولد بن مولوی جلال الدین پیدا ہوئے۔

شیخ بہاء الدین ۶۲۸ھ میں فوت ہوئے تھے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ۶۲۶ھ بھی سالِ وفات لکھا ہے آپ کا مزار پُر انوار قونیہ میں ہے۔

رفت چوں از جہاں بخلد بریں ۔ شیخ اہل یقین بہاء الدین
عابد متقی ست وصلش نیز ۔ حق طلب شاہ دین بہاء الدین
۶۲۸ھ

کنیت ابوحفص۔ لقب شرف الدین

شیخ ابن الفارض الحموی المصری قدس سرہٗ:

اور اسمِ گرامی عمر بن فارض الحموی تھا قبیلہ بنی سعد سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ قبیلہ حضرت حلیمہ سعدیہ کا تھا۔ شیخ ابن الفارض مصر میں پیدا ہوئے تھے۔ مصر میں آپ کی روحانی شہرت نے عروج حاصل کیا۔ ہزاروں طالبانِ حق خدا رسیدہ ہوئے۔ آپ کا ایک دیوان عربی اشعار و قصائد پر مشتمل ہے۔ یہ دیوان تقریباً سات سو پچاس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں معارف و حقائق کے دریا بند ہیں۔ یہ ایک ایسی نظم ہے۔ جو شاید ہی کسی دوسرے کے قلم سے نکلی ہو۔ آپ کے احباب کہتے ہیں۔ کہ آپ عام شاعروں کے طریقہ کار پر شعر نہیں کہا کرتے تھے۔ بلکہ یوں ہوتا۔ کہ آپ وجد و استغراق میں کئی کئی دن غائب ہو جاتے بے خودی کے عالم میں محو رہتے۔ اسی حالت میں پورے کا پورا قصیدہ لکھتے۔

حضرت شیخ فارض فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ دیوان لکھا۔ تو مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ "یا عُمَرُ مَا سَمَّیْتَ قَصِیْدَتَکَ" اے عمر تم نے اس قصیدہ کا نام کیا رکھا ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اس کا نام لَوائح الجنان۔ ورد ائح الجنان رکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس کا نام نظم السلوک رکھو۔ چنانچہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس کا نام نظم السلوک رکھ لیا۔

حضرت عمر ابن الفارض دوم ماہ جمادی الاولیٰ ۶۳۲ھ میں فوت ہوئے۔

ابن فارضؒ جناب پیر کبیر - مقتدائے جہاں فنا آگاہ
رفت چوں از جہاں بخلد بریں - سال وصلش بداں خدا آگاہ ۶۳۲ھ

شیخ اوحدالدین کرمانی قدس سرہٗ:- آپ حضرت شیخ رکن الدین منجاسی کے خلیفہ کبیر تھے۔ شیخ رکن الدین شیخ قطب الدین سہروردی کے خلیفہ اور وہ شیخ ابو النجیب سہروردی کے خلیفہ تھے۔ آپ شیخ ابن عربی کی مجالس میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت ابن عربی نے اپنی مشہور کتاب فتوحات مکیہ میں آپ کے واقعات لکھے ہیں۔ اس کتاب کے باب ہشتم میں لکھتے ہیں۔ کہ شیخ کرمانی فرماتے ہیں۔ کہ میں اپنے شیخ کیساتھ ہمسفر تھا۔ آپ اونٹ کے کجاوے میں سفر فرما تھے۔ آپ کے پیٹ میں شدید درد اُٹھا ایک دواخانہ میں پہنچے۔ یہ سرکاری دواخانہ تھا۔ میں نے شیخ سے اجازت چاہی کہ دواخانہ سے دوائی لے آؤں مجھے پریشان اور مضطرب دیکھا تو آپ نے بادلِ نخواستہ اجازت دے دی میں اندر گیا تو خیمہ میں ایک شخص بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے ایک شمع روشن ہے۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھا اور بڑے احترام سے بٹھایا۔ میں نے اپنے پیر و مرشد کی حالت بیان کی۔ اس نے دوائی دی مجھے چھوڑنے کے لئے دروازے تک آیا۔ اس کا ایک خادم شمع اٹھائے ساتھ تھا۔ میں نے اسے قسم دی۔ کہ تشریف رکھو۔ اتنا تکلّف نہ کرو۔ میں باہر آیا۔ دوائی حضرت کی خدمت میں پیش کی۔ اور اس شخص کے احترام و اعزاز کا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے سن کر تسلیم فرمایا اور کہا۔ دراصل میں تمہارا اضطراب اور پریشانی دیکھ کر دوائی لانے سے روک نہ سکا۔ میں نے ہی شکل بدل کر اپنے آپ کو اس شخص کی جگہ بٹھا دیا۔ عزت و تکریم کی۔ دوائی دی۔ تاکہ تم مایوس نہ ہو جاؤ کہ درویشوں کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور امیروں کے ہاں پذیرائی نہیں ہوتی۔

ابن فارضؒ قدس سرہٗ:- حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن فارض کے قصیدۂ تائیہ کے علمی اور ادبی مقام کو ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ قصیدہ مبارکہ سات سو پچاس اشعار پر مشتمل ہے اور معارف و لطائف کا خزینہ ہے۔ اس قصیدہ میں جن حقائق و معارف کو پیش کیا گیا ہے وہ

حضرت اوحدالدین کرمانی ظاہری جمال انسانی پہ بڑے گرویدہ تھے۔ ایک دن ایک خوش شکل لڑکے کو دیکھنے میں محو ہو گئے۔ آپ کے ساتھ ہی شیخ شمس الدین تبریزی کھڑے تھے۔ کہنے لگے

کسی دوسرے کے کلام کو نصیب نہیں ہوا۔ عطار اور شائخ روح اللہ تعالیٰ ارواحہم اجمعین نے اس قصیدہ کو ترجمان بنایا تھا شیخ شمس الدین جو شیخ صدرالدین قونیوی کے اصحاب مجلس میں سے تھے۔ اور اپنے وقت کے شیخ الشیوخ تھے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ اپنی مجلس میں طلباء و علماء سے گفتگو فرماتے تو آخرین کلام ابن فارض کے قصیدۂ تائیہ کے کسی شعر پہ زماتے۔ حضرت شیخ بعض مطالب بہ زبان عجم اور بلسان لانی ادا فرماتے۔ جسے ایک عام شخص سمجھنے سے قاصر ہوتا۔ فرماتے ان اشعار کے معانی آئے دن تازہ وارد ہوتے ہیں۔ آپ اپنے مشائخ مجلس کو حکم دیتے کہ یہ قصیدہ زبانی یاد کر لو۔ اس میں معارف کے دھارے چلے آتے ہیں۔

شیخ شمس الدین فرماتے ہیں۔ کہ حضرت سعید فرغانی نے اس قصیدہ کی فارسی میں شرح لکھی۔ پھر عربی میں تعلیقات لکھیں۔ اور اسے عام کر دیا تھا۔ حضرت شیخ یافعی رحمۃ اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ ابن الفارض نے معارف و حقائق نے سلوک و محبت شوق و وصل کو جس انداز سے پیش کیا ہے۔ وہ مشائخ و صوفیہ کی مجالس کی جان ہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ عنہ ایک بار حجابات قبض میں گھر گئے۔ تو آپ نے ابن فارض کا قصیدہ مبارکہ پڑھا جس سے یہ حجابات دور ہو گئے۔ اس موقعہ پہ حضرت شیخ سہروردی نے حضرت ابن فارض کو مجلس میں اٹھ کر بغل گیر کیا اور آپ کے قصیدے اشعار پڑھتے ہوئے۔ مجلس میں حالت وجد میں آ گئے۔ مجلس میں موجود مشائخ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور اس قصیدہ مبارکہ کے اشعار مل کر پڑھتے رہے۔ حضرت شیخ سہروردی نے اس موقعہ پر چار سو خلعتیں مشائخ کو عطا کیں۔

شیخ ابراہیم ابرہان الدین) جعبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں وادی جعبر میں سے گزر رہا تھا۔ میں محبت الٰہی میں سرشار محویت کے عالم میں جا رہا تھا کہ کوئی شخص بجلی کی تیزی کے ساتھ گزرا۔ اور یہ شعر پڑھتا گیا ؎

فَلَمْ تهوني مَا لَمْ تكن في نانيًا + وَلَمْ تفن ما لم تجلي نلك صُورتي

میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے دوست کی آواز ہے۔ میں اس کے پیچھے چلا۔ اسے پکڑا اور پوچھا یہ شعر کس کا ہے فرمایا: میرے بھائی شرف الدین بن فارض" کے قصیدہ سے ہے۔ میں نے پوچھا وہ اب کہاں ہیں۔ فرمایا

آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔فرمایا۔"چاند کا عکس پانی میں دیکھ رہا ہوں"،آپ نے فرمایا۔اگر سر اٹھا کر دیکھتے تو آسمان پر چاند بے حجاب نظر آتا۔"

آپ حالت سماع میں اس قدر وجد میں آتے کہ کپڑے پھاڑ دیتے۔لڑکوں کے پیلنے سے سینہ

پہلے تو حجاز مقدس میں تھے،مگر کچھ دنوں سے ان کی خوشبو وادی مصر سے آتی ہے۔مجھے حکم ہوا ہے کہ میں ان کی نماز جنازہ میں شرکت کروں۔وہ مصر کو روانہ ہو گئے۔حضرت شیخ برہان الدین فرماتے ہیں کہ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔حتیٰ کہ میں ابن الفارض کی قیام گاہ پر جا پہنچا۔آپ نے مجھے دیکھ کر پہچان لیا اور مجھے اہلاً و سہلاً کہہ کر پاس بٹھایا اور فرمایا۔تمہیں بشارت ہو کہ تم اولیاء اللہ کی صف میں آ گئے ہو۔میں نے گذارش کی حضرت مجھے معلوم ہے کہ آپ یہ مژدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنا رہے ہیں۔مگر مجھے اس بشارت کا ذریعہ تو بتائیں۔تاکہ مجھے اطمینانِ قلب نصیب ہو جائے۔آپ نے بتایا۔میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی۔کہ اللہ میرے مرنے کے وقت اپنے اولیاء کی جماعت بھیجنا۔تم آ گئے ہو۔مجھے یقین ہے تم ولی اللہ ہو۔میں نے دیکھا۔کہ ان کے سامنے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔مگر آپ اسے دیکھتے ہی متغیر ہو گئے۔رونے لگے۔اور یہ بیت پڑھنے لگے۔

کان منزلتها فی حُبّ عندکم - ماقد رایت فقد ضیعت ایّامی

اُمینة ظفرتُ رُوحی بِهازمنا - اَلیوم اَحسبُها اصفاتِ اَحلام

میں نے کہا حضرت یہ مقام بہت بڑا ہے۔آپ نے فرمایا ابراہیم۔رابعہ عدویہ بصریہ نے کہا تھا۔"اے اللہ تیرے بندے دوزخ کے خوف سے تجھے مانتے ہیں۔بعض جنت کی خوشی سے تجھے پہچانتے ہیں۔میں تو صرف تیری ذات کی محبت سے مانتی اور پہچانتی ہوں"۔مجھے رابعہ بصری کے مقام کی تلاش تھی۔یہ مقام وہ تو نہیں جس کی آرزو میں عمر گذار دی۔یہ بات کہہ کر آپ کے لبوں پر تبسم دکھائی دیا۔مجھے سلام الوداع کہا۔اور کہا۔میرے جنازے میں اولیاء اللہ کے ساتھ شریک رہنا۔تیس دن تک میری قبر پر موجود رہنا۔پھر اپنے وطن کو جانا۔یہ کہتے کہتے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

حضرت ابراہیم (برہان الدین) جعبری فرماتے ہیں کہ آپ کے جنازے پر کثیر التعداد اولیاء اللہ نے شرکت کی۔میں اکثر حضرات کو پہچانتا تھا لیکن بعض کو پہلی بار دیکھا تھا زندگی بھر اتنا بڑا اجتماع میں نے نہیں دیکھا تھا۔

ملاتے۔ بغداد میں خلیفہ عباسی کا بیٹا بڑا خوبصورت تھا خلیفہ نے کہا۔ یہ بدعتی شخص ہے۔ اسے سماع اور ولایت سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے۔ اگر مجلس سماع میں میرے بیٹے سے کوئی حرکت کی تو میں اُس کی گردن اڑادوں گا۔ مجلس سماع گرم ہوئی۔ تو خلیفہ کے دل میں پھر وہی خیال آیا حضرت شیخ نے کرامتِ فراست سے معلوم کر کے یہ شعر پڑھا۔

سہل است مرا بر سرِ خنجر بودن - در پائے مرادِ دوست بے سر بودن
تو آمدۂ کہ کافرے را بکشی - غازی چو توئی رواست کافر بودن

(میرے سر کو خنجر کی نوک سے کاٹنا درست ہے۔ میرے سر کو کاٹ کر پاؤں میں پھینک دینا درست ہے تم اس لئے آئے ہو کہ ایک کافر کو قتل کرو۔ اگر تم جیسا خوب رو غازی ہو تو کافر ہونا روا ہے)

یہ شعر سنتے ہی خلیفہ اور اس کا خوبرو بیٹا قدموں میں گر پڑے اور مرید ہو گئے۔ آپ کی وفات ۶۳۵ھ میں ہوئی تھی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ۶۳۴ھ بھی لکھی ہے۔

چوں سفر کرد از جہاں فنا - در جناں بادشاہ کرمانی
متقی پاک بیں بگو سالش - ہم بگو بادشاہ کرمانی

۶۳۵ھ — ۶۳۴ھ

جس میں اتنے ولی اللہ جمع ہوں۔ سفید اور سبز رنگ کے پرندوں کے غول کے غول آتے نظر آتے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ حضور سرور کائنات ارواح مقدس کے ساتھ اپنے قصیدہ خواں ابن الفارض کے کے جنازے پر کرم فرما ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ برہان الدین فرماتے ہیں ایک عرصے بعد میں قبر کی زیارت کو حاضر ہوا۔ میرے ساتھ اکابرین کی ایک جماعت تھی۔ قبر پر غبار ائی ہوئی تھی۔ گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ میں نے اسے صاف کیا۔ اپنے دامن سے جھاڑا۔ اور یہ شعر کہا۔

مَعاکِنِ اھلَ العشقِ حتیٰ قبورُھُم - علَھیا ترابَ الذلّ بَینَ المُقابرِ۔

(ماخوذ از نفحات الانس جامی)

آپ ہندوستان کے عظیم مشائخ میں سے تھے زہد و ورع

شیخ صوفی بدہنی قدس سرہٗ

میں بے مثال تھے۔ حضرت قطب الاقطاب قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے۔ حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ حضرت صوفی بدہنی ہر وقت مسجد میں رہتے۔ نماز درروزہ کے علاوہ کسی چیز سے سروکار نہیں تھا۔ ایک دن شہر کے علماء کرام جمع ہوئے آپ نے ان سے پوچھا کیا بہشت میں نماز ادا کی جایا کرے گی۔ علماء نے آپ سے فرمایا۔ بہشت جائے عبادت اور نماز نہیں۔ وہ تو عیش و ناز کی جگہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ پھر مجھے وہ جنت قبول نہیں جہاں اللہ کی عبادت اور نماز نہیں ہوگی۔

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت شیخ بدہنی کے پاس آیا کرتے تھے۔ ایک دن اس شخص نے ایک شخص سے ملاقات کی جو رجال الغیب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے پوچھا۔ شیخ بدہنی کیسے شخص ہیں اور وہ کس مقام پر ہیں۔ اس نے بتایا۔ وہ بزرگ مرد ہیں مگر افسوس وہ استغفراللہ کہہ کر بھاگ گیا۔ وہ شخص حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سارا واقعہ سنایا۔ حضرت شیخ نے کہا۔ کہ اگر وہ استغفراللہ نہ کہتا تو میں اسے زمین سے اٹھا کر آسمان تک لے جاتا اور اسے زمین پر دے مارتا۔ اس کی ہڈیاں ٹوٹ جاتیں۔ اس نے دلی طور پر میرے مقام سے انکار کر دیا تھا۔

حضرت شیخ محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے۔ کہ شیخ بدہنی ذکر خداوندی میں مشغول ہوتے تو آپ کا ایک ایک جوڑ علیحدہ ہو جاتا۔ پھر خاموش ہوتے تو آپ کا جسم درست ہو جاتا تھا۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کے زمانہ میں زندہ تھے۔ اتفاق ایسا ہوا۔ کہ یہ دونوں بزرگ تاتاری لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ یہ تاتاری آپ کو دوسرے قیدیوں کے ساتھ پکڑ کر قندھار کے قید خانے میں لے گئے۔ بھوکے پیاسے ایک قید خانے میں بند رہے آخر کار حضرت خواجہ کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے بغل سے ایک کاک کی روٹی نکالی۔ اور صوفی بدہنی نے اپنے دامن سے پانی کا لوٹا نکالا۔ تمام قیدیوں کو اس روٹی سے کھلایا۔ اور پانی پلایا

اس دن سے حضرت شیخ کا خطاب بدہنی پڑ گیا اور حضرت خواجہ بختیار کو کاکی کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

حضرت شیخ بدہنی کی وفات ۶۳۸ھ میں ہوئی۔

بدہنی صوفی صفا کیش است ۔ ذات او بود قطب ربّانی

رفت چوں از جہاں بخلد بریں ۔ گفت سرور ولی لاثانی

۶۳۸ھ

شیخ رضی الدّین علی لالا قدس سرہٗ: کنّیت ابوسعید۔ اسمِ گرامی علی بن سعید بن عبدالجلیل لالا تھا۔ غزنی کے رہنے والے تھے۔ آپ کے دادا حضرت حکیم سنائی کے بیٹے تھے۔ اور وہ شیخ نجم الدّین کبریٰ کے مرید تھے۔ شیخ احمد یسوی۔ خواجہ ابویوسف اور دوسرے مشائخ کی صحبت سے فیض پایا تھا۔ آپ نے ایک سو چوبیس بزرگانِ دین سے خرقہ تبرک حاصل کیا تھا۔ ہندوستان میں آئے تو رتن ھندی ابوالرضا قدس سرہ کی صحبت میسّر آئی۔ آپ کا مزار حصار میں تتباہ کے مقام پر ہے۔ آپ نے حضرت ابوالرضا سے وہ شانہ مبارک لیا جو رتن ہندی کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تھا۔

آپ کی وفات سوم ماہ ربیع الاوّل ۶۴۲ھ کو ہوئی۔ مزار غزنی میں واقع ہے سلطان محمود غزنوی کے مزار کے پہلو کے ساتھ ہے۔ صاحب سکینۃ الاولیا شہزادہ داراشکوہ بذاتِ خود غزنی گئے۔ آپ کے روضے کی زیارت کی۔ آپ کے مزار کے ساتھ شیخ ملک یار پرندہ خواجہ شمس العارفین۔ شیخ اجلّ شیرازی۔ حکیم سنائی غزنوی۔ امام محمد حداد۔ ابی محمد اعرابی۔ خواجہ محمد باغبان (م ۴۴۷ھ) خواجہ احمد مکی۔ شیخ بہلول خواجہ ابی بکر بلغاری اور شیخ عثمان جلالی (والدگرامی حضرت داتا گنج بخش لاہوری)، ختم الاولیا خواجہ حاجی بلدی۔ خواجہ اقبال۔ تاج الاولیا خواجہ میر قالی زمان قدس سرہم۔ کے مزارات کی بھی زیارت کی۔

آں رضی الدین علی لالا ولی ۔ وصف او بیروں ہست از گفت و شنید
گفت تاریخ وصالش او خرد ۔ سید اکرم علی ابن سعید

۶۴۲ھ

شیخ شمس الدین تبریزی قدس سرہٗ:۔ اسم گرامی محمد بن ملک داد ہے۔ شیخ سلہ باف تبریزی قدس سرہ سے بیعت تھے۔ بعض تذکرہ نگار آپ کو کمال خجندی یا رکن دین سجانی قدس سرہما کا مرید قرار دیتے ہیں۔ صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں۔ آپ نے ان تینوں بزرگوں کی صحبت سے استفادہ کیا تھا۔

آپ ولی مادرزاد تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ چودہ سال کی عمر میں اپنے مکتب میں عشق محمدی میں یوں محویت اختیار کرتا تھا کہ چالیس روز و شب لگاتار کھائے پئے بغیر رہتا۔ لوگ مجھے کھانے کا کہتے تو میں سر یا ہاتھ سے اشارے سے معذرت کر دیا کرتا تھا۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی صاحب مثنوی معنوی آپ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ آپ سے ایک عرصہ تک فیض صحبت پایا۔ اپنے اشعار میں حضرت شمس الدین تبریزی کی تعریف کی۔ بلکہ اپنے اشعار اور دیوان (دیوان شمس تبریز) آپ کے نام سے منسوب کر دیا۔ دونوں بزرگ بسا اوقات خلوت میں رہا کرتے ایک بار تین ماہ تک ایک ہی مکان میں خلوت گزین ہوئے۔ اور (صدم وصال) بلا کھائے پئے رہے۔ اس دوران کسی کی جرأت نہ تھی۔ کہ ان دونوں بزرگوں کی خلوت میں مخل ہو۔

خلوت سے باہر نکلے تو حضرت شمس تبریزی نے مولانا جلال الدین رومی کو حکم دیا۔ مجھے ایک خوبصورت عورت مہیا کی جائے۔ آپ اٹھے اور اپنی بیوی شیخ کے حوالے کی۔ آپ نے فرمایا مولانا یہ تو میری بہن ہے۔ تم نے یہ کیا کیا؟ اچھا اب ایسا کرو۔ کوئی خوبصورت سا لڑکا لاؤ۔ حضرت مولانا اٹھے اپنے بیٹے سلطان ولد جو ابھی خوش شکل نوخیز نوجوان تھے کو لے آئے۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا۔ مولانا تم نے پھر یہ کیا کیا۔ یہ تو میرا فرزند ہے۔ اب تھوڑی سی شراب لے آؤ۔ میں اسی پہ اکتفاء کر لوں گا۔ مولانا رومی اٹھے۔ یہودیوں کے محلے پہنچے۔ کسی یہودی سے شراب لی۔ اور صراحی سر پہ اٹھائے

آ پہنچے۔حضرت شمس تبریزی نے دیکھ کر فرمایا۔زمین پر پھینک دو۔ میں تو تمہاری قوت برداشت اور ذوق اتباع کو آزما رہا تھا۔اب تمہارے مشرب کی وسعت کا امتحان ہو گیا ہے۔ میں سرمست بادۂ حق ہوں مجھے عورت۔ امرد۔ یا شراب سے کوئی سروکار نہیں۔

ابتدائی دور میں آپ قونیہ پہنچے۔ پھرتے پھراتے مولانا روم کے درس میں جا پہنچے۔مولانا جلال الدین اس وقت حوض کے کنارے اپنے شاگردوں کو پڑھا رہے تھے۔چند کتابیں پاس رکھی ہوئی تھیں۔ آپ نے پوچھا۔مولانا یہ کیسی کتابیں ہیں۔آپ نے فرمایا یہ قیل وقال کی تحریریں ہیں۔شیخ شمس الدین نے کتابیں اٹھائیں۔حوض میں پھینک دیں۔مولانا جلال الدین اپنی علمی کتابوں کا یہ حال دیکھ کر بے پناہ پریشان ہوئے۔فرمانے لگے۔آپ نے یہ کیا کر دیا۔ان میں بعض کتابیں میرے والد بزرگوار کے نوادر تھے جو کہیں سے نہیں ملتے۔شیخ نے مولانا کو انتہائی مضطرب دیکھا۔تو پانی میں ہاتھ ڈال کر کتابیں نکال دیں۔وہ صحیح وسالم تھیں۔مولانا نے پوچھا۔کہ یہ کیسے ہوا۔آپ نے فرمایا۔یہ حال ہے صاحب قال کو اس کی کیا خبر۔ کہتے ہیں۔اس واقعہ نے مولانا جلال الدین رومی کی دنیا بدل دی۔ اور ہر وقت حضرت شمس تبریزی کی صحبت میں رہنے لگے۔

آپ کی وفات کا واقعہ تذکرہ نگاروں نے بڑا دردناک لکھا ہے۔ایک رات مولانا جلال الدین رومی اور حضرت شمس تبریز ایک خلوت کدہ میں بیٹھے تھے۔ایک شخص باہر سے آیا۔اور حضرت شیخ تبریزی کو باہر بلایا۔حضرت اٹھے۔اور حضرت مولانا روم کو خدا حافظ کہتے ہوئے بتایا۔کہ مجھے قتل کرنے کے لئے بلایا جا رہا ہے۔مولوی رومی نے کہا اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْن ؛ حضرت شیخ شمس تبریزی باہر آئے تو سات آدمی کمین گاہ میں چھپے بیٹھے تھے۔انہوں نے اچانک چھریوں سے حملہ کر دیا۔شیخ نے نعرہ مارا اور زمین پر گر پڑے۔افسوس کا مقام یہ ہے۔کہ ان حملہ آوروں میں مولانا جلال الدین رومی کا ایک ناخلف بیٹا علاءالدین محمد بھی تھا۔مولانا نے باہر نکل کر دیکھا۔تو لاش کی بجائے خون کے چند قطرے فرشِ زمین پر نظر آئے لاش کا پتہ نہ چلا کہ کہاں چلی گئی۔قاتلانِ شیخ کی موت بڑی عبرتناک ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو

تھوڑے ہی وقت میں دردناک بیماریوں میں مبتلا کرکے مارا۔ مولانا کا بیٹا علاء الدین بھی جذام کی بیماری میں تڑپ تڑپ کر مرا۔ مولانا اس کے جنازے میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ تبریزی مولانا کے بیٹے بہاء الدین کے مزار کے پہلو میں دفن ہیں بعض کہتے ہیں کہ ان نامرادوں نے آپ کی لاش کو ایک کنویں میں پھینک دیا تھا۔ حضرت مولانا کے دوسرے بیٹے سلطان ولد نے خواب میں دیکھا۔ آپ نے اسے اطلاع دی کہ میں فلاں کنویں میں ہوں۔ آپ کے عقیدت مند کنویں پہ پہنچے۔ آپ کو نکالا۔ اور حضرت مولانا رومی کے مدرسہ کے احاطے میں مدرسہ کے بانی امیر بدرالدین کے مزار کے پہلو میں دفن کر دیا۔

سالِ وفات ۶۴۵ھ ہے۔ [1]

جناب شیخ شمس الدین تبریز - کہ روشن بود از نور تجلی

بخواں سلطان شمس الدین وصالش - رقم کن نیر شمس الدین معلی

۶۴۵ھ - ۶۴۵ھ

---

[1]: حضرت مولانا جامی نے آپ کے متعلق ایک بڑا لطیف واقعہ نقل کیا ہے کہ شیخ شمس الدین ۶۴۲ھ دوران سفر قونیہ پہنچے تو خانہ شکر ریزاں میں قیام کیا۔ ایک دن مولانا رومی اپنے تلامذہ کے ساتھ مدرسہ سے باہر نکلے تو آپ سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت شیخ نے مولانا کو گھوڑے کی لگام پکڑ کر روک لیا اور پوچھا۔ مولانا۔ بایزید بسطامی کا رتبہ بلند تھا۔ یا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ رومی فرماتے ہیں کہ میں اس سوال کی ہیبت سے کانپ اٹھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ ساتوں آسمان مجھ پہ آپڑے ہیں۔ میرے تن بدن میں آگ سی محسوس ہونے لگی اور جذبات کا دھواں آسمان تک جا پہنچا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور کہا حضور سرور عالمیاں ہیں بایزید کو آپ کے مقام سے کیا موازنہ۔ شمس تبریزی کہنے لگے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ حضور تو فرمائیں۔ کَمَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ (ہم نے تجھے اس طرح نہیں پہنچانا جس طرح حق ہے) دوسری طرف حضرت بایزید دعوی کرتے ہیں۔ سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ۔ وَاَنَا سُلْطَانُ السَّلَاطِیْنَ۔ (میں پاک ہوں میری شان بہت بڑی ہے۔ میں ہی سلطان السلاطین ہوں) حضرت مولانا نے فرمایا۔ بایزید شربت معرفت کا ایک کاسہ طلب اتنا ہی تھا۔ وہ ایک گھونٹ پی کر سیر ہو گئے۔ اور

(نوٹ) یاد رہے۔ کہ ملتان (پاکستان) میں جس بزرگ شمس الدین تبریزی کی قبر ہے وہ شمس الدین سبزواری تھے۔ ان کا شمس تبریزی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شمس سبزواری سادات موسوی میں سے تھے۔ ان کی اولاد نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے یہی لوگ لاہور میں آ کر بسے تو اپنے آپ کو شمس سبزواری کی نسبت سے شمسی کہلانے لگے۔ [1]

مطلع ہو گئے ان کے خلوت کدہ کو روشن دان کی روشنی نے درخشاں کر دیا تھا۔ مگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک بحر بے کراں کے سامنے اپنی تشنگی سے طلب حق کے سلسلہ کو وسیع سے وسیع تر رکھتے تھے آپ کا سینۂ مبارک

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَالْاَرْضُ وَاسِعَةٌ (کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھولا اور اللہ کی زمین وسیع ہے)

یہ سنتے ہی شیخ شمس تبریزی نے نعرہ مارا۔ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ شاگردوں کی امداد سے آپ کو مدرسہ سے جایا گیا۔ ان کے سر کو اپنے زانو پر لئے تسلی دیتے رہے۔ ہوش آیا تو تین ماہ تک دونوں خلوت گزین رہے۔ اور صوم وصال میں رہے کسی کو خلوت کدہ میں مخل ہونے کی جرأت نہ تھی۔ (ماخوذ از نفحات الانس جامی)

[1]: ملتانی شمس تبریز سبزواری اسماعیلی فرقہ کے داعی بن کر برصغیر میں آئے۔ ان کے ہمراہ دو شخص تھے ایک کا نام پیر صدر الدین اور دوسرے کا نام پیر امام الدین تھا۔ صدر الدین نے سندھ ممبئی میں دعوت اسلام شروع کی۔ اور امام الدین گجرات و کاٹھیاوار کے علاقوں میں کام کرتے رہے۔ شمس الدین تبریز پنجاب میں ملتان آئے۔ اور اپنا مشن جاری کیا اسماعیلی نکتہ نظر کی اشاعت کرنے لگے۔ امام الدین نے اوّل اوّل تو بحیثیت اسماعیلی داعی کے کام کیا۔ مگر چند روز کے بعد خود مختار ہو کر اپنا علیحدہ طریقہ امام شاہی جاری کر دیا۔ امام شاہی طریقہ کے اصول بھی قریب قریب اسماعیلی تھے لیکن اپنے تین نائب امام اور مظہر ذات مولیٰ علی بیان کرتے تھے۔ امام الدین کا مزار پیرانہ میں ہے جو احمد آباد گجرات کے قریب ہے۔ ایک قصبہ ہے۔ آج ہندوستان اور پاکستان کے بعض حصوں میں کم از کم بیس لاکھ آدمی ہوں گے۔ جو مومن اور گپتی کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں وہ اپنے عقائد ظاہر نہیں کرتے۔ ان امام شاہیوں کا نظام اتنا پوشیدہ اور پُر اسرار ہے۔ کہ بعض ہندو گھرانوں میں بھی امام شاہی عقائد کے لوگ موجود ہیں۔ پیرانہ میں خانقاہیں ہیں اور امام شاہیوں کے امراء کی قبریں جن پر ہندو مہنت بیٹھے ہوئے ہیں یہ ہندو مہنت ظاہری طور پر ہندوانہ لباس میں ہیں

اسم مبارک محمد بن مؤید بن ابی بکر بن ابی حسین تھا۔ شیخ

شیخ سعدالدین حموی قدس سرہٗ:۔ نجم الدین کبریٰ کے مرید تھے۔ عالم فاضل اور عامل کامل تھے۔ یگانۂ روزگار تھے۔ سجل الارواح آپ کی مقبول و معروف تصنیف ہے اس کتاب کے معانی بجز اصحاب اسرار و بصیرت دوسرے نہیں جانتے۔ اس کتاب کے علاوہ آپ کی اور بھی بہت سی تصانیف ہیں۔ صدرالدین قونیوی قدس سرہٗ سے خصوصی صحبت رکھتے تھے۔ شرح فصوص الحکم میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن سعدالدین حموی جناب صدرالدین قونیوی کے ساتھ ایک مجلس سماع میں موجود تھے۔ شیخ سعدالدین پر ایک کیفیت طاری ہوئی تو آپ چشم بستہ خانقاہ کی

مگر باطنی طور پر امام شاہی ہیں۔ اس مہنت کے سینکڑوں داعی ہندوانہ لباس میں اپنے مشن کو پھیلاتے اور جماعت سے عشر اور نذر و نیاز وصول کرنے کے لئے دورے کرتے ہیں مہنت پیر امام الدین کی موجودہ اولاد میں کچھ حصہ تقسیم کرتے ہیں۔ باقی خانقاہ کے اخراجات پر صرف کرتے ہیں۔ اس خانقاہ میں جلیئو کی قبر ہے۔ ہندو امام شاہی اپنا جنوا قبر کو چڑھا کر مسلمان ہو جاتے ہیں اور پھر مومن کہلاتے ہیں

شمس الدین تبریزی سبزواری نے ملتان کے ارد گرد کے علاقوں کے کہاروں اور سناروں میں اپنا طریقہ رائج کیا۔ اور لوگوں کو ہندو شمسی کا لقب دیا۔ ان دنوں شمسی ہندو بھی آغا خاں اسمٰعیلی کے معتقد ہیں اور اب ان کی نذر و نیاز کا رُخ سر آغا خان کی اولاد کی طرف گیا ہے۔ ان کی تعداد تیس لاکھ کے قریب ہے۔

شمس سبزواری نے اپنے عقائد و نظریات کو کن کن طریقوں سے رائج کیا۔ اس کی تفصیل کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے عوام میں ان کے متعلق بڑی عجیب و غریب حکایات اور کرامات مشہور ہیں۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت مولانا شمس الدین تبریزی جو مولانا روم کے پیر و مرشد تھے ان کا شمس الدین ملتانی سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ ملتان میں سینکڑوں سال بعد میں آئے (ماخوذ مقدمہ مثنوی مولوی رومی جلد اول مترجم قاضی سجاد حسین صاحب دہلوی مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

طرف متوجہ ہو کر کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر بعد آواز دے کر کہنے لگے۔ صدرالدین آگئے ہیں آپ سامنے حاضر ہوئے تو فرمانے لگے مجھے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تھی میرا دل نہیں چاہتا تھا۔ کہ میں آنکھیں کھول کر اس نعمت سے محروم رہوں۔ اب میرا دل چاہا کہ آنکھیں کھولوں تو تمہارے چہرے پر نظر پڑے۔

ایک دفعہ حضرت شیخ سعدالدین حموی پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ آپ تیس دن تک بے خود رہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ آپ بے جان پڑے ہوئے ہیں۔ دوبارہ روح جسم میں آئی۔ آپ ہوش میں آئے۔ تو آپ کو یہ معلوم نہیں تھا۔ کہ آپ کتنے دن حالت بے خودی میں رہے۔

آپ کی وفات عید الضحیٰ سنہ ۶۵۰ھ کو ہوئی تھی۔ آپ کی عمر ترسیٹھ سال تھی۔ آپ کا مزار پُرانوار محمد آباد میں ہے۔

سعدالدین چوں ازیں سرائے ہموم ۔ رفت خنداں بجنت گلزار
پیشوائے امام سعد الدین ۔ ہلست تاریخ وصل آں سردار
زندہ دل متقی رقم کن نیز ۔ سال ترحیل آں شہ ابرار
۶۵۰ھ

شیخ ابوالغیث جمیل یمنی قدس سرہٗ:۔ آپ برگزیدہ صوفیہ میں سے تھے۔ صاحب مقامات عالیہ تھے۔ کرامت و احوال و خوارق کا ظہور ہوتا تھا۔ ابتدائی عمر میں راہزنوں کے ایک ٹولے کے ساتھی تھے اور ڈاکوؤں سے مل کر قافلے لوٹ لیا کرتے تھے۔ ایک دن ایک قافلہ کو لوٹنے کے لئے تاک میں بیٹھے تھے۔ تو غائب سے آواز آئی۔ یَا صَاحِبُ العَینِ عَلَیکَ عَینٌ ط قافلے پر نگاہیں جمانے والے تم پر بھی کسی کی نگاہ ہے۔ یہ بات سنتے ہی دل میں انقلاب آگیا اور کیفیت بدل گئی۔ توبہ کرلی۔ شیخ ابن الافلح یمنی سے بیعت کرلی۔ شیخ کی توجہ سے ظلمتِ دل دور ہوگئی اور نور باطنی سے منور ہوگئے اور درجات ولائیت پر فائز ہوگئے۔

ایک دن ایندھن کی لکڑیاں اکٹھی کرنے کے لئے آپ صحرا و بیابان میں پہنچے۔ آپ کے ساتھ

ایک گدھا بھی تھا۔ ایک شیر نے گدھے پر حملہ کر کے چیر پھاڑ دیا۔ آپ لکڑیاں اکٹھی کر کے لائے تو گدھے کی ہڈیاں نظر آئیں۔ اور دور ایک درخت کے سایہ کے نیچے شیر کو سویا پایا۔ آپ اس کے سرہانے جا پہنچے۔ اور کہنے لگے۔ تم نے میرا گدھا چیر پھاڑ دیا ہے۔ اب میں تمہاری پشت پر لکڑیاں شہر تک لاد کر لے جاؤں گا۔ شیر پر لکڑیاں رکھیں۔ شہر تک لے گئے۔ اور پھر اسے واپس بیابان میں آنے کی اجازت دی۔

ایک دن آپ کی بیوی نے آپ سے التماس کی کہ مجھے عطر لا دیں۔ شہر کے عطار کے پاس گئے۔ اور عطر خریدنے کے لئے آگے بڑھے۔ عطار نے سمجھا یہ درویش آدمی عطر کیا خریدے گا نفرت سے دوکان کے دروازے سے ہٹا دیا۔ اور کہا میرے پاس عطر نہیں۔ حضرت نے کہا۔ دکان سے عطر ختم ہو گیا ہے۔ آپ چلے گئے۔ عطار نے اپنے برتن دیکھے تو واقعی عطر سوکھ چکا تھا عطار دوڑا دوڑا آپ کے مرشد ابوالالمح کے پاس گیا اور شکایت کی۔ آپ نے حضرت ابوالغیث کو بلا بھیجا۔ اور کرامت دکھانے پر سرزنش کی۔ اور چند دنوں کے لئے اپنی مجلس سے موقوف کر دیا۔ شیخ ابوالغیث نے معافی مانگی مگر شیخ نہ مانے۔ آخر کار وہ شیخ کبیر علی ابدال کی خدمت میں گئے اور اپنی صحبت میں قبول کرنے کی التماس کی۔ انہوں نے قبول کر لیا۔ اور آپ کی نگاہ سے پہلے سے بلند مراتب مل گئے شیخ ابوالغیث کہا کرتے تھے۔ میں قطرہ تھا۔ شیخ کبیر علی ابدال نے مجھے سمندر بنا دیا۔

آپ کے ایک خادم کو شاہ یمن نے ناحق قتل کرا دیا۔ شیخ کو معلوم ہوا تو غضب ناک ہوئے آپ نے فرمایا۔ ہم نے شاہ یمن کو قتل کر دیا ہے۔ اسی رات بادشاہ اپنے بستر میں مردہ پایا گیا۔

آپ ۶۵۱ھ کو فوت ہوئے۔

ابوالغیث پیر زمن شیخ دیں ۔ جمیل و شریف و نجیب و اصیل
چو جستم ز دل سال ترحیل او ۔ ندا شد بگو بود روشن جمیل
۶۵۱ھ

شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ:۔ اسم گرامی علی بن عبداللہ تھا۔ حسینی سادات سے تھے۔ مغرب کی سرزمین کے رہنے والے

تھے اور اسکندریہ میں قیام فرما ہوئے۔ مخلوقِ خدا نے آپ کو برکت سے فائدہ ہوا۔ آپ اولیا وقت اور کاملین عصر میں سے تھے۔ آپ نے سلسلۂ عالیہ شاذلیہ کی بنیاد رکھی۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اسّی دن تک کچھ نہ کھایا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میں نے اپنے نفس کو زیر کر لیا ہے۔ میں نے دیکھا۔ کہ پہاڑ کی غار سے ایک خوش شکل عورت نکلی اور کہنے لگی۔ ایک منحوس شخص اسّی دن کی فاقہ کشی پر مغرور ہو گیا ہے۔ مجھے چھ ماہ ہو گئے ہیں۔ کچھ نہیں کھایا۔ بلکہ کسی چیز کی خوشبو بھی نہیں سونگھی۔ میں اُس کی بات سن کر اپنے اس خیال سے تائب ہو گیا ایک دن میں صحراء اور بیابان میں تھا۔ رات کا وقت تھا۔ جنگل کے وحشی جانور اور پرندے میرے ارد گرد آ کر بیٹھ گئے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ سب مجھے قربت الٰہی نصیب ہو گئی ہے۔ رات میرا گزر ایک ایسی وادی سے ہوا۔ جو سمندر کے کنارے پر واقعہ تھی۔ سمندر کے مگرمچھ مجھ پر جھپٹنے لگے۔ غائب سے آواز آئی۔ کل بیابان میں درندوں نے اس لئے اطاعت کی تھی کہ تم مشغول بخدا تھے۔ آج مگرمچھوں نے اس لئے حملہ کیا ہے کہ تم مشغول بہ نفس ہو۔

آپ کی وفات ۶۵۴ھ میں ہوئی۔ بعض تذکرہ نگاروں نے ۶۵۶ھ لکھی ہے۔

بوالحسن آں شاذلی پیر کبیر ۔ راہنمائے خلق شیخ دوجہاں
سال ترحیلش بقولِ مختلف ۔ ہادی خلد وحبیب خلد دان

۶۵۴ھ ۶۵۶ھ

شیخ نجم الدین رازی قدس سرہٗ:- آپ شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلفاء میں سے تھے۔ شیخ نے آپ کی تربیت شیخ مجد الدین کو دی تھی آپ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ تفسیر بحر الحقائق۔ مصاد العباد آپ کی مشہور تصانیف ہیں آپ کشف حقائق اور شرح دقائق میں یگانۂ روزگار تھے۔

آپ ایک بار مولانا جلال الدین رومی اور شیخ صدر الدین قونوی کی صحبت میں گئے۔ دونوں بزرگوں نے آپ کو امامت نماز کے لئے آگے کیا۔ شیخ نے دونوں رکعتوں میں سورۂ یاایہا الکافرون

کی قرأت کی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا جلال الدین رومی نے پوچھا۔ دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنے میں کیا حکمت تھی۔ آپ نے ہنس کر کہا ایک بار اپنے لیئے اور ایک بار تمہارے لیئے۔!

آپ کا سالِ وفات ۶۵۴ھ ہے مزار پر انوار بغداد میں ہے۔

رفت نجم الدین چو زین فانی سرا ۔ سالِ وصل او بصد عقل و تمیز
گفت نجم الدین سرور سرورش ۔ عارف حق ۔ نظم دین ابدال نیز

۶۵۴ ۶۵۴ ۶۵۴

عین الزمان جمال گیلی قدس سرہٗ

آپ شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ کے خلفاء میں سے تھے۔ بڑے دانشمند اور عاقل و فاضل تھے علوم ظاہر و باطن میں یگانہ روزگار تھے۔ زندگی کے ابتدائی ایام میں حضرت شیخ کی صحبت میں رہے۔ علوم نقلی اور عقلی پر بڑی بڑی کتابیں مطالعہ میں لائے۔ ایک رات خواب میں شیخ طریقت نے فرمایا۔ کتابوں کا یہ بوجھ کیوں لادے پھرتے ہو۔ انہیں پھینک دو۔ علی الصبح بیدار ہوئے۔ تمام کی تمام کتابیں دریا بُرد کر دیں اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا۔ جمال اگر تم یہ بوجھ سر سے نہ پھینکتے تو تمہیں کچھ حاصل نہ ہوتا۔ حضرت شیخ نے ایک ہی چلہ میں آپ کو منازل سلوک طے کرا دیئے۔ اور عین الزمان کے خطاب سے نوازا۔

ایک آدمی قزوین کے سادات میں سے تھا۔ اسے بادشاہ شیرانہ سے ایک ضروری کام تھا۔ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سفارشی خط کی التجا کی۔ تاکہ اس کا کام آسان ہو جائے۔ آپ نے ایک کاغذ پر دردِ شکم کا نسخہ لکھا۔ اور اس کے حوالے کر دیا۔ وہ رقعہ لے کر دربار میں حاضر ہوا۔ اتفاقاً اس دن بادشاہ کے پیٹ میں شدید درد تھا۔ طبیب علاج سے عاجز ہو گئے تھے۔ اس نے خط پیش کیا۔ بادشاہ سمجھا کہ حضرت نے کشفی طور پر میرے دردِ شکم سے آگاہی پاتے ہوئے۔ علاج تجویز کیا ہے۔ دوائی کھائی اور صحت یاب ہو گیا۔ اور اس شخص

کا کام بھی کر دیا۔

آپ کی وفات ۶۵۶ھ میں ہوئی۔

حضرت عین الزمان نور جمال - شد چو از دنیا بگلزار جہاں

گفت سرور سال نقل آنجناب - اے بگو عارف ولی عین الزمان

۶۵۶ھ

شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہٗ:- آپ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ خاص تھے۔ ابتدائی عمر میں علوم مروجہ کی تکمیل کے بعد حضرت شیخ کی خدمت میں رہے۔ آپ نے اپنی تربیت میں ایک چلہ کرایا۔ دوسری بار چلہ میں بیٹھے۔ تو حضرت نجم الدین خود دروازے پر تشریف لے گئے۔ دروازے کو کھٹکھٹایا۔ اور فرمایا۔ سیف الدین! اٹھو۔ خلوت کدے سے باہر آؤ۔ تم تکمیل کو پہنچ چکے ہو۔

؎ منم عاشق مراغم سازگار است - تو معشوقی ترا با غم چہ کار است

آپ خلوت کدہ سے باہر آئے اور حضرت شیخ کی اجازت سے بخارا چلے گئے۔

نجم الدین کبریٰ کے ایک مرید نے ملک خطا سے ایک خوبصورت کنیز بطور تحفہ بھیجی اور شیخ نے اعلان کیا کہ آج کی رات ہم لذات مشروعہ سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں۔ تمام درویش بھی ہماری طرح ریاضت ترک کر کے آرام سے رات بسر کریں۔ تمام حضرات اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ مگر شیخ سیف الدین پانی کا ایک لوٹا اٹھائے ساری رات شیخ کے خلوت کدہ کے دروازے پر کھڑے رہے۔ صبح شیخ باہر نکلے۔ سیف الدین کو دیکھا کہ خدمت میں کھڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ رات ہم نے کہا تھا۔ کہ سب لوگ عیش و آرام سے رات بسر کریں۔ تم نے یہ کیا کیا۔ سیف الدین نے عرض کی۔ حضرت میرے لئے آپ کے دروازہ پر کھڑے رہنا ہی عیش و آرام ہے۔ شیخ بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔ ایک وقت آئے گا۔ کہ بادشاہاں وقت تمہارے ہم رکاب ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ بہتر سال کی عمر میں ۶۵۶ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار بخارا میں ہے۔

قاتل کفر شیخ سیف الدین - یافت چوں از جہاں بجنت بار
کشف انوار - شمس انوار ست - سالِ تاریخ آں شہِ ابرار
۶۵۶ھ ۶۵۶ھ

شیخ زاہدی قدس سرہٗ:- آپ مفسرین قرآن۔ اور محدثین حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔ تفسیر زاہدی آپ کی بہترین تالیف ہے یہ تفسیر عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔ آپ ۶۵۸ھ میں فوت ہوئے۔

شد چو از دنیا بجنت جائے گیر - زاہد والا ولی زاہدی
متقی حق وصالش ہست نیز - زاہد دین متقی زاہدی
۶۵۸ھ ۶۵۸ھ

حضرت سید مٹھہ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ:- آپ کا اصل نام سید ابی غفار حسینی ہے۔ آپ اپنے وقت کے اکابر اولیاء اور مشائخ میں سے تھے۔ آپ کے آباء واجداد اس وقت خوارزم سے وارد ہندوستان ہوئے۔ جب سلطنتِ خوارزم کو چنگیز خان کی فوجوں نے تہہ و بالا کر دیا تھا۔ آپ کے والد سید جمال الدّین خوارزم سے آ کر لاہور قیام فرما ہوئے۔ مخلوق میں بڑی مقبولیت ہوئی۔ لاہور کے لوگ جوق در جوق آپ کی مجلس میں آنے لگے۔ ان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا ابی غفار جانشین ہوا۔ اور قائم مقام قرار دیئے گئے۔ آپ بے حد شیریں زباں اور خلیق تھے۔ اسی شیریں زبانی کی وجہ سے آپ کو سید مٹھہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ حتیٰ کہ جس محلے میں آپ کا قیام تھا اس کا نام بھی محلہ سید مٹھہ مشہور ہو گیا (اور اب تک یہ نام چل رہا ہے) آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے امام حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

سید ابی غفار سید مٹھہ بن جمال الدین۔ بن سید محمد بن سید کریم الدّین بن نور الدین بن سید آدم بن علی جعفر بن سید محمد بن سید محمد الجواد بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن محمد باقر بن سید العالمین علی زین العابدین بن امام الکونین حسین ابن علی رضی اللہ عنہم اجمعین

آپ کی وفات ۶۶۱ھ میں ہوئی آپ کا مزار لاہور کے اندرونی علاقہ میں مشہور ترین مزارات میں ہے

سید میر مٹھ والی باصفا - آنکہ شیرین بود نزد خاص وعام
ہست سال ارتحال آنجناب - صاحب نعمت وگر شیرین کلام
۶۶۱ھ ۶۶۱ھ

خواجہ عزیز کرکی قدس سرہٗ:- شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی فرماتے ہیں۔ یہ بزرگ ہدایوں کے متصل موضع کرک میں پیدا ہوئے۔ زاہد۔ حافظ صاحب نعمت بزرگ تھے۔ اپنے شاگردوں کے ساتھ بیابان میں چلے جاتے۔ آپ کے شاگردوں میں سے ایک کے ہاتھ میں آک کا ٹوٹا ہوا ایک شاخہ ہاتھ میں پکڑے دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارے ہاتھ میں کھیرا ہے۔ انہوں نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا۔ مجھے تو یہ کھیرا نظر آتا ہے آپ نے اس کے ہاتھ سے لیا اور کاٹ کاٹ کر تمام دوستوں کو کھلاتے رہے۔

آپ کی وفات ۶۶۶ھ میں ہوئی تھی۔

آں عزیز دوجہاں شیخ کریم - از جہاں چوں رفت درباغ جنان
شمع نورست وعزیز شہوار - سال وصل آں شہ فوالامکان
۶۶۶ھ ۶۶۶ھ

شیخ جمال الدین احمد جورقانی قدس سرہٗ: آپ شیخ علی لالہ کے مرید تھے۔ آپ کے پیرو مرشد فرمایا کرتے تھے۔ جس شخص نے جمال الدین احمد کی صحبت پائی اسے حضرت جنید بغدادی اور شبلی رحمۃ اللہ علیہما کی صحبت میسر آگئی۔

ایک دن آپ کا ایک مرید آپ کے حجرے میں مراقبے میں مشغول تھا۔ آپ کے آنے کی آواز سنی تو دل میں کہنے لگا۔ شاید میرے لئے کوئی کھانا لے کر آیا ہے۔ حضرت شیخ جمال الدین احمد نے اس کے دل کی بات معلوم کر لی۔ اپنا جوتا اتار کر اس کے سر پہ مارنا شروع کر دیا اور فرمایا مراقبہ اسے زیب دیتا ہے۔ جس نے ایک ہفتہ تک کھانا نہ کھایا ہو۔ اسے لوگوں کے جوتوں کی

آواز سن کر یہ خیال کرنے کی ضرورت نہیں رہتی کو آنے والا میرے لئے کھانا لا رہا ہے۔

حضرت شیخ نے ۶۶۹ھ میں وفات پائی۔

حسن دوراں جمال دین احمد ۔ ذات او بود ماہتاب جمال !

سالِ ترحیل آں جمال جہاں ۔ کن رقم قطب آفتاب جمال
۶۶۹ھ

مولینا جلال الدین رومی قدس سرہٗ: اسم گرامی بہاء الدین محمد قدس سرہٗ تھا۔ مولد بلخ تھا۔ نشو ونما روم میں پائی۔ طریقت میں اپنے والد سے بیعت تھے۔ فقر میں بلند مقام کے مالک تھے۔ آپ نے اپنا دار العلوم جاری کیا تو اس میں ہر روز چار سو طلباء درس لیتے تھے۔ آپ کے اشعار مضامین معرفت اور توحید سے پُر تھے۔ ولی مادر زاد تھے۔ چھ سال کی عمر میں تین دن کے بعد روزہ افطار فرماتے۔

نفحات الانس میں لکھا ہے۔ کہ آپ کی عمر ابھی چھ سال ہی تھی کہ جمعہ کے دن چند ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ یہ لڑکے کوٹھے کی چھت پر تھے۔ ایک لڑکے نے کہا۔ آؤ ہمسایوں کی چھت پر چھلانگ لگائیں۔ حضرت رومی نے کہا۔ یار یہ عادت تو کتوں اور بلیوں کی ہے۔ آؤ آسمان کی طرف چھلانگ لگائیں۔ یہ کہہ کر آپ نے آسمانوں کی طرف پرواز کی۔ بچوں کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ بچوں نے شور مچایا۔ مگر چند لمحوں بعد آپ واپس آگئے اور اپنے ساتھیوں کو کہا۔ جب میں نے تم سے بات کی تو میں نے دیکھا کہ سبز پوشوں کی ایک جماعت اڑتی آئی۔ مجھے اٹھایا۔ اور آسمانی بلندیوں میں لے گئے۔ جب تمہاری آواز بلند ہوئی۔ تو مجھے واپس چھوڑ گئے۔

مولینا سراج الدین قونیوی اگرچہ صاحب علم شریعت تھے اور طریقت میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ مگر مولینا روم سے خوش نہیں تھے۔ جب انہوں نے سنا۔ کہ مولانا رومی نے کہا ہے۔ کہ میں تہتر۷۳ فرقوں میں سے ایک ہوں تو انہوں نے فیصلہ کیا۔ کہ مولانا کو دکھ دے کر بے عزت کیا جائے۔ آپ نے اپنی مجلس میں بیٹھنے والے ایک شخص کو کہا۔ تم جاؤ۔ اور مولانا سے یہ سوال کرو کہ کیا واقعی انہوں نے یہ بات کہی ہے۔ اگر وہ مان جائیں تو گالیاں دینا۔ وہ شخص گیا۔ مولینا سے پوچھا آپ نے کہا ہے؟

کہ میں تہتر مذہبوں میں سے ایک ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس نے گالیاں دینا شروع کر دیں آپ نے بڑے حوصلے سے برداشت کیا۔ اور کہا۔ اس کے باوجود جو تم کہہ رہے ہو۔ اُن میں سے ایک ہوں وہ شخص شرمندہ ہوا۔ اور آپ کے پاؤں میں گر پڑا۔

عمر کے آخرین حصہ میں آپ اپنے دوستوں کو کہا کرتے تھے۔ کہ میرے انتقال کرنے پر غم زدہ نہ ہونا۔ میں ہر وقت اور ہر آن تمہارے ساتھ ہی ہوں گا۔ میرے روح کے دو تعلق ہیں ایک جسم کے ساتھ اور ایک تمہارے ساتھ۔ جب میں جسم کی قید سے آزاد ہو گیا۔ تو میرے دونوں تعلقات تمہارے ساتھ ہو جائیں گے۔ یاد رکھو۔ حضرت منصور حلاج کے نور نے ڈیڑھ سو سال کے بعد شیخ فرید الدین عطار پر تجلی کی۔ اور ان کے مرشد بن گئے۔ میرا نور ہر وقت تم پر جلوہ افگن رہے گا۔

حضرت مولینا روم مکہ مکرمہ میں تشریف لے گئے۔ راستہ میں نیشاپور میں قیام فرمایا۔ اور حضرت خواجہ فرید الدین عطار سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے آپ کو کتاب اسرار نامہ دی۔ آپ ہمیشہ اس کا مطالعہ کرتے رہتے۔[1]

حضرتِ مولینا روم کی ولادت بتاریخ ششم ماہ ربیع الاوّل ۶۰۴ھ میں ہوئی۔ وفات بوقت غروبِ آفتاب پنجم جمادی الآخری ۶۷۲ھ کو ہوئی۔ آپ کا مزار گوہر بار قونیہ میں ہے۔

---

[1] شیخ حسام الدین چلپی شیخ صلاح الدین زرکوب کے انتقال کے بعد حضرت مولانا کی مجالس میں شریک ہوئے۔ اور حضرت کے مزاج کو متاثر کر کے مثنوی کی تکمیل کا ذریعہ بنے۔ آپ کی تحریک پر مولانا کی یہ کتاب مکمل ہوئی۔ حضرت مولانا روم نے بھی آپ کو بڑا سراہا اور جابجا آپ اس جذبہ کا تذکرہ کیا۔

اے حسام الدین حسام الحق بیا یا اے حسام الدین تو دیدی حال او

آپ مولانا روم کے رفیق مجالس ہی نہ تھے، مزاج شناس رومی بھی تھے۔ جامی لکھتے ہیں۔ ایک دن حسام الدین نے مولانا کو بتایا۔ حضرت جس مجلس میں اہل دل آپ کی مثنوی پڑھتے ہیں۔ تو میں دیکھتا ہوں۔ کہ اس مجلس پر انوار کی بارشیں ہوتی ہیں، فرشتوں کی ایک جماعت حلقہ بنا کر بڑے اثرات کو اس مجلس سے دور رکھتی ہے جو شخص مثنوی کو خلوص و محبت سے نہیں سنتا۔ رجال الغیب اسے ہٹا دیتے ہیں۔ مولانا نے سن کر فرمایا یہ بات بالکل سچی ہے

جلال الدین رومی اہل دل پیر ۔ کہ روشن بود از نورِ تجلیٰ

بگو قطب، کمال عارفان است ۔ پے تولید آن شاہ معلّیٰ

۶۰۴ھ

وصالش شاہ دین نور الٰہی

۶۷۴ھ

جلال متقی محبوب فرما

۶۷۴ھ

شیخ حسام الدین چلپی قدس سرہٗ:۔ اسم گرامی حسین بن محمد بن حسن بن اخی ترکی تھا حضرت مولینا روم کے خلیفہ اکبر اور مرید خاص تھے حضرت مولانا روم نے آپ کی تربیت میں بڑی دلچسپی سے حصہ لیا اور اپنی نظر خاص میں رکھا۔

جب شیخ شمس الدین تبریزی کی شہادت کا واقعہ رونما ہوا۔ مولینا روم نہائیت افسردہ خاطر اور شکستہ دل تھے۔ ان دنوں آپ صلاح الدین زرکوب فریدوں کی مجلس میں بیٹھا کرتے۔ صلاح الدین شیخ برہان الدین محقق کے مرید تھے۔ حضرت مولینا روم زرکوبوں (سناروں) کی گلی سے گزرتے تو زرکوبوں کی صدائے زرکوبی سے وجد میں آتے۔ شیخ صلاح الدین دکان سے اٹھے۔ مولینا کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ حضرت مولینا روم نے اسی دن سے آپ کو اپنا ساتھی بنا لیا۔ اور بے پناہ نوازشوں سے نوازا۔

یکے گنجے پدید آمد درین دکان زرکوبی ۔ زہے صورت زہے معنیٰ زہے خوبی زہے خوبی

شیخ صلاح الدین نے اس دن اپنی دکان زرفروشی اور زرکوبی کو لٹا دیا۔ اور مولینا روم کی رفاقت کی دولت کو پا لیا۔ دو سال کے بعد فوت ہوئے تو حسام الدین چلپیؒ قدس سرہٗ مولانا روم کے مصاحب اور رفیق ناصرین گئے۔ آپ نے حسام الدین کا لقب ضیاء الحق رکھا۔ حسام الدین نے شیخ فریدالدین عطار کے مصیبت نامہ۔ منطق الطیر۔ اور حکیم سنائیؒ کا الٰہی نامہ دیکھا تو انتہائے اشتیاق میں مولانا روم کو فرمائش کی کہ وہ بھی ایسی مثنوی لکھیں تاکہ زمانہ میں یادگار رہے اگرچہ مولانا کا دیوان اور غزلیات اس سے پہلے چھپ چکی تھیں۔ مولانا روم نے اپنی دستار مبارک سے ایک کاغذ نکال کر حسام الدین کے حوالے کیا۔ اس پر مثنوی معنوی کے ابتدائی تیرہ اشعار لکھے ہوئے تھے

بشنو از نے چوں حکایت می کند ۔ وز جدائیہا شکایت می کند

یہ اشعار "پس سخن کوتاہ باشد والسلام" تک تھے۔ آپ نے فرمایا۔ تمہاری فرمائش سے پہلے ہی مجھے یہ تیرہ اشعار اشارہ غیبی سے وارد ہوئے تھے۔ اس دن سے حضرت مولانا پوری توجہ سے مثنوی لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ بسا اوقات یوں ہوتا۔ کہ آپ اول رات سے لے کر سحری تک مثنوی املا کراتے جاتے اور حسام الدین قلم دوات لئے لکھتے جاتے۔ ساری رات گزر جاتی۔ دونوں مثنوی میں مشغول رہتے۔

جلد اول ختم ہوئی تو حسام الدین چلپی کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ اس واقعہ نے مثنوی کی املا میں توقف پیدا کر دیا۔ دو سال بعد پھر حسام الدین نے املا کا سلسلہ شروع کیا مولانا نے دوسری جلد کے آغاز میں اشارہ فرمایا ہے۔

مدتے این مثنوی تاخیر شد ۔ مہلتے باید کہ تا خوں شیر شد

اس کے بعد حضرت مولانا روم کا چشمۂ شعریت رواں رہتا اور حضرت حسام الدین لکھتے جاتے۔ حتیٰ کہ کتاب کی چھ جلدیں مکمل ہو گئیں[1]

(بعض روایات میں آتا ہے کہ چھٹی جلد آپ کے بیٹے نے مکمل کی تھی)

---

[1] :۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند سلطان ولد کی تصنیف "رباب نامہ" دکتر علی سلطانی گرد فرامزدی کے اہتمام میں موسسہ مطالعات اسلامی دانش گاہ مک گیل سے حال ہی میں طبع ہوئی ہے جس میں فاضل مؤلف کے حالات کے ساتھ ساتھ آپ کی تالیفات اور تصنیفات کا تذکرہ کیا گیا ہے ان آثار و احوال میں صرف ان کتابوں کا نام ملتا ہے

۱۔ دیوان غزلیات و رباعیات۔ (یہ حضرت مولانا جلال الدین رومی کی غزلیات کی طرز پر ہے)

۲۔ ولد نامہ (یہ حدیقۃ الحقیقہ خواجہ سنائی کی طرز پر ہے)

۳۔ رباب نامہ (یہ مثنوی مولانا روم کی طرز پر ہے)

۴۔ انتہا نامہ :۔ ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔

غالباً رباب نامہ کے متعلق ہی بعض حضرات کو شبہ ہوا۔ کہ مثنوی معنوی کی تکمیل آپ نے کی تھی (مترجم)

ایک بار حسام الدین نے مولانا روم کو بتایا۔ کہ حضرت جب لوگ مثنوی پڑھتے ہیں۔ تو اہل مجلس ایک نور میں مستغرق ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ غیب سے ایک جماعت جن کے ہاتھوں میں نیزے اور تلواریں ہوتی ہیں۔ دُور باش پکارتے ہوئے حاضر ہوئے ہیں۔ جو لوگ مثنوی کو سننے سے اعتراض کرتے ہیں۔ ان کے ایمان کی شاخیں کاٹتے چلے جاتے ہیں۔ اور انہیں کشاں کشاں جہنم میں لے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا روم نے فرمایا تم نے جیسے دیکھا ہے ویسے ہی ہوتا ہے۔ پھر مولانا نے یہ شعر پڑھا۔

"دشمن ایں حرف دین دم در نظر - شد مثل سرنگوں اندر شعر

اے حسام الدین تو دیدی حالِ او - حق نمودت پاسخ احوالِ او"

جب حضرت مولانا رومی کا وصال ہوا۔ کہ ساتویں مولانا حسام الدین چلپی اپنے احباب کی ایک جماعت لئے مولانا کے بیٹے سلطان وَلَد کے پاس آئے۔ اور کہا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ اپنے والد کی مسند پر بیٹھیں مخلص مریدین اور طالبین کو ارشاد فرمائیں۔ اور ہمارے شیخ اور پیر کی جگہ قیام فرما ہوں اور میں آپ کی رکاب میں غاشیہ برداری کرتا رہوں۔ اور یہ بیت پڑھتا جاؤں۔

برخانہ دل اے جاں کیست ایستادہ - برتخت شو بادشاہ وشاہزادہ

یہ بات سنتے ہی سلطان ولد بہت روئے۔ اور کہا۔ آپ میرے والد مکرم کے خلیفہ و جلیس مجلس تھے۔ آپ اب بھی اسی طرح اس مقام احترام پر رہیں گے۔ ہمارے بزرگوار بھی آپ ہیں اور میرے والد کی جگہ بھی آپ ہی ہیں۔

شیخ حسام الدّین چلپیؒ ۶۷۳ھ میں فوت ہوئے۔

چو رفت از عالم دنیا بجنت - حسام الدّین شد مرحوم و مغفور

ز رہبر پیر دین جو انتقالش - بفرما نیز عین الدّین پرُ نور

۶۷۳ھ   ۶۷۳ھ

قاضی بیضاوی قدس سرہٗ:- آپ کا نام نامی عبداللہ تھا۔ لقب ناصرالدین تفسیر بیضاوی المعروف بہ انوار التنزیل و آثار التاویل آپ کی تصانیف میں سے ایک ہے۔ فارس میں مقام بیضا میں سکونت رکھتے تھے۔ آپ کی وفات ۶۸۵ھ میں ہوئی تھی[۱]

نصرت حق ناصر دین نبی - شد چو از دنیا بفردوس بریں

گو فرید العصر تاریخش وگر - ناصر دین سید اہل یقین[۱]

۶۸۵ھ ۶۸۵ھ

شیخ عبداللہ بلّیانی قدس سرہٗ:- اسم گرامی اوحدالدین تھا۔ والد گرامی کا اسم گرامی ضیاءالدین مسعود بن محمد بن علی بن احمد بن عمر بن اسماعیل بن شیخ ابوعلی دقاق قدس سرہم تھا۔ خرقہ خلافت اپنے والد محترم سے حاصل کیا جنہوں نے چار واسطوں سے شیخ ابوالنجیب سہروردی سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ حضرت شیخ ابوبکر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے۔ آپ کے والد فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں نے جو کچھ اللہ سے مانگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے عبداللہ کو عطا فرمادیا ہے۔ میں نے تو ایک روشن داں طلب کیا تھا مگر اللہ نے میرے بیٹے پر اپنے انوارِ رحمت کے دروازے کھول دیئے۔

آپ کی وفات ۶۸۶ھ میں ہوئی تھی۔

---

[۱]: حضرت عبداللہ بن عمر بن محمد ابوالخیر ناصرالدین بیضاوی شافعی قدس سرہٗ شیراز آذربائیجان کے قاضی القضاۃ رہے صاحب تصانیف کثیرہ اور محدث و مفسر تھے۔ اپنی مشہور زمانہ تفسیر بیضاوی کی وجہ سے شہرت پائی۔ یہ تفسیر کشاف تفسیر کبیر جیسی تفاسیر کے مضامین کا نچوڑ ہے اور ان کے مطالعہ سے قاری کو بے نیاز کر دیتی ہے آج تک مدارس دینیہ میں پڑھائی جاتی ہے۔

اَوحد الدین شیخ عبد اللہ ضیاء - یافت چوں از دہر رخت مکان
وصلش عبد اللہ مرشد کن رقم - نیز ہادی عاشق صادق بخواں
۶۸۶ھ ۶۸۶ھ

شیخ یاسین مغربی اسود حجام قدس سرہٗ:- آپ صاحب کرامت اور ارباب ولایت میں سے تھے۔ لیکن لوگوں سے اپنے کمالات کو چھپانے کے لیے حجام بن گئے تھے۔ شیخ محی الدین نواذی آپ کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ ۶۸۶ھ میں فوت ہوئے۔ جب کہ آپ کی عمر شریف ۸۰ سال تھی۔

شہ دین محمد شیخ یاسین - کہ آمد نام نامیش بعتہ آں
بجنّت رفت زین دنیائے فانی - برآمد سال وصلش نور فرقان
۶۸۶ھ

شیخ عفیف الدین تامسانی قدس سرہٗ:- وقت کے امام اور زمانہ کے شیخ تھے۔ کلام آہستہ کرتے مگر سخن بلند ہوتا۔ شیخ الاسلام عبد اللہ انصاری کی کتاب منازل السائرین کی آپ نے شرح لکھی تھی۔ جو بڑی مقبول ہوئی ۶۹۰ھ میں وفات پائی۔

چوں عفیف الدین از دنیائے دوں - یافت از فضل خدا در خلد جا۔
سال وصلش خاص گو مخدوم خواں - ہم عفیف دین کامل راہنما
۶۹۰ھ ۶۹۰ھ

شیخ نور الدین عبد الرحمان اسفرانی کشمیری قدس سرہٗ:- آپ کسرق کے رہنے والے تھے جو اسفران کے مضافات میں ہے طریقت میں شیخ احمد جورقانی کے مرید تھے۔ طالبان کو علم سلوک۔ مریدوں کی تربیت اور انہیں کشف حکمت کے اسرار و رموز سمجھانے میں بڑے ہی ماہر تھے۔ شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے زمانہ میں اگر شیخ نور الدین کا وجود مسعود نہ ہوتا، تو طریقہ سلوک ختم ہو جاتا! اللہ تعالیٰ

ان کی ہمت سے یہ طریقہ قیامت تک جاری رکھے گا۔ حقیقت میں وہ مجدّد طریق تھے۔

آپ کی ولادت ۶۳۷ھ میں ہوئی جبکہ وصال بروز یکشنبہ چہاردہم ۱۴ جمادی الاولیٰ ۶۹۵ھ میں ہوا۔

نوردین احمدی شیخ عظیم ۔ مقتدا و مرشدِ روئے زمین

نوردین نورانی آمد مولدش ۔ رحلت او عبد رحمان نوردین

۶۳۷ھ ۔ ۶۹۵ھ

نورالدین ملک یار پَراں قدس سرہٗ: آپ دہلی کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ آپ کا اصل وطن لار تھا۔ وہاں سے اپنے پیر اور روشن ضمیر کے ارشاد کے مطابق دہلی آئے۔ اور بڑی مقبولیت حاصل کی۔ سلطان غیاث الدین بلبن آپ کا بڑا معتقد تھا۔ آپ کو شیخ عزیزالدین دانیال خلجی قدس سرہٗ سے خرقہ خلافت اور اجازت ملی تھی۔ انہیں علی خضر اور انہیں شیخ ابواسحاق گارزرونی سے نسبت حاصل تھی۔

جب نورالدین ملک یار غیاث الدین بلبن کے عہد میں دہلی پہنچے۔ آپ نے دریا کے کنارے جو شیخ ابوبکر طوسی قلندر کے مکان کے ساتھ تھا۔ قیام فرمایا۔ شیخ ابوبکر طوسی کو آپ کا یہ قیام کرنا ناگوار گزرا۔ انہوں نے کہلا بھیجا۔ کہ یہاں اپنے مرشد یا بادشاہ کی اجازت کے بغیر قیام کرنا اچھا نہیں۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ یا تو بادشاہ سے فرمان لاؤ۔ یا اپنے پیرو مرشد سے اجازت نامہ حاصل کرو۔ یہاں سے اٹھو اور اپنا راستہ لو۔ حضرت نورالدین پہلے بعالم طیر (اڑکر) دہلی سے ٹھٹھہ پہنچے۔ سلطان غیاث الدین سے فرمان حاصل کیا۔ اس کے بعد اپنے پیرو مرشد کے پاس گئے اور فرمان خلافت حاصل کیا۔ اور دہلی میں قیام کا اجازت نامہ لیا۔ تھوڑے دنوں میں دونوں سندوں کے ساتھ پھر آپہنچے اور ابوبکر طوسی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کاغذات پیش کئے۔ شیخ ابوبکر طوسی نے فرمایا۔ کیا تم پرندے ہو کہ اتنی دور دراز مسافت سے کاغذات لے آئے ہو۔ اس دن سے نورالدین ملک یار پراں کے لقب سے مشہور ہوگئے

آپ کی وفات ۶۹۵ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار جمنا کے کنارے واقع ہے۔

شیخ نور الدین چو از عالم برفت ۔ سالِ وصل آں شہ والا مکان
شاہ نور الدین ابدال ست نیز ۔ مقتدائے علم تقدیرش عیاں

۶۹۵ھ ۶۹۵ھ

شیخ ابو محمد مرجان قدس سرہٗ:- آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن محمد ہے۔ مرجان کے رہنے والے تھے۔ مشائخ کبار سے تھے۔ آپ کے دل پر اللہ کے علم علوم معرفت کے دروازے کھلے تھے۔ ایک شخص نے آپ کی مجلس میں بتایا۔ کہ فلاں شخص کہتا ہے۔ کہ جب شیخ ابو محمد بات کرتے ہیں تو ان کے منہ سے لے کر آسمان تک نور کی ایک کرن جاتی ہے جب شیخ خاموش ہوتے ہیں تو وہ نور کی کرن ٹوٹ جاتی ہے۔ آپ نے تبسم فرمایا۔ اور کہا وہ غلط کہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ جب اللہ کے نور کی کرن آتی ہے تو میرا منہ کھل جاتا ہے۔ جب رک جاتی ہے تو منہ بھی بند ہو جاتا ہے۔

آپ ۹۹۹ھ میں فوت ہوئے تھے۔

جناب بو محمد پیر مرجان ۔ شہ دنیا و دین شیخ معلیٰ
چو مثل ماہ شد روشن بجنّت ۔ بخواں تاریخ او نور تجلیٰ

۹۹۹ھ

شیخ ابو عبداللہ ابن مطرف اندلسی قدس سرہٗ:- آپ حرمین الشریفین کے عظماء مشائخ میں سے تھے۔ کئی سال تک بیت اللہ شریف کے مجاور رہے اسی جگہ سکونت اختیار کر لی۔ ہر روز پچاس بار بیت اللہ شریف کا طواف فرماتے۔ شیخ ابو محمد مرجان فرماتے ہیں۔ ایک بار میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ شیخ ابو عبداللہ مطرف مجھے الوداع کہنے کے لئے آئے۔ آپ نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ راستے میں پانی کی تکلیف ہے۔ تم لوگوں کو بھی مشکل پیش آئے گی۔ مگر اللہ کی رحمت بارش میں برسے گی۔ اور وافر پانی ملے گا۔ ہم چار اشخاص مکہ سے چلے۔ ایک مقام پر پہنچے۔

واقعی ہمارے پاس پانی نہ رہا۔ گرم لو۔ اور سخت دھوپ نے آلیا۔ ہم مرنے کے قریب تھے مگر ہمیں حضرت شیخ کی بات یاد آرہی تھی۔ حوصلہ بلند تھا۔ بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا۔ اور ہمارے اوپر آکر برسنے لگا۔ راستہ میں تمام گڑھے پُر ہو گئے۔ مگر ہم کچھ فاصلہ آگے بڑھے تو پانی اور بارش کا نام ونشان بھی نہ تھا۔

شیخ مطرف رمضان المبارک ۷۰۷ھ میں نوے سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ مصر کا بادشاہ انتہائی عقیدت سے آپ کے جنازے میں شریک ہوا تھا۔ اور خود کندھا دیتا رہا۔

ابن مطرف شیخ عبداللہ پیر - پیرِ دکش بودند پیران وجوان
چوں بہشتی بود آں نیکو خصال - سالِ ترحیلش بہشت آمد عیاں
۷۰۷ھ ۷۰۷ھ

قطب الدین علامہ قدس سرہٗ: آپ ظاہری و باطنی علوم میں جامع تھے۔ علامۂ عصر تھے وحید الدھر۔ اپنے زمانہ میں آپ کا ثانی نہیں تھا۔ اکثر علماء کرام آپ کی شاگردی پر فخر کرتے تھے شرح شمسیہ جو قطبیہ کے نام سے مشہور ہوئی آپ ہی کی تصنیف ہے۔ آپ کی وفات ۷۱۰ھ میں ہوئی تھی۔

شیخ قطب الدین علامہ ولی - شد چو زین دنیا بفردوس بریں
شاہ ابرار است سالِ وصل او - نیز قطب الدین تاج اہل دین

شیخ حافظ الدین نسفی قدس سرہٗ: آپ کے والد کا نام احمد تھا۔ وقت کے جلیل القدر عالمِ دین تھے۔ تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل آپ کی تصنیف ہے۔ آپ کی وفات ۷۱۰ھ میں ہوئی تھی۔

شد ز دار فنا بخلد بریں - ہاتف دین و متقی نسفی
مخزن جود گو بتاریخش - ہم بفرما دگر تقی نسفی
۷۱۰ھ

شیخ سلطان وَلَد قدس سرہٗ:۔ آپ حضرت مولانا جلال الدین رومی کے فرزند رشید تھے۔ اپنے والد کے سجادہ اور مسندِ ارشاد پر بیٹھے۔ ظاہری اور باطنی علوم اپنے والد مکرم سے حاصل کئے۔ شیخ حسام الدین چلپیؒ اور شیخ شمس الدین تبریزی سے بھی بڑا فائدہ حاصل کیا۔ شیخ صلاح الدین زرکوب سے جو آپ کی بیوی کے والد تھے۔ بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ آپ نے حدیقہ سنائی کی طرز پر ایک مثنوی لکھی تھی۔ آپ کے والد فرمایا کرتے تھے۔ بیٹا میرا آنا تو تمہارے ظہور کی خاطر تھا۔ میری مثنوی میرے اقوال کا آئینہ ہے اور تم عملی طور پر میری تصویر ہو۔ والد کی وفات کے بعد گیارہ سال تک حضرت رومی کے سجادہ پر بیٹھے۔

آپ کی ولادت بمقام لارنڈہ ۶۲۳ھ میں ہوئی۔ مگر وفات بروز ہفتہ۔ دہم رجب المرجب ۷۱۲ھ میں ہوئی۔ جس رات آپ کا وصال ہوا۔ یہ شعر زبان پر تھا۔

اِمشب شب آنست کہ بینم شادی ۔ دریابم از خدائے خود آزادی

شیخ سلطان وَلَد پیر دستگیر ۔ رہبر دین نبی شیخ عظیم

پس امام العصر سلطان شد رقم ۔ سال تولیدش بطرز مستقیم
۶۲۳ھ

ہست رکن العارفین ترحیل او ۔ ہم معلّٰی قطب سلطان الکریم
۷۱۲ھ ۔ ۷۱۲ھ

شیخ سلیمان ترکمان قدس سرہٗ:۔ آپ دمشق میں رہا کرتے تھے۔ بلا اشد ضرورت اپنی جگہ سے نہ اٹھتے۔ کم کھاتے اور کم سوتے اور کم بولتے ظاہری علماء اپنی علمیت اور جلالت کے باوجود آپ سے گفتگو کرتے وقت ادب بلحوظ خاطر رکھا کرتے تھے۔ عام لوگوں کے سامنے نماز ادا نہ کرتے تھے کشف پہ کمال حاصل تھا۔ بسا اوقات نادیدہ واقعات اور ناشنیدہ حالات بیان کر دیتے۔

امام یافعی فرمایا کرتے تھے۔ کہ آپ کا ظاہری احوالِ شریعت کی پاسداری نہ کرنا عوام الناس سے اپنے آپ کو چھپانا مقصود تھا۔ لیکن تنہائی میں آداب شرع کو ملحوظ خاطر رکھتے۔ آج تک کسی نے

انہیں کھانا کھاتے۔ کفارہ ادا کرتے یا قضا پڑھتے نہ دیکھا تھا۔

آپ ۷۱۴ھ میں فوت ہوئے۔

چو شد روشن ازین دنیا بجنت ۔ منور ترمہ عالم سلیمان
بسالِ وصل آں شہ جہانگیر ۔ بگو عابد شہِ عالم سلیمان
۷۱۴ھ ۷۱۴ھ

شیخ بدرالدین اسحاق سمرقندی قدس سرہٗ: آپ شیخ نجم الدین کبریٰ کے مرید اور خلیفہ تھے شیخ سیف الدین باخرزی سے بھی بیعت ہوئے ہندوستان آئے تو سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین دہلوی کی صحبت میں رہتے اور آپ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ سماع کے رسیا تھے۔ آپ کی وفات ۷۱۶ھ میں ہوئی تھی۔ آپ کا مزار بنگولہ میں ہے۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مشائخ فردوسیہ کا سلسلہ برصغیر میں رائج فرمایا پہلے خواجہ قطب الدین بختیار کے عہد ولایت میں برصغیر میں آئے دہلی میں قیام پذیر ہوئے اور تمام عمر بسر کر دی۔

شیخ بدرالدین سمرقندی ولی ۔ شد چو روشن ازجہاں اندر جہاں
وصلش عالی قدر بدرالدین بگو ۔ ہم ولی بدر سمرقندی بخوان
۷۱۶ھ ۷۱۶ھ

شیخ نجم الدین اصفہانی قدس سرہٗ: آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن احمد بن محمد اصفہانی تھا صاحب مقامات بلند اور مدارج ارجمند تھے حضرت ابوالعباس شاذی کے مرید تھے۔ ایک طویل عرصہ تک مکہ مکرمہ میں مجاور رہے صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ علماء کرام میں سے ایک عالم دین نے مجھے بتایا کہ میں اپنے والد کی بیماری کے باوجود سفر حج پر روانہ ہوا حج کیا۔ مناسک حج ادا کیئے۔ مگر میرے دل میں والد کی بیماری کے خدشات رہے۔ میں نے شیخ نجم الدین سے اپنا حال بیان کیا۔ وہ چند لمحوں کے لئے متوجہ

ہوئے اور فرمانے لگے۔ تمہارے والد صحت یاب ہو گئے ہیں اپنی مسند پہ بیٹھے مسواک کر رہے ہیں۔ اِدھر اُدھر کتابوں کا ڈھیر رکھا ہوا ہے۔ ان کا حلیہ اور شکل و صورت ایسی ایسی ہے۔ میرے والد کی دوسری نشانیاں بھی بتائیں۔ حالانکہ آپ نے اسے کبھی دیکھا نہ تھا۔ میں نے وہ تاریخ اور وقت لکھ لیا۔ گھر آیا۔ تو واقعی اس وقت میرے والد اسی حالت میں تھے

آپ نے ساری عمر شادی نہیں کی۔ عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھایا۔

آپ نے ساری عمر مکہ مکرمہ میں گزاردی اور مدینہ منورہ نہیں گئے لوگوں کو آپ کی اس روش پر اعتراض تھا۔ محمد نامی ایک شخص نے جو ولی اللہ تھا۔ بتایا۔ کہ میں مدینہ شریف کی طرف جا رہا تھا۔ راستہ میں میرے دل میں خیال آیا۔ کہ نجم الدین مدینہ منورہ کیوں نہیں آتے میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ تو حضرت شیخ نجم الدین ہوا میں اڑتے اڑتے مدینہ منورہ کی طرف جا رہے تھے مجھے پکار کر کہا۔ محمد تم دل میں کیا خیال کر رہے ہو۔ یقین جانو۔ ایسی کوئی رات نہیں آئی۔ جب میں بارگاہِ نبویہ میں حاضری نہ دی ہو۔

آپ جمادی الاولیٰ ۷۲۱ھ میں مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے۔

صورت گنجینہ چو شد پردہ پوش - مخزن اسرار ولی نجم دین
گشت وصالش زخرد جلوہ گر - نیز انوار ولی نجم دین
۷۲۱ھ

شیخ بدرالدین سمرقندی کے خلیفہ اور مرید تھے

شیخ رکن الدین فردوسی قدس سرہٗ: آپ کے بعد سجادہ مشیخیت پر جلوہ فرما ہوئے۔

سلسلۂ فردوسیہ آپ کی وجہ سے ہندوستان میں مقبول ہوا۔ ہندوستان میں جہاں کہیں بھی سلسلہ فردوسیہ کا کوئی درویش موجود ہے اس کی نسبت آپ سے ہی ہے۔ بچپن سے ہی شیخ بدرالدین کے زیر تربیت رہے۔ آپ کو خلق میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔ جس وقت سلطان کیقباد نے حضر الدین دہلی میں ایک نیا محل بنایا۔ وہ شہر سے باہر آئے۔ اور شہر کے باہر دریا کے کنارے پر خانقاہ بنائی۔ آپ ۷۲۴ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ رکن الدین چو از دار فنا ۔ گشت خلدیں سرا منزل گزین
ہست مخدوم اجل ترحیل او ۔ نیز رکن دین ولی پیرا این

۷۲۴ھ ۷۲۴ھ

حضرت فریدالدین بُلبُل شاہ کشمیری قدس سرہٗ:۔ آپ خطۂ دلپذیر کشمیر کے مشہور مشائخ میں سے تھے اسم گرامی شرف الدین تھا۔ قدوۃ الواصلین ۔امام الواصلین ۔مروج الاسلام ۔کاسر الاسلام ۔شاہ بلادل اور بلبل شاہ خطابات تھے ۔آپ کی کوششوں سے کشمیر کی وادیوں میں اسلام کا نور پھیلا ۔آپ حاکم کشمیر رنجو شاہ کے دَور حکومت میں کشمیر میں آئے ۔یہ زمانہ ۷۲۵ھ کا تھا۔ دریائے جہلم کے کنارے پر قیام فرماتے تھے ۔راجہ اگرچہ ہندو تھا ۔مگر اس کا دل ہندو مذہب سے وابستہ نہ تھا۔ وہ مذہب اسلام پر غور و فکر کرتا تھا ۔دوسرے ادیان پر بھی اظہار خیال کرتا تھا۔ مختلف مذاہب کے لوگ راجہ کے پاس آتے ۔اور اپنے نظریات اور عقائد کو پیش کرتے ۔راجہ سب کی گفتگو سنتا رہتا۔ ایک رات وہ مختلف مذاہب پر غور کر رہا تھا ۔اسے سارا دن نیند نہ آئی ۔اس نے فیصلہ کیا۔ کہ علی الصباح جو شخص سب سے پہلے میرے پاس آئے گا ۔اسے حق پر سمجھوں گا ۔علی الصباح راجہ اپنے محل کی چھت پر کھڑا ہو گیا ۔اور عرب کی طرف دیکھ رہا تھا ۔اس کی نگاہیں دُور دریا کے کنارے پر پڑیں ۔اس نے دیکھا کہ ایک فرشتہ صورت بزرگ پتھر کے مصلیٰ پر باکمال تمکین و اعزاز اور نہایت سوز و گداز کھڑا نماز ادا کر رہا ہے ۔بادشاہ کو اس شخصیت کو دیکھنے کے شوق نے اس قدر برانگیختہ کیا کہ وہ چھت سے اترا ۔اور اسی طرح تن تنہا دریا کی طرف چل پڑا وہ بزرگ حضرت بلبل شاہ تھے ۔بادشاہ نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا ۔گناہوں سے توبہ کی ۔واپس آکر اس نے تمام اہل خانہ کو بھی دولت ایمان حاصل کرنے کو کہا دربار کے امرا و وزراء کو اسلام کی دعوت دی ۔اس کی کوششیں اتنی مخلصانہ تھیں کہ اس کے اہل و عیال اور امراء و وزراء سب کے سب مسلمان ہو گئے ۔

بادشاہ نے حضرت بلبل شاہ کے مقام خازپر ایک خوبصورت خانقاہ تعمیر کرائی۔ مورخین کہتے ہیں کہ وادی کشمیر میں اہل تصوف کی یہ پہلی خانقاہ تھی جسے تعمیر کیا گیا۔ اس خانقاہ کا ابتدائی نام لنگر بابا بلبل شاہ رکھا گیا۔ بلبل شاہ نے اپنی خانقاہ کے ساتھ ہی ایک مسجد تعمیر کرائی۔ خواجہ محمد اعظم تواریخ اعظمی میں لکھتے ہیں۔ (یہ کتاب تاریخ دومری کے نام سے مشہور رہی) کہ سید والا جاہ بلبل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی طاقت دی ہے کہ میں کھائے پیئے بغیر زندہ رہ سکتا ہوں۔ اس بدن سے جان چلی بھی جائے تو چل پھر سکتا ہوں۔ اس بدن ظاہری کے ساتھ دارالبقا میں جا سکتا ہوں۔ اور اس کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ چونکہ یہ تینوں چیزیں سنت نبوی کے خلاف ہیں۔ لہٰذا میں کوئی کام ایسا کرنا نہیں چاہتا جو سنت رسول کے خلاف ہو۔ میرے نزدیک سنت نبوی پر اقامت اور اطاعت ہزاروں سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت بابا بلبل شاہ کی وفات صاحب تواریخ کشمیر نے ۷۲۷ھ لکھی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ شعر بھی لکھا ہے۔

سالِ تاریخ وصل حضرت شاہ ۔ بلبل قدس گفت خاص اللہ
۷۲۷ھ

سلطان رنچو شاہ اسلام لائے تو حضرت پیر روشن ضمیر بلبل شاہ نے انہیں سلطان صدرالدین کے خطاب سے نوازا۔ وہ بھی اسی سال واصل بحق ہوئے۔ انہوں نے دو ماہ چھ ماہ تک بحالت اسلام بادشاہی کی۔ اور اسلام کی ضیا باریوں کو کشمیر کے دُور دراز علاقوں تک پہنچایا۔ ان کا مزار بھی حضرت بلبل شاہ کے مزار سے متصل ہے

پیر روشن ضمیر بلبل شاہ ۔ شیخ دین متقی کشمیری
از تحالش چو از خرد جستم ۔ گفت نامی دلی کشمیری
۷۲۷ھ

رنچو شاہ کی تاریخ وفات کا قطعہ یوں درج ہے۔

شاہ رنچو مروج الاسلام ۔ کرد چوں جاں فدا ہراۂ حق
شاہ عیں اکرم بگو شالش ۔ ہم نجواں شاہ بادشاہ حق
۷۲۷ھ ۔ ۷۲۷ھ

شیخ نجیب الدین فردوسی قدس سرہٗ: آپ مرید اور خلیفہ شیخ رکن الدین فردوسی تھے آپ کے والد کا نام خواجہ عماد الدین تھا۔ اپنے پیر روشن ضمیر کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر جلوہ فرما ہوئے اور مخلوق خدا کی ہدایت میں مشغول ہوتے۔ آپ کی وفات ۷۳۳ھ ہے۔

سرور اہل دین نجیب الدین - شاہ اہل یقین نجیب الدین
عقل در سال انتقالش گفت - زیب جنت امین نجیب الدین
۷۳۳ھ

شیخ حسن محمد طلینی قدس سرہٗ: اپنے زمانے کے بڑے فقیہہ۔ ممتاز عالم دین تھے علوم فروع اور اصول میں بڑا رتبہ رکھتے تھے آپ کے زمانہ کے علماء کرام آپ کی قابلیت اور تقویٰ کے قائل تھے۔ علم وفضل کے شرف کی وجہ سے آپ کو شرف الدین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ آپ نے تفسیر کشاف پر حاشیہ لکھا۔ اور مشکوٰۃ المصابیح کی شرح تحریر کی۔ آپ کی وفات ۷۳۳ھ میں ہوئی تھی۔

حسن آں محسن دور زمانہ - بجنت رفت چوں زین دار ویراں
بسال رحلتش خواجہ حسن گو - عیاں آمد حسن سردار سلطان
۷۳۳ھ ۷۳۳ھ

شیخ شمس الدین صفی الموسوی اردبیلی قدس سرہٗ: مشائخ کبار اور اولیاء کرام میں صاحب کرامات عظیم مانے جاتے تھے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے۔ کہ شیخ نجیب الدین حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے بغداد کو روانہ ہونے لگے تو شیخ شمس الدین صفی بھی آپ کے ساتھ تھے شیخ شمس الدین نے آپ سے قرآن سیکھا۔ اور شیخ نجیب الدین نے بعض خصوصی مقامات عبور کئے۔ اس طرح دونوں نے خرقہ خلافت بھی حاصل کیا۔ اور شیراز کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کی وفات ۷۳۵ھ میں ہے۔

شیخ شمس الدین صفی موسوی - آل احمد بود اولاد علی
سال ترحیلش چو جستم از خرد - گفت ہاتف شمس دین کامل صفی
۷۳۵ھ

شیخ رکن الدین علاءالدولہ سمنانی قدس سرہٗ

کنیت شمس الدین اور ابوالمکارم تھی۔ اسم گرامی احمد بن محمد اور سمنان کے بادشاہوں میں سے تھے۔ پندرہ سال کی عمر تھی۔ کہ اپنے وقت کے بادشاہ کے مصاحب خاص بن گئے ۶۷۴ھ میں شیخ نور الدین عبدالرحمٰن کسرتی قدس سرہٗ العزیز کے مرید ہوئے۔ ریاضت و مجاہدہ کے زور سے کاملان خدا سے ہو گئے۔ آپ نے اپنی عمر میں ایک سو تیس چلے کاٹے تھے [1]

آپ کی ولادت ۶۵۹ھ میں ہوئی۔ اور وفات جمعہ ۲۲ رجب المرجب ۷۳۶ھ کو ہوئی آپ نے ستتر سال (تقریباً) عمر پائی تھی۔ آپ کا مزار شیخ عماد الدین عبدالوہاب کے مقبرے کے متصل واقعہ ہے۔

جناب شیخ رکن الدین سمنانی شہِ اکبر - کہ بود اندر جہاں او راہنمائے راہ حقانی
زرکن الدین قریب آمد عیاں تاریخ تولیدش - سنین عمرش از عابد عیاں می گردد از خوانی
۶۵۹ھ

۷۳۶ھ ۶۵۹ھ

---

[1] : علاء الدولہ احمد بن محمد بن احمد بیابانکی سمنانی ماہ ذوالحجہ ۶۵۹ھ میں سمنان سے بارہ کلومیٹر بیابانک کے قصبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان شاہی خاندان کہلاتا تھا۔ آپ کے والد ملک شرف الدین سمنانی ارغون خان اور غازان خان کے ایلخانی دور میں مشیر حکومت رہے۔ آپ کے ماموں رکن الدین صاین (م ۷۰۰ھ) ایلخانی عہد کے عالم، قاضی اور فقیہ تھے حضرت علاءالدولہ نے آپ سے ہی علوم شرعیہ پر عبور حاصل کیا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر آپ بھی ایلخانی حکومت میں دیوانی معاملات میں مشغول ہوتے۔ قبا و کلاہ اور سلاح کے مالک بنے۔ ارکان سلطنت میں ایک خاص مقام پر فائز ہوئے۔ دس سال کے اقتدار کے بعد (۶۷۴-۶۸۳ھ) آپ ۶۸۳ھ میں ارغون خان ایلخوانی کے ساتھ ایک جنگ میں شریک تھے۔ کہ آپ کے دل کی دنیا بدل گئی۔ قبا، کلاہ اور سلاح ایک طرف پھینکا۔ عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے (تلخیص و ترجمہ چہل از دیباچہ مجلس مرتبہ امیر اقبال سیتانی مطبوعہ بہ اہتمام ایران عبدالرفیع حقیقت)

شیخ اوحدالدین اصفہانی قدس سرہٗ:۔ آپ اوحدالدین کرمانی کے خلفاء میں سے تھے اپنے زمانے کے معروف اولیاء کرام میں سے تھے۔آپ نے ایک دیوانِ شعری ترتیب دیا تھا۔پھر مثنوی پر ترصیعیات لکھیں وقائق وحقائق پر شعر کہے۔حدیقہ سنائی کے اسلوب پر اشعار کا مجموعہ لکھا۔یہ شعر آپ کے مشہور اشعار میں سے ہے

اوحدی شصت سال سختی دید ۔ تا شبے روئے نیک بختی دید

آپ کی وفات ۷۳۰ھ میں ہوئی تھی۔مزار پرانوار تبریز میں ہے۔

اوحدالدین فرد یکتائے زمان ۔ مقتدائے دین شہہ روشن ضمیر

سالِ وصل آں شہ والاہمم ۔ گشت پیدا صاحبِ تاج کبیر

۷۳۷ھ

شیخ ہیبت اللہ بازری قدس سرہٗ:۔ آپ علماء کرام اور فقہائے ذوالاحترام میں سے تھے۔علم و حلم زہد و تقوی میں بیمثال تھے۔شرف الدین کے خطاب سے مخاطب تھے۔تفسیر اسرار التنزیل آپ نے ہی لکھی تھی۔ آپ کی وفات ۷۳۰ھ میں ہوئی۔

چو از دنیا بفردوس بریں رفت ۔ شہِ دین شیخ اکبر ہیبت اللہ

وصالِ پاک آں ہادی عالم ۔ رقم کردم مطہر ہیبت اللہ

۷۳۷ھ

شیخ اسحاق مغربی قدس سرہ:۔ آپ شیخ مغربی کے خلیفہ بھی تھے اور جلیس مجلس بھی شیخ مغربی اپنی طول عمری کی وجہ سے حضرت شیخ ابومدین مغربی سے فیض یافتہ تھے۔تحفۃ المجالس میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ اسحاق مغربی اپنے پیر شیخ مغربی کی وفات کے بعد چار دن تک مزار پر مقیم رہے۔ہر روز آپ کا خادم مزار پر آتا۔اور لنگر کے اخراجات طلب کرتا۔آپ مزار کے پاس جاتے۔اور پاؤں کی جانب سے پردہ اٹھاتے

اور حسب ضرورت روپے مل جاتے تاآپ خادم کے حوالے کردیتے پانچویں دن آپ کے دل میں خیال آیا۔کہ یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔ ہر روز پیرو مرشد کی تکلیف ادب کے خلاف ہے آپ اٹھے۔اور اپنے پیرو مرشد کے اشارے سے برصغیر ہندوستان کے سفر پہ روانہ ہوئے۔ سلطان فیروز شاہ کے زمانہ میں اجمیر شریف آئے۔اور حضرت خواجہ اجمیری کے مزار پرانوار پر قیام کیا۔ایک عرصہ تک یہاں ہی قیام فرمایا۔ایک رات حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ آپ ناگور کے علاقہ میں قصبہ کھتوکہ میں چلے جائیں۔اور وہاں کام کریں۔آپ کھتوکہ پہنچے فقروفاقہ میں زندگی گزارنی شروع کردی۔اور خلق خدا کو روحانیت سے مالا مال کرتے گئے۔ایک وقت آیا کہ سلطان فیروز شاہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اظہار نیازمندی کی۔بادشاہ کو دیکھے دیکھے بے پناہ مخلوق آپ سے فیض یاب ہونے لگی۔

آپ نے ٧٧٦ھ میں وفات پائی۔

شیخ اسحاق پیر روشن دل ۔ آنکہ در خلق ذات او طاق است
رکن رقم سال رحلتش سرور ۔ آنکہ مشہور جملہ آفاق است
مہدی متقی امین اللہ ۔ نیز سردار عالم اسحاق است

٧٧٦ھ ٧٧٦ھ ٧٧٦ھ

آپ شیخ علاء الدولہ سمنانی کے مرید تھے

شیخ نجم الدین محمد الامکانی قدس سرہٗ:۔ کشف وکرامت۔زہد وتقویٰ میں بے مثال تھے آپ ٨٠ سال کی عمر میں ٧٧٦ھ میں فوت ہوئے۔آپ کا مزار حصار میں مرجع خلائق رہا ہے

مقتدائے جہاں ولی اللہ ۔ شیخ اکبر شریف نجم الدین
سال تاریخ رحلت آں شاہ ۔ گفت سرور شریف نجم الدین
٧٧٦ھ

آپ کا لقب جلال الدین تھا۔ظاہری علوم میں

شیخ محمود زاہد فرغانی قدس سرہٗ:۔ مولانا جلال الدین ہروی کے شاگرد تھے سنت و

شریعت کے تابع تھے۔ روحانیت کی وجہ سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضری نصیب تھی خلق کثیر آپ سے فیض یاب ہوئی۔

آپ کی وفات ماہ ذوالحجہ ۷۷۸ھ میں ہوئی تھی۔ ایک اور قول کے مطابق ۷۷۹ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ محمود بود در عالم - باعثِ خیر و موجب بہبود
ہلست محمود و مرشد کونین - سالِ ترحیل آں شہِ مسعود
۷۷۸ھ

ہندوستان کے مشاہیر مشائخ اور

شیخ شرف الدین بن یحییٰ منیری قدس سرہٗ:۔ کبار اولیاء اللہ میں سے تھے۔ زہد و ریاضت اخلاص و عبادت میں یگانہ وقت تھے۔ تقویٰ و ارشاد میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ کے اوصاف احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کی بلند پایہ تصانیف میں سے مکتوبات اور ملفوظات (المعروف بہ معدن المعنان) مشہور زمانہ ہوئے۔ ارشاد السالکین بشرح آداب المریدین آپ کی کتابیں تصوف میں بہترین کتابیں مانی جاتی ہیں۔ آپ شیخ نجیب الدین فردوسی جو شیخ رکن الدین فردوسی کے مرید تھے کے خلیفہ تھے۔ ابتدائی دور میں حضرت شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا بدایونی کی زیارت کے لئے دہلی آئے۔ مگر اس وقت حضرت خواجہ کا وصال ہو چکا تھا۔ چونکہ ان دنوں شیخ نجیب الدین دہلی میں ہی قیام فرما تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے آپ کا بڑا پرتپاک خیر مقدم کیا اور فرمایا۔ میں ایک عرصہ سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ آپ کے لئے میرے پاس روحانیت کی امانت تھی۔ حضرت شیخ شرف الدین آپ سے بیعت ہوئے۔ خاص نعمت آپ کے سپرد ہوئی۔ اور کچھ عرصہ کے بعد آپ وطن واپس آگئے۔ راستہ میں بیابانوں سے گزرتے رہے۔ یہ موسم بہار تھا۔ موسم کی خوشگواری اور لطافت نے آپ کو راجگیر کے مقام پر قیام فرما دیا۔ آپ وہاں ہی ریاضت و عبادت میں مصروف ہو گئے اور اس طرح کئی سال گزار دیئے۔ آپ نے اپنے آپ کو اس طرح تارک الدنیا بنا لیا۔

کہ کسی کو آپ کا علم نہ تھا۔ صرف مولانا نظام الدین مغربی ایک ایسے بزرگ تھے۔ جو وقتاً فوقتاً آپ کے پاس آئے اور آپ کی خبر گیری کرتے تھے۔ چونکہ آپ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ آپ کے حکم سے ہی آتے اور ملاقات کرتے۔

حضرت شیخ شرف الدین منیری نے بڑی لمبی عمر پائی تھی آپ نے سید شریف سمنانی کی زیارت کی لطائف اشرفی میں لکھا ہے۔ کہ زندگی کے آخرین حصہ میں حضرت شیخ یحییٰ منیری سے پوچھا گیا کہ آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا۔ آپ نے فرمایا تم لوگ فکر نہ کرو۔ جنازے کے وقت ایک سیدزادہ حافظ قرآن تارک السلطنت سید اشرف نامی آئیں گے۔ وہ نماز جنازے کی امامت کریں گے۔ جنازے کے وقت ایسا ہی ہوا۔

معارج الولایت کے مصنّف لکھتے ہیں۔ کہ جب شیخ یحییٰ منیری کو قبر میں رکھا گیا۔ تو شیخ کا ہاتھ بلند ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ کوئی چیز طلب فرما رہے ہیں۔ تمام حاضرین حیران رہ گئے حضرت میر اشرف جہانگیر سمنانی کی خدمت میں یہ واقعہ پیش کیا گیا۔ آپ مراقبہ میں بیٹھ کر متوجہ ہوئے کہ شیخ نے مردان غیب سے ایک کلاہ حاصل کیا تھا۔ وہ ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ لوگ اسی وقت دوڑے اور وہ ٹوپی لا کر پیش کی شیخ نے ہاتھ بڑھا کر ٹوپی پکڑ لی اور کفن میں رکھ لی۔

شیخ شرف الدین معارج الولائیت کی تحقیق کے مطابق ۷۸۲ھ میں فوت ہوئے یہ زمانہ فیروز شاہ تغلق کی سلطنت کا تھا۔

شیخ شرف الدین منیری راہنمائے راہ حق ۔ مقتدائے دین احمد عالم و عامل شریف
سالِ ترحیلش جو جستم از خرد آمد ندا ۔ سالک کامل شرف ہم صاحب کامل شریف

شیخ اسحاق گازرونی لاہوری المشہور بہ میراں بادشاہ قدس سرہٗ:

آپ بلند مقامات اور ارجمند کرامات کے مالک تھے۔ سادات عظام حسینہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے وقت کے شیخ المشائخ اور قطب الاقطاب تھے۔ آپ کی نسبت شیخ اوحدالدین اصفہانی سے تھی۔ پہلے آپ گازرون میں سکونت فرما

تھے۔ مگر اشارہ غیبی سے لاہور وارد ہوئے۔ ایک طویل عرصہ خلق خدا کی خدمت میں مصروف رہے آپ سے خوارق و کرامات کا ظہور ہوتا رہا۔ لاہور کے علماء کرام اور مشائخ عظام آپ کے حلقہ عقیدت میں بیٹھتے اور فیض پاتے۔ ظاہری اور باطنی مہمات کے حل کے لئے آپ کی صحبت نہایت کارگر ثابت ہوا کرتی تھی۔

تحفۃ الواصلین کے مولف لکھتے ہیں۔ کہ آپ کے حلقہ میں جو بھی ایک بار آتا۔ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ اور جانے سے پہلے کچھ نہ کچھ فیض پالیتا۔ ایک دن لاہور کا ایک متمول آدمی آپ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ وہ شخص اپنی دولت کے غرور میں کسی کو خاطر میں نہ لایا کرتا تھا۔ آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ تو وہ غصہ سے آپ کی شان میں گالیاں بکنے لگا۔ اور آپ کو برا کہتا رہا۔ مگر اس بدگوئی اور دشنام طرازی کے باوجود حضرت میراں بادشاہ کے چہرے پر کوئی تغیّر نہ آیا۔ حاضرین مجلس نے عرض کی۔ حضرت اس نہجار آدمی کو اتنی کھلی چھٹی دے دینا اچھا نہیں۔ اسے اپنی گستاخی کی سزا ملنا چاہیئے آپ بددعا فرمائیں تاکہ اسے سزا ملے۔ شیخ نے ان عقیدت مندوں کے کہنے پر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور زیر لب کچھ کہا۔ وہ بے ادب اسی وقت تڑپ کر زمین پر گر گیا۔ اور بے ہوش پڑا رہا ہوش آنے پر سر قدموں میں رکھ دیا۔ اور حضرت کا مرید ہو گیا۔ شیخ نے حاضرین مجلس کو بتایا میں نے اس شخص کے لئے دعاء خیر کی تھی۔ اللہ نے قبول فرمائی ہے اللہ نے اسے چشم باطن کی روشنی سے نوازا ہے۔ اس پر عالم ملکوت روشن ہو گئے ہیں۔ اس نے مجھے پہچان لیا ہے۔ کیا یہ کام اچھا ہے یا آپ کے خواہش پر بددعاؤں سے سزا پاتا تو اچھا تھا۔

تحفۃ الواصلین میں سید اسحاق کی وفات ۷۸۶ھ لکھی ہے۔ بعض قدیم مورخین نے آپ کا سال وفات ۷۸۶ھ لکھ کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؁ سے سال وفات لیا ہے۔ تحفۃ الواصلین کے مولف نے یہ لکھا ہے۔

سید اسحاق ولی کریم ۔ گشت چوں زیں وہ بجنت مقیم
سال وصالش عجب آمد ز دل ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؁

۷۸۶ھ

وفات کے بعد آپ کو اندرون شہر شاہی راستہ کے کنارہ پہ دفنایا گیا۔ یہ مقام دہلی دروازہ لاہور کے اندر واقع ہے آپ کا مزار گوہر بار ابھی تک مرجع خلائق ہے۔

مرزا لعل بیگ نے اپنی کتاب ثمرات القدس (ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی) میں ذکر کیا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے مزار پہ ایک بیل جو ہمیشہ سرسبز رہتی ہے (غالباً عشق پیچان یا گلو بھی) چھاگئی یہ بیل برصغیر میں ادویات کے کام بھی آتی ہے۔ ایک عرصہ تک آپ کا مزار اس بیل کے نیچے محفوظ رہا۔ اور آفات زمانہ اور تغیرات موسم سے بچا رہا۔ لوگ اس مزار کو سبز اسحاق سے یاد کرتے تھے۔ بیمار لوگ پتے لے جاتے اور شفا حاصل کرتے ایک وقت آیا کہ مغل دور کے ایک امیرزادے نے اپنی حویلی بنائی۔ اور بیل کو کاٹ دیا۔ اور مزار کو اپنے احاطے میں لے لیا۔ مگر اس قبر کا ادب ملحوظ خاطر رکھا۔ وہ بیل آب و ہوا کی تبدیلی سے سوکھ گئی آخر کار ۱۰۴۳ھ میں شاہجہانی دور میں نواب وزیر خان حاکم لاہور نے اس جگہ مسجد وزیر خان کی بنیاد رکھی۔ اور مزار کو مسجد کے صحن میں زیر زمین محفوظ کر کے عظیم الشان مسجد بنائی۔ جو ابھی تک زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔

سید اسحاق مرد طاق نور ذوالجلال - آنکہ خلقش سید دین مرشد آفاق گشت
سال ترحیلش چو جستم از دل پر درد خویش - ہاتفم نور الہیٰ شاہ بو اسحاق گفت

۷۸۶ھ

سید محمود میراں بادشاہ سے بھی تاریخ وفات برآمد ہوئی ہے۔

۷۸۶ھ

امیر کبیر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ:۔ آپ کے والد مکرم کا نام شہاب الدین بن محمد مرید شیخ شرف الدین محمود بن عبداللہ مزدقانی تھا۔ جو اپنے وقت کے بہت بڑے ولی کامل تھے۔ آپ نے طریقت میں شیخ تقی الدین دوستی سے فیض پایا تھا۔ تقی الدین شیخ علاؤالدولہ سمنانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کی رحلت کے بعد حضرت شرف الدین محمود قدس سرہٗ کی صحبت میں آگئے۔ حضرت سید ہمدانی نے عرض کی حضرت میرے لئے

کیا فرمان ہے۔ آپ نے توجہ فرمائی اور کہا فرمان یہ ہے کہ تم تمام جہاں کی سیر کرو۔ دنیا بھر کے اولیاء اللہ کی زیارت کرتے جاؤ۔ ہر ایک سے اپنا حصہ لیتے جاؤ۔ حضرت امیرؒ اٹھے۔ روانہ ہوئے۔ تین بار ساری کائنات ارضی کا سیر کیا۔ ایک ہزار چار سو اولیاء اللہ کی صحبت حاصل کی۔ ایک ایسی مجلس میں پہنچے جہاں بیک وقت چار سو اولیاء اللہ موجود تھے۔ آپ نے ہر بزرگ سے روحانی استفادہ کیا۔ علوم باطنی میں آپ کی بے پناہ تصانیف موجود ہیں۔ اسرار النقط۔ شرح فصوص الحکم۔ شرح قصیدہ۔ خمریہ فارضیہ بہت مشہور ہیں۔ آپ نے اوراد فتحیہ ترتیب دیا۔ یہ اوراد ظاہری اور باطنی امور کے حل کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتے ہیں۔ حضرت امیر حسینی سید تھے۔ آپ کا شجرہ جواہر الاسرار میں یوں درج ہے۔ امیر کبیر سید ہمدانی بن شہاب الدین۔ بن محمد۔ بن علی بن یوسف بن شرف بن محب اللہ بن محمد ثانی۔ بن جعفر بن عبداللہ بن محمد بن حسن بن الحسین بن جعفر بن الحجر بن عبداللہ زاہد بن حسین الاصغر بن امام زین العابدین علی ابن الحسین بن علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے۔ وادیٔ کشمیر میں جس شخص نے سب سے پہلے اسلام کو عام پھیلایا وہ سید امیر کبیر کی شخصیت تھی۔ آپ کے جانے سے پہلے لوگ چیدہ چیدہ چھپ چھپ کر اظہار اسلام کرتے تھے مگر آپ کے وادی کشمیر میں آنے سے اسلام آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ اور لوگ وادی کشمیر میں اسلام قبول کرنے میں فخر محسوس کرنے لگے آج تک آپ کا مزار پُر انوار مخلوق خدا کے لئے مشعلِ راہ ہدایت ہے۔

تواریخ اعظمی کے مؤلف فرماتے ہیں۔ کہ حضرت امیر کبیر ۷۸۱ھ میں وادی کشمیر میں وارد ہوئے تھے سید محمد خاوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شیریں اشعار آپ کی آمد پہ لکھے تھے۔

میر سیّد علی شیر ہمدانی ۔ سیر اقلیم سبعہ کرد نکو ،
شد مشرف ز مقدمش کشمیر ۔ اہل آں شہر را ہدایت جو
سالِ تاریخ مقدم او را ۔ یابی از مقدم شریف او

یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے۔ کہ جس وقت آپ وادی کشمیر میں تشریف لائے تو آپ کے ساتھ سادات عظام کے ستر افراد بھی ہمرکاب تھے کشمیر میں پہنچتے ہی خاص و عام میں ایک جذبہ بیدار ہو گیا

اور ارشاد و ہدایت کی راہنمائی ملنے لگی۔ سرینگر کے محلہ علاء الدین پورہ (جو شاہ علاؤالدین کے نام سے موسوم تھا) میں سکونت اختیار کی۔ دریائے جہلم کے کنارے پر پنجگانہ نماز باجماعت ادا ہونے لگی۔ دریا کے کنارے پر خانقاہ تعمیر کی گئی۔ آپ خود امامت کراتے۔ سلطان شہاب الدین بادشاہ کشمیر کے بھائی سلطان قطب الدین نہائیت خلوص اور اعتقاد کے ساتھ روزانہ حاضری دیتے تھے۔ سابقہ بادشاہ اپنی کم علمی کی وجہ سے دونوں بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھے ہوئے تھا۔ حضرت کے وعظ اور نصیحت سے متاثر ہو کر ایک بیوی کو طلاق دے کر توبہ کی۔ غرضیکہ آپ کی کوششوں سے شریعت محمدیہ وادی کشمیر میں روشناس ہونے لگی۔ ہزاروں بے عقل اور بے علم گمراہ لوگ اسلام سے واقف ہونے لگے بادشاہ اس وقت تک ہندوانہ لباس پہنا کرتا تھا۔ آپ کے اثر سے اسلامی لباس پہننے لگا۔ آپ نے ازرۂ شفقت سلطان قطب الدین کو اپنا کلاہ مبارک عنائیت فرمایا۔ تو قطب الدین نے از سر افتخار اسے تاج شہنشاہی خیال کرتے ہوئے پہننا شروع کیا۔ وہ تاج شاہی کے ساتھ ساتھ دربار کے وقت بھی اس کلاہ مبارک کو پہنا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اس خاندان میں یہ سنت فتح شاہ بادشاہ تک جاری رہی اور جتنے بادشاہ گذرے انہوں نے حضرت امیر کے کلاہ مبارک کو دنیاوی تاج کے اوپر ہی رکھا۔ فتح شاہ نے مرتے وقت یہ وصیّت کی تھی۔ کہ حضرت کا کلاہ مبارک اس کے کفن کے ساتھ رکھا جائے۔ اس کے بعد اس خاندان کی سلطنت زوال پذیر ہوئی۔ اور اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

امیر کبیر جامع کمالات کی دفات کا واقعہ بھی مورخین نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے تواریخ اعظمی میں درج ہے کہ حضرت نے تین بار کائنات ارضی کی سیر فرمائی۔ اور تینوں بار وادی کشمیر میں واپس آئے اور قیام فرمائے۔ آخر بار جب کشمیر آئے تو ۷۸۶ھ میں اپنے شہر سے روانہ ہوئے اور رحلت فرما کر وادی کشمیر کی بجائے وادیِ وصال خداوندی کو چلے گئے۔ آپ موت کے دروازے پر پہنچ کر زبان پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ رہے تھے۔ اور جان جانِ آفرین کے حوالے کر رہے تھے۔ آپ کا سن وفات بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد سے برآمد ہوتا ہے۔ آپ کی وفات کے بعد

سلطان محمد والی پکھلی اور آپ کے دوسرے عقیدت مندوں میں آپ کی تدفین کے بارے میں اختلاف رونما ہوا سلطان محمد چاہتا تھا کہ آپ کی نعش پکھلی میں دفن کی جائے لیکن خدام چاہتے تھے کہ انہیں وادی ختلان میں دفنایا جائے۔ آخر کار آپ کے ایک مرید خاص اور یار دمساز شیخ قوام الدین بدخشی درمیان میں آپڑے اور فیصلہ کیا۔ دونوں عقیدت مندوں سے جو شخص بھی تابوت اٹھائے گا وہ اپنے مقام پر لے جائے۔ سلطان محمد اور ان کے ساتھیوں نے کوشش کی کہ تابوت کو زمین سے اٹھائیں مگر نہ اٹھا سکے۔ اور تابوت زمین سے پیوست رہا۔ جب شیخ قوام الدین خود آگے بڑھے اور بذات خود اکیلے ہی تابوت کو اٹھایا۔ اور ختلان کی طرف روانہ ہوئے۔ پنجم جمادی الاولیٰ کو یہ گنج گرا نمایہ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ؕ

حضرت امیر کبیر ہمدانی قدس سرہٗ کے خلفاء اور احباب جو وادی کشمیر میں آسودہ خاک ہیں حساب وشمار سے زیادہ ہیں۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی اور ان کا ذکر خیر کر دیا جائے۔ آپ کے کامل ترین خلفاء میں سے میر سید حسین سمنانی تھے۔ آپ سید محمد برادر زادہ سید شہاب الدین کے بیٹے تھے۔ اسی طرح بابا تاج الیقین جو آپ کے ساتھ وادی کشمیر میں آئے تھے۔ حضرت میر کبیر نے تاج الدین کو ملک غور سے کشمیر کے حالات کی تحقیق کے لئے وادی کشمیر میں بھیجا تھا۔ وہ سلطان شہاب الدین کے عہد حکومت میں کشمیر آئے۔ کوہ پیر پنجال کی چوٹی پر پہنچے تو تھکاوٹ نے سفر کرنے سے معذور کر دیا۔ علاقہ غیر آباد بھی تھا۔ رات گزارنا بھی مشکل تھا۔ آخر کار ایک پتھر پر جسے پیر پل کہا گیا تھا۔ سوار ہوئے۔ پتھر سواری کی طرح چلنے لگا۔ اور گھوڑے کی طرح مسافت کو طے کرنے لگا۔ جب اس مقام پر جہاں یہ پتھر آج بھی نصب ہے۔ پہنچے تو آپ پتھر سے نیچے اترے۔ شہر میں داخل ہوئے۔ اور خطہ کشمیر اور وہاں کے لوگوں کے حالات واطوار قلمبند کر کے اپنے بیٹے سید حسن اور اپنے برادر زادہ سید حیدر کے ہاتھ حضرت امیر کی خدمت میں ارسال کیئے۔ چنانچہ حضرت امیر کبیر اس تحریر کی روشنی میں وادی کشمیر میں تشریف لائے۔

تواریخ اعظمی میں ایک اور مقام پر درج ہے۔ کہ اربعہ عناصر یعنی آب باد۔ آتش وخاک

سید حسن کے زیر فرمان تھے۔ آپ کے فرمان سے سر نہیں پھیرتے تھے۔ سید حسین اور سید حیدر کے مزارات وادی کشمیر میں موضع کولہ گام میں موجود ہیں۔

ان دو بزرگوں کے علاوہ میر سید جمال الدین صاحبِ کرامت سید تھے۔ خوارق کے مظہر اور زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے آپ بھی حضرت کے ہمرکاب ہی وادی کشمیر میں وارد ہوئے اور وہاں ہی سکونت پذیر رہے۔ آپ بارہ مولا کے مضافات میں موضع جھتر پرگنہ کہاورہ نزد موضع کچاہمہ آسودہ خاک ہیں۔ سید میر کمال بڑے صاحب حال و قال بزرگ تھے۔ آپ بھی حضرت میر کبیر کے حکم سے قیام فرما کشمیر ہوئے۔ اور ہدایت خلق میں مصروف ہو گئے۔ آپ بھی سری نگر کے محلہ قطب الدین میں دفن ہیں۔ سید کمال ثانی آپ کے عظماء میں سے تھے۔ وہ ایک طویل عرصہ تک خطۂ کشمیر میں مقیم رہے۔ اور بے پناہ ریاضت و عبادت کی۔ آپ کا مزار پُر انوار موضع ناہد کے میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ سید جمال الدین بھی آپ کے یاراں دمساز و رفیقاں ہمراز میں سے تھے۔ سلطان قطب الدین کی استدعا پر حضرت میر کبیر نے آپ کو تدریس و تربیت کی اجازت دی تھی۔ کہ وہ کشمیر میں رہ کر اسلامی تعلیمات کو عام کریں۔ آپ نے ساری عمر تعلیم و تدریس میں گذار دی۔ آخر کار محلہ آربوت میں دفن ہوئے۔ سید فیروز المعروف سید جلال الدین بہت بڑے بزرگ تھے۔ وہ ظاہری اور باطنی عظمت کے مالک تھے۔ وہ بھی حضرت امیر کبیر کے ساتھ کشمیر میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور موضع سنبور متصل زعفران زار قیام پذیر ہوئے اور وہاں ہی دفن ہوئے محمد کاظم المشہور بہ قاضی صاحب ریاضات کاملہ اور کرامات طی الارض کے مالک تھے۔ چنانچہ تواریخ اعظمی میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ آپ بڑے صاحب علم و تحقیق بزرگ تھے ایک وسیع کتب خانہ کے مالک تھے۔ حضرت امیر کبیر ہمدانی نے ایک بار آپ سے حوالے کے لئے فتوحات مکیہ طلب کی۔ آپ اس وقت پان پورہ میں مقیم تھے۔ مگر کتاب قصبہ طالفاں میں تھی۔ یہ قصبہ وہاں سے کئی میل دور تھا۔ آپ اُٹھے اور ایک لمحہ بعد کتاب حضرت کے حوالے کر دی۔ آپ نے للہ پور کا مشہور بت خانہ تباہ کر دیا تھا اور وہاں کے لوگوں کو مسلمان بنایا۔

میر سید رکن دین اور فخر الدین دونوں حقیقی بھائی تھے۔ وہ بھی موضع اوابر میں مدفون ہیں
شیخ محمد قریشی نے بخارہ کے تب خانہ کو جس پر ایک لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ ویران کر دیا۔ وہاں
چھ سو ساٹھ بت بڑے بڑے پتھروں کے تراشے ہوئے موجود تھے۔ سب کے سب توڑ دیئے
ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی۔ اور وہاں ہی قیام فرما گئے۔ وفات کے بعد وہاں ہی دفن کئے گئے
سید مراد اور سید عزیز اللہ بھی آپ کے خلفاء میں سے تھے ان کے مزارات آپ کے مزار کے
پہلو میں ہیں۔ شیخ احمد قریشی جو شیخ محمد کے بھتیجے تھے۔ موضع لتر۔ پرگنہ شاہدرہ میں آسودۂ
خاک ہیں۔ تواریخ اعظمی لکھتے ہیں۔ کہ میں ایک بار آپ کی ظاہری زندگی میں زیارت کے
لئے حاضر ہوا تھا۔ آج ان کے مزار پُر انوار سے وہی تصرفات اور کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ جو
ان کی زندگی میں ہوا کرتی تھیں۔ حاجی محمد حافظ قرآن تھے۔ ہفت قرأت میں قرآن پاک سنایا
کرتے تھے۔ آپ کا مقبرہ سلطان قطب الدین کے مقبرے کے اندر ہے۔

شیخ سلیمان پہلے تو امراء ہنود میں سے تھے۔ اور کشمیر میں رہتے تھے۔ آخر کار حضرت
میر علی ہمدانی کی کوششوں سے مسلمان ہوئے۔ اور ہدایت ازلی سے ہمکنار ہوتے۔ قران پاک
حفظ کیا۔ آپ کے اعزاء و اقارب نے آپ کو مسلمان دیکھ کر بڑی عداوت کی۔ آپ تنگ آکر
سمرقند چلے گئے۔ تحصیل علوم دینیہ کیا۔ ایک عرصہ کے بعد خطۂ کشمیر میں آئے۔ مگر آپ کے
چچا کے بیٹوں نے آپ سے دشمنی اختیار کر لی۔ طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے رہے۔ آپ
اپنے گاؤں سے کولات چلے گئے۔ اور حضرت میر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہنے
لگے۔ کمالات باطنی حاصل کئے حتیٰ کہ آپ قطب الاقطاب کے درجہ پر فائز ہوتے۔ آپ کے
بیٹے بھی روحانی مقامات پر فائز رہے۔ آپ کا مزار جامع مسجد سرینگر کے ساتھ سید محمد نورستانی کے
مزار کے پہلو میں ہے۔

حضرت میر علی ہمدانی قدس سرہٗ کی وفات ۷۸۶ھ ہے اس تاریخ وفات کو صاحب نفحات الانس
اور تواریخی اعظمی نے درست قرار دیا ہے۔ آپ کی رحلت کے بعد سلطان قطب الدین حاکم کشمیر ۷۸۹ھ

میں فوت ہوئے۔ تو ان کے بیٹے سلطان سکندر بت شکن ان کے جانشین ہوئے۔ تواریخ اعظمی نے حضرت میر کی وفات پر یہ قطعہ لکھا ہے۔

رہبر عارفانِ شاہ ہمدان - کز دمش باغ معرفت بشگفت
عقل تاریخ سالِ رحلت او - سیّد ما علی ثانی گفت
۷۸۶ھ

مندرجہ ذیل تاریخ وفات صاحب خزینۃ الاصفیاء نے لکھی ہے۔

پیرِ ہمدانی علی قرۃ العین نبی - محرم سرالٰہی واقفِ ما فی الضمیر
سالِ ترحیل علی نور ہدایت گفتہ - نیز ہادی سید ہمداں علی میر کبیر
۷۸۶ھ

اہل رفعت ۷۸۶ھ بدر عشق جلی ۷۸۶ھ سے بھی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

شیخ مظفر بلخی قدس سرہٗ: آپ شیخ شرف الدین منیری قدس سرہٗ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ شیخ شرف الدین نے آپ کو اپنے مکتوبات میں امام مظفر کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مناقب الاصفیاء میں لکھا ہے۔ کہ شیخ شرف الدین منیری کے ایک لاکھ مرید تھے ان میں سے تین سو حضرات واصل باللہ تھے۔ اور تین ایسے بزرگ تھے۔ جو محبوب اللہ تھے۔ ایک جناب مظفر بلخی۔ دوسرے ملک زادہ مظفر تیسرے مولانا نظام الدین حصاری قدس سرہم تھے۔

حضرت شیخ مظفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے والد مکرم جناب شمس الدین بلخی ابتدائی عمر میں ہی دہلی میں آگئے تھے اور سلطان دہلی کے دربار میں ایک عہدہ پر فائز ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد تارک الدنیا ہو کر اپنی بیوی کو لکھا کہ میں تارک الدنیا ہو گیا ہوں۔ اگر تمہیں میرے اس مقصد سے اتفاق ہو تو اپنا مال و متاع اپنے بیٹوں کو دے کر میرے پاس آجاؤ۔ اور صبر و قناعت کی زندگی اختیار کر لو۔ اس نیک سیرت بی بی نے اپنے دونوں بیٹوں مظفر اور معزالدین کو بٹھا کر کہا کہ تمہارے باپ نے مجھے تارک الدنیا ہو کر بلایا ہے۔ میں بھی اس کے اس مقصد میں شریک ہونا چاہتی ہوں۔ میں جا رہی ہوں۔ تمہارے لئے یہ تمام مکانات اور مال و متاع موجود ہے۔ والدہ کی یہ بات سنتے

ہی دونوں بیٹوں نے کہا۔ ہم بھی دنیا کے علائق کو ترک کرنا چاہتے ہیں چنانچہ تمام اثاثہ اور مال و متاع غرباء میں تقسیم کر دیا۔ اور والدہ کے ساتھ سفر کرکے دہلی آپہنچے۔ اگرچہ شیخ شمس الدین بلخی شیخ احمد چرم پوش بہاری کے خلیفہ تھے۔ اور شیخ مظفر فرمایا کرتے تھے۔ کہ شیخ احمد صاحب کرامت بزرگ ہیں۔ لیکن وہ عالم نہیں ہیں۔ اور مجھے بے علم بزرگ پر اعتماد نہیں ہے۔ مجھے تو صاحب علم بزرگ پر اعتماد و اعتقاد ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آپ شیخ شرف الدین منیری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہوتے۔ چونکہ ان کی بیوی آپ کے معمولات ذکر اور دیگر مشاغل میں حارج تھی اور آپ کو اس سے فطری محبت بھی تھی۔ آپ نے طلاق دے دی اور حالت تجرید میں مشغول حق ہو گئے۔

ایک دن حضرت شیخ مظفر اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ حاجی شیخ منہاج الدین بھی اسی مجلس میں موجود تھے۔ حج کعبہ کی فرضیت میں بات چل نکلی۔ انہوں نے شیخ کی صحبت سے حج کعبہ کو افضل قرار دیا۔ یہ بات سنتے ہی شیخ مظفر کو بڑا غصہ آیا۔ اور بحث شروع کر دی کہ پیر طریقت کی برکات سے کعبہ قریب آجاتا ہے۔ اسے شیخ کی صحبت ترک کرکے حج کعبہ میں جانے کی کیا ضرورت ہے اس بات نے طول پکڑا۔ تو شیخ مظفر نے شیخ منہاج الدین کو جوش میں آکر کہا۔ یہ دیکھو۔ کعبہ تو میری آستین میں ہے۔ شیخ منہاج الدین نے کعبۃ اللہ کو دیکھ کر اپنے خیال سے رجوع کر لیا۔ مگر جب شیخ کو اس کرامت نمائی کا علم ہوا۔ تو آپ نے شیخ مظفر کو بلا کر فرمایا۔ تم کرامات کا اظہار کرکے یاد الٰہی سے غافل ہو رہے ہو۔ اب تمہارے لئے واجب ہے کہ حرمین الشریفین کی زیارت کو جاؤ۔ حضرت شیخ مظفر یہ حکم سنتے ہی بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بیت اللہ شریف پہنچے زیارت سے فارغ ہوئے۔ تو ہندوستان کو روانہ ہوئے۔ ابھی راستے میں ہی تھے۔ کہ حضرت شیخ شرف الدین منیری کے وصال کی خبر سنی۔ دورانِ سفر یہ صدمہ بے حد گراں گزرا۔ ایک رات آپ کی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ نے حکم دیا۔ کہ امسال جلدی سے ہندوستان جاؤ۔ آئندہ اپنے بیٹوں کو لے کر پھر آنا۔ آپ دوسری بار مکہ مکرمہ کی طرف گئے تو اپنے بیٹوں کو ساتھ لے گئے۔ اور ساری بقایا عمر دیارِ حبیب میں گزار دی۔

وفات کے قریب تقریباً بائیس۲۲ دن کھانا نہ کھایا۔ کسی سے بات نہ کی۔ وصال کے وقت اپنے پیرانِ عظام کی امامت اپنے برادر زادہ شیخ حسین کو خرقہ خلافت کے ساتھ دی اور ۷۸۸ھ میں فوت ہوئے آپ اپنے پیر و مرشد حضرت منیری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے چھ سال تک زندہ رہے۔

شد بجنت چو آں مظفر دین ۔ مقتدا ء شیخ متقی بلخی
محتشم سال رحلتش فرما ۔ ہم بگو زندہ دل ولی بلخی

۷۸۸ھ ۷۸۸ھ

مولانا زاہد مرغابی قدس سرہٗ:- اسم گرامی شیخ علی بن شیخ ابو بکر بن شیخ احمد بن شیخ محمود بن شیخ سہیل تائبادی تھا۔ موضع تائباد جام کے قریب ہی ایک قصبہ تھا۔ آپ ظاہری علوم میں حضرت شیخ نظام الدین ہروی کے شاگرد تھے۔ لیکن وہ لگاتار اتباع سنت اور ریاضت کرتے رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے علوم باطن کے دروازے کھول دیئے آپ صاحب کرامات اور خوارق عالیہ ہو گئے۔ حضرت شیخ جام کے اویسی تھے آپ حضرت جام کے روضہ مبارکہ کی زیارت کے لئے سر برہنہ اور پاپیادہ جایا کرتے تھے حضرت خواجہ نقشبند بہاء الدین قدس سرہٗ آپ کی ملاقات کو گئے تو آپ نے پوچھا۔ حضرت خواجہ آپ کا اسم گرامی کیا ہے۔ آپ نے بتایا۔ مجھے بہاء الدین نقشبند کہتے ہیں۔ فرمانے لگے میرے لئے بھی نقشبندی فرمادیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ میں تو آپ سے نقش لینے آیا ہوں دونوں بزرگ ایک عرصہ کے لئے ہم مجلس اور ہم صحبت رہے۔

حضرت مولانا زاہد مرغابی سے تیمور بادشاہ کو بے حد عقیدت تھی جب مہم پر جاتا آپ سے دعا کا طالب ہوا کرتا تھا۔ آپ کی وفات بروز جمعرات یکم ماہ محرم ۷۹۱ھ کو ہوئی تھی۔ آپ کا مزار موضع تائباد میں ہے

جناب شیخ زاہد عابد حق ۔ کہ بود در اولیائے نامی گرامی
چو از دنیا بفردوس برین رفت ۔ بسال شد ندا مخدوم نامی
۷۹۱ھ

خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی قدس سرہٗ:۔

آپ کا مسکن خطۂ پاک شیراز تھا۔ لسان الغیب اور ترجمان الاسرار کے القاب سے مشہور تھے۔ آپ کی زبان حق ترجمان سے اسرار غیبیہ کا ظہور ہوتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ کے پیرو مرشد کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ اور سلسلہ تصوف میں کس طائفہ صوفیہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن آپ نے جس انداز سے صوفیانہ گفتگو فرمائی ہے۔ اسے کسی سلسلہ کے بزرگ کو اختلاف نہیں ہوسکا۔ صوفیہ کے تمام سلسلوں کے بزرگان دین متفق ہیں کہ حافظ شیرازی کے پائے کا دیوان آج تک کسی صوفی کے قلم نے مرتب نہیں کیا۔ دنیا بھر کے مفکرین آپ کو صاحب کشف و کرامات مانتے ہیں کوئی شخص حالات آئندہ سے واقف ہونا چاہتا ہو تو اسے حضرت حافظ پر فاتحہ پڑھ کر اور پوری توجہ اور عقیدت سے دیوان حافظ کھولے سب سے پہلے جو شعر سامنے آئے اس سے فال برآمد ہوگی۔

شہزادہ داراہ شکوہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جہانگیر بادشاہ اپنے والد کی آزردگی سے ڈر کر دربار شاہی سے دُور ہوگیا تھا اور الہ آباد میں رہنے لگا۔ وہ ایک دن سوچنے لگا کہ اسے اپنے والد کے پاس حاضر ہونا چاہیئے یا نہیں۔ ایک دن اس نے حضرت خواجہ حافظ کا دیوان منگوایا۔ اور جو صفحہ کھولا اس پر یہ غزل نظر آئی۔

چرا نہ در پے عزم دیار خود باشم ۔ چرا نہ خاک رہِ کوئے یار خود باشم
غم غریبی و غربت چو بر نمی تابم ۔ بہ شہر خود روم و شہریار خود باشم
ز محرمانِ سراپردۂ وصال شوم ۔ ز بندگانِ خداوندگار خود باشم
چو کار عمر نہ پیداست جاودان اولیٰ ست ۔ کہ روز واقعہ پیش نگار خود باشم
بود کہ لطف ازل رہنموں شود حافظ ۔ وگرنہ تا بابد شرمسارِ خود باشم

جہانگیر یہ فال دیکھتے ہی اٹھا۔ اور بلا تردد اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس واقعہ سے چھ ماہ بعد اکبر بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ اور جہانگیر بادشاہ بن گیا۔ حضرت دارا شکوہ لکھتے ہیں کہ میں نے اس واقعہ کو اس غزل کے حاشیہ پر دیوان حافظ میں جہانگیر کے قلم سے لکھا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

ملّا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے۔ کہ حضرت حافظ شیرازی خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ اکثر صوفیاء نقشبند فرمایا کرتے تھے۔ کہ خواجہ شیرازی کے دیوان سے نسبت نقشبندیہ کی خوشبو آتی ہے۔

حضرت خواجہ حافظ کی وفات صاحب نفحات الانس نے ۷۹۲ھ لکھی ہے۔

لسان الغیب حافظ پیر شیراز ۔ ز دنیا رفت و شد سردار جنت

عیاں شد سر ودا سال وصالش ۔ ولی طوطی گلزار جنت

۷۹۲ھ

مخزن الواصلین کے مولف نے آپ کو ان اشعار سے یاد کیا ہے۔ اور انہوں نے آپ کا سنِ وفات ۷۹۱ھ لکھا ہے۔

چو شمس الدین حافظ پیر شیراز ۔ بجنت رفت زین دنیائے پُر خار

وصالش ہشت شمس الدین منور ۔ وگر ہم زبدہ دین شاہ ابرار

۷۹۱ھ ۷۹۱ھ

لہ ا۔ حافظ شیرازی حیاتِ ظاہریہ سے پردہ پوش ہوئے تو آپ کا مزار مرجع خلائق اور مہبط انوار الٰہیہ بن گیا بقول پروفیسر علی نقی ہروزمی مطاف اہل دل وقبلہ مردمان صاحب نظر" رہا۔ قبرستان میں مقام "مصلّی" پر آسودہ خاک ہوئے۔ اہل محبت آج تک آپ کے مزار اور دیوان سے فال لیتے ہیں۔ دنیائے اسلام کی جن مشاہیر نے مزار پر پہنچ کر فال لی۔ ان میں شاہ اسمٰعیل صفوی۔ شاہ عباس کبیر آزاد خان افغان کے نام قابل ذکر ہیں ۱۱۸۰ھ میں کریم خان زند نے آپ کے مزار پر شاندار گنبد بنایا۔ سنگ مرمر کی تختیوں پر حافظ کی غزلیں لکھوائیں ۱۲۷۳ھ میں طماسپ حکمران فارس نے پھر مرمت کرائی۔ ۱۲۹۵ھ معتمد الدولہ فرہاد مرزا نے اضافہ کیا، ۱۳۱۱ھ اردشیر یزدی نے روضہ کی تعمیر میں بڑا حصہ لیا۔ سید علی اکبر مرحوم نے یہ کہہ کر کہ یک نفر گبر قبر خواجہ را ساختہ است" مزار کو اکھاڑ دیا اور ۱۳۱۸ھ میں والی فارس کے شہزادہ شجاع السلطنہ نے مزین الدولہ انجنیر کے اہتمام میں از سر نو تعمیر کرایا ۱۳۵۰ھ میں ایران کی وزارتِ تعلیم نے آقائی

مولانا ظہیر الدین خلوتی قدس سرہٗ:- آپ ظاہری اور باطنی علوم میں جامع تھے۔ زہد و تقوی اور ورع میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ حضرت شیخ سیف الدین خلوتی سے نسبت ارادت رکھتے تھے۔ آپ ہی کی خدمت میں پندرہ سال گزار دیئے۔ قرأت قرآن میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں نے قرآن پاک کو اسناد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں زیارت کی تھی۔ آپ نے فرمایا ظہیر الدین مجھے قرآن سناؤ۔ میں نے اوّل سے آخر تک حضور کو قرآن سنایا ہے۔ حضور نے مجھے اس عظمت پر آفرین فرمائی تھی۔

آپ چلّہ میں بیٹھتے تو ہر دسویں دن آپ گندم سے افطاری فرمایا کرتے تھے۔

آپ کی وفات ۸۰۰ھ میں ہوئی تھی۔ اپنے پیرومرشد کے مزار کے پہلو میں قبرستان خلوتیاں میں دفن ہوئے تھے آپ کے پیر سیف الدین خلوتی شیخ محمد خلوتی کے مرید تھے۔ کہتے ہیں۔ جب آپ خوارزم میں ذکر بالجہر کرتے تو چار میل تک آواز جایا کرتی تھی۔ ان کا وصال ۷۸۳ھ میں ہوا تھا اور مزار مبارک گورستان خلوتیاں میں گاذر گاہ چل کے پاس ہے۔

شیخ ظہیر الدین خلوتی کا سن وفات ان اشعار سے نکلتا ہے۔

چوں ظہیر الدین بصد عزّو وقار - رفت زین دنیا بجنت جنتی

شد ندا از بہر سالِ وصل او - اہل دین مہدی کامل متقی

۸۰۰ھ

شیخ کمال خجندی قدس سرہٗ:- آپ بہت بڑے بزرگ اور صاحب حال تھے۔ ظاہری طور پر لباس شعراء میں گزارا۔ مگر حقیقت میں صاحب عرفان تھے۔

ایک دفعہ دریا میں سخت طغیانی آئی۔ آپ جس گاؤں میں سکونت پذیر تھے۔ موجوں کی زد میں آ گیا۔ لوگوں کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ دریا گاؤں کو بہا لے جائے گا۔ آپ کے پاس صورت حال بیان کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ میرا خیمہ دریا کے کنارے لگایا جائے۔ انشاء اللہ

دریا ہٹ جائے گا۔ ایسا ہی کیا۔ پانی اپنی جگہ سے ذرہ بھر آگے نہ بڑھا۔ سفینۃ الاولیاء کے مولف نے آپ کا سن وفات ۸۰۳ھ لکھا ہے۔ مگر تذکرۃ العاشقین نے ۸۰۲ھ لکھا ہے۔ آپ کا مزار پرانوار تبریز میں واقع ہے۔

شیخ کامل کمال دین نبی ۔ بود اہل جمال وجاہ و جلال
گفت دل بہر سال ترحیلش ۔ گو زہے آفتاب بدرکمال
۸۰۳ھ
ہم قبول دگر رقم کردم ۔ منبع حسن ماہتاب جمال
۸۰۲ھ

مولانا سعد الدین تفتازانی قدس سرہٗ: آپ بڑے عالی ہمت بزرگ تھے۔ آداب شریعت اور مقامات طریقت کی حفاظت کرتے تھے علوم ظاہری اور باطنی میں طاق تھے۔ ترک و تجرید میں معروف تھے۔ صرف و نحو فقہ و حدیث اور تفسیر کے علاوہ منطق معقولات و معانی میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ مختصر معانی اور مطوّل آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ آپ ۸۰۰ھ میں فوت ہوئے تھے۔

جناب شیخ سعد الدین اسعد ۔ کہ بود او عالم و عامل بہشتی
بو جستم سالِ ترحیلش زہاتف ۔ ندا آمد بگو کامل بہشتی
۸۰۰

مولانا محمد شرین قدس سرہٗ: آپ شیخ اسماعیل قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ حضرت شیخ اسماعیل شیخ نورالدین عزالی کے احباب میں سے تھے جو شیخ کمال خجندی کے مصاحب تھے۔ مولانا شرین بڑے صاحب تقوی اور ورع بزرگ تھے آپ کے شعار حقائق و دقائق سے پر تھے۔ مغربی تخلص تھا۔ یہ ان کا ایک مشہور شعر درج کیا جاتا ہے۔

چشم گراین ست ابروئے این نازو آن عشوۂ این ۔ الوداع اے زہد وتقویٰ الفراق اے عقل و دین

آپ کا وصال ۸۰۹ھ میں ہوا۔ ایک قول میں ۸۰۸ھ میں ہوا جبکہ آپ کی عمر ساٹھ سال تھی

چو شرین رخت از دنیائے دوں بست ۔ بجنت یافت از درگاہِ حق بار

وصالش ہست شرین قطب واصل ۔ دگر از دل نداشد تاج ابرار

۸۰۸ھ ۔ ۸۰۸ھ

دوبارہ ہادی حق قطب شرین ۔ رقم شد رحلت آن شیخ حق یار

۸۰۹ھ ۔ ۸۰۹ھ

حضرت شیخ میر محمد ہمدانی قدس سرہٗ

آپ حضرت امیر کبیر ہمدانی کے فرزند ارجمند اور خلیفۂ اعظم تھے آپ اپنے والد کی وفات کے بائیس ۲۲ سال بعد خطہ کشمیر میں وارد ہوئے۔ اور بارہ سال تک ہدایت خلق میں مشغول رہے اور اسلام کی اشاعت و ترویج میں مصروف رہے۔ سلطان قطب الدین اور سلطان سکندر بت شکن آپ کے حلقۂ اطاعت میں رہتے تھے۔ سیدہ صالحہ بی بی تاج خاتون جو حضرت حسن بہادر کی بیٹی تھیں۔ آپ کے نکاح میں آئیں۔ آپ کی رفاقت صرف پانچ سال رہی تو وفات پا گئیں۔ سلطان قطب الدین کے وزیر مملکت ملک سیبھہ (جو آپ کے دستِ حق پرست پر ایمان لایا تھا) کی بیٹی آپ کے عقد ثانی میں آئی۔ آپ نے بادشاہ کے لئے ایک رسالہ لکھا تھا۔ جو علم تصوّف پر مشتمل تھا۔ منطق کی ایک کتاب سلطان کے لئے لکھی۔ یہ کتاب رات بھر میں لکھی گئی تھی آپ کی کوششوں سے اسلامی تہذیب نے اس قدر ترقی کی تھی۔ کہ سارے کشمیر میں مزامیر اور لہو ولعب کی محفلیں بند ہو گئیں تھیں۔ دربار سلطانی کے علاوہ ڈھول کی صدا کہیں سے نہیں آتی تھی۔

سلطان سکندر نے آپ کے لئے چشمہ کے کنارے ایک خانقاہ عالی شان تعمیر کی تھی۔ یہ عمارت ۷۹۸ھ میں بننا شروع ہوئی ۷۹۹ھ میں مکمل ہوئی تھی آپ کے آپ ایک گراں قدر لعلِ بدخشان تھا آپ نے یہ لعل سلطان سکندر کو دے دیا تھا ۸۰۰ھ میں سید محمد حج بیت اللہ کو روانہ ہوئے تو سلطان سکندر کو اسلام کی اشاعت کی تاکید فرمائی۔ بادشاہ نے اس نصیحت پر عمل ہونے کا عہد کیا۔ اور اس سلسلہ میں ہزاروں بت خانوں کو مسمار کر کے دعوتِ اسلام عام کرتا رہا تواریخ اعظمی میں درج ہے کہ سلطان سکندر بت شکن نے جن غیر مسلموں کو دولتِ اسلام سے نوازا اُن کے جنجو (زنار) جمع کئے

گئے تو تین خروارے تھے۔ انہیں تین بار جلایا گیا ۸۰۱ھ میں سکندرہ پورہ کے بہت بڑے بت خانہ کو مسمار کر کے وہاں مسجد تعمیر کی۔ اس مسجد میں تین سو دو ۳۰۲ ستون قائم کئے گئے اس کی بلندی چالیس ورع شرعی تھی۔ یہ مسجد تین سال کے عرصہ میں مکمل ہوئی تھی۔ اس مسجد کے علاوہ وادی میں اور بھی بہت سی مساجد۔ تالاب اور عالیشان محلّات تعمیر کرائے تھے۔

حضرت سید میر محمد ہمدانی حج سے واپسی پر خطۂ کشمیر میں آئے تو کولاب کے مقام پہ پہنچے یہ وہ مقام تھا۔ جہاں امیر کبیر واصل بحق ہوئے تھے۔ آپ کا وصال اسی مقام پہ ہوا اور اپنے والد کے پہلو میں دفن کیئے گئے۔ تواریخ اعظمی نے آپ کی وفات کا واقعہ ۸۰۹ھ لکھا ہے سلطان سکندر بت شکن پچیس ۲۵ سال سلطنت کرنے کے بعد ۸۲۰ھ میں فوت ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد امیر تیمور گورگانی نے ہندوستان فتح کرنے کے لئے لشکر کشی کی۔ تو سلطان سکندر کے بیٹے شاہی خان المعروف بہ زین العابدین نے امیر تیمور کے دربار میں گراں قدر تحائف بھیجے اور اس کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ امیر تیمور زین العابدین کے تحائف سے بے حد خوش ہوا۔ اور حکومت کشمیر انہیں کے زیر نگرانی رہنے دی اور خلعت شاہانہ بھی عطا کی۔

سلطان سکندر کی وفات کے بعد ان کا بیٹا سلطان علی تخت نشین ہوا تھا اور اس نے چھ سال نو ماہ حکومت کی۔ اور تارک الدنیا ہو کر اپنے بھائی زین العابدین کو تخت نشین کر دیا۔ خود بیت اللہ کو روانہ ہو گیا۔ ابھی بمقام پکھلی پہنچے تھے۔ تو سلطان علی کی بیوی نے جو راجہ جموں کی بیٹی تھی۔ اپنے خاوند کو سلطنت چھوڑنے پر طعن وتشنیع کی۔ اور حج پہ جانے سے روک دیا۔ اور ایک لشکر کے ساتھ دوبارہ حملہ کرنے اور تخت نشینی کے لئے تیار کر دیا۔ ملک سلطان علی کی تیاری کی خبر زین العابدین کو پہنچی۔ تو بارہ مولا سے ایک بہت بڑا لشکر لے کر پکھلی کے راستہ میں قیام پذیر ہوا۔ اور اپنے بھائی سلطان علی پہ فتح حاصل کر کے اسے قید کر لیا۔ سلطان علی قید خانے میں ہی واصل بحق ہوا۔

رفت از دنیائے دوں اندر جہاں ۔ چوں محمد سید اہل یقین
گفت تاریخ وصالش او عیاں ۔ مہرباں عادل محمد میر دین
۸۰۹ھ

میر سید شریف علامہ جرجانی قدس سرہٗ: صاحب ورع و تقوی بزرگ تھے۔ علوم حدیث تفسیر میں یگانہ روزگار تھے۔
بیس سال میں ہی مختلف اقسام کے علوم مروجہ پر دسترس حاصل کر لی تھی۔ اور سلسلۂ تدریس جاری کر دیا تھا۔ آپ کی تصانیف میں سے شرح قطبی۔ سراجی بہت مشہور کتابیں ہیں۔ آج تک درسیات میں پڑھائی جاتی ہیں۔ تفسیر کشفاف پہ (اسرار التنزیل) حاشیہ لکھا۔

آپ کی ولادت ۷۴۰ھ میں ہوئی۔ مگر وفات ۸۱۶ھ میں ہوئی۔

اشرف و اکرم شریف دو جہاں ۔ زینت اسلام پیر دین حنیف
ہست تولیدش خلیل اہل دل ۔ رحلتش سید ولی حق شریف
۷۴۰ھ

شیخ عبد اللہ شطاری علیہ رحمت اللہ باری: سلسلہ شطاریہ کے بانی اور امام طریقت اور پیشوائے حقیقت تھے۔ آپ نے رسالہ اشغال شطاریہ میں اپنے سلسلہ عالیہ کے مقامات و احوال قلمبند کئے ہیں آپ کے آبا و اجداد کی نسبت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ طریقت میں آپ شیخ محمد طیفوری سے بیعت تھے۔ وہ شیخ محمد عاشق اور وہ شیخ خدا قلی اور اپنے والد محمد خدا قلی ماورالنہری اور وہ خواجہ ابوالحسن خرقانی اور وہ خواجہ ابو المظفر مولیٰ ترک طوسی وہ خواجہ ابو یزید العشقی اور وہ خواجہ محمد المغربی اور وہ خواجہ ابو یزید بسطامی اور وہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مرید تھے (رضی اللہ عنہم)

سلسلہ طیفوریہ میں جو شخص سب سے پہلے شطاریہ طریقت پر اٹھا۔ وہ حضرت شیخ عبد اللہ تھے۔ شطار اصطلاح میں تیز رو کو کہتے ہیں۔ مگر صوفیا میں اس شخص کو شطار کہا جاتا ہے جو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے رتبہ عالیہ کو حاصل کرے۔ حضرت شیخ عبد اللہ ریاضات اور مجاہدات میں کماحقہ

ین کمال حاصل کر چکے۔ تو آپ کو شطاری کہا جانے لگا۔ سب سے پہلے حضرت شیخ محمد نے آپ کو شطاری کے خطاب سے مخاطب فرمایا۔ اور خرقۂ خلافت سے نوازا۔ اور حکم دیا کہ وہ برصغیر ہندوستان (پاکستان) میں جائیں۔ اور جس جگہ قیام کریں معرفت کا غلغلہ برپا کر دیں۔ تاکہ لوگ ہدایت حاصل کر سکیں۔ اگر کسی بزرگ سے ملاقات ہو تو اسے برملا کہہ دیں کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ ہمیں بخش دیں۔ ورنہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں دینے کو تیار ہوں۔ آپ اپنے پیر و مرشد کے حکم پر اپنی معرفت اور ولایت کا اظہار اعلانیہ کرنے لگے اور بلا جھجک کہنے لگے جو بھی اللہ تعالیٰ کی تلاش میں آنا چاہتا ہے۔ میرے پاس آئے۔ میں اسے خدا تک پہنچاؤں گا

آپ برصغیر میں پہنچے۔ تو ہندوستان کے شہر مانکپور قیام پذیر ہوئے وہاں شیخ حسام الدین دراجی سید حامد اور شاہ سید ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ شیخ حسام الدین نے کہا کہ شیخ عبداللہ مسافر ہیں اور مقیم ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہم ان کے پاس چلیں اور ملاقات کریں۔ چونکہ تینوں حضرات مجلس سماع میں بیٹھے تھے۔ اور انہوں نے جوش سماع میں اپنے کپڑے بھی قوالوں کو لٹا دیئے تھے اور ان کے پاس دوسرا لباس بھی نہیں تھا۔ کہ پہن کر جائیں۔ اتفاقاً ایک مرید نے شیخ حسام الدین کو روئی والی رضائی پیش کی۔ تو شیخ حسام الدین نے اس رضائی کے تین حصے کر دیئے۔ رنگین کپڑا سید حامد شاہ کے حوالے کیا۔ زہرین استر سید و شاہ کو دیا اور خود روئی لپیٹے روانہ ہوئے اور اَذَا اَنْتُمُ الْفُقَرَا فَهُوَ اللّٰه (جب تم فقیر ہو تو تمہارا اللہ ہی اللہ ہے) کا لباس پہنے چلے۔ حضرت حسام الدین کا سر ننگا تھا۔ راستہ میں آپ کا ایک مرید آپ کے لئے پانوں کا ایک بیڑہ ایک چوڑے سے پتے میں رکھے لا رہا تھا پیش کیا۔ شیخ حسام الدین نے پان کے پتے تو بانٹ دیئے۔ مگر وہ چوڑا پتہ ٹوپی بنا کر سر پر رکھ لیا اور ایک پرانی سی رسی لے کر کمر بند بنا لیا۔ اور اس ہیئت کذائی میں حضرت عبداللہ شطاری کی ملاقات کو پہنچے۔ شیخ عبداللہ ان دوستوں کی آمد سے پہلے ہی از رہ کشف خبردار تھے۔ اپنے خیمے سے نکلے۔ اور فرمایا مجھے ڈر ہے کہ حسام الدین کی آتش فقر سے میرا خیمہ جل جائے۔ اور میرا سب کچھ جلا کر راکھ کر دے۔ چنانچہ چاروں حضرات ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے حضرت عبداللہ شطاری نے حسب دستور کہا۔ کہ مہربانی

فرماکر میری حالت پر توجہ فرمائیں اور جو کچھ عطا کر سکتے ہیں۔ میری جھولی میں ڈال دیں۔ میں طالب ہوں محتاج ہوں ورنہ مجھے جو کچھ اپنے پیران عظام سے ملا ہے۔ آپ لوگوں کے لئے حاضر ہے۔ شیخ حسام الدین نے انکساری اور تواضع سے کہا میرے پاس تو کچھ نہیں۔ جو آپ کو دے سکوں جو کچھ مجھے اپنے مشائخ سے ملا ہے ابھی تک میں اس کے مطالعہ سے فارغ نہیں ہوا۔ مجھے آپ سے کچھ لینا ہے۔ عبداللہ شطاری شیخ حسام الدین کے اس جواب سے بڑے خوش ہوئے۔ فرمانے لگے۔ الحمدللہ میں نے سرزمین ہندوستان میں ایک ایسا عارف کامل دیکھا ہے۔ جس کی پرواز کونین سے بھی ماورای ہے۔ اس کے بعد آپ جونپور کی طرف روانہ ہوتے۔ اور وہاں ہی شہرت پائی۔ قاضی منیری اور دوسرے عزیزوں سے آپ سے روحانی تربیت حاصل کی۔

ایک دن سلطان ابراہیم شرقی نے آپ کو کہا میں نے سنا ہے آپ خدا رسانی کے دعویٰ دار ہیں میرے لئے نگاہ التفات کیوں نہیں فرماتے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو کسی نہ کسی کام کے لئے پیدا فرمایا ہے تم کاروبار سلطنت میں مشغول رہو۔ مخلوق خدا کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچا سکتے ہو۔ سلطان ابراہیم نے کہا اچھا۔ اس مجلس میں بہت سے لوگ موجود ہیں کسی اور پر ہی توجہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ جوہر قابل شرط ہوتی ہے۔ سلطان نے کہا۔ اس ملک میں ہزاروں لوگ ہیں کیا ایک بھی جوہر قابل نہیں۔ بادشاہ کی یہ بات سن کر شیخ پر حالت وجد طاری ہو گئی۔ آپ نے نگاہ اٹھائی۔ دیکھا کہ ایک خوش شکل نوجوان بادشاہ کے سر پر کھڑا مکھیاں ہٹا رہا ہے۔ آپ نے اسی پر تصرف فرمایا اُس کے ہاتھ سے رومال گر پڑا بے ہوش ہو گیا۔ بادشاہ کی غلامی چھوڑ کر فقرا میں داخل ہو گیا اور حلقہ مریدان حضرت عبداللہ شطاری میں داخل ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ اور دوسرے اہل مجلس حیران رہ گئے لیکن اب مجلس کا رنگ دوسری طرف ہو چکا تھا۔ شیخ کو اس شہر میں رہنا پسند نہ آیا اور اس قسم کی کرامت طلبی کا انداز پسند نہ آیا۔ چنانچہ آپ نے جونپور کو الوداع کہا اور مالوہ کی طرف چلے گئے۔ شاہ مالوہ نے بھی شیخ کو بڑے اعزاز و اکرام سے شہر مندو جو مالوہ کا دارالخلافہ تھا۔ قیام کرنے کے لئے سہولتیں دیں۔ آپ ایک عرصہ تک اس شہر میں مخلوق خدا کی

خدا رسائی کرتے رہے۔

حضرت شیخ عبداللہ کا معمول تھا۔ کہ اگر کوئی شخص مرید ہونے کے لئے حاضر ہوتا تو آپ اس کی تواضع کرتے اور کھانے کو روٹی اور شوربہ عنایت فرماتے اور کسی شخص کو مقرر کر دیتے کہ مہمان کو دیکھتے رہو۔ کہ آیا وہ روٹی اور سالن ایک جیسا کھاتا ہے یا روٹی اور شوربے میں کمی بیشی کرتا جاتا ہے اگر دونوں چیزیں ایک اندازے سے کھاتا تو آپ اندازہ لگا لیتے کہ یہ اعتدال پسند ہے۔ اور اس کی فراست اور دانشمندی پر معمول کرتے اور اسے کچھ نہ کچھ تربیت باطنی دیتے، اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو اس کو بے خبر اور بے اعتدال جان کر کچھ وظائف وغیرہ بتا دیتے۔ تاکہ اُس کی ظاہری صورت حال درست ہو جائے۔ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ جب میر اشرف جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ مالوہ میں تشریف لے گئے عبداللہ شطاری کو ملنے آئے۔ دونوں بزرگوں نے ملاقات کی۔

شیخ عبداللہ شطاری کا وصال ۸۳۲ھ میں ہوا تھا۔ آپ کا مزار قلعہ مندو کے اندر ہے شیخ پیر میرٹھی جو آپ کے سلسلہ شطاریہ کے معروف بزرگ ہیں، جہانگیر بادشاہ کے ساتھ قلعہ مندو میں گئے تھے۔ اور شیخ عبداللہ کا بہت عالی شان مزار بنایا تھا۔

جناب شیخ عبداللہ شطاری شاہ والا ۔ چو از دار فنا رفتہ مقرب حضرت باری

پے سالِ وصالِ او بسرور از دل پرغم ۔ ندا آمد کہ قطب ہند عبداللہ شطاری

۸۳۲ھ

شیخ علی پیرو گجراتی قدس سرہٗ

آپ موحد صوفیہ میں سے تھے اور گجرات میں قیام پذیر تھے۔ علوم ظاہر و باطن کے عالم تھے اور صاحب تصانیف و تالیفات تھے۔ تفسیر رحمانی آپ ہی کی تالیف ہے اور ادلۃ التوحید کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھا تھا جو بڑا مشہور ہوا۔ آپ ۸۳۵ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ دین نبی و پیر و علی ۔ بود عالی ولی گجراتی

سال وصلش چو از خرد جستم ۔ گفت کامل علی گجراتی

۸۳۵ھ

شیخ علی بن احمد مہائمی قدس سرہٗ:- فردِ زمانہ اور فاضل یگانہ تھے۔ دکن کے علاقہ مہائم میں سکونت پذیر تھے تفسیر مہائمی آپکی تالیف ہے۔ جو اہل علم میں مقبول ہوئی۔ آپ کی وفات ۸۳۵ھ میں ہوئی۔

شد ز دنیا چو در بہشت بریں - والی ملک دین علی ولی
گو وصالش علی عدیم المثل - ہم بخواں زبدۂ بہشت علی

۸۳۵ھ ۸۳۵ھ

شاہ قاسم انوار قدس سرہٗ:- آپ آذر بائیجان کے رہنے والے تھے۔ مولد تبریز تھا ابتدائی عمر میں شیخ صدر الدین اُردبیلی قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے پھر شیخ اوحد الدین کرمانی کے خلیفہ شیخ صدر الدین یمنی کے مرید ہوئے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند سے بھی فیض حاصل کیا۔ آپ کا دیوان حقائق و معرفت کے اشعار سے مالا مال ہے آپ نے ۸۳۷ھ میں وصال پایا۔ مزار پرانوار خرجام میں ہے۔

جناب شیخ قاسم نیّر نور - چو شد در خلد آں مرحوم و مغفور
خرد از بہر سال انتقالش، - بگفتا شاہ سیّد قاسمِ نور

شیخ زین الدین خوافی قدس سرہٗ:- آپ کی کنّیت ابوبکر تھی۔ ظاہری اور باطنی علوم میں جامع تھے اوّل سے آخر تک اللہ کی توفیق حاصل ہوئی اور جادہ شریعت اور راہِ سُنت پر گامزن رہے۔ طریقت میں شیخ نور الدین عبدالرحمان قریشی مصری قدس سرہٗ کے مرید ہوئے وہ شیخ سیف نورانی کے مرید تھے۔ اور وہ شیخ تاج الدین حسن تستری اور وہ شیخ محمود اصفہانی اور وہ شیخ عبدالصمد نظیری اور وہ شیخ علی بزغش اور وہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں آپ کو آخرین عمر میں ایسا جذب حاصل ہوا کہ رات بھر اپنے آپ سے بھی غائب رہتے اور خاموش پڑے ہوتے۔ آپ ہفتہ کی رات ۸۳۸ھ میں واصل بحق ہوئے۔ پہلے آپ کو قصبہ بالین میں امانتاً دفن کیا گیا۔ پھر آپ کی

نعش کو درویش آباد میں لے جاکر دفن کیا گیا۔ پھر وہاں سے بھی ہرات کی عیدگاہ کے پاس سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کے مزار گوہربار پر ایک عالی شان عمارت بنائی گئی تھی۔

جناب پیر زین الدین شیر دین ۔ کہ شاہے بود در پیرانِ اسلاف

چو سرور سال ترحیلش ز دل جست ۔ ندا شد زین دین ہادی خواف
۸۳۴ھ

آپ اولیاء ہند میں کبار مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔

شیخ بدیع الدین مدار قدس سرہٗ: بڑی بڑی عجیب و غریب کرامات کا اظہار ہوتا ہے مقامات ارجمند پر فائز تھے۔ حضرت شیخ مدار کی بزرگی احاطہ تحریر میں نہیں آسکتی۔ اخبار الاخبار۔ معارج الولایت۔ تذکرہ العاشقین اور مناقب الاولیاء جیسی کتابوں کی سند سے یہ بات صحیح ہے کہ آپ مقام صمدیت پر فائز تھے۔ بارہ سال تک کھانا نہیں کھایا۔ ایک بار جو لباس پہن لیا وہ کبھی میلا نہیں ہوا۔ آپ اپنے چہرہ منور کو حجاب میں رکھا کرتے تھے۔ ان کے حسن و جمال میں اتنی کشش تھی کہ جو کوئی آپ کو دیکھتا سجدہ میں گر جاتا۔ آپ کا سلسلہ خلافت پیرانِ کبرویہ سے ہوتا ہوا حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔

صاحب معارج الولایت نے کشف النعمات کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ شیخ عبداللہ مکی خلیفہ حضرت شیخ طیفور شامی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصاحب تھے، کے مرید تھے۔ شیخ طیفور شامی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے معجزانہ کمال سے زندہ رکھا اور انہیں حکم دیا تھا۔ کہ فلاں پہاڑ کی غار میں چھپ رہو۔ ایک وقت آئے گا، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوگا ان کے ہاتھ پر بیعت ہونا۔ چنانچہ حضور کے زمانہ میں آپ حاضر دربار رسالت ہوتے اور حضور سے کمالات باطنی حاصل کئے۔

حضرت شاہ بدیع الزماں مدار قدس سرہٗ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اویسی تھے۔ سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے۔ کہ شیخ سعد اللہ کیسہ دار کنتوری نے چہاردہ خانوادہ سلسلہ تصوف میں سے تھے۔ حضرت شاہ بدیع الزّماں مدار نے بھی استفادہ کیا ان

کے جواب میں ایک مکتوب لکھا تھا جس کا لُب لباب یہ ہے۔ کہ مشائخ میں ایک خانوادہ اویسی ہے جس میں اکثر مشائخ عظام ہوئے ہیں۔ اس سلسلۂ عالیہ کے سردار حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو باطنی طور پر حضور کی صحبت کے تربیت یافتہ تھے۔ چنانچہ جو ولی باطنی طور پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرتا ہے۔ یا کسی دوسرے بزرگ سے فیضان حاصل کرتا ہے اور روحانی طور پر بعیت ہوتا ہے۔ وہ اویسی کہلاتا ہے۔ چنانچہ شاہ مدار بھی ایسے پیر ہیں۔ جنہوں نے باطنی اور روحانی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت پائی اور اویسی کہلائے۔ بزرگان دین میں سے حضرت ابوالقاسم گرگانی۔ شیخ ابوالحسن خرقانی بھی اویسی ہیں۔ شیخ نظام الدین گنجوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اویسی تھے۔ انہوں نے بھی باطنی فیض حضور سرور کائنات کی روح پر فتوح سے حاصل کیا تھا۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانہ کے مقتدائے مخدومان عالم اسلام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست روحانی فیض یافتہ تھے۔ آپ کو لسان الغیب کا خطاب اسی وجہ سے ملا تھا۔

خواجہ محمد رشید رحمۃ اللہ علیہ اپنا سلسلۂ مداریہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" بندہ امیدوار رحمتِ کردگار محمد رشید مصطفیٰ جمالی کہتا ہے۔ کہ میں نے اس سلسلہ میں اپنے بھائی محمد تقی سے اجازت حاصل کی تھی۔ انہوں نے شمس الدین محمد الحسینی البخاری انہوں نے حاجی الحرمین الشریفین بایزید انہوں نے شاہ فخر الدین زندہ دل سے۔ انہوں نے سید جمن جتی سے انہوں نے قطب الارشاد بدیع الدین مدار سے اور انہوں نے حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازتِ سلسلہ حاصل کی تھی۔ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

کہتے ہیں کہ شاہ مدار برصغیر ہندوستان میں تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ اجمیر شریف حاضر ہوئے اور خواجہ بزرگ سید حسن سجزی معین الدین اجمیری چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک پر پہنچے اور کوہ کولا یک پر ایک چلہ کاٹا۔ اس استفادہ اور حصولِ برکات کے بعد کالپی کی طرف روانہ ہوئے۔ صاحب معارج الولایت نے آپ کا شجرۂ نسب از طرف والد اور والدہ یوں درج کیا ہے۔

"شیخ بدیع الدین بن شیخ علی بن شاہ طیفور بن شاہ کافور بن قطب بن اسماعیل بن محمد بن حسن بن علی بن طیفور بن بہاؤ الدین محمد شاہ بن بدر الدین بن قطب الدین بن عماد الدین بن عبد الحافظ بن شہاب الدین بن طاہر بن مطاہر بن عبد الرحمان بن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم"

اس طرح آپ کا شجرہ نسب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کی والدہ کا اسم گرامی بی بی حاجرہ تھا۔ والدہ ماجدہ کی نسبت سے آپ کا ان واسطوں کے ساتھ شجرۂ نسب حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے بی بی حاجرہ بنت حامد بن محمود بن عبد اللہ بن احمد بن آدم بن محمد بن فخر الدین بن طیفور بن محمد بن قوام الدین بن شمس الدین بن سراج الدین بن عبد الرحمٰن بن بلخور بن عبد الرشید بن عبد الجلیل بن عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ"

شاہ بدیع الزمان ۸۴۰ھ میں فوت ہوئے۔ صاحب معارج الولایت نے آپ کی عمر دو سو پچاس ۲۵۰ لکھی ہے۔ مخبر الواصلین نے آپ کا سال ولادت ۷۱۶ھ تحریر کیا ہے۔ اور وفات بتاریخ ۱۰ جمادی الاوّل بروز جمعۃ المبارک ۸۴۰ھ کی ہے۔ اس طرح آپ کی عمر شریف ایک سو چوبیس سال تحریر کی گئی ہے (واللہ علم بصورت حالہ)

شیخ عالم راہنمائے دو جہاں ۔ آن بدیع الدین ولی کامگار
ہست تولیدش فنا شیخ العلوم ۔ ہم امام خلد گوئی باوقار
۷۱۶ھ ۷۱۶ھ

رحلتش سلطان مخدوم است و نیز ۔ مہرباں والی حق قطب مدار
۸۴۰ھ ۸۴۰ھ

پارسا سلطان بدیع الدین مدار ۔ بدر خلد سخی حق ہیں سے بھی تواریخ وصال برآمد ہوتی ہیں
۸۴۰ھ ۸۴۰ھ ۸۴۰ھ

آپ کشمیر کے برگزیدہ بزرگان دین میں

حضرت شیخ نور الدین ولی کشمیری قدس سرہٗ:- سے تھے۔ جامع علوم ظاہری و باطنی

مظہر تجلیات صوری و معنوی تھے۔ زہد و ورع تقویٰ و عبادت میں یگانہ وطاق تھے۔ ریاضت و مجاہدہ اور خلق خدا کی خدمت میں شہرۂ آفاق ہوئے ہیں۔ تیس سال کی عمر میں تو بہ نصیب ہوئی اور زہد و ریاضت کی وجہ سے متقدمین اور متاخرین کے لئے باعث صد افتخار ہے۔ جب پہلے پہل آپ کو اللہ کی محبت کے جذبہ نے اپنی طرف کھینچا تو آپ بارہ سال تک بلا کھائے پیئے اور بلا سوئے صحرا و بیابان میں ریاضت میں مشغول رہتے تھے جب بھوک ستاتی کاسنی کے پتے پانی میں جوش دے کر پی لیتے تاکہ جان کا سلسلہ قائم رہ سکے۔ پھر اتنا کھانا پینا بھی چھوڑ دیا۔ اور صرف دودھ کا ایک گلاس غذا بنالی نفس کی خواہشات کے برعکس کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے دودھ کو نفس کی خواہش جانتے ہوئے چھوڑ دیا۔ اور اڑھائی سال تک آب جو پر اکتفا کیا۔ چھبیس سال تک غلہ چکھا تک نہیں۔ جب حضرت میر محمد بن سید میر علی ہمدانی قدس سرہٗ کشمیر میں تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی اور پوری طرح استفادہ کیا۔ حضرت میر بڑی عنایت اور مہربانی فرماتے تھے۔ آپ کی تربیت میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ جب میر محمد حج بیت اللہ شریف کو روانہ ہوئے تو شاہ نورالدین نے سید حسین سامانی شیخ بہاء الدین۔ شیخ سلطان پکھل اور باباحاجی ادھم کشمیری جیسے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیض صحبت پاتے۔ اور اس طرح سلوک کے انتہائی مقامات کو حاصل کر لیا۔ اور خطہ کشمیر کے قطب الاقطاب بنے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے۔ کہ آپ حضرت میر کبیر سید ہمدانی کی خدمت میں حاضر رہے۔ یہ بات درست نہیں ہے۔

صاحب تواریخ اعظمیہ لکھتے ہیں۔ کہ شاہ نورالدین ولی مادرزاد تھے۔ ایام حمل میں ہی آپ کی والدہ کی خدمت میں رجال الغیب آتے تھے۔ اور سلام کہتے تھے۔ بی بی لل جو وادی کشمیر کی مشہور مجذوبہ تھیں (ان کا ذکر خیر آگے آ رہا ہے) ابھی آپ کی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے بیٹے کی پیدائش کی بشارت دی تھی۔

صاحب الاسرار اور تواریخ اعظمیہ نے آپ کا سال ولادت ۷۵۷ھ لکھا ہے مگر وفات ۸۴۲ھ تحریر کی ہے۔ آپ کے خلیفہ خاص بابا نصیرالدین آپ کی وفات کے موقع پر حاضر تھے۔

انہوں نے عرض کی۔ آپ کی کوئی آرزو ہو تو ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ میری آرزو اللہ ہے اور غیر اللہ سے مجھے کوئی واسطہ نہیں۔ اس موقعہ پہ آپ نے تین بار حق حق حق کا نعرہ مارا اور جان جان آفرین کے حوالے کر دی۔ بابا زین الدین۔ بابا بام الدین۔ بابا لطیف الدین۔ بابا نصیر الدین۔ بابا قیام الدین قدس سراہم آپ کے خلفاء میں سے تھے۔ یہ لوگ شاہ نور الدین کی تربیت سے مقامات اعلیٰ کو پہنچے تھے۔

جناب نور دین مہتاب عالم - کہ در جسم دو عالم بود منظور
ز سرور اہل عرفان نور دین گشت - پے تولید پاکش طرفہ مسطور
ز شمس العارفین جو ارتحالش - دوبارہ ہادی حق نور پر نور

۸۴۲ھ ۸۴۲ھ

شیخ بہاء الدین گنج شکر کشمیری قدس سرہٗ: آپ حضرت شاہ ابو اسحاق ختلانی عارف ربانی کے خلفاء میں سے تھے۔ شاہ ابو اسحاق امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ شیخ بہاء الدین نے جب منازل سلوک طے کرنے سے فراغت حاصل کی۔ تو حرمین الشریفین میں حاضر ہوئے اور وہاں سے سیاحت عالم اسلام کو نکلے اور کشمیر میں قیام پذیر ہوئے۔ قوت حلال کے حصول کی خاطر آپ غلّے کے دانے چنتے اور انہیں دھو کر گذر اوقات کرتے۔ اس طرح وہ شہر کے نانبائیوں سے متعارف ہو گئے۔ کیونکہ غلّہ دھو کر ان نانبائیوں سے روٹی پکواتے تھے ایک دن ایک نانبائی کی دکان پر آئے۔ مگر دکان اس وقت بند تھی۔ ہمسایوں سے پوچھا تو لوگوں نے بتایا۔ نانبائی کا نوجوان بیٹا انتقال کر گیا ہے اور وہ اس مصیبت کے پیش نظر گھر میں صفِ ماتم پر ہے۔ آپ وہاں پہنچے۔ ایک شور محشر بپا تھا۔ اس کے لواحقین اور متعلقین گریہ و زاری کر رہے تھے۔ آپ نے لوگوں کو روک دیا۔ اور نانبائی کو بلا کر کہنے لگے۔ تمہارا بیٹا مرا نہیں زندہ ہے۔ اسے دیکھو تو سہی! آپ لوگوں کے ساتھ اس چارپائی کے قریب آئے اور آتے ہی کہا۔ بیٹا! یہ نیند بے وقت اچھی نہیں اٹھو! اللہ احکم الحاکمین کے حکم سے اٹھو بیٹھو! یہ آواز سنتے ہی مردہ حرکت میں آیا۔ آنکھیں کھول دیں۔ اس کرامت سے ہزاروں لوگ آپ کے عقیدت مند بن گئے۔

آپ آخر عمر تک خطۂ کشمیر میں رہے۔ اور مخلوق خدا کی ہدایت میں مصروف رہے۔ آپ ۸۴۹ھ میں انتقال کر گئے۔ اور ایک سفر کے دوران ڈاکوؤں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ آپ کا مزار وادی کشمیر میں ہے۔ ؎

بہاء الدین چو شد زین دار فانی ۔ بسال رحلتش آں شاہِ عرفان
بہاء الدین سخی اہل دل گو ۔ دگر کن ترجمان مہتاب عرفان

۸۴۹ھ ۸۴۹ھ

شیخ احمد کھتو قدس سرہٗ: آپ بابا اسحاق مغربی کے خلیفہ نامدار تھے۔ گجرات کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ صاحب معارج الولائیت فرماتے ہیں۔ کہ شیخ احمد کھتو کے پیرو مرشد بابا اسحاق میرٹھ کی طرف آئے۔ دریائے جون (جمنا) کے کنارے ایک توت کے درخت کے نیچے چند روز یاد خداوندی میں گزارے ایک دن میرٹھ کا ایک دولت مند ہندو مہش نامی جس نے زنار پہنا ہوا تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ وہ بے اولاد تھا۔ اولاد کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا۔ تمہیں یاحی یا قیوم کے نام کی برکات سے پانچ بیٹے نصیب ہو سکتے ہیں مگر تمہیں پہلا بیٹا مجھے دینا ہو گا۔ اسحاق قدس سرہٗ ہندوستان سے خراسان چلے گئے اور وہاں کئی سال رہے۔ ایک عرصہ کے بعد دہلی واپس آئے۔ اور آپ کی کرامات و ولائیت نے بڑی شہرت حاصل کی۔ کچھ دنوں بعد آپ میرٹھ گئے۔ اور توت کے اسی درخت کے نیچے جو اب تک خشک ہو چکا تھا۔ قیام فرما ہوئے۔ درخت آن واحد میں سرسبز ہو گیا۔ جس سے ہر دیکھنے والے متحیر ہو گیا۔ آپ کی اس کرامت کی شہرت نے سارے شہر کو لپیٹ لیا۔ مہش بھی حاضر خدمت ہوا۔ اور کہنے لگا۔ آپ کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ بیٹے دیئے ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ اب بڑا لڑکا مجھے دے دو۔ مہش نے آپ کو اپنے گھر بلایا۔ بڑی پر تکلف دعوت دی۔ مگر بڑے لڑکے کو چھپا دیا۔ اور اپنے چاروں بیٹے حاضر کئے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا۔ مجھے تو بڑا بیٹا چاہیئے۔ مہش نے ایک بیٹے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ حضور یہ بچہ حاضر

ہے۔آپ نے فرمایا۔یہ بڑا بیٹا نہیں ہے۔مہش نے کہا۔حضور میں آپ کو اپنے گھر لایا ہوں۔آپ دیکھ
لیں۔آپ اٹھے۔اور بلند آواز سے فرمانے لگے۔بیٹا قوام الدین کہاں چھپے ہوئے ہو۔سامنے آؤ۔
لڑکا اسی وقت حاضر ہو گیا۔اور سر قدموں میں رکھ دیا۔حضرت شیخ نے اسے ساتھ لیا اور کھتو کے
گاؤں کی طرف لے آئے اور اپنا بیٹا بنا لیا۔قوام الدین کی عمر پچیس سال کے قریب ہوئی تو انتقال
کر گیا۔جس سے آپ کو بے پناہ صدمہ اور ملال ہوا۔مگر ہاتف غیبی نے آواز دی کہ زیادہ ملال نہ
کرو۔ہم تمہیں اس بیٹے سے بہتر بیٹا عطا کریں گے۔جن سے تمہارا سلسلہ جاری اور ساری رہے گا۔انہی
دنوں دہلی میں زبردست طوفان آیا۔تمام ماحول میں اندھیرا چھا گیا۔دہلی کے شاہی خاندان کا ایک بچہ جسے
اس کی دایہ گھر سے باہر لائی ہوئی تھی۔تاریکی میں گم ہو گیا۔اور پھرتا پھرتا ایک ایسے مقام پر آپہنچا جہاں
ایک قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔صبح قافلے والوں نے ایک خوبصورت بچے کو دیکھا تو اسے اپنے ساتھ لے لیا اور
دوآبہ (پنجاب) کی طرف روانے ہو گئے۔یہ بچہ ایک شخص نجیب نساج کے ہاتھ آگیا۔یہ شخص پنجاب کے
ایک قصبے دہندانہ سے روئی کی تجارت کو دہلی گیا ہوا تھا۔چنانچہ وہ بچے کو اپنے گھر لے آیا۔اتفاقاً
اس گاؤں میں مولانا شہاب الدین ہمدانی کے پوتے مولانا صدرالدین اسی گاؤں میں گئے ہوئے
تھے۔وہ جناب ابواسحاق کو ملنے کے لئے کھتو گئے تو آپ نے انہیں فرمایا تھا۔کہ اگر ایک بچہ
اس شکل وصورت کا ملے تو میرے لئے لانا۔اس قصبہ میں آپ نے جب اس بچے کو غور سے دیکھا تو وہ
واقعی اسی شکل وصورت کا تھا جس کی خواہش حضرت شیخ اسحاق نے کی تھی۔چنانچہ آپ نجیب نساج
سے وہ بچہ لیا اور حضرت کی خدمت میں لے آئے۔آپ نے اسے اپنی فرزندی میں رکھ کر پرورش
کی۔اور اس کا نام شیخ احمد رکھا۔

ان دنوں اس بچے کی عمر چار سال تھی۔اور شیخ احمد کھتو کے نام پر مشہور ہوا۔اور نشوونما پاتا
رہا۔شیخ احمد بارہ سال کی عمر کے ہوئے تھے کہ حضرت اسحاق نے انہیں دہلی میں بزرگان چشت
کے مزارات کی زیارت کے لئے ساتھ لیا۔شیخ احمد کے بھائی نے انہیں پہچان لیا اور کہا کہ یہ تو میرا
بھائی ملک نصیرالدین ہے۔وہ سیاہ اندھیری میں گم ہو گیا تھا۔اس وقت آپکے والدین ابھی تک

تھے۔ انہوں نے اصرار کیا۔ مگر بچے نے شیخ اسحاق سے جدا ہونا قبول نہ کیا۔ ان دنوں مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہٗ اوچ شریف سے دہلی میں قیام پذیر تھے۔ سلطان فیروز شاہ اور دوسرے امرائے سلطنت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ شیخ اسحاق نے اپنے بیٹے شیخ احمد کو کہا۔ اگر تم چاہو تو تمہیں مخدوم جلال الدین جہانیاں سے بیعت کرا لوں۔ انہوں نے کہا۔ کہ میں آپ کا مرید ہوں۔ آپ ہی میرے مخدوم ہیں۔ مجھے نئی جگہ بیعت کی کیا ضرورت ہے۔ بچے کی یہ بات سنی تو شیخ اسحاق بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ ایک وقت آئے گا کہ ہندوستان کے شہنشاہ تمہارے دروازے پر حاضری دیا کریں گے۔

شیخ اسحاق کی محبت کا یہ عالم تھا کہ شیخ احمد کھٹو کو ایک لمحہ کے لئے نہیں بھولتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے شیخ احمد کو بھی جس حسن و جمال سے نوازا تھا۔ کہ جو بھی آپ کو دیکھتا بے اختیار ہو جایا کرتا تھا۔ علم موسیقی میں بھی کمال تھا۔ اور آواز میں سحن وادوبل تھا۔ شیخ احمد کی عمر بیس سال ہوئی تو شیخ اسحاق نے آپ کو لباس خلعت سے نوازا۔ اور خرقہ خلافت کے ساتھ ساتھ اپنے پیراں کرام کے تبرکات اور روحانی امانتوں سے بھی نواز دیا اور خود فوت ہو گئے۔

شیخ احمد کھٹو، شیخ اسحاق کی فاتحہ خوانی سے فارغ ہوئے تو بتاریخ ستمبر ماہ شعبان ۷۷۶ھ میں ایک چلہ میں بیٹھے۔ اکیس کھجوریں اور پانی کا ایک مشکیزہ اپنے ساتھ رکھا۔ اور حجرے کے دروازے کو بند کر دیا۔ عید کے دن حجرے سے باہر آئے تو لوگوں نے دیکھا۔ کہ آپ نے چالیس دنوں میں صرف چار کھجوریں کھائی ہیں۔ وہاں سے سفر اختیار کر کے دہلی روانہ ہو گئے۔ دہلی میں مسجد جہان خان کے ایک گوشے میں اللہ اللہ کرنے لگے۔ ان دنوں مخدوم جہانیاں پھر دہلی میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ اتفاقاً ایک دن آپ اس مسجد میں تشریف لے گئے۔ ابھی پالکی سے نیچے نہ اترے تھے۔ کہ شیخ احمد کھٹو اپنے حجرے سے نکل رہے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مخدوم جلال الدین آپ سے بغل گیر ہوئے اور آپ کے کان میں فرمایا۔ اے دوست! تمہارے وجود سے دولت کی خوشبو آرہی ہے چونکہ وہاں بہت ہجوم تھا شیخ احمد خاموش رہے۔ اور وہاں سے

نکل کر تجدید کی زندگی اختیار کر لی۔ پورے بارہ سال اسی حالت میں یاد الٰہی میں رہے۔ اسی دوران سفر کر کے زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ پھر دہلی آ کر سکونت اختیار کر لی۔

۸۰۱ھ میں امیر تیمور گورگانی نے دہلی پر حملہ کیا۔ فیروز شاہ کا پوتا سلطان محمود ان دنوں دہلی کا فرمانروا تھا۔ تیمور سے جنگ کرتا رہا۔ مگر شکست کھا کر دہلی کو تیمور کے رحم و کرم پر چھوڑ کر گجرات چلا گیا۔ امیر تیمور نے دہلی میں قتل عام کے بعد حکم دیا۔ کہ اب دہلی اور اس کے نواح کے بقیۃ السیف لوگوں کو قید کر لیا جائے۔ شیخ احمد کھتو بھی ان قیدیوں میں لائے گئے۔ ان دنوں دہلی قحط سالی کا شکار تھا۔ جنگ کی وجہ سے کھانے کی چیزوں کی سخت قلت ہو گئی تھی۔ لوگ بھوکے مرنے لگے تھے حضرت شیخ احمد جس چار دیواری میں محبوس تھے۔ آپ کے ساتھ اور بھی چالیس آدمی قید تھے۔ شیخ احمد ہر روز ایک ایک تازہ روٹی غائب سے اٹھاتے اور اپنے ساتھیوں کو کھلاتے۔ آپ کی یہ کرامت رفتہ رفتہ امیر تیمور کے کانوں تک جا پہنچی۔ امیر تیمور نے آپ کو اور آپ کے چالیس ساتھیوں کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ معذرت کی اور سب کو آزاد کر دیا۔ پھر یہ بھی اعلان کر دیا۔ کہ شہر کے تمام قیدیوں میں سے حضرت جس قیدی کو چاہیں آزادی دے دی جائے گی۔ آپ نے ہزاروں لوگوں کو آزاد کر دیا۔ امیر تیمور کو آپ سے بے پناہ عقیدت ہو گئی۔

سات ماہ کے قیام کے بعد امیر تیمور دہلی کو چھوڑ کر اپنے وطن واپس ہوا۔ تو شیخ احمد بھی ازرۂ مروّت اس لشکر کے ساتھ سمرقند پہنچے۔ دہاں سے خراسان گئے اور پھر گجرات چلے آئے۔ گجرات میں ان دنوں ظفر خان حکمران تھا۔ یہ شخص فیروز شاہ کے مقرر کردہ حاکموں میں سے تھا۔ اسے بھی حضرت شیخ احمد کے ساتھ عقیدت تھی۔ اس نے آپ کی بڑی عزت و توقیر کی۔ اور حضرت شیخ احمد کی آمد کو غنیمت جانا۔ اور التجا کی کہ آپ اب یہاں ہی رہیں۔ حضرت شیخ احمد نے اس کی اس خواہش پر گجرات میں ہی سکونت اختیار کر لی۔

سلطان مظفر خان کی وفات کے بعد اس کا پوتا سلطان احمد تخت نشین ہوا۔ وہ بھی شیخ احمد کا مرید ہو گیا تھا۔ ایک دن سلطان احمد نے التماس کی حضور مجھے حضرت خضر علیہ السلام سے ملائیے۔

آپ نے فرمایا۔ میں حضرت خضر سے پوچھتا ہوں۔ اگر وہ مان گئے تو بہتر۔ انہوں نے پوچھا۔ تو حضرت خضر نے کہا۔ انہیں چالیس دن تک عبادت خداوندی میں رہنا چاہیئے۔ چنانچہ سلطان ایک ماہ تک چلہ میں رہے۔ پھر حکم ہوا۔ کہ دو چلے مزید کاٹیں تین چلے مکمل کر لیئے گئے تو سلطان احمد حضرت شیخ احمد کے حجرے میں بیٹھے تھے۔ کہ نماز صبح کے بعد حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے۔ دوران گفتگو سلطان احمد نے درخواست کی حضور مجھے عجائبات دنیا سے کوئی حیران کن چیز دکھائیں۔ آپ نے فرمایا۔ دریائے صابرمتی کے کنارے پر جہاں آج کل صحرا ہے۔ ایک شہر آباد تھا۔ اس شہر کا نام تھا باداں باد۔ وہاں کے لوگ بڑے خوشحال اور امیر تھے۔ ایک دن مجھے بھوک لگی۔ میں اس شہر میں گیا۔ ایک حلوہ فروش کی دکان پر پہنچا اور تیس تنکہ دے کر حلوہ خریدنا چاہا۔ دکاندار نے مجھے دیکھتے ہوا کہا۔ تم مجھے درویش دکھائی دیتے ہو۔ میں تم سے پیسے نہیں لوں گا۔ ہاں۔ حلوہ جس قدر چاہو کھالو۔ کچھ عرصہ بعد میں پھر وہاں سے گزرا۔ تو وہاں شہر۔ شہر والوں بازاروں اور محلات کا نام و نشان نہیں تھا۔ ان کھنڈرات پر ایک ڈیڑھ سو سالہ بوڑھا بیٹھا نظر آیا۔ میں نے اس سے شہر کے حالات دریافت کیئے۔ تو کہنے لگا۔ شہر کا حال تو مجھے بھی معلوم نہیں ہے۔ ہاں میں نے اپنے بوڑھوں سے سنا ہے۔ کہ یہاں ایک شہر تھا جس کا نام باداں باد تھا۔ سلطان نے حضرت خضر سے اجازت لی۔ کہ اگر آپ چاہیں تو میں اسی مقام پر ایک شہر آباد کرنے کا حکم دوں۔ حضرت خضر نے کہا۔ ہاں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن ایک شرط یہ ہے کہ سارے ملک سے ایسے چار اشخاص للئے جائیں، جن کا نام احمد ہو۔ اور انہوں نے اپنی دشعوری عمر میں نماز عصر کی سنتیں بھی قضا نہ کی ہوں۔ اور وہ اس شہر کا سنگ بنیاد رکھیں اور اس کا نام احمد آباد رکھا جائے چنانچہ چار ایسے آدمی تلاش کرنے کا حکم دیا گیا۔ سارے ملک گجرات میں صرف دو اشخاص احمد نامی ملے۔ ایک قاضی احمد اور دوسرے ملک احمد تھے۔ لیکن ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ملتا۔ حضرت شیخ احمد نے فرمایا۔ تیسرا شخص احمد میں ہوں۔ سلطان احمد یہ سن کر کہنے لگا۔ چوتھا احمد میں ہوں مجھ سے آج تک عصر کی سنتیں قضا نہیں ہوئیں۔ چنانچہ چاروں مل کر دریائے صابرمتی کے کنارے پہنچے۔ خضر علیہ السلام نے جس جگہ کی نشاندہی کی تھی۔ وہاں بتاریخ ہفتم ذیقعدہ ۸۱۳ھ احمد آباد

کی بنیاد رکھی۔ تین سو ساٹھ محلے بنائے گئے۔ ہر ایک محلہ ایک پورا قصبہ تھا (موجودہ دور میں کالونی کی تعمیر اسی طرز پر ہو رہی ہے) شہر کے دفاع کیلئے ایک مضبوط قلعہ بنانا شروع کیا گیا۔ ایک مضبوط سی فصیل تیار کی گئی۔ مگر قلعہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ اس کی دیواریں بہہ گئیں۔ سلطان اس حادثہ سے بڑا برہم ہوا۔ اور مایوس بھی حضرت شیخ احمد کی خدمت میں پہنچ کر اظہار تاسف کیا۔ آپ از رہ کرم نوازی موقع پر غور کئے توجہ دی۔ توجہ کے دوران آپ کے سامنے ایک جوگی کی صورت سامنے آئی۔ وہ کہنے لگا۔ میرا نام مانک جوگی ہے۔ یہ شہر تو میرا مستقل مقام ہے۔ اب آپ چار حضرات نے اسے اپنا شہر بنا کر اس کا نام احمد آباد رکھ لیا ہے۔ یاد رکھیں جب تک اس شہر میں میرا نام شامل نہیں کیا جائیگا میں قلعہ کی بنیادوں کو ہلاتا رہا کروں گا حضرت شیخ نے ایک محلے کا نام مانک پور رکھ دیا۔ پھر قلعہ تیار کرایا گیا۔

حضرت شیخ احمد کی عمر شریف ایک سو سال سے تجاوز کر گئی آپ نے شیخ صلاح الدین جو راجہ جوہل کا ایک لڑکا تھا۔ جو بچپن سے آپ کی زیر تربیت رہا تھا۔ اپنا جانشین بنایا۔ خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ آپ ایک سو گیارہ سال کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔

شرح جلال اور معارج الولایت میں لکھا ہے۔ کہ آپ کی ولادت ۷۳۸ھ میں ہوئی تھی اور ایک سو گیارہ سال کی عمر میں بروز جمعرات دس ماہ شوال ۸۴۹ھ میں فوت ہوئے۔ یہ زمانہ سلطان محمد بن سلطان احمد بادشاہ گجرات کا تھا صاحب معارج الولایت نے آپ کا سن ولادت مخدوم اولیاء اور سن وصال قطب الاولیاء اور سن عمر قطب سے نکالا ہے۔ احمد آباد سے ایک

۷۳۸ھ ۸۴۹ھ ۱۱۱

فرلانگ کے فاصلے پر آپ کا مزار پُر انوار واقعہ ہے۔ اور موضع سرکیچ میں آسودۂ خاک ہیں۔

شیخ احمد بود مرغوب خُدا - رہنمائے حق فقیر بے نظیر
امجد آفاق احمد مجتبیٰ - سرور دین مصرع تو لیدش بگیر

۷۳۸ھ ۷۳۸ھ

سال وصلش سالک وعالی نجواں ۔ شد وصالش مقتدا احمد امیر

شیخ احمد فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں زیارتِ روضہ منورہ کو گیا تھا۔ تو میرے ساتھ امام خاں جہانی۔ شیخ تاج الدین سرکیجی اور ایک اور دوست موجود تھے۔ ہم مسجد نبوی میں بیٹھے تھے شام ہوئی۔ تو دوستوں کو کھانے کی فکر ہوئی۔ ہم نے گذارش کی۔ آج ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں۔ ہمیں کھانے کی کیا فکر ہے۔ دوسرے دوست تو اِدھر اُدھر چلے گئے مگر میں اکیلا مسجد نبوی میں بیٹھا رہا۔ نماز عشا کے بعد میرے ساتھ سونے کے لئے چلے گئے مگر میں تنہا مسجد نبوی میں بیٹھا رہا۔ ایک شخص مسجد کے دروازے سے اندر آکر بلند آواز سے کہنے لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کون صاحب ہیں۔ میں اٹھا جھولی پھیلائی تو اس شخص نے کھجوریں انڈیل دیں۔ میں نے کھائیں۔ ان کی شیرینی اور لذت آج تک محسوس کرتا ہوں۔

شیخ احمد کھٹو کی خانقاہ میں اتنا کھانا پکایا جاتا تھا کہ ہزاروں لوگ مسافر اور فقرا، درویش ومساکین جمع ہوتے اور پیٹ بھر کر کھاتے۔ آپ کے وصال کے بعد بھی یہ لنگر جاری رہا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات بادشاہ اپنے لاؤ لشکر سمیت زیارت مزار کے لئے آتے سب کو کھانا کھلایا جاتا تھا کبھی طعام اور کھانے کی کمی نہیں ہوئی۔

آپ کو شیخ الاولیاء کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپ شیخ

شیخ جمال گوجر قدس سرہٗ مظفر بلخی کے خلیفہ تھے آپ کا سلسلۂ طریقت پانچ واسطوں سے شیخ نجم الدین سے جا ملتا ہے۔ بعض اوقات شیخ جمال اپنے سر پہ کھچڑی کا طباق اٹھائے جہاں کہیں کوئی بھوکا یا بیمار آدمی دیکھتے اسے کھانا کھلاتے۔ ایک دن شاہ موسیٰ عاشقانِ اودھی کے گھر تین روز سے فاقہ تھا۔ شیخ جمال گوجر کھچڑی کا دیگچہ سر پہ اٹھائے ان کے گھر جا پہنچے۔ شاہ موسیٰ نے ان کی اس تواضع کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔ جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ اے جمال۔ اگرچہ تم گوجروں کو طرح سر پہ دودھ کا مٹکا اٹھائے کھانا تقسیم کرتے پھرتے ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ تم عشق تقسیم کر رہے ہو۔ اس دن سے آپ کو گوجر کے لقب سے یاد کیا جانے

لگا دحقیقت میں آپ گوجر قوم سے تعلق نہیں رکھتے تھے)

آپ بڑے عالی مقام بزرگ تھے۔ اپنے پیرو مرشد کی مرضی کے مطابق رہائش رکھتے تھے۔ شاہ موسیٰ عاشقان۔ حاجی شیخ چراغ ھند۔ شیخ فتح اللہ اودھی کے ہمعصر تھے۔ اتفاقاً انہی دنوں مخدوم احمد عبدالحق چشتی اودھ میں تشریف لائے ہوئے تھے شیخ جمال انہیں کی صحبت میں اسیر ہوئے اکثر اوقات انہی کی خدمت میں رہتے۔ اور شیخ احمد کو فرمایا کرتے تھے کہ پھکرے سے ہندو تک چھان مارا ہے۔ کسی مسلمان کو میں نے اس مقام پر نہیں پایا جیسے اودھ میں شیخ جمال کو دیکھا ہے۔

شیخ احمد کی عادت تھی کہ اپنے ساتھ ایک کتیا رکھتے تھے۔ اس نے ایک بچہ دیا۔ شیخ نے اپنی کیتا کے بچے کی خوشی میں ایک زبردست دعوت کی۔ تمام احباب اور امراء شہر کو مدعو کیا۔ مگر شیخ جمال کو دعوت پر نہ بلایا۔ دوسرے دن آپ نے شیخ احمد سے شکوہ کیا۔ کہ آپ نے شہر کے تمام امراء اکابر اور احباب کو دعوت پر بلایا۔ مگر مجھے نظرانداز کر دیا۔ حالانکہ میں تو آپ کا دوست مونس اور یار ہمدم تھا شیخ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ حضور! یہ دعوت تو کتیا کے بچے کی ولادت کی خوشی میں تھی۔ میں نے دنیا کے کتوں کو بلایا تھا۔ آپ تو انسان ہیں۔ آپ کو کیسے بلا سکتا تھا

آپ ۸۵۸ھ میں فوت ہوئے۔

جلال جہاں شیخ اکرم جمال ۔ مکرم شہہ باکمال بہشت
بتاریخ ترحیل آں شاہ دین ۔ نداشد کہ عابد جمال بہشت
۸۵۸ھ

مولانا جلال الدین پورانی قدس سرہٗ:-

آپ کی کنیت ابو یزید تھی۔ بعد از کسب علوم ظاہریہ حضور کی نسبت کی مقامات شریعت کی اتباع میں ثابت قدم ہوئے۔ بڑے صاحب کرامات اور مقامات عالیہ تھے۔ اگرچہ ظاہری طور پر آپ کسی کے مرید نہیں ہوئے۔ لیکن وہ براہ راست حضور پرنور صلی اللہ علیہ کے اویسی تھے فرمایا کرتے مجھے جب بھی کوئی مشکل درپیش آتی ہے۔ میں تو حضور کے واسطے سے آسانی طلب کر

لیتا ہوں۔

ایک دن آپ نے اپنے دوستوں سے کنگھی طلب کی۔ اور کہا۔ آج میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کنگھی کرتے دیکھا ہے۔ آج میں بھی ضرور کنگھی کروں گا۔ اور اس سنت نبوی کو زندہ کروں گا۔ حضرت شیخ کو شیخ ظہیر الدین سے بڑی عقیدت تھی۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن بیعت نہ ہو سکے۔

نفحات الانس میں مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ میں اپنے چند احباب کو لے کر مولانا جمال جلال الدین پورانی قدس سرہٗ کو ملنے گیا۔ ملاقات کی مجلس سے واپس ہونے سے پہلے ہمارے دوست کے دل میں خیال آیا۔ اگر مولانا جلال الدین صاحبِ کرامت ہیں تو مجھے کشمش کھلائیں تو میں مان جاؤں۔ یہ خیال آتے ہی حضرت مولانا نے ہمیں آواز دی اور ہمارے اس دوست کو اخروٹ دے کر کہا۔ میں کشمش پیش کرنے سے معذور ہوں میرے باغ میں کشمش کے درخت نہیں ہیں۔

آپ کی وفات بروز اتوار ماہ ذیقعدہ ۸۶۲ھ میں ہوئی

شُد چو از دنیا جلال الدین بخلد	سالِ وصل آن شہِ والامکان
مہرِ جنت زبدۂ عالم بگو	قطب لاثانی جلال الدین بخواں
۸۶۲ھ	۸۶۲ھ

شیخ بلال الدین کشمیری قدس سرہٗ: آپ آسمان کمال کے چاند صاحب حال وقال بزرگ تھے سلطان زین العابدین کے عہد حکومت میں خطۂ کشمیر میں وارد ہوئے۔ علم مشیخیت بلند کیا۔ ہدایت کو عام کیا۔ طالبان حق کو راہ حق کی راہ نمائی کرتے رہے۔ فیوض باطنی عام کرتے گئے۔ آپ کی برکت سے وادیٔ کشمیر میں سلسلہائے کبرویہ۔ نقشبندیہ اور سہروردیہ کا فیض جاری ہوا۔ آپ حضرت شاہ نقشبند بہاء الدین کے اویسی تھے۔ جنہوں نے حضور اکرم سے براہ راست فیض حاصل کیا تھا۔ سلسلہ عالیہ کبرویہ کی نسبت سید

محمد ہمدانی قدس سرہٗ ولد امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی تھی۔

تواریخ اعظمی نے آپ کا سال وفات ۸۶۲ھ لکھا ہے۔

روزے جہاں چوں بحکم خدا ۔ نہاں شد دین و دنیا ہلال

زحل گشت درسال تاریخ او ۔ عیاں شمس اقبال بدرالکمال ۸۶۲ھ

خواجہ شمس الدین محمد کوسوی قدس سرہٗ:

آپ ہرات کے عظماء مشائخ میں سے ہیں ہرات کے نواح میں ایک قصبہ کوسو ہے آپ کی ولادت اسی قصبہ میں ہوئی تھی۔ آپ شیخ احمد جام کی اولاد میں سے ہیں۔

سفینۃ الاولیاء کے مولف فرماتے ہیں کہ شیخ احمد جام نے وہ خرقۂ خلافت جو انہیں ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ سے ملا تھا۔ خواجہ شمس الدین کو عطا کر دیا۔ اس خرقہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیراہن مبارک کا ایک ٹکڑا لگا ہوا تھا۔ اس خرقۂ مبارک سے کئی قسم کی کرامات اور برکات کا ظہور ہوا تھا حضرت شیخ احمد جام کی اولاد میں سے ہر ایک اس خرقۂ مبارکہ کا دعویٰ دار بنا۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹ لیا جائے۔ مگر ایسا نہ ہوسکا۔ جو بھی اُسے ہاتھ میں لیتا وہ غائب ہو جاتا تھا۔ آخر کار خواجہ شمس الدین نے اٹھایا تو آپ کے ہاتھ میں محفوظ رہا۔

خواجہ شمس الدین نے اس خرقہ مبارکہ کو اپنے گھر رکھا۔ تو گھر میں چراغ جلانے کی ضرورت نہ ہوتی سارا گھر چراغاں ہوتا۔ جہاں بھی خرقہ پڑا ہوتا۔ صلوٰۃ و سلام کی آواز آتی رہتی۔ جواہرالاسرار میں اس خرقہ کی کرامات بڑی تفصیل سے ملتی ہیں۔

خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ صبح سے شام تک شیخ زین الدین کے طریقہ پر ذکر بالجہر میں مصروف رہتے۔ آپ کو شیخ بہاءالدین کی مجلس میں بھی حاضری ہوتی تھی۔ ابتدائی حالات میں ان پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی تو آپ بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ بعض اوقات اس عالم جذب و وجد میں نمازیں قضا ہو جایا کرتی تھیں۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایسے حالات میں مشائخ عظام زین الدین بہاءالدین عمر جیسے حضرات میری طرف توجہ فرمایا کرتے تھے۔ میں ان بزرگوں کی توجہ سے ہوش میں

نہ آتا۔ آخر کار شیخ الاسلام احمد جام حضرت خواجہ ابو المکارم کی صورت میں ظاہر ہوتے۔ اور مجھے دَم کرتے۔ تو میں ہوش میں آتا اور قضا شدہ نمازوں کو ادا کیا کرتا تھا۔

شیخ شمس الدین شیخ ابن عربی کی تعلیمات سے بے حد متاثر تھے۔ فلسفہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ مسئلہ توحید کو برسر منبر بیان کیا کرتے تھے۔ لوگ اُن خیالات کو سنتے جو حضرت محی الدین ابن عربی نے اپنی فصوص الحکم یا فتوحات میں بیان کیے تھے۔ مگر کسی کو تردید کی جرأت نہ ہوتی۔ شیخ سعد الدین کاشغری اور شیخ جلال الدین ابو یزید پورانی رحمۃ اللہ علیہما آپ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ سماع کو بھی پسند کرتے۔ اور حالت سماع میں وجد میں آتے۔ آپ کی مجلس وعظ میں اگر کسی کو کوئی اعتراض ہوتا۔ تو آپ اسی وقت اس کا جواب دیتے۔ اور اس کے دل کی تسلی فرماتے۔

آپ بروز ہفتہ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۸۶۳ھ کو فوت ہوئے۔ ہرات کی جامع مسجد کے قریب شیخ ابو یزید فقیہ کے مزار کے پہلو میں آسودہ خاک ہیں۔ حضرت عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی وفات پر یہ اشعار کہئے تھے

شیخ اکمل قدوۂ اکمل کہ بود - اہل صورت را بمعنیٰ رہنموں
خواجہ شمس الدین محمد کز غمش - آسماں پوشید دلق نیلگوں
ساخت جا در ساحتِ قدس قدم - خیمہ زد از خطۂ امکان بروں
چرخ دوں چو پایۂ قدرش بود - سالِ تاریخش بریں از چرخ دوں
۸۶۳ھ

تاریخِ وفات از مولف

رفت شمس الدین چو زیں دارِ فنا - سالِ نقل او چوں بصد صدق ویقین
ہست شمس الدین اسد مہربان - نیز شمس الدین محمد پیر دین
۸۶۳ھ ۸۶۳ھ

مولانا جلال الدین محلی قدس سرہٗ: آپ بلند پایۂ محدثین اور معروف مفسرین میں شمار ہوتے تھے نصف جلالین شریف آپ کی تالیف ہے

(یاد رہے کہ تفسیر جلالین دو بزرگوں جن کے نام جلال الدین تھے تالیف کی تھی)

آپ کی وفات ۸۶۴ھ میں ہوئی۔

چوں جلال الدین شہ اہل جلال - کرد رحلت از فنائے سوئے بقا

آفتاب فقہ تاریخش بگو - ہم جلال الدین امیر مجتبیٰ

مولانا علی توشیخی قدس سرہٗ:- آپ کے والد کا اسم گرامی محمد تھا۔ توشیخ میں سکونت رکھتے تھے۔ علاء الدین کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ نے تفسیر کشاف پر حاشیہ لکھا۔ جو مقبول عوام و خواص ہوا۔ آپ کا وصال ۸۸۷ھ میں ہوا۔

پرتو افگن شد بخلد جاوداں - چوں علی اعلیٰ وحی مہتاب حسن

جنّت عالی قدر تاریخ او - ہم علاء الدین علی مہتاب حسن

۸۸۷ھ ۸۸۷ھ

سیّد محمد امین المشہور بہ بابا میر ریشی اویسی قدس سرہٗ:- آپ سید حسن تقی کشمیری کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ نے بابا جلال کشمیری سے فیض پایا تھا۔ آپ ظاہری علوم اور تربیت سے فارغ ہوئے اور جوانی میں قدم رکھا۔ کہ والی کشمیر سلطان زین العابدین نے اپنی بیٹی کی شادی آپ سے کرنا چاہی۔ مگر آپ تارک الدنیا ہو کر وہاں سے چلے گئے۔ اور پہاڑ کی ایک غار میں گوشہ نشین ہو کر یاد خداوندی میں مشغول ہو گئے۔ اور اس طرح آپ ظاہری اور باطنی کمالات پر پہنچے۔

جس وقت سلطان زین العابدین نے جھیل وُلر کے درمیان بمقام لنک پر ایک بلند عمارت تعمیر کی تو کشمیر کے عوام و خواص کو ایک بڑی دعوت پر بلایا۔ اس مجلس میں حضرت میر بھی مدعو کئے گئے۔ مگر وہاں بعض حضرات کی نامشروع حرکات دیکھ کر بڑے کبیدہ خاطر ہوئے۔ غصّے کے عالم میں دریا میں چھلانگ لگا دی۔ بادشاہ نے ملاحوں اور غوطہ خوروں کو حکم دیا کہ آپ کو نکالا جائے مگر تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ انہوں نے جس قدر تلاش کی آپ نہ مل سکے۔ اس صورتِ حال

سے بادشاہ کی طبیعت بڑی بے چین ہوئی۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر شہر کی طرف روانہ ہوا۔ لوگوں کے ساتھ جب باغ پشتوہار کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ آپ نہر کے کنارے کپڑے سینے میں مشغول ہیں سلطان اترا۔ اور دوڑ کر قدم بوسی کی نہایت عجز و انکسار سے آپ کو وہاں سے اٹھایا۔ اور کشتی پر سوار کرا کے محلہ ملچمبر پہنچے۔ کشتی سے اتر کر محلہ رنجوشاہ میں قیام فرما ہوئے سلطان زین العابدین نے آپ کے لئے ایک وسیع اور عالی شان خانقاہ تیار کی۔

تواریخ اعظمی میں آپ کی شہادت کا واقعہ یوں درج ہے۔ کہ سادات رو بہقی کو کشمیر پر اختیارات ملے تو درباری امرا نے فیصلہ کیا کہ اس خاندان کو قتل کر دیا جائے۔ جس نے اتنے سال حکومت کی ہے۔ چنانچہ یہ لوگ بادشاہ کے محل پر حملہ آور ہوتے۔ سید حسین وزیر مملکت کو اُس کے چودہ افراد خاندان کے ساتھ قتل کر دیا۔ بعض فسادی محمد امین کے حجرے میں گھس آئے حالانکہ وہ سادات بہقی میں سے تھے۔ مگر انہیں شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت آپ کی زبان پر مندرجہ ذیل اشعار تھے

منم آں رندِ جہانگیر و مسیحا نفسے ۔ کہ من این ہر دو جہاں را شمارم بخسے

اگر از عشق توام سر بریدہ گو بر ود ۔ لیکن این سرِ نہانِ تو نگویم بکسے

من خارِ غم ز مصلحت اہل روزگار ۔ میداں یقین کہ کشتنِ من ہست بے گناہ

اکنوں بیا و شعر بخواں بر مزار من ۔ تا روئے ظالمان ستمگر شود سیاہ

آپ نے فرمایا تھا کہ ہمارے غسل کے لئے غیب سے ایک تختہ نمودار ہو گا۔ ہمیں اسی پر غسل دیا جائے اور سپرد خاک کریں۔ لوگوں نے دیکھا کہ صندل کا ایک تختہ دریا میں تیرتا ہوا آیا اور حضور کی خانقاہ کے سامنے رک گیا۔ لوگوں نے اٹھایا۔ آپ کو غسل دیا گیا اور خانقاہ میں دفن کر دیا گیا۔

آپ کی شہادت کا واقعہ ماہ ذیقعدہ ۸۸۹ھ میں ہوا۔ جب کہ سلطان زین العابدین کو فوت[1]

---

[1]: سلطان زین العابدین ۸۷۴ھ میں فوت ہوئے تھے۔ تواریخ اعظمی نے آپ کی تاریخ وفات شہید کشمیر ۸۸۹ھ سے لی ہے۔

ہوئے گیارہ سال گزر چکے تھے۔

آپ کی وفات کے بعد کا ایک واقعہ کتابوں میں درج ہے کہ آپ کے ایک عقیدت مند جس کا نام ملا دولت نے بادشاہ کے وزیر سے ایک گاؤں ٹھیکے پر لے لیا۔ ژالہ باری کی وجہ سے ساری فصل برباد ہوگئی وزیر نے اس آسمانی آفت اور نقصان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے۔ اسے مجبور کر دیا کہ وہ ٹھیکے کی رقم ادا کرے۔ اور اس طرح اُس کے گھر کا تمام ساز و سامان ضبط کر لیا اور وہ نانِ شبینہ کا بھی محتاج ہو کر رہ گیا۔ ایک رات آپ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اور روتے روتے سو گیا خواب میں دیکھا۔ کہ میر مخدوم حمزہ و شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہما ایک جگہ تشریف فرما ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ یہ ظالم وزیر حضرت شاہ نور الدین کے خاندان کا مرید ہے۔ چنانچہ ہمیں شاہ نورالدین کے پاس سفارش کرنی چاہیئے۔ یہ بزرگ وہاں پہنچے۔ سفارش کی۔ آپ نے فرمایا۔ میں آج رات اسے تنبیہ کر دوں گا۔ دوسری صبح اسی وزیر نے ملا دولت کو طلب فرمایا۔ اور اس کا اثاث البیت واپس کر دیا۔ اور راضی نامہ حاصل کر لیا۔

بفضل خداوند مولی تعالیٰ ۔ چو شد وصل با وصل جانان امین
امین محتشم ہست تاریخ او ۔ وگر عارفِ اہلِ عرفان امین

۸۸۹ھ ۔ ۸۸۹ھ

شیخ محمد میرک قدس سرہٗ:- آپ سید عالی نسب تھے اور سید شریف جرجانی قدس سرہ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ علوم شریعت طریقت میں کامل تھے۔ عالم و عامل تھے۔ شیخ عبدالحی اسم گرامی تھا۔ آپ کی وفات ۸۸۳ھ میں ہوئی تھی لیکن بعض تذکرہ نگاروں نے ۸۸۹ھ لکھی ہے ہمارے نزدیک پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اخبار الاخیار کے مولف نے یہ قطعہ تاریخ لکھا ہے۔

نادر العصر شیخ عبدالحی ۔ کہ بوصفش مرا نہ بال بنود
وقت مزعت بسر رسیدم من ۔ گفتم اے چوں تو در زمان بنود

سالِ تاریخ خویش خود فرما ۔ کہ جز او ورد و رجہاں بنود

گفت تاریخ من بود نامم ۔ بندۂ وقتیکہ درمیان بنود

ان اشعار میں سے اگر لفظ عبدالحی کے اعداد ۹۵۹ نکلتے ہیں۔ ان میں سے عبد کے اعداد ۷۶ نکال دیئے جائیں تو ۸۸۳ھ نکلتے ہیں۔

زندہ دل پیر شیخ عبدالحی ۔ رفت چوں از جہاں بجنت طاق

رحلتش جو ز منعم مخدوم ۔ بار دیگر ز طالب مشتاق
۸۸۳ھ

شیخ علی صوفی قدس سرہٗ:۔ بڑے جلیل القدر بزرگ تھے۔ جام کے رہنے والے اور مولانا شیخ زین الدین خوانی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ ان کی توبہ کا واقعہ یوں لکھا ہے۔ کہ ایک دن لوگ کسی بزرگ کی زیارت کو جا رہے تھے۔ آپ اس وقت کھیتی باڑی کے کام میں مصروف تھے۔ لوگوں کو جاتے دیکھا۔ تو ان کے دل میں بھی خیال آیا کہ میں بھی زیارت کے لئے جاؤں۔ ساتھ ہو لئے۔ ان نیک لوگوں کی صحبت اور اس بزرگ کی زیارت کا یہ اثر ہوا۔ کہ دنیائے کے علائق سے دل اٹھ گیا اور اس دن سے یاد خداوندی میں مشغول ہو گئے اور پھر اتنی ریاضت کی۔ کہ اولیاء وقت میں شمار ہونے لگے۔

آپ ۹۰۶ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ عالی ہمم علی صوفی ۔ رہبر خلق متقی و ولی!

سالِ وصلش چو از خرد جستم ۔ شد ندا مالک بہشت علی
۹۰۶ھ

مولانا حسین واعظ کاشفی قدس سرہٗ:۔ آپ علوم ظاہری اور باطنی میں بڑے بلند مقامات پر فائز تھے۔ علوم شریعت و طریقت میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ کی ولایت پر تمام مخلوق اتفاق رکھتی تھی۔ دل میں ذوق تھا اور صاحبِ حال بزرگ تھے۔ قرآن پاک پڑھتے وقت۔ حالت وجد میں رہتے۔ اور خود رفتہ ہو کر قرآن سناتے آپ بڑے صاحب تصنیف ہیں۔ اخلاق محسنی۔ تفسیر حسینی جیسی کتابیں اب تک یادگار

زمانہ ہیں۔ یہ کتابیں علماء و مشائخ کی نگاہ میں ہمیشہ مقبول و مرغوب رہی ہیں۔

آپ ۹۱۰ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آپ حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی صاحب نفحات الانس کے ہمعصر تھے۔ آپ کی مجلس وعظ میں ہزاروں لوگ جمع ہوتے اور ہدایت پاتے۔

رہبر دین صاحب علم الیقین - عالم معصوم محمد حسین
شیخ بود سالِ وصالش عیاں - نیز مخدوم محمد حسین
۹۱۰ھ ۹۱۰ھ

اپنے وقت کے بڑے عالم

شیخ جلال الدین بن عبد الرحمٰن سیوطی رحمۃ اللہ علیہ:- دین بلند پایہ فقیہ فاضل محدث اور بہترین مفسر قرآن تھے۔ آپ کے ہمعصر فضلاء سے ایک بھی ایسا نہ تھا۔ جسے آپ سے مناظرہ کرنے کی ہمت ہوتی۔ آپ نے ہی جلالین کا نصف حصہ اوّل تالیف کیا۔ اور تفسیر دُر المنثور مکمل لکھی۔ آپ کی تصانیف کی تعداد چار سو سے بھی زیادہ ہے آپ نے اپنی تفسیر کے دیباچے میں لکھا ہے۔

قرآن پاک میں دو آیات ایسی ہیں۔ جو حروف تہجی پر حادی ہیں ایک تو اَنزَلَ عَلَیکُمُ الغمام۔ اور دوسری مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِینَ مَعَہٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الکُفَّارِ بزرگان دین ان دونوں آیاتِ کریمہ کو قطبین کہتے ہیں۔ آپ نے ایک جگہ لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ اصحابہ کرام قرآن پاک کے جمع کرنے پر مقرر تھے معاذ بن جبل۔ عبادت بن صامت۔ اوبی بن کعب۔ ابو درداانصاری اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم۔

اقوال صحیح کے مطابق آپ کا وصال ۹۱۱ھ میں ہوا تھا۔

چوں عزیز الدین بعد عز و جلال - گشت از دنیا سوئے جنت رواں
سالِ تاریخ وصالِ آں جناب - فاضل و افضل شد از سرور عیاں
۹۱۱ھ ۹۱۱ھ

پس جلال الدین مقبول خدا ۔ دوستدار حق جلال الدین بخواں
۹۱۱ھ ۹۱۱ھ

آپ عظماء مشائخ اور کبریٰ علماء میں سے شمار ہوتے تھے۔

شاہ احمد شرعی قدس سرہٗ:۔ چندیری کے نواح میں رہتے تھے۔ دعوت آیات قرآنی اور اسمائے الہیہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ جمعہ کے دن اسی علم کی قوت سے بادشاہ وقت کو اپنی طرف متوجہ کیا کرتے تھے۔ اور اپنے پاس بٹھا کر مسلمانوں کے مسائل حل فرماتے۔ آپ کے پاس ایک ایسی تسبیح تھی۔ اس کا ایک دانہ ہلاتے تو بادشاہ حرکت میں آجاتا۔ دوسرا دانہ گراتے تو بادشاہ سواری کا حکم دیتا۔ تیسرا دانہ گراتے تو بادشاہ سوار ہو جاتا۔ ہر دانہ گراتے جاتے اور کہتے جاتے اب بادشاہ وہاں پہنچا ہے۔ اب وہاں آگیا ہے۔ چالیس دانے گرتے تو بادشاہ آپ کے دروازے کے سامنے ہوتا۔

ایک دن آپ وضو فرما رہے تھے۔ آپ کا ایک غلام جو ہمیشہ آپکی خدمت میں رہتا تھا۔ اسی تسبیح کو صندوق سے نکال لایا۔ اور جس طرح وہ شیخ کو دانے گراتے دیکھا کرتا تسبیح کو چلانا شروع کر دیا۔ ناگاہ بادشاہ آپ کے حجرے کے سامنے آپہنچا۔ آپ نے دیکھا تو حیران رہ گئے کہ معاملہ کیا ہے کہ آج بادشاہ بلا طلب آپہنچا ہے۔ بیٹھے۔ گفتگو شروع کی۔ بادشاہ کے جانے کے بعد معلوم ہوا۔ کہ غلام زادے نے تسبیح کے دانوں کا عمل کر دیا تھا۔ اور بادشاہ اسی عمل سے پہنچے تھے۔ آپ ۹۲۸ھ میں فوت ہوئے۔

شہ احمد آں شہ شرع رسول ۔ چو کرد از جہاں سوئے خلد ارتحال
جو جستم ز دل سال دے شد ندا ۔ شہ شرعِ احمد بسالِ وصال
۹۲۸

ملک زین الدین وزیر الدین قدس سرہم العزیز:۔ ملک زین الدین اور ملک وزیر الدین دونوں بھائی تھے۔ جو اپنے زمانے کے نیک اور سخی مرد تھے۔ تقویٰ اور ورع عبادت و ریاضت میں بے مثال تھے۔ اخبار الاخیار

کے مصنف لکھتے ہیں۔ ملک زین الدین ہمیشہ کھڑے ہو کر تلاوت قرآن پاک کیا کرتے۔ آپ نے قرآن پاک کے لئے ایک اونچی سی رحل بنوائی ہوئی تھی۔ جو آپ کے سینے تک آتی۔ اگر انہیں نیند کا غلبہ ہوتا، تو چھت سے ایک بندھا ہوا رساگردن میں ڈال دیتے۔ جھٹکا لگتا تو بیدار ہو جاتے۔ آپ کے اہل خانہ اور ملازمین بھی آدھی رات کے وقت اٹھتے اور نماز تہجد میں مشغول ہو جایا کرتے۔ وقت چاشت تک ذکر و وظائف میں مشغول رہتے۔ جمعرات کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روح پُرفتوح ایک سو سیر چاولوں پر قُل ھو اللہ پڑھاتے۔ ان چاولوں کو پکاتے۔ اور نیاز ادا کرتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد پاک کی تقریب پر یکم سے لے کر ایک ہزار تنگہ جمع کرتے جاتے۔ بارہ ربیع الاول تک بارہ ہزار تنگہ جمع ہو جاتا۔ پھر یہ روپیہ درویشوں اور غریبوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ دونوں بھائی ہر روز ایک ایک قرآن ختم کر کے دعا کرتے کہ اللہ ہمیں شہادت کی موت نصیب کرنا۔ ان کی یہ دعا قبول ہو گئی۔

شیخ زین الدین کو ۹۲۶ھ میں ایک بدنہاد غلام نے زہر دے دیا تھا۔ اور شیخ وزیر الدین سلطان ابراہیم کے ساتھ ۹۳۲ھ میں کفار کے ساتھ ایک جنگ میں شہید ہوئے۔ ان دونوں بزرگوں کے مزارات دہلی میں ہیں

تاریخ وفات شیخ زین الدین قدس سرہٗ :-

شیخ زین الدین شہید باصفا - چوں ز دنیا رفت در جنت رسید
بہر تاریخش سروشے از فلک - گفت زین الدین شہِ عالم شہید
۹۲۶ھ

تاریخ وفات شیخ وزیر الدین قدس سرہٗ :-

شیخ زین الدین قتیل راہ حق - وصف او بر دیس از گفت و شنید
سالِ ترحلیش چو جستم از خرد - گفت طالب زندہ دل عاشق شہید
۹۳۲ھ

شیخ یوسف قتال قدس سرہٗ :- آپ قاضی جلال الدین لاہوری کے مرید خاص تھے ابتدائی زندگی میں شیخ یوسف بمقام ہفت پل مشغول عبادت

رہے یہ وہی مقام ہے جہاں سلطان محمد تغلق کی عمارتیں اور مقبرہ بھی ہے۔اسی دوران ایک جلال الدین نامی بزرگ تشریف لائے اور انہوں نے یوسف قتال کو فیضان روحانیت سے نوازا۔ان بزرگوں سے آپ کو حصہ ملا۔آپ ۹۳۳ھ میں فوت ہوئے۔

یوسف قتّال شاہ باکمال - رفت چوں از دار دنیا در جنان

طالب فیّاض سالک کن رقم - یوسف ثانی ولی حق بیں نجوان

۹۳۳

آپ ظاہر و باطن میں عالم اور وعظ تقریر میں بے نظیر تھے

مولانا شعیب قدس سرہٗ:۔ آپ مجالس وعظ میں قرآن پڑھتے تو لوگ بے قرار ہو جایا کرتے تھے۔اگر کوئی شخص سر پہ بھاری بوجھ اٹھائے ہوتا۔یا اسے ضروری کام کے لئے جانا ہوتا۔تو آپ کی تقریر سن کر رک جاتا اور اسے اپنے بوجھ اور سفر کا احساس تک نہ رہتا۔وقت کے اکابر علماء۔صلحاء کی مجلس وعظ میں حاضری دیتے۔

آپ لاہور میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد ماجد منہاج الدین لاہور سے دہلی آئے اور بڑی محنت سے علم دین حاصل کیا۔اور دہلی کے مفتی مقرر ہوئے۔پھر دہلی میں مستقل قیام کر لیا۔

مولانا شعیب کے والد گرامی مولانا منہاج شہر میں تعلیم حاصل کرتے آٹا اور تیل شہر کے لوگوں سے جمع کرتے اور ساری رات مطالعہ کرتے تھے۔آپ کا معمول تھا۔کہ آٹے سے دیا بناتے اس میں تیل ڈال کر مطالعہ کرتے اور علی الصباح اسی آٹے کی روٹی پکا کر ناشتہ کر لیا کرتے۔یہ طریقہ علم کی تحصیل اور توکل میں عجیب و غریب تھا۔

جس درویش جلال الدین نے یوسف قتال کو دولت ولائیت سے نوازا تھا۔حضرت مولانا شعیب کے پاس تشریف لائے۔اور فرمایا مولانا اگر تم ان ظاہری کاموں کو چھوڑ دو تو میں تمہیں ایک ایسا کام بتاؤں کہ تم ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔آپ نے فرمایا۔میں نے بڑی ریاضت اور محنت سے علم حاصل کیا ہے۔اب اسے یکسر ترک کر دینا۔مناسب نہیں ہے وہ درویش وہاں سے اٹھے اور یوسف قتال کو روحانیت کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

مولانا شعیب ۹۳۶ھ میں فوت ہوئے۔ صاحب اخبار الاخیار نے آپ کا مزار دہلی میں لکھا ہے۔

شد چو از دار فنا در دار خلد - پیر واقف صاحب جنت شعیب
بہر سال ارتحال آں جناب - گفت ہاتف صاحب جنت شعیب
۹۳۶ھ

شاہ جلال الدین شیرازی قدس سرہٗ:- آپ شیخ محمد نور بخش شارح گلشن راز کے مرید تھے۔ آپ سلطان سکندر کے عہد سلطنت میں مکہ مکرمہ سے ہندوستان آئے۔ اور دہلی میں سکونت پذیر ہوئے۔ عارف وقت تھے۔ ان سے عجیب و غریب احوال اور خوارق رونما ہوتے تھے۔ مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی کو اپنا رہبر بتلاتے تھے اور مثنوی کی خصوصی شرح فرمایا کرتے۔ جس دن سے دہلی میں تشریف لائے۔ آپ کا دستر خواں کھلا رہا اور چولہا کبھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ آپ اپنے مہمانوں کو فرنی اور نان کھلاتے تھے۔ اور کوئی شخص اس نعمت سے محروم نہ جاتا۔

آپ کی وفات ۹۴۴ھ میں ہوئی۔

پرتو افگن شد چو در خلد بریں - آفتاب دین حق ماہِ جلال
سال وصل او چو جستم از خرد - گفت شیرازی دلی شاہ جلال
۹۴۴ھ

شیخ سلیمان بن عفان المندوی الدہلوی قدس سرہٗ:- طالبان حق کی تربیت اور ارشاد میں مصروف رہتے تھے۔ اذکار و عبادات میں مصروف تھے۔ دنیا کا بڑا سفر کیا اور بڑی نعمتیں حاصل کیں۔ آپ کو تسخیر ارواح اور تصرفات اجسام میں کمال حاصل تھا۔ اس تصرّف کی وجہ سے ماضی کے پوشیدہ اسرار اور مستقبل کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ قرآن پاک کی تجوید میں فرید الدھر تھے۔ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قرآن سنانے کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جو فرد زمانہ تھے۔ آپ کو قرآن سناتے اور ایک عرصہ

تک آپ کی خانقاہ میں قیام پذیر رہے۔

آپ کی وفات چودہ[۱۴] محرم الحرام کی رات ۹۴۴ھ میں ہوئی۔ آپ کا مقبرہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کے مزار کے عقب میں ہے۔

سلیمان ولی ہادی متقی - سفر کرد چوں از جہاں در جناں

شود سالِ ترحیل آن شاہِ دین - زشاہ ولایت سلیمان عیاں
۹۴۴ھ

شیخ حسین خوارزمی قدس سرہٗ:۔ آپ طریقت میں حضرت محمد اعظم جامیؒ کے مرید تھے۔ وہ شاہ علی بیدائی اور وہ شیخ رشید الدین مجدا سفرائی اور وہ شیخ عبداللہ براشابادی اور وہ شیخ اسحاق ختلانی اور وہ شیخ علی ہمدانی کے مرید تھے۔ آپ متاخرین بزرگان دین میں سے صاحب کرامات و خوارق تھے آپ کے پیر مخدوم حاجی اعظم کا وصال ۹۳۷ھ میں ہوا۔ اور شیخ حسین خوارزمی کا وصال ۹۵۸ھ میں ہوا تھا۔

پیر اعظم حاجی بیت الحرام - قطب عالم بود برہان الولی

گفت تاریخ وصال او خرد - ہادی مخدوم سلطان الولی
۹۳۷ھ

تاریخ وفات حسین خوارزمی قدس سرہٗ:۔

حسین ولی خوارزم رہنمائے جہاں - مرید حضرت مخدوم بود اہل کمال

بس رحلتِ او خواں عزیز خوارزمی - حسین قطب بہشتی ہست نیز سال وصال

۹۵۸ھ ۹۵۸ھ

سید رفیع الدین صفوی قدس سرہٗ:۔ حسبی نسبی فضائل میں جامع تھے۔ آپ کے آباء و اجداد علماء و صلحا تھے۔ صاحب تفسیر معینی میر معین الدین آپ کے اجداد میں سے تھے۔ آپ کئی سال تک مدینہ پاک میں مجاور رہے حدیث اور تفسیر میں مولانا جلال الدین دوانی کے شاگرد تھے۔ آپ کی وفات ۹۵۴ھ میں ہوئی۔ بعض تذکرہ نویس آپ کا سال وصال ۹۵۷ھ لکھتے ہیں۔

شیخ دین سید رفیع الدین - صورت گل چو شد بباغ جناں
وصف آں صاحب شاہ صادق الاحوال - صاحب رفعت زمانہ بخواں
۹۵۴ھ

پیر سید عبدالوہاب ابن سید عبدالحمید سالوی قدس سرہٗ:- آپ بڑے مشائخ اور کبیر اولیاء میں شمار ہوتے تھے۔ بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ ایک حوض میں نہا رہے تھے۔ کوئی شخص پانی میں سے ظاہر ہوا۔ اور آپ کو کھینچ کر لے گیا اور گم ہوگیا ایک عرصہ کے بعد آپ اسی حوض سے برآمد ہوئے۔ مگر کمالات و کرامات کے خزانے لے کر آئے۔

ایک بار آپ کے والد اپنے شاگردوں کو ہدایہ پڑھا رہے تھے۔ آپ اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ ہدایہ میں ایک مشکل مقام آیا۔ جہاں آپ کے والد رک گئے۔ آپ نے دور ہی سے اپنے والد کو اس مشکل سے نجات دلادی جوان ہوئے تو رجال الغیب کے ساتھ ہم مجلس رہتے۔ ان حالات میں بھی کتابوں کا مطالعہ جاری رکھتے ایک دن آپ اپنے کتاب خانہ میں مطالعہ میں مشغول تھے۔ کہ ایک شخص عیسائی لباس میں ظاہر ہوا اور کتابوں کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگا۔ یہ کیا ہے؟ اور تم کس شغل میں مشغول ہو۔ یہ بات سنتے ہی آپ نے کتابوں اور مطالعہ کو ترک کرکے تجرید کا راستہ اختیار کرلیا۔ اور روحانی کمالات حاصل کرلئے اور ہمیشہ عبادت خداوندی میں مشغول رہنے لگے۔

آپ کی وفات ۹۶۵ھ میں ہوئی۔

بفضل واہب و وہاب اکبر - چو شد در خلد والد عبد وہاب
وصالش سید فیاض گفتم - دگر ہم خیمہ دنیا عبد وہاب
۹۶۵ھ ۹۶۵ھ

سیّد محمد غوث گوالیاری علیہ الرحمۃ باری:- آپ برصغیر پاک و ہند کے متاخرین اولیاء کرام اور مشائخ عظام میں سے تھے آپ کا

سلسلۂ طریقت حاجی حمید جو حضرت قاذن شاہ قدس سرہٗ کے خلفاء نامداریں سے تھے۔ ملتا ہے۔
شاہ قاذن نے حضرت عبداللہ شطاری رحمۃ اللہ علیہ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا سلسلۂ ظاہری کے ساتھ ساتھ آپ کو باطنی طور پر حضرت پیر پیراں سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے فیضانِ روحانی میسر تھا۔ آپ ہی کے فیض سے مرتبہ غوثیت اور اقطابیت پر پہنچے تھے۔ آپ کے دادا نیشاپور کے سادات میں سے تھے۔ آپ نیشاپور سے ہندوستان تشریف لائے۔ یہاں ہی قیام پذیر ہوئے۔

کہتے ہیں کہ سید محمد غوث گوالیاری چودہ سلسلہائے تصوّف کے مقتدا تھے۔ کائناتِ ارض کی سیاحت کی۔ دنیا بھر کے روحانی خانوادوں سے فیض پایا تھا۔ اور بعض حضرات سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ سفر کے دوران ایک کوزہ کندھے پر اٹھائے رکھتے تھے۔ مصلّٰی بغل میں ہوتا تھا۔ اور ایک عصا ہاتھ میں رکھتے جسمانی طور پر بڑے نازک و لطیف تھے۔

صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں۔ کہ شیخ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے دن حضرت شیخ حمید کی خدمت میں حاضری دی تو حضرت شیخ استقبال کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور آپ سے بغل گیر ہو کر کہنے لگے "محمد غوث آؤ! مرحبا! مرحبا!" حاضرین مجلس نے آپ کا یہ سلوک دیکھا تو پوچھا۔ اس شخص کو غوث کے رتبہ پر پہنچنے سے پہلے ہی غوث کہہ کر پکارنا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ یہ نیک فال ہے۔ کہ اس کے والد نے پہلے ہی اس کا نام غوث رکھا ہے۔ جس طرح بیٹے کا نام شاہ عالم رکھا جائے تو ابتداء میں ہی وہ شاہِ عالم نہیں ہوتا۔ مگر ایک دن آتا ہے کہ اُسے شہنشاہی ملتی ہے۔

کہتے ہیں کہ ابتدائی عمر میں شیخ محمد غوث اہل دعوت سے تعلق رکھتے تھے آپ ریاضت میں اسمائے اللہ کی دعوت میں مشغول رہتے۔ اس کام کو آپ نے اس مقام تک پہنچایا۔ کہ سارے برصغیر میں آپ کا ثانی نہیں تھا۔ یہی اسماء خداوند آپ کے باطن پر اثر انداز ہوتے چلے گئے اور آپ قطب وقت بن گئے۔ نصیر الدین ہمایوں بادشاہ آپ کے عقیدت مندوں میں سے تھا۔ آپ نے ایک کتاب معراج نامہ تصنیف کی تھی۔ جس میں اپنے عروج اور روحانی کمالات کا ذکر کیا تھا ہمایوں

سلطنت ہند سے محروم ہوا۔ اور اپنا ملک چھوڑ کر ایران چلا گیا۔ تو درباری حاسدوں نے شیر شاہ سوری کے کان بھرے۔ اور معراج نامہ پیش کر کے کہا۔ اس میں کفریہ کلمات درج ہیں۔ شیر شاہ آپ کو سزا دینا چاہتا تھا۔ آپ گوالیار سے ہجرت کر کے گجرات چلے گئے۔ گجرات کے علماء نے بھی آپ کی مخالفت کی۔ اور ایک محضر نامہ لکھ کر آپ کے قتل کا فتویٰ دیا۔ شیخ وجیہ الدین نے جو اس وقت علماء گجرات میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ شیخ سے عقیدت وارادت رکھتے تھے علماء کی مجلس میں یہ نکتہ اٹھایا۔ کہ معراج نامہ میں جتنے واقعات درج کئے گئے ہیں۔ وہ تو عالم خواب کے واقعات ہیں۔ بیداری اور عام حالات میں یہ واقعات واحوال رونما نہیں ہوئے۔ غرضیکہ اس مجلس میں آپ کا نکتہ نظر پوری شہرت سے پیش ہوا۔ اور آپ نے فرمایا۔ یہ احوال عالم صحو وسکر میں ہیں۔ علماء کرام نے اپنا محضر نامہ واپس لے لیا۔

آپ کے ایک بھائی حضرت بہلول نامی بھی صاحب ارشاد وکرامت بزرگ تھے۔ ہمایوں بادشاہ کو ان سے بے حد عقیدت تھی۔ مگر مرزا ہندال نے آپ کو شہید کر دیا۔

حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری بڑے صاحب تصانیف عالیہ تھے۔ ان میں سے جواہر خمسہ اوراد غوثیہ۔ اور بحر حیات بہت مشہور ہیں۔

آپ کی وفات ۱۵ رمضان ۹۷۰ھ میں واقع ہوئی تھی۔ مزار پرانوار گوالیار میں ہے۔

محمد غوث سید قطب عالم ۔ چو در وصل خدا گردید موصول

بتاریخ وصالش گفت سرور ۔ محمد متقی سلطان مقبول

۹۷۰ھ

بابا قدس کشمیری المشہور بہروی ریشی قدس سرہٗ

آپ خطہ دلپذیر کشمیر کے بلند رتبہ مشائخ میں سے تھے۔ قبیلہ آہن گراں سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر مادر زاد ولی اللہ تھے۔ شیخ العارفین نور الدین ولی نے آپ کی پیدائش سے ایک سو سال پہلے آپ کی پیدائش کی خوشخبری دی اور آپ کے مراتب وکمالات کا اظہار کر دیا تھا۔ آپ سے بچپن میں ہی ذوق خدا پرستی کے احوال نمایاں ہونے لگے تھے۔ اور طریقہ

ریشاں پر عمل در آمد کرتے تھے۔ ریشی سلسلہ طریقت کشمیر میں بڑا مقبول تھا۔ یہ سلسلہ کبرویہ سلسلۂ طریقت کی ایک شاخ ہے۔ کشمیری زبان میں ریش عابد و زاہد انسان کو کہتے ہیں۔ آپ کو اویسی فیضان حاصل تھا۔ بابا قدس بھی اویسی ہی تھے۔ ظاہری طور پر آپ کو کسی بزرگ سے تعلق نہیں تھا، ساری رات قیام کرتے۔ عبادات میں مشغول رہتے۔ خلق محمدی کا عمدہ نمونہ تھے۔ آپ کا دستر خوان مہمان نوازی کے لئے کھلا رہتا تھا۔

آپ ابھی بچے ہی تھے۔ کہ آپ کے گھر ایک مہمان آگئے۔ آپ کی والدہ بازار سے مچھلی لینے گئیں تاکہ اس مہمان کی تواضع کی جا سکے۔ مچھلی بازار سے لاکر ایک طشتری میں رکھی تھی کہ ایک پرندہ غلیواز آیا اور مچھلی اٹھا کر لے گیا۔ بابا قدس نے دیکھا تو فرمایا۔ اگر یہ مچھلی ہمارا مقدر ہوتی تو غلیواز نہ اٹھاتا۔ یہ قدرت کی طرف سے اسی پرندے کا نصیبہ تھا۔ ورنہ وہ کیوں اٹھاتا۔ آپ یہ باتیں کرہی رہے تھے۔ کہ وہ پرندہ واپس آیا اور مچھلی کو اسی طشتری میں رکھ کر اڑ گیا۔

تواریخ اعظمی کے مؤلف نے لکھا ہے۔ کہ بابا قدس ہروی زندگی کے آخرین حصے میں شیخ مخدوم حمزہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بیعت کی۔ اور سلسلۂ سہروردیہ میں داخل ہوئے۔ خرقہ خلافت حاصل کر لیا۔ حضرت بابا داود خاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں آپ کے کمالات اور احوال کو تفصیلی طور پر لکھا ہے۔

آپ کی وفات یکم ماہ ذوالقعدہ ۹۸۶ھ میں ہوئی تھی تاریخ اعظمی نے تاریخ وفات میں یہ شعر لکھا ہے۔

شیخ دین بود اندریں کشمیر اندر عہد خویش - بہر فوتش شیخ دین بود آمد تاریخ سال

(موئف لکھتے ہیں)

شیخ اقدس مقدس عالم - آنکہ فیضش بدو جہاں جام است

رحلتش ہست مخزن الانوار - نیز مخدوم قدس اسلام است

۹۸۶ھ | ۹۸۶ھ

سید غیاث الدین گیلانی لاہوری قدس سرہٗ:۔ آپ سید عبد القادر گیلانی لاہوری کے صاحبزادے تھے۔ جن کا ذکر خیر خاندان عالیہ قادریہ کے بزرگوں کے باب میں پہلے صفحات پر گزر چکا ہے۔ آپ بڑے۔ بزرگ، متقی اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ جذب و ذوق کے مالک تھے۔ عام لوگوں میں دولت شاہ کے نام سے مشہور تھے۔ مزنگ میں محلہ دولت آباد آپ کے نام پہ آباد ہوا تھا۔ اگرچہ آپ کو اپنے والد محترم سے سلسلہ قادریہ میں خلافت حاصل تھی۔ لیکن آپ نے دوسرے سلاسل تصوف سے بھی پورا پورا فیض پایا تھا لوگ آپ کو پیر سلاسل عظام کہا کرتے تھے۔ آپ کی آبائی نسبت چند واسطوں سے حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ سے ملتی ہے۔

سید غیاث الدین دولت شاہ۔ بن سید عبد القادر ثانی بن سید جمال الدین بن۔ سید جلال الدین بن سید یوسف بن سلطان رشید بن سید ادہم بن سید محمود بن سید اسماعیل بن سید داود بن تاج الاقطاب سید فتح نصر بن قطب الآفاق سید عبد الرزاق بن غوث الاعظم شیخ عبد القادر گیلانی قدس سرہٗ

سید غیاث الدین کی والدہ ماجدہ امیر ہمایونی سیدہ بھاکری۔ میر کفایت خان کی بیٹی تھیں۔ ان کے بطن میں سے تین بیٹے سلطان اکبر۔ غیاث الدین دولت شاہ اور سید ابوبکر حاجی پیدا ہوئے یہ تینوں حضرات مع سید غیاث الدین محبوب و بزرگ تھے۔

آپ کی وفات بتاریخ ۲۱ رمضان المبارک ۹۹۰ھ کو ہوئی جبکہ آپ کی عمر شریف بہتر[۲] سال تھی۔ آپ کے بھائی سلطان اکبر ۲۵ ذیقعدہ ۹۸۹ھ میں ہوئی۔ ان دونوں بھائیوں کے مزارات اپنے والد کے مزار کے پہلو میں ہیں۔ سید غیاث الدین کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے اکرام الدین المشہور بر شاہ بہاگنا مسند نشین ہوئے ۲۵ جمادی الثانی ۹۹۳ھ پچیس سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

شاہ دولت ولی اہل کمال ۔ رفت چوں از جہاں بعزت وجاہ

افضل الاولیا ست تاریخش ۔ ہم خرد گفت مرد دولت شاہ

۹۹۰ھ ۹۹۰ھ

مولانا درویش واعظ قدس سرہٗ:- آپ صاحب۔ ریاضت۔ عبادت تھے۔ اور سالک عارف تھے۔ صورت وسیرت میں درویش تھے۔ ساری عمر ریاضت اور مجاہدہ میں گذار دی۔ بڑے صاحب ذوق وشوق اور عشق خداوندی میں ثابت قدم تھے۔ بعض اوقات صحراء کے پرندوں کے آواز یا کسی بانسری کی لے پر وجد میں آجایا کرتے تھے۔ اور حق وھو کے نعرے بلند کرتے۔ آپ ماوراء النہر کے رہنے والے تھے۔ کئی سال تک حرمین الشریفین کے مجاور رہے افغانوں کے آخری دنوں ہندوستان میں آئے۔ اور برصغیر کے مشائخ کی مجالس میں رہے۔ ۹۹۷ھ میں واصل بحق ہوئے۔

حضرت درویش واعظ راہنما - بود شیخ اہل حال و اہل قال
رفت چوں آخر ازین دار فنا - واعظ ہادی بگو تاریخ سال
۹۹۷ھ

شیخ وجیہہ الدین گجراتی قدس سرہٗ:- آپ علوی بزرگ تھے مشائخ متاخرین میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ظاہری علوم میں اتنی استعداد رکھتے تھے۔ کہ بہت سی درسی کتابوں پر حواشی لکھے گئے اور شرحیں لکھیں اگرچہ آپ کی نسبت دوسرے سلاسل سے بھی تھی۔ لیکن تربیت وتکمیل اجازت وخلافت طریقہ شطاریہ سے حاصل کی! اور سید محمد غوث گوالیاری سے روحانی فیض پایا۔

کہتے ہیں۔ کہ جب شیر شاہ سوری نے سید محمد غوث گوالیاری پر اس بنا پر سختی کرنا شروع کی کہ بادشاہ ہمایوں آپ کا عقیدت مند تھا۔ تو آپ گوالیار کو خیر باد کہہ کر گجرات تشریف لے آئے علماء نے بھی آپ کے رسالۂ معراج نامہ پر اعتراض کیے۔ اور بڑی مخالفت شروع کر دی۔ ایک محضر نامہ لکھ کر بادشاہ کے حضور پیش کیا۔ ان علماء کرام میں شیخ علی متقی قدس سرہ جو ظاہری اور باطنی علوم سے واقف تھے۔ ان علماء کے ساتھ تھے۔ جنہوں نے اس قتل نامہ پر دستخط ثبت کئے تھے۔ بادشاہ نے آپ کو قتل کرنے کا حکم دینے میں تامل کیا۔ اور فرمایا۔ جب تک اس محضر نامہ پر مولانا وجیہہ الدین دستخط نہ کریں۔ میں قتل کے حکم کی منظوری نہیں دے سکتا۔ حضرت مولانا وجیہہ الدین گجراتی سے

محمد غوث کی خدمت میں بہ نفس نفیس حاضر ہوئے۔ اور آپ کی شکل وصورت دیکھتے ہی اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایسا شخص کلماتِ کفریہ نہیں کہہ سکتا۔ فتویٰ کو پارہ پارہ کر دیا۔ آپ کے ہاتھ میں بیعت کر لی اور علماء کرام کو جواب میں کہا کہ تم لوگ ان الفاظ کے معانی اور مطالب سمجھنے سے قاصر ہو۔ اور ظاہری شریعت کی روشنی میں فتوی دے رہے ہو۔ یہ باطنی معاملہ ہے۔ شیخ نے یہ تمام باتیں خواب کی کیفیت میں بیان فرمائی ہیں۔ خواب کے واقعات کو ظاہری زندگی کے معاملات پر مامور نہیں کرنا چاہئے

آپ کی وفات سفینۃ الاولیاء اور مخزن الاصفیاء کی تحریر کے مطابق ۹۹۸ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار پُر انوار احمد آباد میں ہے۔ جو زیارت گاہ عام وخواص ہے۔

شیخ عالم وجیہہ دین نبی ۔ شد چو از دہر سوئے خلد بریں
فیض حق کن رقم حفیظ بخواں ۔ سال وصلش بزنیت د تزئین
۹۹۸ ۹۹۸
نیز داں سال رحلتِ آں شاہ ۔ صاحب حق سخی وجیہہ الدین
۹۹۸ھ

بابا ولی کشمیری قدس سرہٗ: آپ شیخ حسین خوارزمی کے خلفاء میں سے تھے۔ شیخ محمد شریف کبروی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ۹۹۹ھ میں خوارزم سے کشمیر آئے اور حضرت امیر کبیر ہمدانی قدس سرہٗ کی خانقاہ میں قیام پذیر ہوتے۔ اور مرجع خاص و عام بن گئے۔ آپ کا جذب و استغراق اس حد تک تھا کہ نماز کے دوران رکعتوں کی تعداد یاد نہ رہتی تھی۔

جس وقت مرزا یادگار ایک بہت بڑا ہجوم لے کر بادشاہ اکبر سے مقابلہ کے لئے نکلا تو خطۂ کشمیر میں بڑی خونریز جنگیں شروع ہو گئیں تھیں۔ حضرت شیخ بابا ولی نے مرزا یادگار کو لکھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے خطۂ کشمیر کی سلطنت شہنشاہ اکبر کے نام لکھ دیا ہے۔ اس سے مقابلہ اور مجاہدہ اللہ کی قضا سے لڑنا ہے۔ آپ کو ایسے اقدام سے باز آنا چاہیئے اور مسلمانوں کو خونریزی سے بچانا چاہیئے۔ دوسری طرف آپ نے اکبر کے مقرر کردہ حاکم کشمیر کو لکھا۔ کہ میں تمہیں فتح اور کامیابی کی بشارت دیتا ہوں۔

مرزا یادگار آپ کی اس نصیحت پر بڑا غصہ آیا۔ آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا۔ چنانچہ آپ ۱۰۰۱ھ میں مسموم ہو کر شہید ہو گئے۔ شیخ کامل سے آپ کا مادہ تاریخ نکلتا ہے اور تواریخ اعظمی میں لکھا ہے کہ آپ کو امیر کبیر کی خانقاہ میں دفن کیا گیا۔ ۱۰۰۱ھ

کہتے ہیں آپ نے زہر آلود کھانا کھاتے وقت جب زہر ملا لقمہ اٹھایا تو ایک لمحہ کے لئے رک گئے مگر پھر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی۔ ذَالِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْم (یہ تو اللہ کی تقدیر ہے) اور لقمہ منہ میں ڈال لیا۔

ایک بار کشمیری شیعوں نے مذاقاً ایک شخص کا جنازہ اٹھا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ادھر ادھر دہاڑیں مارنے لگے۔ کہنے لگے۔ یہ اکلوتا بیٹا والدین کے لئے ایک سہارا تھا۔ اگر آپ دعا فرمائیں تو زندہ ہو جائے۔ ورنہ آپ ہی اس کا جنازہ پڑھائیں۔ تاکہ اس کی مغفرت ہو جائے آپ اس کام سے دور رہنا چاہتے تھے۔ مگر ان لوگوں کا اصرار بڑھتا گیا۔ آپ نے بادل نخواستہ جنازہ پڑھانے پر رضامندی کا اظہار کر لیا۔ مگر ساتھ ہی اس کے والدین کو کہا۔ کہ مجھے جنازہ پڑھانے سے معذور سمجھا تو بہتر ہو گا۔ مگر انہوں نے بھی اصرار کیا۔ آپ نے جنازہ پڑھایا۔ دوسری طرف عزرائیل علیہ السلام نے اُس کی روح قبض کر لی۔ جنازے کے بعد تمام شیعہ حضرات مذاق کو تازہ کرنے کے لئے آگے بڑھے جنازہ کے منہ سے کپڑا اٹھایا۔ تو اسے واقعی مردہ پایا۔ اب وہ صحیح معنوں میں رونے لگے۔ حضرت کے پاؤں پر گر گئے۔ اور اسے دوبارہ زندہ کرنے کو کہا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تو اللہ کے حکم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مر گیا ہے۔ ہاں جنازہ ادا کرنے کے بعد اس کی بخشش کی اُمید ہو گئی ہے۔

زدنیائے دوں شد بخلد بریں ۔ چو آں شیخ واثی ولی متقی
رضا جو نبی سال تاریخ او ۔ دگر زبدۂ فیض والی ولی
۱۰۰۰ھ ۔ ۱۰۰۱ھ

شیخ یعقوب صوفی کشمیری قدس سرہٗ:۔ آپ خواجہ حسن عاصمی کے خلیفہ تھے امرائے سلطنت کشمیر میں ایک اہم مقام پر فائز تھے

سنہ ۹۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ مولانا محمد (جو مولانا عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید ———— تھے) سے ظاہر علوم پڑھے۔ استاد نے ازرۂ قابلیت آپ کا اسم گرامی جامی ثانی رکھا۔ تحصیل علم کے بعد ریاضت اور عبادت میں اس طرح مشغول ہوئے کہ اولیاء اللہ میں شمار ہونے لگے۔ آپ سید امیر کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے اویسی تھے آپ حضرت شیخ کمال الدین حسینی خوارزمی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے۔ انہیں کے حکم سے سمرقند پہنچے۔ اور حضرت حسین خوارزمی کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ آپ کے والدین اور عزیزوں نے آپ کو ایسے امور سے روکنا چاہا۔ حضرت امیر کبیر ہمدانی نے ان لوگوں کو خواب میں متنبہ کر کے روک دیا۔ حضرت یعقوب ہزاروں شوق کے ساتھ کشمیر سے عازم سمرقند ہوئے۔ خانقاہ کے دروازے کے باہر قیام کیا۔ شیخ حسین باطنی طور پہ آپ کی آمد سے مطلع ہو چکے تھے استقبال کے لئے تشریف لائے اور آپ کو ساتھ لے کر اندر آئے۔ حضرت یعقوب صوفی نے گذارش کی حضور مجھے خانقاہ کی کسی خدمت میں مامور فرمائیں آپ کو مطبخ کے لئے لکڑیاں لانے کے لئے مقرر کیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں تکمیل و ترتیب سے مراحل سے گزرے۔ خرقۂ خلافت عطا ہوا اور پھر کشمیر کو واپس ہوئے۔ آپ کشمیر پہنچے ہی تھے تو علماء و صلحا نے آپ کی مجلس کو حاضری سے بھر دیا۔ آپ کا فیض عام ہونے لگا۔ ارشاد و ہدایت کے دروازے کھل گئے۔ سالکین کی جماعتیں اور طالبین کے ہجوم جمع ہونے لگے۔ ایک عرصہ کے بعد آپ کے دل میں اپنے پیر و مرشد کی زیارت کا شوق اٹھا۔ اور آپ پھر سمرقند کو روانہ ہوئے۔ حضرت مرشد گرامی نے آپ کو حرمین الشریفین کی زیارت کا حکم دیا۔ وہاں سے مشہد مقدس کو روانہ ہوئے۔

ان دنوں ایران میں صفوی خاندان حکمران تھا۔ شیعہ لوگ سنّیوں کو چن چن کر تکلیفیں دیا کرتے تھے۔ شاہ طہماسپ صفوی کے حکم سے سنّی علماء کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ شیخ یعقوب نے بادشاہ سے ملاقات کرنا چاہی اور اپنی کرامات اور خوارق کے اظہار سے بادشاہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ آپ نے شاہ طہماسپ کو آمادہ کیا وہ سنّیوں کے قتل بے دریغ سے ہاتھ روک لے۔

چنانچہ آپ کی نصیحت کا بڑا خوشگوار اثر ہوا۔ وہاں سے آپ بغداد تشریف لے گئے۔

بغداد میں پہنچ کر آپ نے شیخ المحدثین علامہ ابن حجر مکی قدس سرہٗ سے ایک جبہ مبارک حاصل کیا۔ جو امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا تبرک تھا۔ وہاں سے شیخ سلیم چشتی فتح پوری سے ملاقات ہوئی۔ اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ دور دراز ممالک کے سفر کے بعد آپ دوبارہ خطہ کشمیر میں وارد ہوتے یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ وادی کشمیر میں مذہبی اور نظریاتی کش مکش زوروں پر تھی۔ مختلف علاقوں کے حکمران آپس میں جنگ وجدل میں مصروف رہتے تھے۔ مذہبی تعصّب سے ملک کا سکون تباہ ہو چکا تھا۔ آپ نے کوشش کی کہ ان حالات کو بدلا جائے۔ اور حالات کو معمول پر لایا جاتے۔ آپ کی کوششوں سے تمام کشمیر پر اکبر بادشاہ کا تسلّط ہوگیا۔ یعقوب خان جو بڑا متعصب رافضی تھا۔ گرفتار ہوگیا۔ مغل حکمرانوں کے عمل دخل نے کشمیر میں امن قائم کیا۔ خانہ جنگی ختم ہوگئی۔ اور باہمی اتفاق کی فضا قائم ہوئی۔ آپ تیسری بار خطۂ کشمیر سے نکلے اور حرمین الشریفین کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ایک سال بعد سوتے۔ اور ایک بہت بڑا کتب خانہ جس میں احادیث اور تفاسیر کا خزینہ تھا۔ اپنے ساتھ لائے۔ خلق خدا کو پھر زیور علم وعرفان سے مالا مال کرنے لگے۔

آپ کی وفات بروز جمعرات بعد از نماز عشاء ۱۲ ماہ ذیقعدہ ۱۰۰۳ھ کو ہوئی مادہ تاریخ وفات شیخ امم۔ شیخ اہل مجد۔ شیخ اوحد دین۔ شیخ الباطن۔ شیخ باکمال سے تواریخ وفات

۱۰۰۳ھ ۱۰۰۳ھ ۱۰۰۳ھ ۱۰۰۳ھ ۱۰۰۳ھ

تواریخ اعظمی میں درج ہیں۔ آپ نے بڑی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ جن میں تفاسیر۔ سلک الاخبار۔ وامق وعذرا۔ لیلیٰ مجنوں۔ مغازی النبوت۔ مقامات مرشد۔ پنج گنج خمسہ نظامی پر ایک جواب۔ مناسک حج۔ شرح صحیح بخاری۔ حاشیہ توضیح وتلویح۔ تفسیر پارۂ تبارک وعم روائح شرح۔ رباعیات۔ رسالۂ اذکار۔ دیوان اشعار آپ کی یادگار ہیں۔

چو شد یعقوب زین دہر پر آفت - بسال وصل آن شیخ زمانی
یکے از دل عیاں شد فیض اقطاب - دگر بدر الدجیٰ یعقوب نامی

۱۰۰۳ھ ۱۰۰۳ھ

سید محمد غوث بن سید فتح محمد بن سید ابوبکر بن سیّد عبدالقادر ثانی گیلانی قدس سرہٗ

آپ اولیاء عظام لاہور میں شمار ہوتے تھے۔ والد محترم کے وصال کے بعد مسندِ ارشاد پہ بیٹھے۔ اور ایک کثیر مخلوق آپ کے حلقہ ارادت میں آئی ۱۰۰۴ھ کے آخر میں فوت ہوئے۔ اور اپنے والد کے مزار کے پہلو میں دفن ہوئے۔ نواب محمد زمان خان نے جو امرائے مغلیہ میں بڑے جلیل القدر امیر تھے۔ آپ کے مزار پر گنبد بنایا۔

چوں محمد غوث از دار فنا - کرد رحلت رفت در دار جناں
جامع فیض است تاریخش بگو - تاج کامل سید الابرار خواں

۱۰۰۴ھ ۱۰۰۴ھ

شیخ عبدالحق جامی قدس سرہٗ السامی:

آپ شیخ الاسلام احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ ہرات کے علاقہ میں موضع زندجان میں پیدا ہوئے۔ صاحب مقامات بلند اور مدارج ارجمند تھے۔

صاحب سفینۃ الاولیاء فرماتے ہیں۔ کہ عارف حق ملا شاہ فرماتے ہیں۔ کہ جب عبداللہ خاں اوزبک نے ماؤالنہر سے اٹھ کر خراساں پر حملہ کیا۔ تو زندجان میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور قلعہ فتح کرنے کے لئے دعا چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ آج سے نو ماہ۔ نو دن اور نو ساعت بعد یہ قلعہ فتح ہوگا۔ اس سلسلہ میں جتنی جلدی کی جائے گی۔ بیکار ہوگی۔ تاریخی طور پر شیخ نے جو کچھ کہا تھا۔ ایسا ہی ہوا۔

حضرت ملا شاہ اپنے والد کی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت شیخ عبدالحق کی

خدمت میں گیا۔ میرا ارادہ تھا۔ کہ میں عبداللہ انصاری قدس سرہٗ کے مزار کی زیارت کروں۔ چونکہ اندھیری رات تھی۔ آپ نے ایک خادم کو فرمایا۔ کہ چراغ روشن کرو۔ چونکہ چراغ میں تیل نہیں تھا۔ آپ نے چراغ کو پانی سے بھر لیا۔ اور چراغ کی بتی کو اپنے لعاب دہن سے تر کر لیا۔ اور چراغ ہاتھ میں اٹھا کر چل پڑے۔ راستہ میں تیز ہوا تھی۔ ایک فرسنگ کا فاصلہ طے کیا۔ مگر چراغ جلتا رہا۔ اور آپ حضرت عبداللہ کے مزار پر پہنچ گئے۔ زیارت کے بعد اسی چراغ کی روشنی میں واپس آگئے

آپ کی وفات ۱۰۰۵ھ میں واقع ہوئی تھی۔

رفت چوں درخلد زین دار فنا ۔ گشت عبدالحق بحق موصول حق
ازخرد شد سالِ ترحیلش عیاں ۔ ماہ تاباں قطب حق مقبول حق
۱۰۰۵ھ

میر محمد بن احمد کشمیری قدس سرہٗ:۔ آپ حضرت شیخ یعقوب صوفی کے مرید اور خلیفہ تھے آپ کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے ترک و تجرید اور تفرید میں یگانۂ روزگار تھے۔ توکل میں فرد زمانہ تھے۔ سارا سال گرمی اور سردی میں ایک ہی کپڑے میں وقت گزار دینے والی بکھلی کے کہنے پر آپ کشمیر سے بکھلی تشریف لے گئے اور قیام فرما ہوئے۔

اس جامع کمالات کی وفات صاحب تذکرہ القدما نے چہارم محرم الحرام ۱۰۱۱ھ لکھی ہے۔ مگر تواریخ اعظمی کے موٴلف نے ۱۰۱۵ھ لکھی ہے۔

چوں محمد میر شیر دو جہاں ۔ رفت از دنیا بفردوس بریں
صاحب فضل است تاریخش دگر ۔ متقی مہدی محمد میر دین

۱۰۱۱ھ ۔ ۱۰۱۵ھ

سید یوسف محمد باتنجی کشمیری قدس سرہٗ:۔ ابتدائی عمر میں کشمیر کے مشہور تاجروں میں سے تھے جاذب حقیقی نے آپ کو اپنی طرف کھینچا۔ تو آپ تارک الدنیا ہو گئے۔ شیخ یعقوب صوفی سے بعیت ہوئے۔ اور درجۂ

کمال کو پہنچے۔ پیر روشن ضمیر کی اجازت سے حرمین الشریفین کی زیارت کو گئے اور اپنے وقت کے مشائخ سے روحانی فیض حاصل کرتے رہے۔ واپسی پر کشمیر میں آئے تو قصبہ بارہ مولی میں قیام کیا۔ اور وہاں ہی ۱۰۱۱ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات ۱۰۱۱ھ امجد مشائخ سے برآمد ہوتی ہے۔ اور تواریخ اعظمی نے اسی تاریخ کو صحیح قرار دیا ہے۔

یوسف دینِ نبی معشوق حق - رفت از دنیا چو در فردوس باز

سالِ وصل او بگو شیخ امین - ہم بخواں محمد و م محرم پاکباز

۱۰۱۱ھ ۱۰۱۱ھ

مولانا محمد کمال کشمیری قدس سرہٗ: عالم۔ عامل۔ شیخ کامل۔ دقائق علمیہ کو حل کرنے والا۔ حقائق کی وضاحت والا جس پر علمی نسبت غالب تھی۔ ان کے بھائی ملا جمال (قدس سرہ) بھی علوم ظاہریہ اور باطنیہ میں یکتائے زمانہ تھے یہ دونوں بھی دنیائے علم میں اپنے جمال و کمال کے ساتھ آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ آپ بابا فتح اللہ کشمیری کے مرید تھے۔ حضرت خواجہ عبداللہ احرار کی خدمت میں بھی حاضری دی۔ لاہور اور سیالکوٹ میں مسندِ علم و ارشاد کے جا مے نشین ہوئے۔ ہر جوان اور بوڑھا آپ کے علم سے مستفیض ہوتا رہا۔

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی قدس سرہٗ بھی آپ کے شاگرد تھے۔

آپ کی وفات ۱۰۱۷ھ میں ہوئی۔ اگرچہ آپ کو لاہور میں دفنایا گیا۔ مگر حوادث زمانہ کی وجہ سے آپ کا مزار مبارک معدوم ہو گیا ہے۔ تواریخ اعظمی نے آپ کی تاریخ وفات پر یہ مصرع لکھا تھا۔ ؎ ملحق حق قطبِ تاج اولیاء ملا کمال
۱۰۱۷ھ

گشت چوں پدرود با حکم خدا - از جہاں کامل کمال اہل حال

شمع نورہ عارف بگو تاریخ او - نیز سالک تاج عرفانی کمال

۱۰۱۷ھ ۱۰۱۷ھ

مولانا شاہ گداء کاشمیری قدس سرہٗ:- ابتدائی عمر میں خطۂ کشمیر میں سکونت رکھتے تھے اور کاروبار دنیا میں بڑے کامیاب تھے۔ ایک بار شیخ احمد نادری کی خانقاہ کے سامنے سے گزرے اور شیخ مخدوم موسیٰ نے آپ پہ توجہ فرمائی اور آپ کو دنیا کے کاموں سے اللہ کی تلاش کے لئے وقف کر دیا۔ آپ کے مرید ہوئے۔ اور تھوڑے عرصہ میں سلوک کے مراحل طے کر کے تکمیل کو پہنچے۔ زہد و ریاضت طاعت و عبادت کشف و کرامت میں شہرت پائی۔ خلق خدا جوق در جوق آنے لگی۔ اور راہ ہدایت پانے لگی۔

تواریخ اعظمی نے آپ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ جمعرات کو ۱۰۲۴ھ میں آدھی رات کے وقت نیند سے اٹھے وضو کیا۔ خانقاہ کے حجرے میں پہنچے۔ مراقبہ میں بیٹھ کر ذکر نفی اور اثبات شروع کیا۔ ذکر میں رقت و شدت پیدا ہوئی تو در و دیوار ہلنے لگے۔ ایک زلزلہ برپا ہوگیا۔ تمام محلے والے جاگ اٹھے۔ اپنے گھروں سے نکل کر خانقاہ کی طرف آئے۔ ایک بہت بڑا اجتماع ہوگیا۔ سحری سے لے کر چاشت تک ذکر بالجہر میں مشغول رہے۔ لوگ کھڑے دیکھتے رہے۔ سجدہ میں سر رکھا۔ اور جان جانِ آفرین کے حوالے کر دی۔

جناب شاہ گدا شاہِ جوان مرد ۔ ز دنیا یافت در دو بار حق یار
بفوتش جامع فضل است تاریخ ۔ دگر بارہ بخواں ۔ مشکوٰۃ انوار

۱۰۲۴ھ ۔ ۱۰۲۴ھ

شیخ حبیب اللہ نوشہری کاشمیری قدس سرہٗ:- آپ کشمیر میں شال کے تاجر تھے۔ اللہ کی تلاش دامنگیر ہوئی تو حضرت شیخ یعقوب علی کشمیری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مرید ہو گئے۔ تارک الدنیا ہو گئے۔ عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے لگے۔ آپ پہ ظاہری اور باطنی فتوحات کے دروازے کھل گئے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ جذب و سکر میں استغراق پایا۔ دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ سماع اور وجد کو اپناتے۔ غلبۂ شوق میں عاشقانہ اشعار ترنم سے پڑھتے۔ یہ شعر انہی کی

زبان سے نکلا

اے کہ بہشت بریں بے تو عذابم عذاب - آتش دوزخ ہمہ با تو گلابم وگلاب

گرمی شوقت چہ کرد ز می ذوقت چہ کرد - سینہ کبابم کباب، دیدۂ پُر آبم پُر آب

بے تو نہ سرو و گل بے تو نہ جامم نہ مل - بے تو کدام ست ماہ بے تو کدام آفتاب

حبی بیچارہ بیں اشک فشاں بر زمیں - کرد زراعت چنیں دست وطعام وشراب

شعری دیوان کے علاوہ بھی آپ کی بہت سی کتابیں نثر ونظم میں مشہور ہوئیں۔ان تصانیف میں اپنے مرشد ارشد کے مقامات اور احوال بیان کئے ہیں ۱۰۲۶ھ میں غلبہ طاعون میں وصال ہوا۔آپ کا مرشد منورہ محلہ نوشہرہ میں زیارت گاہ عام وخاص بنا۔

چوں حبیب خدا حبیب اللہ - شد بفردوس زیں سرائے خراب

رحلتش گو حبیب جامع فیض - ہم نجواں آفتاب عالمتاب

شیخ موسیٰ بلدیمری کبروی کشمیری قدس سرہٗ:۔ آپ کشمیر جنت نظیر کے اولیاء کبار میں سے تھے۔ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد طلب خداوندی میں نکلے۔سفر کئے۔حرمین الشریفین پہنچے۔ حج کیا۔زیارت روضہ منورہ کی۔واپس کشمیر آئے۔اور شیخ بابا ولی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ ابھی تکمیل حاصل نہ ہوئی تھی۔کہ حضرت مرشد کا انتقال ہو گیا۔خواب میں حضرت مرشد نے حکم دیا کہ وہ شیخ خلیل اللہ جو حضرت شیخ حسنی خوارزمی کے خلیفہ تھے۔کی خدمت میں جائیں۔شیخ موسیٰ کشمیر سے بلخ پہنچے۔مگر وہاں پہنچنے سے پہلے پہلے حضرت شیخ خلیل اللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔آپ کو بڑا افسوس ہوا۔اور اس تلاش حق میں بڑے مایوس اور حیران ہوئے۔الہامی طور پر آپ کو حکم ہوا کہ حضرت شیخ پایندہ ساکڑی کبروی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوں۔آپ گئے اور مرید ہو گئے۔تین سال تک آپ کی خدمت میں رہے۔پایۂ تکمیل کو پہنچے۔خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور کشمیر میں چلے آئے۔دلیر میں سکونت اختیار کر لی۔ایک خانقاہ تعمیر کرائی۔عبادت حق میں

مشغول ہو گئے۔ خلق خدا کو ہدایت دینے لگے۔ اکثر ارباب عقیدت سحری کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور آپ کے ساتھ نماز تہجد ادا کرتے شیخ جماعت کرلتے ہر بات حضرت شیخ موسٰی کی خانقاہ میں ہی مخصوص تھی۔ کہتے ہیں کہ دو سو سے زیادہ احباب نماز تہجد کی جماعت میں شرکت کیا کرتے تھے۔

تواریخ اعظمی نے آپ کی تاریخ وفات ۱۰۲۶ھ لکھی ہے آپ کا مزار بابا ولی کے مزار کے ساتھ ہے۔

شیخ موسےٰ موسےٰ ثانی ولی - شد چو از دنیا بفردوس بریں
سال تر حیلش بسرور شد عیاں - متقی راھنما موسےٰ دین
۱۰۲۶ھ ۱۰۲۶ھ

شیخ محمد شریف کشمیری المشہور بشوک بابا قدس سرہٗ آپ خطۂ کشمیر کے دنیا دار افراد میں سے تھے۔ ارادت غیبی سے ایک حالت استغراق طاری ہوئی۔ پہلے تو لوگوں نے آپ کو دیوانہ کہنا شروع کر دیا۔ اور جنوں کی حالت میں خواجہ مسعود کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے اپنے حجرۂ خاص میں طلب کیا عبادت الٰہی میں مشغول کیا اور مرید بنا لیا۔ آپ نے اپنے دوسرے مریدوں کو آپ ہی کی تربیت میں دے دیا۔ مرشد گرامی کی وفات کے بعد آپ نے مسند ارشاد بچھائی اور خلق خدا ہدایت میں مشغول ہو گئے۔

تواریخ اعظمی کے مولّف نے آپ کی وفات بتاریخ اکیس ۲۱ محرم الحرام ۱۰۲۷ھ لکھی ہے آپ اپنے مرشد کے مزار کے پاس ہی دفن کئے گئے۔

شریف از جہاں چون بجنت شتافت - خرد سال آں شیخ عالم حنیف
بگفتا کہ شیخ زمن ہادے است - دو بارہ بجواں اہل عرفاں شریف
۱۰۲۷ھ ۱۰۲۷ھ

یہ بزرگ پہلے تو حصار میں رہتے تھے

شاہ نعمت اللہ حصاری کشمیری قدس سرہٗ:- سلاطین چکان (جو شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے) کے عہد حکومت میں کشمیر میں تشریف لائے۔ آپ کشمیر میں آئے اور محلہ چچہ پل میں قیام کیا۔ آپ ہر وقت عبادت خداوندی میں مشغول رہتے تھے ایک بار آپ ایک دنیا دار مالدار شخص کے ہاں دعوت پہ گئے۔ کھانا کھایا۔ تمام روحانی احوال ضبط ہو گئے۔ قبض کی اس کیفیت نے آپ کے دل کو بند کر دیا۔ کئی دن اسی کیفیت پہ گزرے ان دنوں میر نازک قادری قدس سرہٗ کی مشیخیت کا جھنڈا فضائے شہرت میں لہرا رہا تھا۔ آپ بھی ان کی خدمت میں پہنچے۔ قلبی کیفیت بیان کی۔ حضرت میر نے روٹی کا ٹکڑا دیا۔ وہ کھاتے ہی دلی عقدے کھل گئے میر نازک نے فرمایا۔ یا سید، آپ کو اپنے حال دل کی خبر تھی۔ ورنہ میر نازک کا لقمۂ حلال ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔

تواریخ اعظمی نے آپ کا سن وفات ۱۰۲۸ھ لکھا ہے اور آپ کا مزار پُر انوار چچہ پل کشمیر کے پاس ہے۔ جو زیارت گاہ خلق ہے۔

شیخ نعمت چو یافت در جنت ۔ از خدا حسن نعمت فردوس
سال تاریخ رحلتش از دل ۔ شد ندا حسن نعمتِ فردوس
۱۰۲۸ھ

آپ میر شمس الدین شامی قدس سرہٗ السامی کی اولاد میں

شاہ قاسم حقانی قدس سرہٗ:- سے تھے آپ حضرت میر ہمدانی قدس السرہ العزیز کے ہمرکاب خطۂ کشمیر میں وارد ہوئے۔ اور پھر کشمیر میں ہی قیام فرما ہو گئے۔ شاہ قاسم کو ابتدائی زندگی میں ملا قاسم اور حاجی قاسم کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔ ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد شیخ محمد خلیفہ کشمیری کی خدمت میں بیعت ہوئے۔ کمالات حاصل کئے۔ اور شاہ کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔ زہد و تقوی۔ مجاہدہ و ریاضت میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ کے سینہ بے کینہ میں یاد خداوندی کی یادوں کی آگ سُلگتی رہتی تھی۔ بسا اوقات آپ کی اس آتش دل سے

آپ کا حجرہ جل اٹھتا۔ دگ بجھاتے تگ و آگ لگنے کی وجہ معلوم نہ ہوتی۔ آپ کے بدن کے رواں رواں سے خون کے قطرے بہتے۔ اگر کسی کو بہ نظر اخلاص دیکھ لیتے۔ خدا تک پہنچا دیتے۔ اگر نظر قہرا ٹھاتے تو تڑپا کر رکھ دیتے۔

اپنے پیر روشن ضمیر کی وفات کے بعد آپ حرمین الشریفین کے سفر کو روانہ ہوئے عراق، شام اور بغداد میں اولیاء وقت سے ملاقات کی۔ کبرویہ قادریہ سلاسل سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ بسلسلہ نقشبندیہ میں خواجہ دیوانہ سواتی سے فیض پایا۔ حضرت سواتی خواجہ سلام جوئیاری نقشبندی کے خلیفہ تھے۔ بسلسلہ چشتیہ میں حضرت شیخ رحم بغدادی سے خلافت حاصل کی۔ کشمیر واپس آئے اور مخلوق خدا پر رشد و ہدایت کے دروازے کھول دیئے گمراہوں کو راہ ہدایت دکھائی اور ہر سلسلہ طریقت کا فیضان عام کر دیا۔

تواریخ دومری نے آپ کا سن وصال ۱۰۳۳ھ لکھا ہے۔ آپ نے اپنی وفات کے وقت ارشاد فرمایا۔ اس خاکسار کی مقبولیت کی نشانی یہی ہے کہ میری وفات سے چالیس دن قبل۔ میرے ہی یہ آہن گر کی بھٹی سے ایک درخت بلند ہوگا جو سرسبز ہو جائے گا۔ لوگوں نے دیکھا کہ یہ سرسبز درخت لہرتا رہا۔

شاہ قاسم ولی خوش قسمت ۔ شد زدنیا چو در بہشت برین

صاحب علم قاسم النعمت ۔ گفت تاریخ رحلتش سرور

۱۰۳۳ھ

خواجہ زین الدین ڈار قدس سرہٗ: آپ سوداگر زادہ تھے۔ ابتدائی عمر میں تجارت کیا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ حبیب اللہ نوشہری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہو گئے۔ مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول رہنے لگے۔ اور اپنے زمانے کے کامل ہو گئے۔ آپ کو اپنے پیرومرشد سے اتنی عقیدت تھی۔ کہ ایک دن عید گاہ کے قریب بر سر راہ خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی آپ نے اپنی صحبت میں رکھنا چاہا۔ مگر آپ نے قائل کیا اور کہا مجھے اپنے پیرومرشد کی صحبت

ہی کافی ہے۔

آپ بیالیس ۴۲ سال کی عمر ۱۰۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار پُرانوار محلہ کائل کشمیر میں ہے۔ اور زیارت گاہ عام وخواص ہے۔

جناب زین دین شیخ معلی ۔ کہ مثل او نہ بر روئے زمین است
چو تاریخ وصال او بجستم ۔ خرد گفتا کہ فاضل زین دین است
۱۰۴۲ھ

شیخ پیر میرٹھی شطاری قدس سرہٗ:۔ آپ سلسلہ شطاریہ کے اعاظم خلفاء اور اکبری مشائخ میں سے تھے بڑے صاحب تصرف اور مظہر خوارق وکرامت تھے۔ بڑے صاحب ذوق وشوق۔ سکر وجذب تھے۔ آپ کے لاتعداد مرید تھے شہر میرٹھ میں سکونت پذیر تھے۔ مغل بادشاہ نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ آپ کے معتقدین میں سے تھا۔

مخبرالواصلین نے آپ کا سن وصال ۱۰۴۲ھ لکھا ہے۔ اور آپ کا مزار پرانوار میرٹھ کے مضافات میں ایک قصبہ میں ہے۔

ولی جہاں حضرت شیخ پیر ۔ کہ تم شُد بدادکار علم وعمل
بتاریخ وصلش ندا شد ز دل ۔ کہ پیر زماں دستگیر ازل
۱۰۴۲ھ

شیخ ناظر اکبر آبادی قدس سرہٗ:۔ آپ ظاہری اور باطنی کمالات کے مالک تھے، ہزاروں لوگ بلکہ لاتعداد مخلوق آپ کی صحبت سے خدارسیدہ ہو گئے۔ تذکرۃ القدماء کے مولف (یہی بزرگ مخبرالواصلین کے مصنف ہیں) فرماتے ہیں کہ دیو۔ جن۔ طیور و وحوش آپ کے زیر فرمان تھے۔ ایک دن آپ کی مجلس میں کیمیاگری کے موضوع پر بات ہو رہی تھی۔ شیخ نے زمین سے تھوڑی خاک اٹھائی۔ ایک خادم کے ہاتھ پر رکھی۔ دیکھتے دیکھتے زر خالص بن گئی۔ ایک دن آپ نے برف کے ٹکڑے پر نگاہ ڈالی تو وہ سبز زمرد بن گیا۔ آپ کے ہاتھ میں تسبیح کے دانے یاقوت خالص بن گئے۔

ایک شخص ایک دوسرے علاقہ سے اکبر آباد حاضر ہوا۔ حضرت شیخ ناظر کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا۔ حضور میرے علاقے میں اس سال بارش نہیں ہوئی۔ سارا علاقہ قحط کی زد میں ہے۔ لوگ اور مویشی بھوک کے مرنے لگے ہیں۔ توجہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بارانِ رحمت سے نوازے۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ اللہ کی رحمت آئے گی۔ وہ شخص اپنے وطن گیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ جس دن شیخ نے دعا کی تھی۔ اسی روز بارش ہوئی تھی۔

ایک دن آپ نے ایک اونٹنی کے خشک پستانوں کو چھویا تو دودھ ٹپکنے لگا۔ اتنا دودھ نکلا کہ خانقاہ کے تمام لوگ سیر ہو گئے۔

ایک دن ایک ضعیف بڑھیا روتی دھوتی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ حضور میرا ایک کمسن بچہ تھا۔ جو اچانک فوت ہو گیا ہے۔ چونکہ آپ محبوب خداوندی ہیں۔ براہ کرم میرے بیٹے کو زندہ کریں۔ حضور اٹھے۔ اس بڑھیا کے گھر گئے۔ مردہ بچے کے چہرے سے کپڑا ہٹایا۔ اور دیکھ کر فرمانے لگے۔ یہ بچہ تو زندہ ہے۔ بچے نے اسی وقت آنکھیں کھولیں کروٹ لی۔ اور بیدار ہو کر بیٹھ گیا۔

ایک دن حضرت کے خادم کے ہاتھ میں ایک چوبی میخ تھی۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارے ہاتھ میں مچھلی ہے۔ اس نے کہا۔ حضرت نہیں یہ تو چوبی میخ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ غور سے دیکھو۔ یہ تو مچھلی ہے دیکھا تو واقعی وہ مچھلی تھی۔

حضرت شیخ ناظر سپاہیانہ لباس پہنا کرتے۔ ہاتھ میں نیزہ اور سر پہ لوہے کا خود ہوتا۔ بھوک لگتی تو درختوں کے پتے کھاتے۔ شاہجہان بادشاہ آپ کا عقیدت مند تھا۔ شاہی بیگمات بھی آپ سے حسن عقیدت رکھتی تھیں۔ فقہ حنفی پر کاربند تھے۔ طریقت میں سلسلہ چشتیہ۔ قادریہ۔ اور نقشبندیہ اور شطاریہ میں مریدوں کو بیعت فرماتے۔

تذکرۃ القدماء اور مخبر الواصلین میں آپ کی تاریخ وفات تیرہ جمادی الاولیٰ ۱۰۵۷ھ لکھی ہے مزار پر انوار اکبر آباد میں ہے۔

جناب ناظر آں منظور یزدان - کہ شد ظاہر ازو بس خرق عادات
ولی اعظم آمد سال وصلش - دگر فرماشہ ملک کرامات
۱۰۵۷ھ ۱۰۵۷ھ

شیخ محب اللہ اکبر آبادی قدس سرہٗ: اپنے وقت کے اکابرین میں سے تھے بہت ہی بزرگ اور خدا رسیدہ تھے۔ بیماروں کے لئے نفس مسیحا کے مالک تھے۔ ظاہری علوم میں علماء وقت میں سر برآوردہ تھے۔ صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ شرح فصوص الحکم آپ کی بہترین تصنیف ہے۔

مخزن الواصلین نے آپ کی وفات ۱۰۵۸ھ لکھی ہے۔ آپ کا مزار بھی اکبر آباد میں ہے۔

معدن حق شیخ محب اللہ - رفت چو زیں جہاں باوج جنان
سالِ وصالش جو جستم بدل - گشت ندا شیخ محب زماں
۱۰۵۸ھ

شیخ بابا علی کشمیری قدس سرہٗ: آپ خواجہ مسعود پان پوری کے فرزند ارجمند تھے۔ زہد و تقویٰ عبادت و ریاضت میں بے نظیر تھے۔ توحید پہ گفتگو فرماتے اور برملا فرماتے۔ ایک دن ملا شاہ جو حضرت میاں میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے آپ کی ملاقات کو کشمیر میں گئے۔ بابا علی کی خدمت میں ایک بوریے پر بیٹھ گئے۔ چونکہ بابا علی کشمیری زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں گفتگو نہیں کرتے تھے۔ اور ملا شاہ سوائے فارسی کے دوسری زبان استعمال نہ کرتے تھے۔ دونوں بزرگوں نے باہم گفتگو نہ کی۔ آخر ملا شاہ اٹھے اور اپنا منہ دروازے کی طرف کر کے جانے لگے۔ اور زبان نے کہا "یہاں بوریے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔" بابا علی نے حاضرین مجلس سے پوچھا کہ ملا قادری کیا فرماتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ فرماتے ہیں۔ کہ "یہاں بوریے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔" آپ نے اپنے دونوں ہاتھ ازرہ تاسف زمین پہ مارے اور فرمایا۔ اگر یہ بزرگ توحید پہ عقیدہ کامل رکھتے۔ تو اللہ کو پا لیتے۔ اور بوریا پہ نگاہ نہ رکھتے یہ بات حضرت ملا شاہ نے سنی۔ تو واپس چلے آئے۔ معذرت چاہی۔ اور قدموں میں بیٹھ گئے۔ اس کے

بعد دونوں بزرگ دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنے لگے۔

تواریخ اعظمی نے آپ کا سن وفات ۱۰۵۹ھ لکھا ہے۔ مزار پر انوار کشمیر میں ہے۔

رفت از دنیا بخلد جاوداں - چوں علی والا ولی مشتاق حق
فیض حقانی بگو تاریخ او - ہم دگر فرما علی مشتاق علی

۱۰۵۹ھ ۱۰۵۹ھ

میر صالح المتخلص بکشفی بن عبداللہ اکبر آبادی قدس سرہٗ:- آپ انوار جلیلہ اور مدارج عالیہ کے مالک تھے علوم دینیہ اور دنیاوی میں یکتائے زمانہ تھے۔ خوارق و کرامت میں مشہور تھے۔ سلسلہ قادریہ کے بزرگ نعمت اللہ سے فیض پایا تھا۔ دوسرے سلاسل میں بھی بیعت تھی۔ حالت ذوق و وجد میں اشعار بے نظیر پڑھتے تھے۔ کلام میں حقایق و دقائق ہوتے۔ کشفی تخلص تھا۔
۱۰۶۰ھ میں فوت ہوئے۔ مخزن الواصلین میں ۱۰۳۵ھ لکھا ہے۔

شد چو از دنیا بفردوس بریں - شیخ عالم پیر و صالح متقی
شیخ طیب و صالح و صلاش بگو - قطب ہادی میر صالح متقی

۱۰۶۰ھ ۱۰۶۰ھ

مولانا محمد بن محمد فاروقی جونپوری قدس سرہٗ:- آپ برصغیر کے مقتدر اور اکابر علماء کرام میں سے تھے جونپور میں سکونت رکھتے تھے۔ اپنے دادا شاہ محمد اعیان کے شاگرد تھے۔ مشہور کتاب شمس بازغہ آپ ہی کی معرکۃ آلارا تصنیف ہے۔ آپ ۱۰۶۲ھ میں فوت ہوئے۔

گشت در خلد برین منزل گزیں - شد چو از دنیا محمد مست عشق
سال ترحیلش جوان بخت آمدست - ہم دگر فرما محمد مست عشق

۱۰۶۲ھ ۱۰۶۲ھ

شیخ مجتبیٰ شطاری قدس سرہٗ:- آپ بزرگان دین اور پیران راسخین میں سے تھے۔ دن رات اطاعت وریاضت میں گزارتے۔ علائق دنیا اور اہل دنیا سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ مخزن الواصلین میں آپ کا سن وفات ۱۰۶۳ھ لکھا ہے۔

مجتبیٰ چو رفت زیں دار فنا - دل ببالِ وصل آں عالی وقار
متقی ومجتبیٰ محبوب گفت - نیز معشوق محمد مجتبیٰ

شیخ باقی اکبرآبادی قدس سرہٗ:- زبدۂ مشائخ عظام۔ قدوۂ اولیاء کرام تھے علم وعمل میں یگانہ روزگار تھے۔ مخزن الواصلین نے لکھا ہے کہ پنجم شوال ۱۰۶۵ھ کو فوت ہوئے مزار اکبرآباد میں ہے۔

علیم وعالم شیخ معلّیٰ - کہ بود اندر دو عالم طاق باقی
وصالش شیخ باقی طالب آمد - دوبارہ سالک مشتاق باقی
۱۰۶۵ھ ۱۰۶۵ھ

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی قدس سرہٗ:- آپ اکابر علماء اور اعاظم فضلائے زمانہ میں سے تھے۔ ظاہری علوم میں فرید الدہر اور باطنی رموز میں وحید العصر تھے۔ حدیث۔ فقہ اور علم تفسیر میں یکتائے زمانہ تھے۔ صاحب تصنیف تھے اور حضرت مولانا کمال الدین کشمیری کے شاگرد خاص تھے۔ اگرچہ مولانا عبدالحکیم صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ مگر تفسیر بیضاوی کا حاشیہ۔ حاشیہ اور تکملہ عبدالغفور آپ کی شہرہ آفاق تصانیف ہیں۔ آپ نے اپنے واجب الاحترام بزرگ شاہ بلاول قادری لاہوری کے ارشاد پر حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی مشہور کتاب غنیۃ الطّالبین کا فارسی ترجمہ کیا تھا۔ آپ کو مغل بادشاہ جہانگیر اور شاہجہان کے دربار میں مقتدر مقام حاصل تھا۔ آپ نے بادشاہ کے حکم پر لاہور میں درس قرآن دینا شروع کیا۔ علماء ہند آپ کے فیصلے پر صاد کرتے اور بادشاہِ وقت شرعی احکام میں آپ کا فتویٰ ہی قبول کرتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

نے روحانی طور پر بہت سے بزرگان سے استفادہ کیا۔ خصوصاً حضرت شیخ احمد مجدّد الف ثانی سرہندی سے عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی کو جس شخص نے مجدد الف ثانی کا خطاب دیا۔ وہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی ہی تھے۔ حضرت مجدّد نے آپ کی علمی قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو آفتاب پنجاب کے لقب سے نوازا تھا[1]

مخزن الواصلین نے آپ کا سن وفات ۱۰۶۸ھ لکھا ہے۔

چو عبدالحکیم آں ولی خدا ۔ زو نیائے دُوں شد بجنت مقیم

ندا شد پئے سال تاریخ او ۔ ولی مخزن علم عبدالحکیم

۱۰۶۸ھ

خواجہ محمد نیازی کشمیری قدس سرہٗ

ابتدائی عمر میں بزازی کا کام کرتے تھے۔ اللہ کی محبت دل میں جاگی۔ شیخ موسیٰ کبروی کشمیری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مرید ہوئے اور نہایت مستعدی سے سلوک کی راہیں تلاش کیں ہمہ تن راہ خداوندی میں وقف ہو گئے۔ تارک الدنیا ہوئے عبادت خداوندی کے بغیر کوئی کام نہ ہوتا اس سلسلہ میں اتنی مدہوشی بے خبری اور مستی تھی۔ کہ بعض نماز پنجگانہ میں تعطّل پیدا ہوتا۔ جب یہ خبر حضرت پیر و مرشد کو پہنچی تو آپ نے خواجہ محمد نیازی کو مقام سُکر سے بلند کر کے صحو کے مقام پر پہنچا دیا۔ مسند ارشاد پر بیٹھے۔ مخلوق کی ہدایت میں مشغول ہوئے۔ ۱۰۶۸ھ میں وفات پائی

چوں ز دین دنیا بخلد جاوداں ۔ یافت جا شیخ نیازی بے نیاز

بہر تاریخش سَرور طرفہ تیر ۔ شد ندا شیخ نیازی بے نیاز

۱۰۶۸ھ

---

[1] حضرت علامہ عبدالحکیم بن شمس الدین (آفتاب پنجاب) سیالکوٹی قدس سرہٗ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اپنے شہر میں درس قرآن پاک شروع کیا۔ علمی شہرت نے دربار مغلیہ میں پہنچا دیا دربار شاہی میں دربار چاندی سے تلوایا گیا اور چاندی آپ کو بخش دی گئی آپ نے اپنے شاگردوں میں تقسیم کر دی۔ جاگیر عطا ہوتی طلبا پر وقف کر دی سلطان وقت نے ایک لاکھ روپیہ ماہانہ مقرر کیا۔ غرباء میں تقسیم کر دیئے۔ تفسیر بیضاوی کے حاشیہ اور تکملہ عبدالغفور کے علاوہ آپ نے مقدمات تلویح مطوّل۔ شرح مواقف شرح عقائد تفتازانی۔ شرح عقائد دوان۔ شرح شمسہ۔ شرح مطالع میبذی۔ مراح الارواح پر گراں قدر حواشی لکھے۔ جو آج تک اساتذہ درس نظامیہ کے راہنما ہیں۔ آپ کے حالات حدائق الحنفیہ ماثر الکرام اور کوثر شجرۃ المرجان۔ تاریخ سیالکوٹ میں دیکھے جا سکتے ہیں (مترجم)

آپ صاحب جذب و مستی بزرگ تھے۔ عام طور پر عالم سکر

حکیم سرمد دہلوی قدس سرہٗ:- میں رہتے تھے۔ عشق و مستی اور استغراق میں گذرتی اہل
میں یہودی المذہب تھے۔ توریت کے حافظ تھے۔ اور اسے خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔ پھر
مشرف باسلام ہوئے۔ اور اپنے ملک سے دہلی آئے اور یہاں ہی قیام پذیر ہو گئے۔ ظاہری
علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔ اور جامع علوم و فنون ہو گئے۔ اچانک عشق مجازی نے اپنے
پنجہ میں لے لیا۔ ایک ہندو لڑکے کو دل دے بیٹھے۔ ایک عرصہ تک اسی وادی میں سرگردان
ملامت رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے عشق مجازی سے عشق حقیقی کی توفیق دی۔ دیوانہ وار برہنہ جسم
بازاروں میں گھومتے۔ ویرانوں میں چلے جاتے۔ عالم سکر میں نعرہ بلند کرتے رہے۔ اور پھر
ہمہ اوست کے نظریہ میں سہ من خدایم۔ من خدایم من خدا۔ کہتے۔ علماء عصر نے ان کے خلاف
فتویٰ قتل دیا۔ علماء نے اس محضر نامہ پر دستخط کر کے اپنی مہریں نصب کیں اور اورنگ زیب کی
خدمت میں پیش کیا۔ اورنگ زیب نے قتل کے حکم پر تصدیق کر دی اور اس طرح سرمد کو قتل کر دیا گیا
تواریخ جدولیہ میں لکھا ہے۔ کہ آخرین وقت قتل سے چند لمحے قبل سرمد کی زبان پر یہ شعر تھا
اور یہی شعر اس کا آخری شعر مانا جاتا ہے۔

سر جدا کرد از تنم شوخے کہ با من یار بود - قصہ کوتاہ شد وگرنہ درد سر بسیار بود

حضرت سرمد کی رباعیات گوہر آبدار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک زمانہ تک یہ رباعیات زبان
زد عام و خواص رہیں۔ مخبر الواصلین نے واقعہ قتل ۱۰۷۰ھ لکھا ہے۔ آپ کا مزار دہلی میں ہے

آں ولی کہ سرمد شس نام است - بود از جام عشق یکسر مست
سال قتلش چو از خرد جستم - گشت پیدا کہ سرمد سرمست
۱۰۷۰ھ

شیخ داود المشہور قلیدمالو کشمیری قدس سرہٗ:- ابتدائی زندگی میں نمک فروشی کرتے تھے
مگر خواجہ یوسف کانجو کشمیری قدس سرہٗ
کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی نگاہ فیضان نے آپ کو شیخ بابا علی بجواری رجو بابا ہردی

ریشی قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے تھے) کی خدمت میں پہنچایا۔ مرید ہوئے تکمیل کامل پائی۔ اگرچہ اُمّی محض تھے۔ مگر حضرت مرشد کی کامل توجہ سے ظاہری اور باطنی علوم کے دروازے کھل گئے۔ قرآن واحادیث کو شریعت وطریقت کے معانی سے بیان فرماتے تھے۔ آپ نے بڑی کرامات اور خوارق ظاہر ہوئیں۔ پھر تو حلال کی روزی حاصل کرنے کے لئے کاشتکاری کرتے۔

صاحب تاریخ دومری نے آپ کی وفات ۱۰۷۰ھ لکھی ہے مزار پرانوار خطۂ کشمیر میں ہے۔ تواریخ اعظمی میں درج ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ملا محسن خوش نویس نے جو آپ کے عقیدت مند مرید تھے۔ آپ کا مادۂ تاریخ لکھنے کی فکر ہوئی تو صحیح تاریخ کے لئے مناسب شعر زبان پر نہیں آتا تھا۔ رات کو حضرت شیخ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا۔ ملا محسن فکر نہ کرو۔ میری تاریخ وفات ع غ ہے۔ یعنی ع سے عبد اور غ سے غلام

زدنیا بست چوں رخت اقامت - شہ داود شیخ پاک مسعود
وصالش متقی درویش گفتم - دوبارہ دوستدار فخر داود

۱۰۷۰ھ   ۱۰۷۰ھ

سیّد ابو تراب المعروف شاہ گدا حسینی قادری شطاری لاھوری قدس سرہٗ

آپ حسینی سید تھے۔ شیراز کے رہنے والے تھے۔ طلب خداوندی کے شوق نے آپ کو شیراز سے ہندوستان پہنچایا۔ گجرات آئے۔ اور شیخ وجیہ الدین گجراتی کی خدمت میں پہنچے۔ مرید ہوئے اور تکمیل کو پہنچے۔ مرشد کی وفات کے بعد لاہور آئے اور مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آپ کی آبائی نسبت حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ان واسطوں سے ملتی ہے۔

سید ابو تراب۔ بن نجیب الدین بن سید شمس الدین بن اسد الدین بن زین الدین المشہور زین العابدین بن یونس بن عبد الوہاب بن عبد الہادی بن ابو البرکات بن انور علی بن عبد اللطیف بن محمد شریف بن ابو المظفر بن سید عبد الباقی بن ابو الحسن بن عبد العزیز شیرازی۔ بن سید عبد اللہ

بن محمد امین بن قدرت اللہ بن سید موسیٰ بن مسعود بن صادق نبی احمد بن سید باقر بن حسن بن زید بن جعفر بن محمود بن ہارون بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم۔

شطاریہ سلسلۂ تصوف میں آپ شیخ وجیہ الدین گجراتی۔ وہ سید محمد غوث گوالیاری وہ سید حمید وہ سید قاذن اور وہ سید عبداللہ شطاری کے مرید تھے۔ آپ کا سلسلہ قادریہ حضرت غوث الاعظم کے ساتھ ان واسطوں سے ملتا ہے۔ سید ابو تراب۔ شیخ وجیہہ الدین گجراتی۔ سید محمد غوث گوالیاری شیخ طیفوری حاجی۔ شیخ عبدالفتح المخاطب بہ ہدایت اللہ سرمست۔ شیخ شاہ قاذن۔ شیخ عبدالوہاب شیخ عبدالرؤف۔ شیخ محمود۔ شیخ عبدالغفار۔ شیخ محمد۔ شیخ عبدالرحیم۔ سید ابوبکر تاج الدین۔ سیدنا عبدالقادر غوث الاعظم رضی اللہ عنہ،

سید ابو تراب کے چھ خلفاء تھے۔ قاضی محمد لاہوری۔ آپ کا مزار لاہور کے قریب ہی ہے۔ شیخ فاضل۔ آپ دہلی میں آسودۂ خاک ہیں۔ شاہ جمال جن کا مدفن رہتاس میں ہے۔ لعل گدا، احمد گدا شہباز گدا یہ تینوں بزرگ آپ کے پہلو میں آسودۂ خاک ہیں۔

آپ کی وفات بتاریخ ۱۴ شوال ۱۰۷۱ھ کو ہوئی۔ آپ کا مزار لاہور میں ہے۔

شہ گدا سید ولی متقی - بندہ حق خاکپائے بوتراب
گفت تاریخ وصال او خرد - شد ولی سید گدائے بوتراب
۱۰۷۱ھ

قاضی محمد افضل جو آپ کے دربار کے عالم دین اور خلیفہ خاص تھے ۱۰۹۰ھ میں واصل بحق ہوئے۔ ان کی تاریخ وفات ان اشعار سے نکلتی ہے۔

کریم اکرم و شیخ مکرم - شہ اہل کرم افضل محمد
وصالش قطب افضل اہل دل گو - دگر پاکیزہ دم افضل محمد
۱۰۹۲ھ ۱۰۹۲ھ

شیخ نجم الدین المعروف بہ بابا ریشی سخی کشمیری قدس سرہٗ

آپ خواجہ مسعود پانپوری کشمیری قدس سرہٗ کے

مرید اور خلیفہ تھے۔ سلوک کے تمام منازل طے کرنے کے بعد موضع کوشی پورہ میں قیام فرما ہوئے۔ کوہ سلیمان کے زیر داماں موضع شاہ کوٹ میں سکونت اختیار کی۔ تجرید و تفرید کی حالت میں رہتے تھے۔ شاہجہان بادشاہ کشمیر کی سیر کو گئے تو ان کے وزیر اعظم سعد اللہ خان کو آپ سے بڑی عقیدت ہوئی۔ ان کے آنے سے کشمیر کے دوسرے امراء اور دنیا دار بھی شیخ نجم الدین کے پاس آنے لگے اور اس طرح خلق خدا کی ہدایت کا راستہ کھل گیا۔ خانقاہ اہل حاجات سے آباد رہنے لگی۔ اور فتوحات آنے لگیں۔ اور جو کچھ آتا راہ خدا میں صرف کر دیتے۔ ایک دن آپ کی ہمشیرہ نے آپ کی اجازت کے بغیر ایک اشرفی اٹھائی اور خرچ کر لی۔ اسی وقت اس کے پیٹ میں درد اٹھا۔ اور بے تاب ہو گئی آپ نے فرمایا۔ مسکین درویشوں کا امتحان نہیں لینا چاہیئے۔

تواریخ اعظمی آپ کی تاریخ وصال ۱۰۷۲ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار خطۂ کشمیر میں ہے۔

منور گشت از دنیا بفردوس - چو آں شمس الہدا نجم الکرامت

ز سرور ارتحالش جلوہ گر شد - جمال الاصفیاء نجم الکرامت

۱۰۷۲ھ

آپ میر محمد نازک قادری کشمیری کے فرزند ارجمند تھے۔

میر محمد علی کشمیری قدس سرہٗ:- اگرچہ آپ تین بھائیوں میں سے چھوٹے تھے مگر بڑے باعظمت اور خدا رسیدہ تھے۔ پہلے آپ کی بعیت سلسلہ عالیہ قادریہ میں تھی۔ پھر دوسرے سلاسل میں بھی بعیت ہوئے۔ اور فیض پایا۔ سلسلہ کبرویہ۔ سہروردیہ سے بھی نسبت تھی۔ اس طرح آپ کو پیر سلاسل کیا جاتا تھا۔ ذکر جہر کرتے تو ایک جوش و خروش برپا ہوتا تھا۔ حلقۂ فکر میں بیٹھتے تو ایک سکوت چھا جاتا۔ عہد و بی عہد حکومت میں ایک ایسا واقعہ ہوا کہ ایک ہندو مہادیوا اور ناظم کشمیر کے پیش کار علی مردان خان نے مل کر غلہ خریدا۔ اور اس کا ذخیرہ کر دیا۔ ان کی ذخیرہ اندوزی سے خطۂ کشمیر میں قحط پڑا۔ لوگ بھوکے مرنے لگے۔ بادشاہ شاہجہان نے سرکاری ذخائر کا غلہ منڈی میں فروخت کرنے کا حکم دیا۔ مگر ان دونوں نے اپنے کارندوں کی معرفت یہ غلہ بھی خرید لیا۔ چنانچہ یہ غلہ بھی ذخیرہ اندوزی میں مسرود ہو گیا۔ لوگوں نے دھاد ابول کر اس سنگدل ذخیرہ اندوز ہندو

مہادیو کو زندہ جلا دیا۔ ناظم کشمیر نے اس واقعہ کو بغاوت کا نام دے کر ایک زبردست خط لکھا اور بادشاہ شاہجہان کو سفارش کی کہ ایسے لوگوں کو سزا دی جائے۔ بادشاہ نے کشمیر کے علماء اکابر صلحا مشائخ کو دہلی میں طلب کیا۔ ان لوگوں میں حضرت میر محمد علی بھی تھے۔ آپ نے مغل دربار میں ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے عوام کی جو حالت ہوئی تھی۔ نہایت موثر طریقہ سے بیان کی۔ تمام اہل کشمیر کو معاف کر دیا گیا۔ اور بادشاہ نے کسی کو کچھ نہ کہا۔ بلکہ سرکاری غلہ کے ذخائر خطۂ کشمیر میں روانہ کر دیئے واپسی پر حضرت میر سرہند شریف آئے اور الوثقیٰ عروۃ محمد معصوم خلف الرشید شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہما کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس طرح سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں منسلک ہوئے خرقہ خلافت پایا۔ اور کشمیر کو واپس آئے۔

آپ کی وفات ۱۰۷۲ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار پُرانوار کشمیر میں ہے۔

چو شد میر جنت ز دنیاء دوں - محمد علی میر روشن ضمیر

بگو منبع فضل تاریخ او - دگر بار مخدوم اسلام میر

۱۰۷۲ھ ۱۰۷۲ھ

شاہ نور الحق دہلوی قدس سرہٗ آپ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کے فرزند ارجمند تھے۔ علوم متداولہ میں اپنے والد کے شاگرد تھے۔ سلسلہ قادریہ میں اپنے والد کے مرید تھے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ محمد معصوم اور خواجہ احمد سعید وزندان حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سلسلۂ نقشبندیہ کی تلقین حاصل کی۔ اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں مقامات حاصل کئے اور کاملان وقت میں شمار ہونے لگے۔ آپ نے شرح صحیح بخاری لکھی۔ صحیح مسلم کی شرح لکھی۔ یہ بہترین تصانیف و تالیف ہیں۔ آپ کی وفات ۱۰۷۳ھ میں ہوئی۔

نور حق چوں از عطاء ذوالجلال - گشت روشن از جہاں اندر جنان

رحلتش فیاض آفاق است نیز - نور حق نور قطب عالم بخوان

۱۰۷۳ھ

بابا زاہد ناکامو کشمیری قدس سرہٗ:۔ آپ بابا شریف ناکامی کے خلف الرشید اور حضرت شاہ حقانی قاسم کے خلیفہ طریقت تھے۔ اپنے والد سے بیعت ہوئے۔ ابتدائی سلوک کی تعلیم آپکے زیر نگاہ حاصل کی۔ مگر آخر کار حضرت حقانی قاسم کی زیر تربیت رہ کر تکمیل کی۔

ایک بار حضرت بابا زاہد نماز تہجد ادا کرنے کے لئے اپنے چند خادموں کو لئے اپنے پیر و مرشد قاسم حقانی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔ چند خادم چراغ ہاتھ میں لئے ساتھ ساتھ تھے۔ طوفان باد و باران نے آگھیرا چراغ بجھ گئے۔ حضرت نے اپنا انگوٹھا ہونٹوں سے لگایا۔ اور شمع کی طرح روشن کر کے راہنمائی کرتے گئے اور حضرت بابا قاسم کی خانقاہ تک جا پہنچے۔ حضرت قاسم نے دیکھا۔ تو غصہ سے فرمایا۔ اگر تم اتنے بے صبر تھے۔ کہ راستہ میں کرامتیں دکھاتے پھرتے ہو۔ تو ہوا کو حکم کیوں نہیں کر دیا کہ تمہارا اپنا چراغ گل کر دیتی تاکہ لوگ تیرے اس ریا کارانہ عمل سے بچ جاتے اب تم اپنی کرامت دکھانا۔ چند دنوں بعد ایک غضب ناک آگ بھڑکی۔ جس سے بابا زاہد کا مکان جل کر راکھ ہو گیا اور ان کی کوئی کرامت سامنے نہ آئی آپ اندر گئے اور ایک صندوق اٹھانا چاہا تھا۔ کہ چھت کے جلتے ہوئے تختے ان پر گرے اور آپ جل کر خاکستر ہو گئے۔

تواریخ اعظمی نے یہ سانحہ ۱۰۸۲ھ میں لکھا ہے۔

کرد رحلت چو زین جہاں فنا - در جہاں شیخ زاہد اہل فلاح
رحلتش نیک بخت کن تحریر - ہم بخواں شیخ زاہد اہل فلاح
۱۰۸۲ھ ۱۰۸۲ھ

سید حمید بن سید سعید بن فتح محمد بن حاجی ابوبکر بن سید عبد القادر گیلانی لاہوری قدس سرہٗ سادات کرام اور مشائخ عظام سے تعلق رکھتے تھے۔ جامع شرافت و نجابت تھے۔ ظاہری علوم میں ممتاز عالم دین۔ ساری زندگی ارشاد و ہدایت میں گذاری۔ چہارم محرم الحرام ۱۰۹۰ھ واصل بحق ہوتے۔ اور اپنے آبائی قبرستان میں آسودۂ خاک ہوئے آپ کے بیٹے آپ کی جگہ

مسندارشاد پر بیٹھے مگر وہ بھی ۱۰۷۷ھ میں انتقال فرما گئے۔

وفات سید حمید :-

چوں جناب حمید حامدِ حق ۔ زین جہاں فنا بخلد رسید

اعظم اولیا ست تاریخش ۔ ہم بخواں صدر دین سخی حمید

۱۰۹۰ھ ۱۰۹۰ھ

تاریخ وفات سید عبدالقادر گیلانی :-

چوں جناب عبدالقادر شیخ پیر ۔ گشت راہی از جہاں سوئے جنان

وارث عشق ست تاریخ دگر ۔ عبد قادر متقی معصوم خواں

۱۰۷۷ھ ۱۰۷۷ھ

میر ہاشم منوّر آبادی قدس سرہٗ :- آپ سید محمد منوّر کشمیری کے عظیم خلفاء میں سے تھے۔ ظاہری علوم مولانا حیدر علامہ کشمیری سے حاصل کئے۔ حضرت مولانا نے آپ کو اپنا متبنیٰ بنالیا تھا۔ اپنی فرزندی میں مشرف فرمایا اور اپنے بعد اپنا قائم مقام قرار دیا۔ آپ کی وفات ۱۰۹۷ھ میں ہوئی۔

رفت رحلت بست از دار فنا ۔ میر ہاشم دستگیر ہاشمی

میر ہاشم صاحب کشف آمد ست ۔ سالِ وصلِ آن فقیر ہاشمی

۱۰۹۷ھ

بار خواں سالِ وصال آن جناب ۔ شاہ سید قطب میر ہاشمی

۱۰۹۷ھ

خواجہ ابوالفتح کشمیری قدس سرہٗ :- آپ کشمیر کے نجباء میں سے تھے۔ جوانی میں ہی علوم ظاہری حاصل کر لئے۔ پھر خواجہ حیدر چرخی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کمالات حاصل کئے۔ ساری عمر تدریس و تعلیم میں گذار دی۔ سیف السابین جو شیعوں کے رد میں ہے۔ آپ کی ہی تصنیف ہے۔ یہ کتاب مقبول آفاق ہوئی۔

صاحب تواریخ اعظمی نے آپ کا سال وفات ۱۱۰۰ھ لکھا ہے اور تاریخ وصال

خواجہ بو الفتح با ہزار کمال - رفت اندر ہزار یک صد سال

آپ کا مزار سلطان زین العابدین کے مقبرہ میں ہے۔

ز دنیا رفت در خلد معلّٰی - چو آں فتح زماں مفتاح عرفاں

وصالش شیخ قطب الاولیاء گو - دگر قطب جہاں مفتاح عرفاں

۱۱۰۰ھ   ۱۱۰۰ھ

بابا حبیب لٹو قدس سرہٗ :- آپ ملا ابو الفتح کلو کے شاگرد تھے اور پیر محمد ... تھے۔ ساری عمر تلقین وتدریس میں گزری ...
مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا۔ ۱۱۰۵ھ میں انتقال کیا۔ آپ نے دریا ...
دفن کئے گئے۔ مگر تیس سال بعد آپ کی نعش کو پانی کے خطرے سے محفوظ کرنے ...
اٹھایا اور آپ کے گھر میں دفن کر دیا گیا۔

چوں حبیب از دار دنیا رفت بست - سن وسال وصل آں ...

ہادی مشتاق شیخ صادق است - ہم حبیب اہل دین

۱۱۰۵ھ   ۱۱۰۵ھ

مولانا محمد امین کانی بلدیری کشمیری قدس سرہٗ :- آپ محققین ...
بہت سے علوم میں مفید کتابیں تصنیف کیں۔ اور بہت سی کتابوں پر حاشیے ...
کتابوں کی شرحیں لکھیں۔ علم فرائض میں نظم ونثر میں رسالے لکھے۔ مو ...
آپ اپنے اوقات کو توکل اور جد سے بسر کیا کرتے تھے۔ علماء کشمیر میں ...
تھے۔ مولانا عنایت اللہ شال اور ملا محسن وغیرہ نے آپ سے ہی کسب ...
بیٹیوں کے جہیز کی خاطر ہندوستان گئے۔ دہلی پہنچے بچوں نے ایک ...

تھی۔ اور وہ اس طرح انتقال کر گئیں۔ حضرت مولانا نے یہ سانحہ خواب میں دیکھا۔ تو واپس کشمیر آ
اور باقی عمر تدریس میں مشغول رہے۔

تاریخ دومری نے آپ کا سن وصال ۱۱۰۹ھ لکھا ہے۔

رفت از دنیا بفردوس برین - چوں امین نور یقین شیخ زماں
قطب جنت مقتدا گو رحلتش - ہم دگر فرما علی شیخ زماں

۱۱۰۹ھ ۱۱۰۹ھ

میرزا تاجو کشمیری قدس سرہٗ: فاضل اکبر اور عالم متبحر تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ حیدر چرخی کے شاگرد تھے
خواجہ محمد سے بھی استفادہ کیا۔ ساری عمر درس و تدریس میں گذاری اور متوکلانہ زندگی گذار دی
۱۱۱۱ھ میں وصال ہوا۔ تواریخ اعظمی نے آپ کی تاریخ دفات شیخ عالمین سے نکالی ہے۔

چو از دنیا بفردوس بریں رفت - جناب شیخ تاجو پیر حق باز
شہنشاہ محبت گو وصالش - دوبارہ پیر کامل تاج ابرار

۱۱۱۱ھ ۱۱۱۱ھ

حضرت شاہ محمد قادری سہروردی کبروی کشمیری قدس سرہٗ: آپ حسینی سادات کرام میں سے
تھے۔ آپ کو حضرت غوث الاعظم سے نسبت سادات تھی۔ سید شاہ محمد بن سید عبد اللہ۔ بن سید
محمود بن عبد القادر گیلانی۔ بن سید عبد الباسط۔ بن سید حسین بن سید حسن بن سید احمد بن سید
شرف الدین قاسم بن سید شرف الدین علی۔ بن سید حسن ثانی بن سید علی۔ بن شمس الدین۔ بن سید مح
بن سید شرف الدین یحیٰی۔ بن شہاب الدین احمد۔ بن سید عماد الدین۔ بن سید ابی صالح نصر بن قطب الآفاق
سید عبد الرزاق بن حضرت غوث العالمین قطب المتقین محی الدین ابو محمد سلطان سعید شیخ
عبد القادر گیلانی قدس سرہٗ نوجوانی میں تن تنہا رہتے تھے۔ عورتوں سے دور رہتے۔ اختلاط فضول

تو درکنار نکاح سے بھی دور رہتے۔ آخر کار اجازتِ غیبی سے نکاح کیا۔ ۱۰۹۰ھ میں تاتار کے علاقہ سے کشمیر میں تشریف لائے۔ آپ کے گھر میں تقریباً ایک سو افراد خانہ گزر اوقات کرتے تھے۔ جن میں آپ کے اہل و عیال غربا و فقراء خدام و عقیدت مند شامل تھے۔ آپ باین کثرتِ افراد متوکل تھے کسی دنیاوی کام میں دخل نہ دیتے۔ ہر روز ایک سو سے ایک ہزار تک فتوح آتیں۔ آپ مستحقین کو تقسیم کر دیتے۔ اور دوسرے دن کے لئے کچھ نہ رہنے دیتے۔ سلسلہ قادریہ کا فیضان جاری رہتا اس سلسلہ کے علاوہ مشائخ کبرویہ اور مشائخ سہروردیہ کا فیض بھی عام کیا۔

صاحب تواریخ دومری نے آپ کا سال وصال ۱۱۱۷ھ لکھا ہے آپ کا مزار پُرانوار خطہ کشمیر میں ہے۔

محمد چوں ز دنیا رفت بربست ۔ ز ہر سن وصال انتقالش
محمد مقتدائے ملت آمد ۔ جمال الغیب ہم سال وصالش

۱۱۱۷ھ ۱۱۱۷ھ

بابا عثمان قادری سہروردی کشمیری قدس سرہٗ: آپ بابا جاجا قادری کے فرزند تھے۔ پہلے اپنے والد گرامی کی بیعت میں تھے۔ ان کی وفات کے بعد خواجہ محمد طبیب۔ خواجہ ابوالفتح کلو کی خدمت میں حاضر ہوئے تکمیل کو پہنچے۔ خواجہ ابوالحسن جو شاہ محمد فاضل لاہوری کے بڑے بھائی تھے۔ وادیٔ کشمیر میں گئے۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فیضان شطاریہ سے بھی حصہ وافر پایا اور اس طرح کشمیر میں بڑی مقبولیت ملی۔ آپ سے بڑی کرامات اور خوارق ظاہر ہوئیں۔ آپ کی وفات ۱۱۱۷ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار پُرانوار کشمیر کے سرنگر میں محلہ بلبل لنگر میں زیارت گاہ عام و خواص ہے۔

چوں بہ تقدیر خدائے متعال ۔ رفت زیں دہر جنت عثمان
سال تاریخ وصالش سرور ۔ شد عیاں اہل ہدایت عثمان

۱۱۱۷ھ

شیخ محمد قاسم چشتی سہروردی قدس سرہٗ:- آپ کشمیری سوداگران کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عنفوان جوانی میں سفر کو نکلے۔ پٹنہ پہنچے۔ حضرت یحییٰ چشتی سے بیعت ہوئے خرقہ خلافت پایا۔ اور کشمیر میں آئے۔ طلب خدا ابھی باقی تھی نصیب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سلسلہ سہروردیہ سے فیض حاصل کیا۔ اور خانیار کے گاؤں میں قیام اختیار کیا۔ اور مخلوق خدا پہ ہدایت اور ارشاد کے دروازے کھول دیئے۔

صاحب تاریخ دومری نے آپ کا سن وصال ۱۱۱۸ھ لکھا ہے۔

چوں بحکم خالق ہر دو جہاں - شد ز دنیا ہاشم اجلال بہشت
آفتاب خلد گو تاریخ او - ہم بفرما ہاشم اجلال بہشت
۱۱۱۸ھ ۱۱۱۸ھ

شیخ عبدالرحیم کشمیری قدس سرہٗ:- آپ کشمیری ہندوؤں میں سے تھے۔ حضرت شیخ نجم الدین المعروف بہ بابا نجی کی مجلس میں پہنچے تو دولت اسلام سے مشرف ہو گئے۔ زیر تربیت رہے۔ تلقین و تکمیل کی راہیں کھلیں۔ اور اہل اللہ سے ہو گئے اور اسی راہ میں عمر عزیز وقف کر دی۔ صاحب تواریخ اعظمی فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالرحیم نے شیخ نجم الدین کے علاوہ شمس الدین کبروی سے بھی فیضان پایا۔ شوال کے مہینہ میں ۱۱۲۰ھ میں وفات پائی۔

ز دنیائے دون شد بجنت رواں - چوں آں صاحب حال عبدالرحیم
بتاریخ ترحیل او گفت دل - کہ مخدوم اجلال عبدالرحیم
۱۱۲۰ھ

مرزا حیات بیگ کبروی کشمیری قدس سرہٗ:- آپ میر محمد کبروی کشمیری کے خلفاء میں سے ہیں۔ شیخ آدم بنوری نقشبندی سے بھی فیض صحبت حاصل کیا تھا۔ وادیٔ کشمیر میں علم مشیخیت بلند کیا۔ خلق خدا کی رہنمائی کی۔ آپ کی محفلیں عشق کے ذوق و شوق سے معمور ہوتیں تھیں۔ جو شخص آتا مست و مدہوش ہوتا۔ اٹھنے کا نام نہ لیتا۔

آپ کی وفات اسی سال میں بتاریخ ۲ ماہ ذوالحجہ ۱۱۲۰ھ میں ہوئی۔ آپ اپنے باغ حسن آباد جو آپ کا زرخرید تھا۔ آسودۂ خاک ہوئے۔

زدنیا دوں شد بجنت رواں - چوں آن زندہ دل شیخ اعظم حیات
زخورشید تاریخ وصلش بگو - دگر بارہ کاشف مکرم حیات
۱۱۲۰ھ ۱۱۲۰ھ

شیخ حسین ککلی کبروی کشمیری قدس سرہٗ: آپ میر محمد کبروی کے خلفائے عظام میں سے تھے۔ بڑی ریاضتیں کیں۔ بڑے مجاہدوں میں سے گزرے۔ دنیا کے مختلف خطوں کے سفر کئے۔ عجیب و غریب حالات سے گزرے حرمین الشریفین میں حاضری دی۔ واپسی پر دکن میں قیام کیا۔ سینکڑوں لوگوں کو سلسلہ کبرویہ میں داخل کیا۔ شاہ عالم اورنگ زیب بہادر الدین ان دنوں دکن میں ناظم تھے۔ وہ آپ کے معتقد ہو گئے۔ بڑے اخلاص سے پیش آئے۔ حضرت شیخ حسین نے آپ کو بلایا اور کہا کہ آپ اپنے والد شاہجہان کی وفات کے بعد سارے ہندوستان کے حکمران بنو گے۔ دکن سے کشمیر کو روانہ ہوئے راستے میں سخت بیمار ہو گئے۔ بڑی مشکل سے وطن پہنچے ۱۱۲۲ھ میں واصل بحق ہوئے۔

سید والا حسین اہل دل - بود درچشم دو عالم نور عین
سال ترحیلش چو جستم از خرد - شد عیاں ہادی و دین فضل حسین
۱۱۲۲ھ

قاضی حیدر کشمیری المخاطب بہ قاضی خان قدس سرہٗ: آپ خطۂ کشمیر کے عالم اجل اور فقیہہ اعظم تھے۔ آپ مولانا عبدالرشید زرگر کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ کمالات علمی حاصل کرنے کے بعد کشمیر سے روانہ ہوئے۔ عالمگیر اورنگ زیب کے لشکر میں ملازم ہو گئے۔ صدر والصدور سیادت خان نے آپ جیسے جوہر کو ایک نگاہ دیکھا۔ تو بڑا معتقد ہو گیا۔ بادشاہ کی خدمت میں پیش

کیا۔ بادشاہ نے اپنے شہزادوں کی تعلیم و تربیت پر مقرر کر دیا۔ قابلیت کی شہرت عام ہوئی۔ دہلی کے عہدہ قضا پر مقرر کر دیئے گئے۔ چند سال تک اسلامی عدل و انصاف کا حق ادا کر دیا۔ عہدہ قضا سے ابھرے تو بادشاہ نے آپ کو اقضیٰ الاقضاء کا خطاب دیا۔

آپ کی وفات ۱۱۲۲ھ میں دکن میں ہوئی۔ آپ کی نعش شاہی انتظامات کے ساتھ کشمیر پہنچائی گئی۔ اور سرینگر شہر کے باہر ایک باغ میں دفن کر دیئے گئے۔

یافت مسکن بقصر خلد بریں ۔ کرد حیدر تو از زمانہ سفر
رحلتش خاص دہر حیدر گو ۔ ہم بخواں پیر محترم حیدر

۱۱۲۲ھ ۔ ۱۱۲۲ھ

مولانا عنایت اللہ شال کشمیری قدس سرہ: آپ کشمیر کے متاخرین مشائخ اور جید علماء میں سے تھے۔ مولانا ابو الفتح کلو۔ مولانا عبد الرشید زرگر۔ اور خواجہ حیدر چرخی رحمۃ اللہ علیہم کے بیٹوں سے تحصیل علم کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے عہد کے علماء کرام میں چمکے۔ آپ نے صحاح ستہ کو حفظ کر لیا۔ احادیث کی ترجمانی اور شرح میں یکتائے زمانہ ہے مولانا روم کی مثنوی بڑے ذوق سے پڑھتے اور اس کے اسرار و رموز کی وضاحت فرماتے ظاہری علوم میں کامل و اکمل ہو گئے تو طریقت کی راہ پر قدم زن ہوئے۔ شیخ صبغۃ اللہ فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ مجددیہ میں داخل ہوئے۔ پہلی ہی توجہ سے سلطان الاذکار کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔ کشمیر آئے۔ مشائخ کبرویہ۔ سہروردیہ میں فیض خاص حاصل کیا۔ تکمیل کے مراحل طے کئے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ وعظ و نصیحت سے خلق خدا کو نفع رسانی کی۔ ماہ شعبان ۱۱۲۵ھ میں واصل بحق ہوئے۔

چو شیخ عنایت بلطف الٰہ ۔ ز دنیائے دوں یافت در خلد جا
تاریخ ترحیل آں شاہ دیں ۔ بگو با عنایت ولی مقتداء

۱۱۲۵ھ

آپ کشمیر کے مشہور طبیب حافظ محمد شریف

شیخ عنایت اللہ کانی کشمیری قدس سرہٗ کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ ظاہری اور باطنی علوم میں یکتائے روزگار ہونے کے باوجود علم طب میں ید طولیٰ کے مالک تھے۔ تاریخ دومری کے مؤلف نے لکھا ہے۔ ایک بار شیخ عنایت اللہ کانی اپنے احباب کے ساتھ ایک تقریب میں کشمیر کے خوبصورت علاقوں کی سیر کے لئے نکلے۔ آپ نے فرمایا۔ اگرچہ میرا مصمم ارادہ تھا۔ کہ چند روز مزید سیر و سیاحت میں صرف کروں۔ مگر میرا دل کہتا ہے کہ مجھے جلدی سے شہر کی طرف واپس جانا چاہیئے اسی دن مجلس میں سے ایک دوست گھوڑے سے گر پڑا۔ ادھر بے پناہ بارش برسنے لگی۔ اسی دوران ناظم کشمیر جعفر خان کا پیغام آیا۔ کہ چونکہ وہ شدید بیمار ہے۔ اس لئے حکیم صاحب فوراً سرینگر پہنچیں۔ آپ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ برستی ہوئی بارش میں سفر کرنے لگے راستہ میں گھوڑا پھسلا۔ حکیم صاحب گر پڑے۔ ابھی شہر نہ پہنچے تھے۔ کہ خبر آئی۔ کہ جعفر خان کا انتقال ہو گیا ہے۔ شیخ عنایت اللہ تواریخ اعظمی کی روایت کے مطابق ۱۱۲۵ھ میں فوت ہوئے تھے۔

عنایت شیخ عالی والی دیں - چو رحلت از جہانِ دہر فرمود
بتاریخ وصالش گفت سرور - عنایت با عنایت ولی جود

۱۱۲۵ھ

آپ خلیفہ نور محمد پردانہ کے برادر زادہ تھے۔ آپ نے

سلطان میر جو کشمیری قدس سرہٗ ظاہری اور باطنی تربیت خلیفہ نور محمد سے پائی دنیاوی مصروفیتوں کے باوجود ریاضت اور عبادت میں وقت گزارتے۔ شیخ محمد امین ڈار اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ سلطان میر بزرگان دین میں سے تھے۔ اور چاروں سلسلوں سے فیض یافتہ تھے نسبت قادریہ اور نقشبندیہ آپ کی ذات پر غالب تھی۔ ۱۱۲۵ھ میں انتقال فرمایا۔

چو سلطان میر از جہاں رخت بست - بجنت شد آں جلوہ گر ماہ دین
شد از دل بتاریخ ترحیل او - میاں میر سلطان شہنشاہ دین

۱۱۲۵ھ

میر ابوالفتح قادری سہروردی قدس سرہٗ: آپ کی والدہ ماجدہ میر محمد علی سہروردی کی بیٹی تھیں۔ چونکہ میر محمد علی قدس سرہ کی اپنی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ آپ نے اپنے نواسے کی تربیت اور تعلیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ رحلت کے وقت انہیں مسند ارشاد پر بٹھایا۔ حضرت میر کے بعد میر ابوالفتح نے بڑی محنت اور جانفشانی سے اس سلسلہ طریقت کو جاری رکھا۔ اور مخلوق خدا کو بڑی تن دہی سے راہ ہدایت دکھاتے رہے۔ آپ کی وفات ۱۱۲۵ھ میں ہوئی۔ تواریخ اعظمی نے خلیفہ شاہ جیلانی سے تاریخ وفات لی ہے۔

حضرت بوالفتح میر با کمال - شد چو از دنیا بجنت جائے گیر
سال تاریخش بقول اہل خبر - دال معلیٰ اشرف الاخلاق میر
۱۱۲۵ھ

شیخ محمد چشتی وکبروی قدس سرہٗ: بچپن ہی سے خدا طلبی کا جذبہ تھا۔ چار سال کی عمر میں قرآن پاک کی تعلیم کا آغاز کیا۔ اور مولانا حیدر چرخی رحمۃ اللہ علیہ کے منظور نظر بن گئے۔ حتیٰ کہ علوم تفسیر حدیث فقہ اور اصول کی تکمیل کی سلسلہ طریقت میں شیخ محمد علی چشتی قدس سرہ کے مرید ہوتے۔ خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ہر وقت ذکر بالجہر کرتے۔ اور ذکر خفی سے اجتناب فرمایا کرتے۔ آپ کے خادم اور مرید بھی ذکر بالجہر کی ضربیں لگاتے۔ اس طرح ساری وادی اللہ کے ذکر سے گونج اٹھتی تھی۔ آپ ۸۳ سال کی عمر میں ۱۶ شوال ۱۱۲۶ھ کو انتقال فرما گئے۔ کشمیر میں اپنے گھر کے پاس ہی دفن کئے گئے۔

بقعر زمین چونکہ مانند گنج - نہاں گشت مرشد محمد شفیق
بتاریخ ترحیل او از خرد - عیاں گشت مرشد محمد شفیق
۱۱۲۶ھ

قاضی دولت شاہ حسینی لبسوی بخاری قدس سرہٗ: آپ روس کے علاقہ بسرام میں پیدا ہوئے۔ بخارا میں نشو و نما پائی۔ سید محمد شریف بخاری قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر روحانی تربیت پائی ظاہری

و باطنی علوم پر دسترس حاصل کی۔ کمالات علمی و معنوی پر فائز ہوئے۔ سالہا سال ماوراءالنہر اور شمالی ترکستان کے علاقوں میں لوگوں میں فیض پھیلاتے رہے عمر کے آخرین حصہ میں حرمین الشریفین کی زیارت کو گئے۔ دوران سفر کاشغر سے ہوتے ہوئے وادیٔ کشمیر میں پہنچے تین سال سے زیادہ کشمیر میں قیام پذیر رہے۔ ایک کثیر مخلوق کو خدا رسیدہ بنایا۔ ہندوستان کا رُخ کیا تاکہ حج کو جائیں۔ دہلی پہنچے۔ مگر بادشاہ کی التماس پر کچھ عرصہ دہلی میں قیام فرمایا اور اسی دوران فرشتہ اجل آپہنچا۔ چنانچہ ۱۵ شوال ۱۱۲۶ھ میں فوت ہوئے۔

رفت چوں از جہاں بخلد بریں - شاہ دولت ولی عالی جاہ
گفت تاریخ رحلتش سرور - شاہ ابدال اہل دولت شاہ
۱۱۲۶ھ

شیخ احمد المشہور بہ مُلا جیون قدس سرہ، آپ وقت کے علماء عظام اور فقہائے کرام میں سے تھے۔ اورنگ زیب بادشاہ کے استاد محترم تھے۔ اور خود مولانا لطف اللہ جہاں آبادی کے شاگرد رشید تھے[1]۔ تفسیر احمدی تشریح آیات احکام قرآنی میں ایک عمدہ تفسیر ہے آپ نے تالیف فرمائی تھی آپ ۱۱۳۰ھ میں فوت ہوئے

شیخ احمد چوں بفضل ایزدی - شد ازیں دنیا بجنت باریاب
مہدی حق شیخ احمد وصل او - نیز شیخ احمد عالی جناب
۱۱۳۰ھ ۱۱۳۰ھ

---

[1]: صاحب تذکرہ علماء ہند نے لکھا ہے۔ کہ آپکا نام ملا جیون امیٹھوی بن سعید بن عبدالرزاق بن خاصہ صدیقی نسب حنفی مذہب۔ اسکی اصل صالحی بطن اور امیٹھی مولد تھے ایک مرتبہ قصیدہ سن لیتے از بر ہو جاتا۔ ایک بار کتاب کو ایک نظر دیکھ لیتے زبانی یاد ہو جاتی۔ قرآن حفظ کیا۔ ملا لطف اللہ کوڑا جہاں آبادی سے کتابیں پڑھیں۔ محی الدین اورنگ زیب کے ممدوح بنے استاد بنے۔ اور علمی کارناموں کے سربراہ بنے۔ حرمین الشریفین میں نور الانوار (شرح منار) ایک نظر دیکھی۔ اور ازبر ہوگئی۔ تفسیر احمدی لکھی۔ دہلی میں وفات پائی۔ امیٹھی میں دفن ہوئے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری ایم اے نے تذکرہ علماء ہند کے ترجمہ کے صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، میں ان کتابوں کو تفصیلی حالات کے لئے پیش کیا ہے مآثر الاکرام۔ تحریر محمود یہ۔ حدائق الحنفیہ۔ نزہتہ النواظر۔ ابجد العلوم۔ سبحۃ المرجان (ترجمہ)

آپ احمد یسوی ترکستانی کی اولاد و امجاد سے

مرزا کامل کشمیری بدخشی قدس سرہ:- تھے آپ کے دادا اپنے وطن سے تاشقند آئے وہاں سے بدخشاں پہنچے اور ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں برصغیر ہندوستان میں آئے۔ دربار میں ملازمت کر لی۔ ملک محمد خان کا خطاب پایا اور کشمیر کی نظامت ملی۔ ان دنوں مرزا کامل ابھی بچے ہی تھے۔ اور خواجہ حبیب اللہ عطار کے زیر تربیت تھے بارہ سال کی عمر میں بیعت ہوئے اور دنیا اور احوال دنیا سے کنارہ کش ہو گئے۔ ریاضت و عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ پچیس سال کی عمر میں خرقہ خلافت ملا اور مسند ارشاد پر بیٹھے سلسلہ کبرویہ میں بیعت کرنے لگے۔ آپ مولانا رومی اور خواجہ فرید الدین عطار کے طرز پر ایک کتاب بحر زماں چار جلدوں میں لکھی۔ یہ کتاب بہترین کتاب ہے۔ ۷۷ سال کی عمر میں حبث البول کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ اور ۲۹ ذوالحجہ ۱۱۳۱ھ میں انتقال ہوا۔ تواریخ دومری نے آپ کی تاریخ وفات اس شعر میں کہی ہے۔

در بقا شیخ کامل بحر عرفان - طراوت بخش بزم اہل ایمان
بسوئے عرصہ جنت رواں شد - زہجر چشم جاں گوہر افشاں
گذشتہ از ماہ حج چو بست نہ روز - بیک شنبہ شدہ فردوس افروز
بشرگاں گوہر تاریخ سفتہ - زعالم پیر کامل رفت گفتہ

مولف (خزینۃ الاصفیا) نے یہ تاریخ وفات لکھی ہے۔

بجنت بست چوں رخت اقامت - ازیں دنیا مکمل شیخ کامل
رقم شد نظم عالم ارتحالش - دگر فرما مکمل شیخ کامل

شیخ عبد اللطیف قادری سہروردی کشمیری قدس سرہ:- عالم باعمل صوفی کامل اور عارف خدا تھے آپ شیخ اسماعیل ابنور ہیلی سے نسبت رکھتے تھے۔ آپ سے بے اختیار کشف و کرامات ظہور

میں آتیں تھیں۔ لقمہ حلال کی تلاش میں رہتے۔ جہاں کہیں رزق مشکوک ہوتا۔ آپ کو غیب سے اطلاع ہو جایا کرتی تھی۔ آپ طعام سے ہاتھ کھینچ لیتے تھے۔ حضرت خواجہ ابوالفتح قلی جو مولانا حیدر علامہ سے نسبت رکھتے تھے آپ کے خاص دوست تھے۔ سلسلہ کبرویہ اور سہروردیہ کے فوائد سے بہرہ ور تھے۔ یہ نسبت خواجہ ابوالفتح کو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے حاصل ہوئی تھی۔ آپ نے اپنی عمر میں چالیس بار چلہ کشی کی تھی۔ اس خلوت گزینی کے دوران بجز یادِ حق کسی چیز سے سروکار نہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ کھانا پینا بھی ترک کر دیتے آپ ۱۱۳۴ھ میں بتاریخ ۱۵ شعبان المعظم کو فوت ہوئے۔

یافت در اصل حق زدنیا بار - شیخ عبداللطیف واصل حق
نیز فرما خزینۂ اسرار - فاضل اکبرست تاریخش
۱۱۳۴ھ ۱۱۳۴ھ

میر شرف الدین کشمیری قدس سرہٗ:- آپ شیخ ابوالفتح شادی پوری کشمیری کے فرزند ارجمند تھے۔ عنفوانِ جوانی میں راہ سلوک پر بڑی کامیابی سے گامزن رہے۔ اگرچہ آپ اپنے والد بزرگوار سے بیعت تھے۔ مگر دوسرے اولیاء اللہ سے استفاذہ اور استفادہ کرتے تھے۔ جو مرید بھی آپ کے پاس حاضر ہوتا۔ آپ اُس کی دلی کیفیت سے واقف ہو جایا کرتے تھے۔ تواریخ اعظمی نے آپ کی وفات بتاریخ گیارہ شوال ۱۱۳۵ھ کو ہوئی۔

چہ زیر زمیں روئے خود را نہفت - بجنت رواں گشت میر شریف
خرد میر اشرف جوانمرد گفت - پے سال ترحیل آں شاہ دیں
۱۱۳۵ھ

میر محمد ہاشم قادر گیلانی قدس سرہٗ:- آپ حسنی سادات میں سے تھے آپ کی آبائی نسبت حضرت غوث الاعظم سے ملتی ہے۔

میر محمد ہاشم بن سید محمد عیلان بن سید عبداللہ بن سید احمد بن سید عمر بن سید ابراہیم بن

سید حسن بن سید محمد صرمونی بن سید یوسف بن سید عبدالرزاق بن سید میمون بن سید مسعود بن سید محمد بن میر حسن بن حیات میر بن محمد صالح بن حضرت غوث الاعظم قطب العالم محی الدین سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، آپ اعتقادی طور پر کوہ راسخ اور عبادت میں بحر بے کراں تھے۔ ہدایت میں صاحب المکارم والمکاتب تھے ۱۱۳۲ھ میں کشمیر کے خطۂ بے نظیر میں وارد ہوئے۔ دن رات تلاوت قرآن میں مشغول رہتے۔ عام لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرتے تھے نماز فجر سے لے کر اشراق تک ذکر جہر میں مشغول رہتے تھے۔

ثمرات الاشجار اور تواریخ اعظمی نے آپ کی کرامات درج کی ہیں۔

آپ ہفتم شوال ۱۱۳۵ھ کو فوت ہوئے۔

رفت از دنیا چو میر ہاشمی ۔ روح او شد وصل با وصل خدا
گفت تاریخ وصال او خرد ۔ میر سید ہاشمی مجتبیٰ

مولانا اصغر علی قنوجی قدس سرہٗ: آپ برصغیر ہندوستان کے اجل عالم اور فقیہ تھے۔ علم حدیث تفسیر فقہ صرف ونحو منطق معانی میں امام تھے۔ اپنے عہد کا کوئی عالم دین ان علموں میں آپ کا ہم پلہ نہ تھا۔ آپ کی تفسیر ثوابت التنزیل، ادبی نکتہ نظر سے کشاف سے بھی بلند پایہ ہے اور علوم شرعیہ میں تفسیر بیضاوی سے فوقیت رکھتی ہے۔ آپ ہی کی تالیف ہے۔ آپ کی وفات ۱۱۴۰ھ میں ہوئی بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کا سال وصال اس مصرع سے لیا ہے [1]

؎ شد نہاں آفتاب صبح علوم
۱۱۴۰ھ

---

[1] ، تذکرہ علماء ہند (مولوی رحمن علی) مولوی علی اصغر بن عبدالصمد قنوج کے اکابرین میں سے تھے ۱۰۵۱ / ۱۶۴۱ میں پیدا ہوئے۔ ملا محمد قنوجی اور اسد عصمت اللہ سے ابتدائی تعلیم پائی ملا محمد زمان کاکوری نے تکمیل کی۔ شاہ پیر محمد لکھنوی کے مرید ہوئے ساٹھ سال تک تدریس کی۔ علماء فضلاء نے آپ سے تربیت پا کر فضیلت حاصل کی۔ آپ کی یہ تصانیف مشہور عالم ہوئیں۔ الاثیہ العلیہ۔ تبصرۃ المدارج سلوک۔ النفائس العلیہ۔ تفسیر ثواتب التنزیل۔ شرح فصوص الحکم تفصیلی حالات کے لئے مندرجہ ذیل کتابیں دیکھیں۔ حدائق حنیفہ۔ ابجد العلوم۔ (مترجم)

چوں علی اصغر سوئے جنت شتافت - طرفہ دل تاریخ وصلش کرد یاد
جامع فیض کمال آدم ست - بار دیگر مجمع فضل عباد
۱۱۴۰ھ ۱۱۴۰ھ

بابا محمد مہدی سہروردی کبروی کشمیری قدس سرہٗ: آپ حضرت بابا عبداللہ کشمیری قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔
آپ ہی اپنے پیر روشن ضمیر کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر جلوہ فرما ہوئے۔ قوت حلال حاصل کرنے کے لئے زراعت کیا کرتے تھے۔ ایک عرصہ تک بارہ مولی میں قیام پذیر رہے۔ پھر سری نگر کے شہر میں آ گئے اور ہدایتِ خلق میں مصروف ہو گئے۔ محلہ اندرواری میں محفلِ ذکر وفکر برپا کرتے تھے۔ یکم ماہ ذیقعدہ ۱۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ایک سو پچیس ۱۲۵ سال تھی۔

شیخ مہدی ولی عالی جاہ - رفت چوں از جہاں بجنت صاف
سالِ تاریخ رحلتش سرور - گفت مخدوم مہدی کشّاف
۱۱۵۰ھ

شیخ فتح شاہ شطاری قدس سرہٗ: آپ شاہ لطیف برہانی پوری قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ کی نسبت روحانیت حضرت شاہ سید محمد غوث گوالیاری سے جا ملتی ہے آپ برہان سرالٰہی کے مرید تھے۔ وہ شیخ علیؒ زندہ دل کے اور وہ وجیہہ الدین گجراتی کے اور وہ سید محمد غوث گیلانی گوالیاری قدس سرہ ہم کے مرید تھے آپ ستّر سال کی عمر میں پہنچے۔ تو آپ کے والد کو حضرت شیخ برہان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ارادت سے مشرف فرمایا۔ شاہ برہان آپ کی ظاہری و باطنی تربیت۔ شیخ عبداللطیف کے سپرد کر دی۔ حضرت شاہ عبداللطیف نے آپ کی ظاہری باطنی تربیت کی۔ اور نہایت جذب و مستی میں فتح شاہ سرمست کے خطاب سے مشہور ہوئے حضرت مرشد نے تربیت کے بعد آپ کو لاہور کی ولایت پہ مامور فرمایا۔

ایک بار دریائے راوی میں طغیانی آگئی۔ اُس کی موجیں قلعہ لاہور سے ٹکرانے لگیں۔ حاکم لاہور بڑا گھبرایا۔ حضرت فتح شاہ سرمست کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور دعا کی استدعا کی۔ آپ نے حاکم لاہور کو فرمایا۔ میرا پیغام لے جاؤ۔ اور دریا کو کہو۔ کہ فتح شاہ نے حکم دیا ہے کہ جہاں سے آئے ہو پھر چلے جاؤ۔ ورنہ قیامت تک تمہارے پیٹ میں ایک قطرہ آب نہیں رہنے دوں گا۔ حاکم وقت گیا دریا فوراً رک گیا اور اس کا پانی اتر گیا۔ اور اپنے مقام پر بہنے لگا۔

ایک دن حضرت شیخ فتح شاہ صاحب قدس سرہ نے برنے کی ایک لکڑی توڑی۔ اور اپنے خادم روشن شیخ کو پکڑ کر فرمایا۔ کہ اسے زمین میں گاڑ دو۔ اس نے ایسے ہی کیا۔ وہ لکڑی ایک دو روز میں سرسبز ہوگئی۔ اور اس میں برگ و بار اُگ آئے۔ یہ درخت آج تک (مصنف کے زمانہ حیات تک) موجود ہے۔ آخر کار مہاراجہ رنجیت سنگھ نے فرانسس کا مکان تعمیر کرانے کے لئے اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیا ہے۔ شیخ فتح شاہ شطاری ۱۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار پُرانوار لاہور کے باہر زیارت گاہ عام و خاص ہے۔

فتح شاہ مشکل کشائے دو جہاں - رفت چو در خلد زین دار الحق

طرفہ سال انتقالش شد عیاں - فتح دین فتاح ابواب زمن

۱۱۵۰ھ

پیر محمد اسماعیل کبروی کشمیری قدس سرہ:

عنفوان جوانی میں اللہ کی محبت دامنگیر ہوئی۔ آپ حضرت مولانا محمد شریف کبرویہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہو گئے۔ تکمیل کے بعد پشاور آئے اور ایک عرصہ تک پشاور میں ہی مقیم رہے۔ مگر کشمیر میں جاکر مستقل قیام فرمایا اور تادم آخر ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ آخر کار ۱۱۵۳ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا وصال ۸۵ سال کی عمر میں ہوا۔

چونکہ اسماعیل پیر باوقار - گشت راہی زیں جہان سوئے جنان

سالِ وصل او ست عالی مرتبت - نیز فضل آلِ اسماعیل دان

۱۱۵۳ھ ۱۱۵۳ھ

خواجہ ایوب قریشی قدس سرہٗ:- صاحب تصرف اور صاحب کشف کرامات تھے۔ زہد ورع تقویٰ میں جامع الکمالات تھے۔ شریعت میں عالم دین تھے۔ حقیقت میں کاشف اسرار تھے۔ مخزن امور ہمہ دانی۔ اور عالم علوم ربانی تھے افضل العلماء اور اکرم الفقہاء تھے۔ صاحب تصنیف تھے۔ آپ کی مشہور کتابیں۔ مخزن عشق۔ شرح مثنوی مولانا روم شرح ایوب سے مشہور تھے۔ مقبول عوام و خواص ہوئی۔ طریقہ عالیہ سہروردیہ میں حضرت مفتی حافظ محمد تقی لاہوری قدس سرہٗ کے مرید اور شاگرد تھے۔ آپ مولانا تقی خلف الرشید مفتی محمد تقی کے داماد تھے آپ کو سلسلہ قادریہ اعظمیہ سے کمال حاصل تھا۔ اور کاملان وقت تھے۔

یاد رہے۔ کہ حافظ محمد تقی قدس سرہ خواجہ ایوب قریشی کے پیر و استاد تھے اور خواجہ ایوب راقم السطور (مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہ) کے جدّ پنجم تھے۔ ہمارا سلسلہ آبائی حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے یوں جاملتا ہے در احقر غلام سرور بن مفتی غلام محمد قریشی بن مفتی حق آگاہ رحیم اللہ بن حافظ محمد رحمت اللہ بن مفتی حافظ محمد تقی۔ بن مولانا کمال الدین بن مفتی عبد السمیع بن مولانا عتیق اللہ بن مولانا برہان الدین بن مفتی محمد محمود بن شیخ الاسلام عبد السلام مفتی و مدرس لاہور بن شیخ عنایت اللہ بن مولانا کمال الدین بن شیخ مخدوم المشہور میاں کلاں۔ (جو شہر ملتان سے دہلی کے بادشاہ کے حکم پر ہندوستان آئے۔ اور لاہور میں تدریس علوم دینیہ اور فتویٰ نویسی پر مقرر ہوئے) بن شیخ جمعول بن شیخ قطب الدین بن شیخ شہاب الدین بن شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہم العزیز۔

یاد رہے کہ راقم کے یہ بزرگ اگرچہ ظاہری علوم شریعت میں یگانہ روزگار تھے وہ واعظ، مفتی اور مدرس کی حیثیت سے دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مگر ساتھ یہ بزرگ سلسلہ سہروردیہ میں بزرگان سلسلہ عالیہ کے قدم بہ قدم چل کر کمالات روحانی کو بھی حاصل کرتے رہے ہیں۔ جب حضرت میاں کلاں لاہور میں تشریف لائے۔ اور لاہور کے محلہ

علاول خان لوہانی میں قیام پذیر ہوئے۔ اور سفید زمین خرید کر کوٹلی مفتیاں کے نام سے ایک بستی آباد کی۔ یہ احقر بھی اپنے بھائی حافظ غلام محمد اور عم بزرگوار مفتی غلام رسول اور مفتی غلام محی الدین (جو میرے چچازاد بھائی تھے) کے ساتھ اسی کوٹلی مفتیاں میں قیام پذیر رہا ہے۔ خواجہ ایوب نے مولانا محمد تقی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور شرف فرزندی سے ممتاز ہوئے تو دنیا کے علائق کو چھوڑ کر زہد و ریاضت اختیار کر لی۔ اور ساری عمر عزیز اسی طرح گذار دی۔ آپ اکثر اوقات مولانا روم کی مثنوی پڑھنے میں مشغول رہتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص حضرت خواجہ ایوب سے مثنوی پڑھ رہا تھا۔ مثنوی مولانا روم کے بعض اشعار جو حقائق و دقائق پر مشتمل تھے۔ اس کی سمجھ میں نہ آتے تھے اور بار بار تکرار کرتا تھا آخر تنگ آکر بلا حصول معانی حضرت خواجہ ایوب قدس سرہ کی مجلس سے چلا گیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی بنفس نفیس تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں۔ یاد رکھو! خواجہ ایوب میرے اویسی ہیں۔ میری ذات سے انہیں روحانی فیض ملا ہے میرے اشعار کے جو معانی وہ بیان کرتے رہے ہیں۔ وہی صحیح ہیں۔ چنانچہ دوسری صبح وہ شخص حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عذر خواہی کی۔ اور مرید ہو گیا۔

خواجہ ایوب قدس سرہٗ شرح مثنوی میں فرماتے ہیں کہ مجھے شرح مثنوی مولانا روم کے لکھنے کا ذوق پیدا ہوا اور دل میں ایک تڑپ پیدا ہوئی کہ بحرِ زخار کی شرح ضرور لکھنی چاہیئے۔ تو مجھے اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کا خیال آیا۔ اور مجھے جرأت نہ ہوئی تھی کہ اس عظیم کام کا آغاز کروں میں نے مثنوی اٹھائی اور اس کام کے لئے مثنوی سے راہنمائی حاصل کرنا چاہی۔ جو صفحہ کھولا تو اس کا پہلا شعر یہ تھا۔

اے ضیاء الحق حسام الدین بیا ۔ وے سفال روح سلطان ہدا

مثنوی را شرح و مشروح دہ ۔ صورت امثال اورا روح دہ

اس فال کے بعد میں نے ہمت کی۔ اور مصمم ارادہ کرنے کے بعد شرح مثنوی لکھنے میں

بیٹھ گیا۔ چنانچہ۔ یہ کتاب ۱۱۲۰ھ یہ مکمل شرح لکھ ڈالی۔ اور اس اختتام شرح پر یہ قطعہ لکھا۔

یافت شرح مثنوی مولوی ۔ خلقت اتمام از لطف خدا

گفت تاریخش بگوشش دل خرد ۔ طرفہ شرح مثنوی جانفزا

خواجہ ایوب قریشی رحمۃ اللہ علیہ بروز جمعرات یکم ماہ جمادی الثانی ۱۱۵۵ھ کو فوت ہوئے آپ کا مزار لاہور میں بی بی حاج اور بی بی تاج کے احاطہ قبرستان میں واقعہ ہے۔

جناب خواجہ ایوب مسعود ۔ چو از دنیا بجنت گشت موصول

ز شمس العارفین ایوب مرحوم ۔ عیاں سالِ وصال اوست معقول

۱۱۵۵ھ

شیخ اولیا ایوب مقبول ۔ خواجہ ایوب پیر باکمال ۔ مہتاب بہشت ۔ شیخ حق کامل ولی

۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ ۱۱۵۵ھ

آپ کے شاگردوں میں سے ایک شخص میر محمد علی مرحوم نے آپ کی وفات پر قطعہ تاریخ لکھا تھا۔ جو تبرکاً درج کیا جاتا ہے۔

ز دردِ انتقال شیخ ایوبؒ ۔ کہ گشتہ روح او از وصل حق شاد

نہ تنہا اہل عالم را جگر سوخت ۔ فلک ہم آہ و زاری کرد بنیاد

چو رفت آں شارح "نفظ ہمہ اوست" ۔ چو رفت آن نکتہ فہم و معنیٰ ایجاد

بجستم سالِ وصلش از خرد گفت ۔ موحد جان بتوحید خداداد

۱۱۵۵ھ

بابا عبدالباقی کبروی کشمیری قدس سرہٗ آپ بابا محمد صدق کبروی کشمیری قدس سرہٗ کے خلف الصدق تھے۔ وقت کے عظیم مشائخ میں سے تھے۔ عبادت۔ زہد۔ ورع اور تقویٰ میں بلند مرتبہ رکھتے تھے اپنے والد مکرم کی وفات کے بعد چھوٹی عمر میں ہی سجادۂ ارشاد پر جلوہ فرما ہوئے اور خواجہ

شاہ حسین بھکیلی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے تربیت و تکمیل پائی جوانی کے عالم میں سفر پہ نکلے۔ اور حضرت خواجہ میر ہمدانی قدس سرہٗ کی قبر کی زیارت کے لئے ختلان کو روانہ ہوئے چونکہ ان دنوں اس علاقہ میں سیاسی ابتری اور فسادات کا دَور دورہ تھا۔ کابل سے واپس ہندوستان آگئے۔ اور وہاں سے حرمین الشریفین کی زیارت کو جا پہنچے۔ اس طرح مدینہ پاک کی زیارت کے بعد مختلف اسلامی ممالک سے ہوتے ہوئے سال سال کے بعد واپس آئے۔ اور کشمیر میں قیام پذیر ہو کر ہدایت خلق میں مشغول ہو گئے۔

صاحب تواریخ اعظمی نے آپ کی سالِ وصال ۱۱۵۷ھ لکھا ہے آپ کا مزار بابا دلی کشمیری کے روضہ کے متصل سری نگر میں ہے اور زیارت گاہ خواص و عوام ہے

رفت باقی چو در اقلیم بقا ۔ دل بسالِ وصل آن شیخ زماں
گفت تاج عارفاں عارف بگو ۔ ہمدگر شیخ ابقا باقی بخواں
۱۱۵۷ھ ۱۱۵۷ھ

مولانا رستم علی بن علی اصغر قنوجی قدس سرہٗ:- آپ ہندوستان کے جیّد علماء کرام میں سے مانے جاتے ہیں علوم فقہ حدیث اور تفسیر میں بڑی دسترس حاصل تھی۔ ہندوستان کے علماء اور ایران و خراساں کے علماء میں سے آپ کی رائے پر تمام اتفاق کرتے تھے۔ اتنے علم و فضل کے باوجود انکساری کا یہ عالم تھا اپنے آپ کو کمترین از درویشان شمار کرتے تھے۔ دن رات تعلیم و تدریس میں رہتے۔ اور مخلوق خدا کی ہدایت میں مصروف ہوتے ہزاروں طلبا آپ کے درس سے فیض یاب ہوئے تفسیر جامع صغیر آپ کی تالیف ہے۔ یہ تفسیر قرآن پاک کے معانی سمجھنے میں تفسیر جلالین سے بھی عمدہ مانی گئی ہے۔ آپ کی وفات ۱۱۷۸ھ میں ہوئی۔

ازجہاں رفت چوں بخلد بریں ۔ میر رستم علی ولی والی
گفت سرور بسال رحلت او ۔ میر گل رستم علی ونبی
۱۱۷۸ھ

نیز کن عاشق بہشت نظم - سال ترحیل آں تقی و نقی

۱۱۷۸ھ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بن مولوی عبدالرحیم قدس سرہٗ:۔ آپ دہلی کے عظیم اور جید عالم دین تھے علم وفضل ورع وتقوی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ساری عمر عزیز درس وتدریس میں صرف کر دی۔ آپ نے قرآن مجید کی ایک تفسیر الموسوم بفتح الرحمان لکھی۔ جو خواص عام میں مقبول ہوئی آپ کی وفات ۱۱۸۰ھ/ ۱۱۷۹ھ میں ہوئی تھی۔

زدنیا چو رفت در اقامت بہ بست - ولی اللہ دانی ولی متقی

وفاتش بجستم ز شیخ کریم - رقم شد دگر شیخ اکبر ولی

۱۱۸۰ھ ۱۱۷۹ھ

میر محمد یعقوب گیلانی لاہوری قدس سرہٗ:۔ آپ عالم عامل اور عامل کامل تھے آپ قلعہ یعقوب میں رہا کرتے تھے اور اسمائے ربانی کے زور سے حاکمانہ قوت کے مالک تھے۔ خلق خدا ان سے دین و دنیا کے فائدے اٹھایا کرتی تھی۔ دیوانہ کتے کے زخمی لوگ آپ کے پاس آتے اور شفایاب ہوتے۔ آپ کی دعا کے بعد تادم حیات کسی پہ دیوانگی کے اثرات نہ رہتے۔ آپ کی نسبت آبائی جناب غوث الاعظم محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی سے ملتی ہے۔

"میر محمد یعقوب بن میر محمد زمان بن میر محمد حاجی بن میر صدرالدین۔ بن سید نورالدین بن سید بدرالدین بن سید جعفر بن سید احمد بن سید مومن بن میر حیدر بن شاہ قمیص قادری (جن کا ذکر خیر سلسلہ قادریہ میں گذر چکا ہے) بن ابی الحیات۔ بن تاج الدین محمود بن بہاء الدین محمد بن جلال الدین احمد بن سید علی جمال الدین قاضی ابوصالح نصر بن سید آلافاق شیخ عبدالرزاق بن شیخ سید سلطان ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہم۔

آپ کی روحانی نسبت پیران قادریہ کے سلسلہ سے یوں درج ہے۔

"آپ سید فضل علی لاہوری کے مرید تھے۔ وہ شیخ عبدالرحیم جاراللہ۔ وہ حاجی محمد سعید لاہوری (جن کا ذکر خیر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں لکھا گیا ہے) وہ سید محمد محمود کردی۔ وہ سید جلال الدین وہ سید شہاب الدین وہ سید جلال الدین عبداللہ۔ وہ سید شمس الدین ابوالوفا وہ سید شہاب الدین احمد وہ سید قاسم وہ سید عبدالباسط وہ سید بہاء الدین ابوالعباس اور وہ سید بدرالدین حسن اور وہ سید علاء الدین اور وہ سید شرف الدین یحییٰ تاتاری۔ اور وہ سید ابوالنصر اور وہ قطب آلافاق سید عبدالرزاق اور وہ سیدنا عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم کے مرید تھے (رضی اللہ عنہم) امام میر یعقوب گیلانی نے دوسرے سلاسل عالیہ سے بھی فیض پایا تھا۔ اس طرح آپ مقتدائے زمانہ ہوئے۔

آپ کی تاریخ وفات ۲۹ صفرالمظفر ۱۱۷۹ھ ہے۔ مگر میر فضل علی نے تاریخ وفات ۴ محرم الحرام ۱۱۶۰ھ لکھی ہے۔ آپ کا مزار پر انوار مزنگ لاہور کے قلعۂ میر یعقوب میں ہے۔ آپ کے تین بیٹے سید محمد یوسف۔ میر سید علی اور میر اسماعیل تھے۔ تینوں صاحبان علم وفضل اور ظاہر و باطن مراتب پر فائز ہوئے۔"

شد چو از دنیا بفضل ایزدی ۔ در جناں یعقوب مخدوم الکریم
ارتحالش ہست خورشید جہاں ۔ ہم بخواں یعقوب مخدوم الکریم

۱۱۷۹ھ ۱۱۷۹ھ

خواجہ حافظ عبدالخالق اویسی قدس سرہٗ: آپ اولیسیہ خاندان کے کبریٰ مشائخ اور عظیم اولیاء اللہ میں سے تھے۔ صاحب وجد و سماع تھے۔ ذوق و شوق کے مالک تھے۔ سکر و جذب میں یگانہ روزگار تھے۔ فقر و تجرید میں بڑی ثابت قدمی سے رہے بڑے بلند رتبہ تھے۔ روحانی فیضان جناب حضرت قرنی قدس سرہ سے پایا تھا۔ صاحب اجازت تھے اور تلقین و ارشاد میں معروف ہوتے۔ ساری زندگی لوگوں کی اصلاح و ہدایت میں گذار دی۔ چونکہ آباد اجداد سے علم وفضل کی دولت ملی تھی۔ اس لیے جامع

فضل ظاہری و باطنی ہو گئے۔ حافظ ظاہر بن محمود بن حافظ یعقوب آپ کے والد ماجد تھے یعنی
کا فتوی چلتا تھا۔ وہ عالم عامل اور حافظ کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا راہ دکھانا چاہا تو سب سے
پہلے حضرت بلھے شاہ قصوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے بھائی گل شیر کو بھی ساتھ
لے کر حضرت شیخ عبدالحکیم قادری قدس سرہٗ (جو اس وقت قطب وقت تھے)، کی خدمت میں حاضری
دی۔ حضرت عبدالحکیم ان دنوں موضع تنبیہ میں رہتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالحکیم نے مراقبہ فرمایا
تو ان کے بھائی گل شیر کو تو بعیت کر لیا۔ مگر حضرت بلھے شاہ کو فرمایا کہ آپ حضرت شاہ عنایت
قادری (قدس سرہ) کے پاس جا کر اپنا حصہ لے لیں۔ خواجہ عبدالخالق کو فرمایا۔ کہ تمہارا حصہ تو ایک
ایسے شخص کے پاس ہے جو اس وقت دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا ہے۔ اب اپنے گھر میں
گوشہ نشینی اختیار کرو اور اللہ کی عبادت اور ریاضت میں مشغول رہو۔ یاد رہے اس ذکر اور عبادت
کے دوران درود مستغاث کا ورد کرتے رہو۔ اس طرح اللہ کی جناب سے تمہارے پیر کا فیض
خود بخود آ تار ہا کرے گا۔ حضرت خواجہ وہاں سے رخصت ہوئے۔ چند ماہ اسی حالت پر گزر رے۔
حجرے میں پڑے رہتے۔ درود مستغاث پڑھتے رہتے۔ ناگاہ ایک دن ایسا ہوا۔ کہ ایک نورانی
شخص سامنے آیا۔ اور آتے ہی اسلام علیکم کہا۔ حضرت خواجہ نے سلام کا جواب دیا۔ لیکن جونہی اس
نورانی شخصیت سے آنکھیں ملائیں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ سارا دن بے ہوش رہے۔ شام کے
وقت ہوش میں آئے تو دوبارہ عبادت میں مشغول ہو گئے۔ دوسرے دن پھر وہی واقعہ پیش آیا
مگر آپ کو یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ یہ نورانی شکل والا کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ تیسرے دن
زیارت ہوئی تو قدم پکڑ لئے۔ اور نام نامی دریافت کیا۔ اور ان کے مقام و مولد کا پوچھا۔ انہوں نے
فرمایا۔ ہمارا نام خواجہ اویس بن عامر قرنی ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ کہ تمہاری راہنمائی کروں
خواجہ عبدالخالق کو بعیت کیا۔ یہ بات سنتے ہی آپ پھر بیہوش ہو کر گر پڑے۔ تین دن رات ایسی کیفیت
رہی۔ تیسرے دن آپ کے ہمسایہ کے گھر سے سرود کی آوازیں بلند ہوئیں۔ یہ آوازیں ایک شادی کی
تقریب سے تھیں۔ آپ نے ان گانے والوں کو اپنے پاس بلایا اور قوالی کرنے کا کہا۔ آپ یہ سرود سن

کر وجد میں جھومنے لگے۔ یہ سلسلہ سارا دن رہا۔ ہوش میں آئے۔ تو اپنے تمام متعلقین کو بلا کر فرمایا۔ تمہیں مبارک ہو۔ میرا کام مکمل ہو گیا ہے۔ میں نے اپنے محبوب و مطلوب کو پا لیا ہے۔

شیخ احمد بن محمود قدس سرہ نے ایک کتاب لطائف نفیسیہ فی فضائل اویسیہ لکھی ہے اس میں حضرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہ موضع ہانس پنجاب دریائے ستلج کے کنارے پر رہتے تھے۔ آپ حالت سکر و وجد میں اس حد تک مستغرق رہتے کہ نماز ادا کرنا بھی مشکل ہو گیا۔ جب دوسرے نمازیوں کے ساتھ صف میں کھڑے ہوتے۔ تو امام سے اللہ اکبر سنتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ رکوع۔ سجود اور دوسرے ارکان نماز ادا نہ کر سکتے تھے۔ جب آپ کی حالت سکر زیادہ دیر ہوتی۔ تو قوالوں کو بلایا جاتا وہ مسجد کے دروازے کے سامنے سرود کا آغاز کرتے تو ان کی آواز سے آپ بے ہوشی اور سکر سے وجد میں آتے۔ آپ اللہ اکبر کے علاوہ قرآن پاک کی آیۃ کریمہ سن کر بھی بے ہوش ہو جاتے سرود کی آواز آتی تو ہوش میں آتے۔ چنانچہ شیخ احمد اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ میں ایک بار بذات خود آپ کی خدمت میں موجود تھا۔ زیارت کی۔ آفتاب روحانیت اویسیہ سے آپ کا چہرہ تاباں ہوتا۔ میں نے آپ کے منہ سے ارشاد و تلقین کی باتیں سنیں۔ جس کا اثر زندگی بھر میرے دل و دماغ پر رہا۔

آپ کی وفات ۷ ذوالحجہ ۱۱۸۵ھ میں ہوئی۔ مزار پر انوار مبارک پور متصل بہاول پور مرجع خلائق ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے حافظ صالح محمد۔ ولی محمد اور قطب الدین تھے تینوں اولیاء اللہ تھے۔ صاحب کرامت تھے وجد و سماع شوق ذوق کے مالک تھے۔ قطب الدین تو عنفوان جوانی میں ہی وجد و سماع کی حالت میں زور سے اڑے اور آسمانوں کی بلندیوں کی طرف پرواز کر گئے اور نظروں سے غائب ہو کر ابدالوں میں جا ملے۔ سید عارف آپ کے خلیفہ تھے۔ آپ کا مزار بریلی میں ہے۔ شیخ محرم بھی آپ کے خلیفہ خاص تھے۔ ان کا مزار لیہ میں ہے خواجہ محکم الدین صاحب السیر بھی آپ کے خلفاء عالی شان میں سے تھے۔

وصل شد چو باذاتِ حق چوں عبد خالق نامور ۔ رفت روح پاک او بر عرش از فرش زمین

سال او خورشید اجلال از خرد شد جلوہ گر ۔ ہم دگر محبوب خالق ہادی راہ یقین

۱۱۸۵ھ ۔ ۱۱۸۵ھ

شیخ محکم الدین صاحب السیر اویسی بن حافظ محمد عارف بن حافظ محمود قدس سرہٗ :-

آپ سلسلہ اویسیہ کے ممتاز مشائخ اور خلفاء میں شمار ہوتے ہیں اپنے عم زاد حضرت شیخ عبد الخالق اویسی قدس سرہ کے مرید اور خلیفہ تھے ۔ اپنے مرشد سے بڑا روحانی فیض حاصل کیا ۔ صاحب وجد و سماع ہوئے ۔ اور اکثر حالت سکر و جذب میں رہتے تھے ۔ آپ کا استغراق اور مستی حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی ۔ سارے عالم اسلام کی سیاحت کی ۔ اس سیر و سیاحت کی وجہ سے آپ کا خطاب صاحب السیر پڑ گیا تھا ۔

آپ جس دن بعیت ہوئے تو حضرت خواجہ عبد الخالق اویسی نے آپ کو حکم دیا ۔ کہ حضرت چاولہ کے روضہ پر جا کر اعتکاف بیٹھ جاؤ ۔ حضرت چاولہ قدس سرہٗ اولیائے متورعین سے تھے آپ کا مزار زیارت گاہ خلق تھا ۔ شیخ محکم الدین وہاں گئے اور معتکف ہوئے ۔ چالیس دن تک بلا کھائے پئے ۔ اعتکاف میں رہے اور اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے رہے اور کمالات کے مقام حاصل کر لئے ۔ خلوت کدہ سے نکلے روزہ افطار کرنا چاہا ۔ دل میں خیال ہے کہ سامنے بیری کے درخت کے ساتھ سرخ بیر لگے ہیں ۔ ان سے افطار کیا جائے ۔ ناگاہ ایک سفید پوش شخص غیب سے نمودار ہوا اور چند دانے بیر پیش کئے ۔ اور فرمایا ۔ لیں ان میووں سے روزہ افطار فرمائیں اور اب یہاں سے چلے جاؤ ۔ کیونکہ تمہارا مقصد پورا ہو گیا ہے ۔ حضرت نے روزہ افطار کیا ۔ اور وہاں سے روانہ ہو کر حضرت پیر و مرشد خواجہ عبد الخالق قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا ۔ کہ جب ہم روزہ افطار کرنے لگے تھے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو حکم دیا کہ سدرہ المنتہیٰ سے بیرے کر افطاری کے لئے جائیں ۔ حضرت

خضر نے تعمیل حکم خداوندی کے طور پر تمہارے سامنے بیر لا کر رکھے۔

جب حضرت صاحب الیسر کوہستان کے علاقہ میں بمقام سنہگل کدہ پہنچے۔ تو وہاں ایک ہندو پنڈت رہا کرتا تھا۔ یہ پنڈت جوگی کی حیثیت سے مجاہدہ کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا۔ کہ آنے والے بزرگ بھی صاحب کرامت ہیں۔ آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا۔ حضرت یہاں رہنے کے لئے تو کوئی کرامت دکھانا پڑے گی۔ آپ نے فرمایا۔ ہم اللہ کے دروازے کے فقیر ہیں۔ کرامت نمائی ہمارا کام نہیں ہے۔ اگر تم کچھ دکھانا چاہتے ہو۔ تو دکھاؤ۔ جوگی اپنے استدراج کے زور سے دیکھتے دیکھتے اور چند لمحوں بعد پھر ظاہر ہو گیا۔ اس نے ایسا کئی بار کیا۔ حضرت الیسر نے جوگی سے پوچھا۔ یہ کمال استدراج تمہیں کیسے حاصل ہوا۔ کہنے لگا۔ آج تک میرے نفس یا دل نے جو بات کہی میں نے اس کے خلاف ہی کام کیا میں ساری عمر خواہش کے خلاف کام کرتا رہا۔ اس طرح مجھے یہ کمال حاصل ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم اسلام قبول کرنے کی خواہش رکھتے ہو۔ اور کیا تمہارا دل چاہتا ہے کہ مشرف با سلام ہو جاؤ۔ کہنے لگا۔ نہیں میرا دل نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا۔ پھر تم دل کی خواہش کے خلاف کام کرو۔ اور مسلمان ہو جاؤ۔ جوگی اپنے دل کی خواہش کے خلاف اقدام کرنے سے رک گیا۔ آپ نے فرمایا اب تم اپنی خواہش کے خلاف نہیں جاتے تو غائب ہو کر دکھاؤ اس نے سارا زور لگایا۔ مگر قوت استدراج سے محروم ہو گیا۔ اور اپنے آپ کو غائب نہ کر سکا۔ لاجواب اور عاجز ہو کر سر قدموں میں رکھ دیا۔ اور اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے ایک نگاہ سے اسے فیض باطنی سے نوازا اور کمالات تک پہنچایا۔ پھر اس کا نام عبدالسلام رکھا۔ اور اس علاقے کے لوگوں کی ہدایت پر مامور فرما دیا۔ اس وقت تک حضرت عبدالسلام کا مزار زیارت گاہ خاص و عام بنا ہوا ہے۔

ایک بار دوران سفر جب کہ آپ کا خادم محمد وارث آپ کے ساتھ تھا۔ ایک سائل حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ حضرت میری چند نوجوان بیٹیاں ہیں۔ غربت کی وجہ سے ان کی شادی نہیں کر سکتا اگر آپ کرم فرمائیں تو مجھے پانچسو روپیہ عطا فرمائیں۔ تاکہ ان کی شادی کر سکوں۔ آپ اس وقت

بڑے خوش وقت تھے اپنا عصا محمد وارث کے ہاتھ سے لیا۔ اور زمین پر نوک گاڑ کر کہا۔ یہاں سے کھود کر پانچسو روپے کی تھیلی نکال لو۔ تھیلی نکالی۔ اور سائل کو دے دی۔ سائل لے کر چلا گیا۔ اور بے دریغ خرچ کرتا رہا۔ اس کو غلط فہمی ہوئی کہ اس جگہ بہت سامال دبا ہوا ہے۔ اب میں جس جگہ ہوگا کا جاکر اکھاڑ لاؤں گا۔ حضرت تو وہاں سے روانہ ہو گئے وہ ایک دن اسی مقام پر پہنچا اور زمین کھودنے لگا۔ مگر بڑا مایوس ہوا۔ وہاں سے کچھ نہ نکلا۔ پہلا روپیہ بھی خرچ کر چکا تھا۔ رونا دھونا شروع کیا۔ حضرت کے پیچھے بھاگا۔ حضرت رک گئے۔ اور پوچھا اب تمہیں کیا ہوا کہنے لگا۔ حضور میں نے طمع کیا۔ اور طمع کے تینوں الفاظ خالی ہوتے ہیں۔ میں بھی آپ کے انعام سے محروم ہو گیا ہوں سارا واقعہ سنایا۔ حضرت شیخ کو اس پر ترس آگیا۔ پھر آپ نے اپنا عصا زمین پر مارا۔ اور وہی تھیلی نکال کر اس کے حوالے کر دی۔

حضرت صاحب السیر پر حالت سکر یا کیفیت استغراق طاری ہوتی۔ تو آپ ایک ایک دن ایک ایک ماہ بلکہ بعض اوقات چار چار ماہ تک بے ہوش رہتے۔ اِس کیفیت میں آپ کو ظاہری دنیا کی قطعاً کوئی خبر نہ ہوتی۔ آپ راٹھی شہر کے قریب ایک تالاب کے کنارے بیٹھ جاتے اس تالاب میں بڑا گہرا پانی تھا۔ بارش کے موسم میں یہ تالاب لبالب ہوتا۔ آپ سماع کی مجلس جماتے۔ حالت وجد میں کود کر تالاب میں کود جاتے۔ ایک بار مجلس سماع برپا تھی۔ آپ پر وجد وحال کی کیفیت طاری ہوئی۔ ہزاروں حاضرین کے ہوتے ہوئے آپ عالم استغراق میں تالاب میں کود گئے۔ اور دیکھتے دیکھتے پانی کی تہہ میں چلے گئے۔ لوگوں نے جستجو کی۔ غوطہ خوروں نے سارے تالاب کو چھان مارا مگر ناکام رہے۔ آخر ہار کر صبر کر لیا۔ اور لوگوں نے یہ مشہور کر دیا۔ کہ آپ بھی حضرت شیخ قطب الدین بن خواجہ عبد الخالق قدس سرہٗ کی طرح ظاہر بین آنکھوں سے غائب ہو کر رجال الغیب یا ابدال جہاں کے ساتھ جا ملے ہیں۔ چار پانچ ماہ گزرے۔ تالاب کا پانی خشک ہوا۔ گاؤں کے زمینداروں نے تالاب کی مٹی کو اٹھا اٹھا کر اپنے کام میں لانا شروع کر دیا۔ کہ ایک کدال کو کوئی چیز لگی۔ غور سے دیکھا کہ کوئی انسانی بدن زیر زمین دفن ہے۔ نہایت

احتیاط سے اس جسم کو مٹی سے اٹھایا گیا۔ تو حضور صاحب السیر اویسی قدس سرہٗ کا مجسم جسم تھا۔ آپ اسی طرح حالت استغراق اور سُکر میں ہیں۔ قوالوں کو بلایا گیا۔ نعت رسول شروع ہوئی تو آپ نے آنکھیں کھولیں۔ ہوش میں آئے۔ تو لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کہ آپ صحیح سالم ہیں۔

حضرت خواجہ سلیمان قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی بچہ ہی تھا۔ کہ حضرت صاحب الیسر شیخ محکم الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت تونسہ کی مسجد میں نماز ظہر ادا کرنے کے بعد مراقبہ میں بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا۔ کہ ایک کابلی پٹھان آپ کے پاس آیا۔ سلام عرض کرنے کے بعد پاس ہی بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا۔ حضرت میں کسی مرد حق کی تلاش میں ملک بہ ملک پھر رہا ہوں۔ اب قطع مسافت کرتے کرتے پنجاب پہنچا ہوں۔ ابھی تک میرا دامنِ مراد خالی ہے۔ آپ نے سن کر فرمایا مردانِ حق سے نہ دنیا خالی ہے۔ اور نہ کوئی ملک یا شہر ان کے بغیر آباد رہ سکتا ہے۔ وہ ہر ملک اور ہر شہر میں موجود ہوتے ہیں۔ صرف نظر حق بین چاہیئے۔ نظر باطن ہو تو محروم نہیں رہتا۔ اس افغان نے کہا۔ حضور۔ اب میں یہاں سے محروم نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا حصہ تو ایک عرصہ سے ہمارے پاس امانت ہے کیا اپنا حصہ اکٹھا لینے کے خواہاں ہو یا آہستہ آہستہ۔ پٹھان کو بڑا اشتیاق تھا۔ کہنے لگا نہیں حضور میں اسی وقت امانت چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم اس بار گران کی برداشت نہیں رکھتے۔ اگر سے بھی لو۔ تو برداشت نہیں کر سکو گے۔ کہنے لگا۔ میری جان ناتوان مشوق حقیقی کے قربان ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا۔ آگے آ ہو اور کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ زبان سے پڑھو۔ جب اس نے پڑھا۔ شیخ نے بھی اس کے ساتھ پڑھا۔ مگر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی ضرب جو لگائی۔ تو سائل تڑپ کر زمین پر گر پڑا۔ اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ آخر کار افتاں و خیزاں۔ اور تڑپتے تڑپتے حوض میں جا گرا۔ وہ پانی میں گرا ہی تھا۔ کہ حوض کا پانی جوش مارنے لگا یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ دیگ میں پانی ابل رہا ہے۔ حضرت شیخ کی خانقاہ کے درویش بڑی مشکل سے اسے پانی سے نکالنے میں کامیاب ہوئے۔ چند لمحے گزرے تو وہ واصل بحق ہو

گیا۔حضور نے اس شہید عشق الٰہی کی تجہیز و تکفین کی۔ اور سپرد خاک کیا۔

حضرت خواجہ سلیمانؒ یہ واقعہ بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس وقت وہ مجذوب افغان حوض کے پانی میں گرا۔ تو ایک چڑیا نے حوض کے کنارے سے چونچ بھر کر پانی پی لیا۔ اسی وقت مست ہوگئی۔ اسی مستی کے عالم میں اڑی۔ اور مسجد کے مینار پر جا بیٹھی۔ عصر کی نماز کے وقت امام نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی۔ تو چڑیا حالت وجد میں آگئی نیچے آئی۔ اور عالم مستی میں زمین پر تڑپنے لگی۔ پھر پرواز کیا۔ اور مینار پر جا بیٹھی۔ اسی طرح امام اللہ اکبر کہتا تو چڑیا زمین پہ آگرتی۔ تڑپتی۔ اور اڑ کر مینار پہ جا بیٹھتی۔

حضرت محکم الدین صاحب السیرؒ قدس سرہ کے نو خلفا تھے۔ یہ خلفا بڑے بلند مراتب ہوئے انہیں حضور کی فیض تربیت سے خاصا حصہ ملا تھا۔

۱۔ حافظ قمر الدین ساکن کوٹھ قائم رئیس (آپ نواب سرفراز خان حاکم ملتان کے پیر و مرشد تھے۔

۲۔ شیخ محمد سلیم قریشی ثانی قدس سرہٗ

۳۔ شاہ ابو الفتح ساکن مُو د قدس سرہٗ)

۴۔ خواجہ سلیمان قدس سرہ (ان کا مزار آپ کے پہلو میں ہے)

۵۔ شیخ محمد انور ملتانی (آپ بھی حضرت کے پہلو میں آسودہ خاک ہیں)

۶۔ شیخ اللہ داد۔ قدس سرہ آپ ڈیرہ غازیخاں کے تھے۔ مگر آپ کا مزار بھی ملتان میں ہے

۷۔ دیوان محمد غوث جلال پور پیر والہ۔ (آپ پیر قتال کی اولاد میں سے تھے)

۸۔ شیخ دوست محمد قدس سرہ (آپ کا مزار موضع جہانگڑہ میں زیارت گاہ خلق ہے)

۹۔ حافظ عبد الکریم قاری قدس سرہ (آپ قرآن کی قرأت اور خوش آوازی میں سارے پنجاب میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے بعض تذکرہ نگار شیخ جوگی عبد السلام جن کا واقعہ سابقہ صفحات پر گزرا ہے۔ کو بھی آپ خلیفہ دہم شمار کرتے ہیں۔

آپ کا وصال پنجم جمادی الثانی ۱۱۹۷ھ میں ہوا۔ مزار پُر انوار کوٹ بخشا متصل بہاول پور

میں ہے۔ حضرت شیخ غلام اویس اویسی قدس سرہٗ نے آپ کی وفات پر یہ قطع تاریخ لکھا تھا۔

پیر محکم الدین برفت افسوس شد - روح پاکش طاہر فردوس شد

از وصالش ہاتفم تاریخ گفت - لحد آں گل گلشن فردوس شد

۱۱۹۷ھ

سید شاہ حسین بن سید عبدالقادر بن سید حمید گیلانی لاہوری قدس سرہٗ آپ سادات گیلانیہ میں سے تھے۔ مظہر خوارق وکرامات تھے۔ زاہد۔ متقی۔ عالم۔ عامل۔ اور پیر کامل تھے۔ آپ دعا فرماتے تو قبولیت دوڑ کر آئی۔ دنیا وعقبیٰ کے حاجت مند حاضر خدمت ہوتے۔ اور مستفیض ہوتے۔

بادشاہِ شاہ زمان کے لشکر کے حملے کے وقت حضرت نے اعلان کیا۔ کہ ہمارا محلہ لشکر کی لوٹ مار سے محفوظ رہے گا۔ اس لئے ہمارے محلہ کا ایک فرد بھی کسی قسم کا خوف وہراس نہ کرے۔ امر واقعہ یہ ہے۔ کہ شاہ زمان کے لشکر نے سارے علاقے کو لوٹ مار کا نشانہ بنایا۔ مگر حضرت کے محلہ کی طرف ایک سپاہی بھی نہیں آیا۔ اگر کوئی محلے میں داخل ہوا بھی اخلاص وعقیدت کے ساتھ حاضر ہوا۔ اور گردن جھکا کر واپس چلا گیا۔

حضرت کا معمول تھا۔ کہ آپ نے اپنے دروازے کے باہر لکڑی کا ایک تختہ نصب کر دیا تھا۔ لوگ علی الصباح آتے اور پانی کے پیالے اس تختے پر رکھ دیتے۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر اپنے وظائف اور دیگر معمولات سے اٹھ کر باہر نکلتے اور پانی دم کرتے جاتے۔ لوگ اپنا اپنا پیالہ اٹھائے جاتے۔ یہ پانی بیماروں کے لئے آب شفا ہوتا۔ جو پیتا شفایاب ہوتا۔ محلے میں ایک رنگریز فاضل نامی شخص رہتا تھا۔ وہ آپ سے حسد کرتا۔ عداوت رکھتا۔ اور اپنے بغض کا اظہار کرتا رہتا۔ ایک دن اس کی بدبختی یہاں تک پہنچی۔ کہ جس تختے پر لوگ پیالے رکھتے تھے۔ ہر رات اندھیرے میں گندگی پھینک دیتا۔ لوگ اپنے طور پر اس تختے کو صاف کر دیتے۔ آہستہ آہستہ یہ خبر حضرت تک پہنچائی گئی کہ کوئی گمنام شخص یہ حرکت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تم لوگ صبر کرو۔ ایسا کرنے والا اللہ کے غضب سے بچ نہیں سکتا خود پھنس جائے گا۔ چند دن گزرے تھے کہ فاضل

زنگریز کا دماغی توازن خراب ہو گیا۔ وہ گلیوں میں پھرتا۔ اور گندگی اٹھا اٹھا کر کھاتا۔ آخر اسی حالت میں مرگیا نعوذ باللہ من غضب الاولیاء۔

ایک دن آپ کی ایک خادمہ بی بی نامی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر گذارش کی حضور میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ کرم فرمائے۔ آپ نے دعا کی۔ اور فرمایا تقدیر میں لکھا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ چار بیٹے دے گا۔ ایک تو بچپن میں ہی فوت ہو جائے گا۔ دوسرا دور دراز ممالک کے سفر میں نکل جائے گا۔ اور واپس نہیں آئے گا۔ تیسرا فقیر ہو جائیگا البتہ چوتھا تمہارے پاس رہے گا۔ اور دنیا داری میں ترقی کرے گا۔ ایسا ہی ہوا۔

حضرت شاہ حسین قدس سرہٗ گیارہ ربیع الثانی ۱۲۰۵ھ میں فوت ہوتے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۹ سال تھی۔ آپ کا مزار گوہر بار سید مٹھ لاہوری میں واقعہ ہے۔

چو شد پرتو افگن بخلد بریں - حسین آن بچشم جہاں نور عین
بتاریخ ترحیل آن شاہ دین - بگو شاہ عاشق مکرم حسین
۱۲۰۵ھ

سید عبدالکریم المشہور بہ بہاول شاہ بن سید شاہ بلاق لاہوری قدس سرہ

آپ بارہ ظفرخانی سادات میں سے تھے آپ کے مشائخ برگزیدہ روزگار تھے وہ خود متاخرین میں سے نہایت واجب الاحترام تھے۔ آپ بڑے عابد۔ زاہد۔ متقی اور خدا پرست تھے۔ اور صاحب جذب واستغراق تھے۔ ہر سلسلۂ تصوّف سے حصۂ فقر حاصل کیا تھا آپ سلسلہ اعظمیہ قادریہ میں چند واسطوں سے نسبت روحانی رکھتے تھے۔ حضرت میاں میر قادری لاہوری کی نسبت سے سیدنا پیران پیر دستگیر غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی تک سلسلہ روحانیت پہنچتا ہے۔

"سید بہادر شاہ مرید شاہ بلاق (اپنے والد) جن کا مزار چبارہ چھجو کے پاس ہے) کے تھے۔ وہ شاہ عبدالرشید لاہوری۔ وہ شیخ محسن شاہ۔ وہ شیخ محمد ملّا شاہ وہ میاں محمد میر بالا پیر لاہوری۔ اور وہ حضرت خضر ستیانی اور وہ سید احمد۔ اور وہ شیخ عابد کبیر اور وہ شاہ ابوالقاسم

اور وہ حضرت موسیٰ حلبی اور وہ شاہ ابوبکر اور وہ شاہ دادو اور وہ شاہ سلیمان۔ اور وہ مرید۔ یٰ شیخ زید۔ اور وہ شیخ قرشی۔ اور وہ حضرت آلافاق عبدالرزاق خلف الصدق غوث الاعظم سلطان العالم محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی قدس سرہم اللہ تعالیٰ۔ کے مرید تھے۔"

سید بھاون شاہ مادرزاد ولی اللہ تھے۔ بچپن سے ہی آثار بزرگی نمایاں ہوتے۔ بڑے صاحب کمال و جلال بزرگ تھے۔ اپنے والد مکرم کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر جلوہ فرما ہوئے۔ پہلے پہل موضع مزنگ میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ پر جذب و استغراق کی کیفیت غالب تھی۔ سردیوں میں شیخوپورہ تشریف لے گئے۔ وہاں ہی تجرید و تفرید کی حالت میں بارہ سال تک عبادت میں مصروف رہے۔ ایک عرصہ بعد میرپور جو دامن کوہ میں واقع ہے۔ تشریف لے گئے۔ اس علاقہ کے گکھڑ قبائل کے لوگ آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ ہزاروں لوگ دور دراز سے حاضر ہوتے اور فیضیاب ہوتے اس قیام کے دوران آپ سے بے پناہ کرامات ظہور میں آئیں۔

ایک دن آپ کی ایک خادمہ جو گانا بجانا جانتی تھی۔ آپ کی مجلس میں حاضر تھی اور گا رہی تھی۔ ناگاہ ایک طرف سے گرد و غبار اٹھتا نظر آیا۔ دُور سے گھوڑ سواروں کا ایک لشکر دکھائی دیا۔ نزدیک آئے تو معلوم ہوا کہ ایک صاحبزادے اپنے مریدوں کے لشکر کے ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ یہ صاحبزادے پشاور سے چلے اور میرپور آئے۔ سواروں کا ایک اجتماع لئے اور خود پالکی پر سوار تھے۔ مطربہ نے گذارش کی۔ حضور ہم لوگ آپ کے لئے بھی ایک پالکی بنالیں۔ تاکہ آپ بھی اسی شان و شوکت سے سفر کریں۔ حضرت مسکرائے۔ فرمانے لگے۔ اندرونی شان و شوکت ظاہر شان بان سے زیادہ بہتر ہے۔ اگر اس صاحبزادہ نے اتنے انسانوں کو جمع کرلیا ہے تو تعجب کی بات نہیں یہ سارا آدم زاد ہیں۔ ہم جنس ہیں۔ ان کا جمع ہو جانا تو کوئی بڑی بات نہیں اگر ہم چاہیں تو ان وادیوں اور جنگلوں سے جنگلی درندوں کو جمع کرلیں۔ اور وہ بے شمار ہمارے نزدیک جمع ہو جائیں۔ مگر ایسا کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ آپ یہ بات فرما ہی رہے تھے کہ چاروں طرف سے درندے۔ جانور۔ وحوش وطیور بیابانوں سے نکل کر دوڑے دوڑے چلے آ

رہے ہیں۔ ہرن اور وحشی جانور یک طرف دوڑے آرہے ہیں۔ حضرت نے دیکھا تو فرمایا تم کدھر چلے آرہے ہو۔ میں نے تو صرف بات کی ہے۔ میں نے تمہیں طلب تو نہیں کیا۔ یہ سنتے ہی جانور واپس چلے گئے۔

شاہ زمان بادشاہ پنجاب کابل کو روانہ ہوا۔ شاہ زمان کے ایک مصاحب کو سکھوں نے قتل کر دیا۔ اور اس کے علاوہ سکھوں نے سارے پنجاب میں اندھیری گردی پھیلا دی۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ اسی دوران سکھوں کا لشکر جو صاحب سنگھ بیدی کی کمان میں مسلمانوں کو قتل کر رہا تھا۔ پنجاب کے قصبوں اور دیہات میں تباہی مچا رہا تھا۔ وہ مسلمانوں کو جہاں دیکھتا قتل عام کرتا۔ گھروں کو لوٹ لیتا۔ چنانچہ ان ظالموں نے سینکڑوں مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ اور علاقوں کے علاقے لوٹ لئے۔ یہ جتھہ میرپور کے قریب پہنچا تو مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ میرپور کے مسلمان جمع ہو کر حضرت بہاون شاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور کہنے لگے ہمیں مقابلہ کے لئے تیار ہونا چاہیئے۔ حضرت نے فرمایا۔ لڑنا یا مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔ تم بلا فکر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ میں تمام معاملہ اپنے ہاتھ میں لیتا ہوں۔ لوگ آرام سے اپنے گھروں میں جا بیٹھے۔ سکھوں کا لشکر آیا۔ اور میرپور پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ پہلے ہی حضرت کی خانقاہ میں داخل ہوئے۔ آپ کا چہرہ درخشاں دیکھا۔ تو سوچنے لگے۔ کہ ایسے لوگوں کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت بہاون شاہ نے ایک نگاہ ڈالی۔ یہ سارا ہراول دستہ مسلمان ہو گیا اور کلمہ شہادت کا ذکر کرنے لگا۔ یہ انقلاب آفریں صورت حال دیکھتے ہی سکھوں کے سارے لشکر میں تفرقہ پڑ گیا۔ صاحب سنگھ بیدی نے خود حضرت کی زیارت کی۔ اشرفیوں کا بھرا ہوا ایک طشت لے کر نذرانہ پیش کیا۔ مگر آپ نے یہ نذرانہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا۔ اگر خیریت مطلوب ہے۔ تو اپنا سارا لشکر لے کر نکل جاؤ نہیں تو سب کے سب دامن اسلام میں آجائیں گے۔ صاحب سنگھ اپنا لشکر لے کر آگے بڑھا اور دوسری طرف نکل گیا۔

حضرت بہاون شاہ کی وفات ۱۲۱۳ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار میرپور میں ہے۔

چوں شہ عبدالکریم اے شیخ حق - رفت از دنیا بجنات النعیم
گشت تاریخ وصال او عیاں - متقی پیشوا سید کریم
۱۲۱۳ھ
شیخ فیروز است - دیگر بختیار - سال وصل آن شہ جنت مقیم
۱۲۱۳ھ ۱۲۱۳ھ

آپ لاہور کے فضلا اور علما دین سے تھے

مولوی غلام فرید لاہوری قدس سرہ:- ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع تھے بڑے عامل۔ کامل۔ ذاکر اور شاغل تھے۔ ساری عمر درس و تدریس میں وقف کر دی۔ دنیا اور اہل دنیا سے کوئی واسطہ نہ رکھا طبیعت میں تنہائی اور یکتائی ہی رہی۔

آپ نے ۱۲۱۶ھ میں وفات پائی۔

چوں فرید آں ناصل دَور زماں - از جہاں در جنت والا رسیدا
تاج اخیار ست سال او دگر - زبدۂ دین متقی مرد فرید
۱۲۱۶ھ ۱۲۱۶ھ

آپ ہندوستان کے علماء

مولانا عبدالباسط بن مولانا رستم علی قدس سرہ:- کرام اور فقہائے عظام میں سے تھے۔ حدیث و تفسیر و فروع و اصول میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک علامت تھے آپ علوم قرانیہ میں ماہر مانے جاتے تھے۔ اپنے زمانے میں شہرہ آفاق عالم دین مانے جاتے تھے آپ کی شہرت سارے ہندوستان میں تھی۔ تفسیر ذوالفقار خانی اور رسالہ عجب البیان فی علوم القرآن کے مصنف تھے۔ علماء و فضلاء میں مقبول تھے۔

اس جامع تفصیلات عالم دین کی وفات ۱۲۲۳ھ میں ہوئی

عبد باسط چوں ز دنیا نقل کرد - سالِ وصل آں شہ برنا و پیر
عارفِ حق رستم دین کن رقم - نیز فرما صاحبِ فیضِ کبیر
۱۲۲۳ھ ۱۲۲۳ھ

مفتی رحیم اللہ بن مفتی رحمت اللہ قریشی قدس سرہ: (جدِ امجد حضرت مولّف کتاب)

آپ جامع اوراق (مولّف خزینتہ الاصفیاء فارسی) کے جدِ امجد تھے آپ بڑے خدا پرست اور متبرک انسان تھے۔ رحیم وکریم اور عابد و زاہد تھے۔ طبیعت میں مسکینی اور مزاج میں انکساری پائی جاتی تھی۔ دنیاوی جاہ وجلال اور ظاہری شان وشوکت سے اجتناب کرتے تھے اپنی ہاتھ کی کمائی سے حلال کی روزی کماتے تھے۔ اور محنت مزدوری کر کے روزی کمانے میں عار محسوس نہ کرتے تھے۔ اپنی محنت کا چوتھا حصہ علیحدہ کر کے غربا میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ باقی تین حصے اہل وعیال میں خرچ کر دیا کرتے۔ ان کا یہ معمول تھا کہ آج کی کمائی کو کل کے لئے نہ رکھتے تھے۔ حافظ محمد آپ کے سگے بھائی تھے۔ بڑے مالدار اور خوشحال تھے۔ آپ کو اپنے پاس بلاتے اور کہتے۔ کہ تم نے ہمارے خاندان کی عزت کو برباد کر دیا ہے جو لوگ کل تک ہمارے محکوم تھے۔ تم ان کے سامنے محنت مزدوری کرتے ہو۔ اگر تم یہ کام چھوڑ دو۔ تو میں تمہارے سارے خاندان کے اخراجات برداشت کروں گا۔ آپ کی اس بات کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے۔ غربت اور تنگدستی انبیاءِ کی سنت ہے اور حلال روزی کے حصول پر وقت دینا ہمارا ورثہ ہے۔ میں اس چیز کو ترک نہیں کر سکتا آخری عمر میں بدنی اور جسمی طاقت جواب دے گئی۔ تو کوٹلی مفتیاں کی بڑی مسجد جسے مفتی کمال الدین نے تعمیر کیا تھا۔ بیٹھ گئے اور تدریس قرآن میں مشغول ہو گئے اور روحانی طور پر سلسلہ سہروردیہ کی تلقین فرماتے تھے۔ ذکر حق میں احباب کو مشغول رکھتے۔ اور اعمال و وظائف سہروردیہ پر کاربند ہوتے۔

آپ کی وفات ۱۲۳۵ھ میں ہوئی۔

رحیم اللہ چو شد در خلد اعلیٰ - ندا از بہر سال وصل رضوان
کہ تاج الاتقیاء مہر جمال ست - دگر مفتی شرع اطہر اے جان

۱۲۳۵ھ — ۱۲۳۵ھ

شیخ نور احمد المشہور حسین بنور قادری قدس سرہ:- آپ سید عبدالکریم بہاون شاہ قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص تھے صاحب جذب و استغراق جذب و مستی تھے۔ خوارق و کرامت ظاہر ہوتیں۔ حالت جذب میں بتیس سال تک ایک جگہ قیام رہا۔ کھانا پینا ترک کر دیا۔ ذکر نفی و اثبات کرتے تھے۔ در و دیوار شجر و حجر آپ کے ذکر میں شامل ہوتے۔

ایک دفعہ سرحد کے زمینداروں کے دو خاندانوں میں زمین کے معاملہ میں تنازعہ ہو گیا۔ دوسرا فریق زور آور بھی تھا اور سرکش بھی۔ چنانچہ انہوں نے چارسو کھاتے زبردستی اپنے قبضہ میں کر لئے اور حاکم وقت کے حکم سے برجیاں بطور نشان قائم کرلیں۔ مظلوم فریق حضرت کے خدام میں سے تھے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور صورت حال بیان کی۔ آپ نے فرمایا تمہاری زمین کا حق تمہیں دے رہا ہوں اور برجیوں کو اکھاڑ رہا ہوں۔ اور جہاں انصاف سے حق بنتا ہے وہاں نصب کر رہا ہوں چنانچہ دوسرے ہی دن غائب سے یہ برجیاں خود بخود اپنی جگہ پر نصب ہو گئیں۔ مخالفین نے پھر سرکشی کی۔ زبردستی برجیاں اکھاڑ دیں۔ مگر دوسرے دن پھر اسی جگہ نصب ہو جاتیں جہاں آپ نے نصب کرائی تھیں۔ ناچار ہو کر مخالف فریق نے منصف حقیقی کے فیصلے کو مان لیا۔

ایک بار حضرت کی گائیں بھینسیں چوری ہو گئیں۔ لوگوں نے آپ کو اطلاع دی تو آپ نے فرمایا یہ مویشی فلاں گاؤں کے زمیندار لے گئے ہیں۔ ان کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ یہ مال تو نور حسین کا ہے اسے واپس کر دو۔ ورنہ اللہ کے غضب کے لئے تیار رہو۔ انہیں کہا گیا۔ مگر انہوں نے آپ کے حکم کی پرواہ نہ کی بلکہ حضرت شیخ نور حسین کے متعلق ناگوار اور

گستاخانہ باتیں کیں۔ آپ کے خدام خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضرت کی آتش غضب جوش میں آئی۔ خشک گھاس کا ایک دستہ اٹھایا۔ اس پر دم کیا۔ اسی وقت گھاس میں آگ بھڑک اٹھی۔ آپ نے فرمایا۔ ان چوروں کے گھر۔ املاک۔ مال و متاع زراعت و شجر کو میرے اللہ کے غضب نے جلا کر خاکستر کر دیا ہے۔ کہتے ہیں۔ ادھر چوروں کے گاؤں پر اللہ کے غضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ سارا گاؤں۔ مال و متاع اور مویشی جل کر راکھ ہو گئے۔ آج تک اس جگہ وہ گاؤں آباد نہیں ہو سکا۔ نعوذ باللہ من غضب الاولیاء۔

آپ ۱۲۳۶ھ میں فوت ہوئے۔ شیخ رسول شاہ آپ کے خلیفہ ہیں۔ جو آج تک (تا حین حیات مؤلف کتاب) مسند آرائے ہدایت و ارشاد ہیں۔ ایک سال ہوا۔ لاہور تشریف لائے تھے۔ راقم الحروف بھی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ بڑے بابرکت۔ خوش خلق خوش زبان۔ خوش کلام۔ خوش رو اور خوش گو بزرگ ہیں۔ اس خاکسار پر بڑی عنایات فرمائیں خصوصی توجہ سے نوازا۔

شیخ نور حسین روشن دل - یافت چو از جہاں بجنت بار
رحلتش مظہر کمال بگو - نیر ماہ منیر فیض اے یار
۱۲۳۶ھ ۱۲۳۶ھ

مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہٗ: امام المحدثین مقتدائے مفسرین۔ جامع علوم ظاہری و باطنی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ علم و حلم۔ زہد و ورع۔ تقوی و تدریس میں بلند رتبہ رکھتے تھے آپ کے لاتعداد شاگرد اور عقیدت مند پیدا ہوئے۔ آپ کی شاگردی میں نہ صرف برصغیر ہندوستان کے طلباء رہے۔ بلکہ عالم اسلام کے اکثر اہل علم آپ کے خوان علم سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ ان شاگردوں نے دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ کر علم و فضل کے چشمے جاری کئے۔ مسلمانوں کے سیاسی زوال کے اس زمانہ میں اگر آپ کی ذات بابرکات کو خاتم العلماء اور ختم الفضلاء کہا

جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ نے مختلف علوم پر بڑی بڑی جامع کتابیں لکھیں تھیں جن میں عقائد و نظریات پر سر الشہادتین اور بستان المحدثین اہل علم کی راہنمائی کرتی ہیں تفسیر عزیزی جو سورۂ بقرہ اور آخرین دو سیپاروں پر مشتمل ہے۔ نہایت مقبول و محبوب خلق ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ تفسیر عزیزی کے مخصوص طرز بیان پر آج تک ہمارے اسلاف میں سے بھی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ کتاب تحفۂ اثنا عشریہ شیعہ نظریات و عقائد کے رد میں بے مثال اور لاجواب کتاب ہے۔ آج تک شیعہ علماء اس کتاب کا جواب نہیں دے سکے[1]

آپ صحیح اقوال سے ۱۲۳۹ھ میں واصل بحق ہوئے تھے آپ کا مزار پر انوار دہلی میں ہے۔

چو عبدالعزیز آن ولی خدا - کہ دنیا بچشمش نبود ہیچ چیز
برفت از جہاں سال وصلش بجو - ایں وائے فیض عبدالعزیز
۱۲۳۹ھ

---

[1] مولوی رحمان علی تذکرہ علماء ہند میں لکھتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے نامور فرزند تھے ۱۱۵۹ / ۱۷۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام غلام حکیم تھا پندرہ سال کی عمر میں والد مکرم سے علوم عقلیہ و نقلیہ میں کمال حاصل کیا والد کی وفات کے بعد مسند ارشاد و تدریس پر بیٹھے۔ آپ اللہ کی نشانیوں میں ایک نشانی تھے۔ زبان و قلم تعریف و توصیف سے قاصر ہے ۷ شوال ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء میں انتقال ہوا۔ شاہ عبدالعزیز کا زمانہ مغل دور کا زوالی دور تھا سلطنتِ اسلامیہ ہندوستان میں دم توڑ رہی تھی۔ دہلی میں نجف خان کی حکمرانی تھی۔ یہ شیعہ ہونے کی وجہ سے شاہ صاحب کا بدترین مخالف تھا اُس کے ہاتھوں آپ کو بڑی اذیتیں اٹھانا پڑیں۔ حتیٰ کہ آپ کو شہر بدر کر دیا گیا۔ جائداد ضبط کر لی گئی۔ ان تمام آزمائشوں کے باوجود حضرت کا علمی فیضان جاری رہا۔ عزیز الاقتباس۔ رسالہ بلاغت۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز۔ وسیلہ نجات تحقیق الرؤیا۔ سر الجلیل۔ میزان الکلام۔ حاشیہ مرزاہد۔ ملا جلال شرح مواقف حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ بھی آپ کی علمی تصانیف ہیں۔ مفصل حالات کے لئے دیکھئے۔ مجموعہ حالات عزیزی (ظہیر الدین سید احمد دہلوی) تذکرہ عزیزیہ (قاضی بشیر الدین) کمالات عزیزی (نواب مبارک علیخان) آثار الصنادید جلد چہارم۔ حدائق الحنفیہ (مولوی فقیر محمد جہلمی) اخبار رنگین۔ تراجم اہل حدیث۔ تذکرہ کاملان رام پور۔ تراجم الفضلا۔ نزھۃ الخواطر (مترجم)

آپ خواجہ صالح محمد بن خواجہ عبد الخالق اویسی

شیخ سلطان بالادین اویسی قدس سرہٗ:- کے خلیفہ خاص تھے حضرت خواجہ محکم الدین اویسی قدس سرہ سے بھی فیض پایا تھا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر جلوہ فرما ہوئے اور ایک عرصہ تک خلق خدا کو ہدایت کرتے رہے۔

آپ کی وفات ۱۲۴۱ھ میں بتاریخ چہارم جمادی الثانی کو ہوئی تھی شعرا میں سے ایک نے آپ کی وفات پر مصرع لکھا تھا ؎ آہ خالا خلق بے سلطان شد ۱۲۴۱ھ: آپ کے فرزندارجمند شیخ شہاب الدین سجادہ نشین اور شیخ غلام اویس تاہنوز (بحیات صاحب خزینۃ الاصفیاء) بقیدِ حیات ہیں۔ اللہ انہیں سلامت رکھے۔

چو سلطان زدار الفنا بست رخت - تو تاریخ ترحیل توصیل آن
ز مخدوم سلطان عرفان بجو - دگر نامور شیخ بالا بخواں

۱۲۴۱ھ ۱۲۴۱ھ

عالم و عامل فقیہہ

مولانا عبد القادر بن مولانا ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ:- کامل تھے علمِ حدیث و تفسیر میں بڑے معروف تھے۔ آپنے تفسیر فتح الرحمان کے نام سے قرآن پاک کا اردو (ہندی) ترجمہ بڑی فصاحت و بلاغت سے کیا تھا۔ یہ تفسیر اردو کی ابتدائی تفسیروں میں سے ہے جو بہت مقبول و محبوب خاص و عام ہوئی۔

آپ کی وفات ۱۲۴۲ھ میں ہوئی [۱]۔

---

[۱]:۔

جناب عبد قادر آنکہ علمش ۔ چومہ روشن شد از مہ تا بہ ماہی
ولی منظور گو سال وصالش ۔ دوبارہ جوز منظور الٰہی

۱۲۴۲ھ ۱۲۴۲ھ

مولوی محمد ولی اللہ بن سید احمد علی حسینی قدس سرہ:- آپ فرخ آباد میں قیام پذیر تھے۔ اپنے وقت کے علماء عظام میں سے تھے۔ تفسیر نظم الجواہر آپ کی تالیف ہے۔ یہ کتاب ۱۲۳۶ھ میں لکھی گئی تھی۔ اور کتاب کا نام تاریخی ہے۔ یہ کتاب اسم بامسمّٰی ہے علماء وقت نے اسے پسند بھی کیا اور کسی عالم دین نے اس پر اعتراض و تنقید نہیں کی۔

آپ کا وصال ۱۲۴۹ھ میں ہوا تھا۔

چوں ولی اللہ ولی اہل دل ۔ از فنا سوئے بقا بربست رخت
ارتحال او بگو شمس الضحیٰ ۔ ہم بخواں راغب ولی اے نیک بخت

۱۲۴۹ھ ۱۲۴۹ھ

مولوی غلام رسول فاضل لاہوری قدس سرہ:- آپ فاضل کبیر اور عالم باتوقیر تھے۔ آپ کی ذات بابرکات چشمۂ فیض اور سرچشمۂ علم و فضل تھی۔ سارے پنجاب میں ایک بھی ایسا عالم دین نہ تھا۔ جس نے آپ کے مدرسہ سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ اور آپ کے علم و فضل میں سارے پنجاب میں کوئی ثانی نہ تھا۔ ہزاروں اہل علم آپ سے پڑھ کر نکلے۔ اور فضیلت علمیہ تک پہنچے۔

چوں غلام رسول طالب حق ۔ از جہاں شد بجنت والا
ارتحالش بگو چراغ ولی ۔ ہم دگر کاشف الضحیٰ فرما

آپ بڑے عابد وزاہد بزرگ

شیخ لدھے شاہ مونیہ ساز لاہوری قدس سرہٗ:- تھے۔ متقی تھے۔ خداترس تھے۔ صاحب علم وخلق تھے۔ آپ خاندانِ قادریہ سے نسبت روحانیت رکھتے تھے۔ لاہور میں ہنگی سازی کا کام کرتے تھے۔ یعنی غرباں وچھانی، بنایا کرتے تھے۔ اسی ہنر سے حلال کی روزی کماتے۔ اور محنت سے معیشت کا حل کرتے تھے۔ آپ گوشہ نشین تھے۔ اور اپنے دروازے اہل دنیا پر بند رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے دروازے کے سامنے ایک بڑی چھانی نصب کی ہوئی تھی۔ دروازہ بند ہوتا۔ خریدار آتا۔ تو آپ کے دروازے کا حلقہ کھٹکھٹاتا۔ حضرت شیخ بالاخانہ کی ایک باری سے منہ باہر نکال کر سوداطے کرتے چھانی لٹکاتے اور رقم اسی طرح وصول کرتے۔ خریدار کو آپ کے مال پر اتنا اعتماد ہوتا کہ آپ سے ناقص چیز آنے کا خدشہ تک نہ تھا۔ آپ اپنی اس مزدوری کے تین حصے کر لیا کرتا۔ ایک حصہ خود خرچ کرتے۔ تیسرا حصہ اللہ اور رسول کے نام پر جمع کرتے۔ اور ہر ماہ غربا ومساکین میں تقسیم کر دیا کرتے۔ تیسرے حصے سے نزدیکی غریب رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا کرتے۔

بسا اوقات شہر کے چوروں کو بھی آپ سے استفادہ کرنے کا موقعہ مل جاتا۔ آپ کا دروازہ تو بند ہوتا تھا۔ مگر جو چھانی آپ نے باہر لٹکائی ہوتی اسے چرا لے جاتے۔ حالانکہ رات کے وقت آپ اپنے مکان سے چوروں کی اس حرکت کو دیکھا کرتے۔ اور خاموش رہتے فرمایا کرتے اگر یہ بدبخت چوری کرنے کی بجائے ایک چھانی مجھ سے مانگ لیتا۔ تو مجھے ثواب مل جاتا۔ اس نے چوری کی۔ جرم کیا۔ مجھے ثواب سے محروم کر دیا۔

لاہور کے بعض تنگدست لوگ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے حضرت شیخ سے قرض لے لیتے۔ آپ خوشی خوشی دے دیتے۔ مگر تقاضا کبھی نہ کرتے تھے۔ بسا اوقات یہ قرض دار دوسری تیسری بار قرضہ لے جاتے۔ آپ سابقہ قرضہ یاد دلانے کی بجائے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور مزید قرضہ دے دیا کرتے قرض خواہ خیال کرتے کہ غالباً شیخ کو سابقہ قرضہ بھول گیا

ہے۔اگر کوئی قرضہ ادا کرنے آپ کے دروازے پر آتا۔ تو فرمایا کرتے۔اتنی جلدی بھی کیا تھی آپ نے تکلیف اٹھائی ہے۔اگر ابھی ضرورت ہو۔ تو رکھو۔میری طرف سے کوئی فکر نہ کرو۔
وفات سے پہلے ایک قریبی دوست سے بات کر رہے تھے۔کہ مجھ پر بزرگان سلف کی شفقت کا یہ عالم ہے۔کہ ایک طرف حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش اپنی طرف بلاتے ہیں۔ دوسری طرف شاہ محمد غوث گیلانی اپنی طرف طلب فرمارہے ہیں۔اور یہ بزرگ چاہتے ہیں۔کہ میرا مدفن ان کے پہلو میں ہو۔میرا دل چاہتا ہے کہ حضرت شاہ محمد غوث کے پہلو میں جگہ ملے کیونکہ خاندان قادریہ کی وجہ سے جناب غوث الاعظم کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں۔وفات کے بعد آپ کے احباب اور لواحقین میں اختلاف ہوا۔مگر آپ کی خواہش اور وصیّت کے مطابق آپ کو جوار شاہ محمد غوث میں جگہ ملی۔اور آپ کو وہاں ہی دفن کر دیا گیا۔

مرد مقبول شیخ لدھے شاہ ۔ گشت روشن بخلد مثل خلق
رحلتش رحمت خدا فرما ۔ نیز جو وصل او ز مظہر حق

۱۲۵۳ھ ۱۲۵۳ھ

آپ وقت کے عظیم محدث

قاضی عبدالسلام بن عطاء الحق بدادنی قدس سرہ:۔ اور مشہور مفسر قرآن تھے آپ نے نظم میں زاد آلاخرت کے نام سے تفسیر قرآن لکھی۔تفسیر کی تاریخ تالیف ۱۲۴۴ھ ہے تفسیر کا نام بھی تاریخی ہے۔یہ تفسیر تقریباً دو لاکھ اشعار آبدار پر مشتمل ہے۔عوام وخواص میں بڑی مقبول ومحبوب ہوئی تھی۔آپ کی وفات ۱۲۵۷ھ میں ہوئی۔

رفت چوں عبدالسلام از دارِ دول ۔ ارتحال او بقولِ خاص وعام
ماہتاب حسن مخدوم آمد است ۔ ہم بخواں قاضی حق عبدالسلام

آپ دہلی کے علماء کبار میں سے تھے حضرت

شیخ مولانا محمد اسحاق دہلوی قدس سرہ: شاہ مولانا عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

کے نواسے تھے۔ علوم فقہ و تفسیر اور حدیث میں مدارج بلند کے مالک تھے۔ آپ کی وفات سنہ ۱۲۶۲ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔[1]

شیخ اسحاق رہبر آفاق ۔ آنکہ فراتش بدو جہاں طاقست
دل بسالِ وصال او سر در ۔ گفت اسحاق شیخ آفاق است

۱۲۶۲ھ

مولوی غلام اللہ لاہوری رح: آپ لاہور کے فاضل علماء کرام میں سے تھے۔ آپ استادِ کل مظہر کمالات دینی اور دنیوی ہوئے ہیں۔ علم و حلم۔ سخا و عطا میں شہرت رکھتے تھے۔ تدریس و تعلیم میں متقدمین میں سے سبقت لے گئے تھے۔ ہزاروں لوگ آپ کے وسیلہ جمیلہ سے زیور علم دین سے آراستہ ہوئے۔ علوم نثر و نظم صرف و نحو منطق و معانی۔ فقہ و حدیث اور تفسیر میں یکتائے روزگار تھے۔ علماء کرام میں لاہور شہر میں جس شخص نے عَلَم علم تدریس بلند رکھا وہ آپ کی ذات گرامی تھی۔ حالانکہ لاہور کا یہ زمانہ بڑا افراتفری کا دَور تھا۔ پنجاب بھر کا کوئی ایسا عالم نہیں تھا۔ جس نے اس چشمۂ فیض سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ آپ کا سارا خاندان علم و فضل کا سرچشمہ تھا۔ آپ کے والد حضرت غلام فرید اور آپ کے برادر گرامی مولانا غلام رسول فاضل لاہوری (جن کا ذکرِ خیر سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے) بھی تدریس و تعلیم میں یکتائے روزگار تھے۔

---

[1]:۔ صاحب تذکرہ علماء ہند نے لکھا ہے کہ آپ نے علوم متداولہ کی تحصیل اپنے نانا شاہ عبدالعزیز دہلوی سے کی تھی فتاویٰ ہندی اور مسائل اربعین آپ کی تصانیف میں سے ہیں آپ کے والد حضرت محمد افضل فاروقی تھے۔ مغل دَور کے زوال اور ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی سے پہلے یعنی ۱۸۴۱ء میں آپ ہندوستان چھوڑ کر مکہ مکرمہ چلے گئے۔ جہاں ایک عرصہ رہے اور ۱۲۶۲ھ میں انتقال ہوا۔ جن علماء کرام نے جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ ان میں سے آپ شاگرد مفتی عنایت اللہ کاکوری، صدر آمین بریلی۔ مولانا عبدالجلیل کوٹلی۔ مفتی صدرالدین آرزدہ شاہ ابو سعید مجددی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (مترجم)

آپ کی وفات ۱۲۷۲ھ میں ہوئی تھی۔ اور مادۂ تاریخ وفات مرجع الفضلاء سے
۱۲۷۲ھ
نکلتی ہے۔

غلام اللہ چو از دنیا سفر کرد ۔ بسال وصل آن شاہ معلیٰ
بگن اسعد غلام اللہ تحریر ۔ غلام اللہ حق آگاہ فرما
۱۲۷۲ھ ۱۲۷۲ھ

آپ جامع اوراق

مفتی غلام محمد قریشی بن مفتی رحیم اللہ لاہوری قدس سرہٗ :- (مفتی غلام سرور لاہوری) اور راقم الحروف کے والد گرامی تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسبت چند واسطوں سے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی سے ملتا ہے۔ آپ دینی علوم میں اپنے آباؤ اجداد کی طرح شہرت یافتہ تھے اطاعت وعبادت میں بڑا وقت دیتے۔ ظاہری علوم میں آپ حضرت مولوی غلام رسول لاہوری قدس سرہٗ کے شاگرد تھے۔ کم کھاتے۔ کم سوتے اور بہت تھوڑی گفتگو کرتے۔ رات کا ایک حصہ باقی ہوتا۔ تو بیدار ہو جاتے۔ نماز تہجد طویل قرأت سے ادا کرتے۔ نماز فجر کے بعد درود پاک پڑھتے۔ پھر نفی اثبات کا ذکر کرتے۔ ذکر اسم ذات میں مشغول ہوتے۔ دو سیپارے تلاوت کرتے۔ اور نوافل اشراق سے فارغ ہو کر مسجد کے دروازے پر بیماروں اور محتاجوں کے حالات سنتے۔ طبیب کی حیثیت سے بیماروں کو دوا تجویز فرماتے دردمندوں کے لئے دعا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا اور دوا میں شفابخشی تھی آپ کی طبّی شہرت سن کر لاہور کے دور دراز دیہات سے مریض چلے آتے تھے۔ آپ کا قیام موضع مزنگ میں تھا۔ یہاں بے پناہ لوگ حاضر ہوتے۔ بیماروں سے فارغ ہو کر کتابت فرماتے کتابت قرآن بطور ثواب و عبادت کرتے۔ دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ پھر نماز ظہر ادا فرمایا کرتے نماز ظہر کے بعد پھر کتابت فرمایا کرتے تھے۔ اسی دوران آپ کے پاس آپ کے شاگردوں

کا ایک جمگٹا رہتا۔ جسے اصلاح خوشنویسی دیتے تھے جو اہل حاجت آتا۔ محروم نہ جاتا۔ نماز عصر کے بعد کھجوروں کی گٹھلیاں چادر پہ بچھادی جاتیں اور آپ خود اپنے احباب کے ساتھ درود پاک پڑھتے آپ کی اس محفل درود میں آپ کے شاگردوں کے علاوہ آپ کے احباب خاص ملک حیدخان دریام خان۔ قاسم خان۔ قادر خان افغان وغیرہ شرکت کرتے تھے۔ شام کے بعد بعض شاگردوں کو سبق دیا کرتے تھے۔ آپ کا ہر کام محبت اور خلوص کا آئینہ دار ہوتا تھا۔

آپ کا وقت عزیز قرآن پاک کی کتابت میں گزرتا۔ قرآن پاک کی کتابت مکمل ہوتی تو تین بار اس کا مقابلہ اور موازنہ کرتے اور اغلاط کتابت کی درستگی فرماتے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ساری عمر کتابت قرآن پاک میں گزری۔ سن بلوغت سے آخر تک ایک نماز قضا نہ ہوئی۔ وفات سے پہلے کی تین نمازیں جبکہ آپ پر سکرموت اور بے ہوشی طاری تھی ادا نہ کی جا سکیں۔

آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ بنی آدم اگرچہ سراپا گنہگار اور پر تقصیر ہیں۔ مگر اس فقیر گنہگار کو اللہ تعالےٰ نے گناہ کبیرہ سے محفوظ رکھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور بزرگان کرام کی عنایت کا ثمرہ ہے۔ اس جامع کمالات کی وفات ۹ ماہ ربیع الثانی ۱۲۷۶ھ کو ہوئی آپ کی وفات سے پانچ سال پہلے فالج کے شدید مرض میں مبتلا ہوئے۔ لیکن اس مرض کی شدت کے باوجود ایک لمحہ کے لئے یاد خداوندی سے غافل نہیں رہے۔ ہمیشہ تسبیح ہاتھ میں رہی۔ اور رواں دواں رہی۔ زبان ذکر خداوندی اور درود پاک میں سرشار رہتی۔ ابتدائے مرض میں تو پورے دو سال تک اپنی چارپائی سے اٹھ کر نماز ادا کرتے تھے۔ بیماری کا غلبہ زیادہ ہوا۔ تو چارپائی سے اٹھنا مشکل ہو گیا۔ تو وضو فرماتے اور چارپائی پہ تازہ اینٹ رکھ کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ پورا ایک سال اسی حالت میں گزرا۔ پھر چارپائی پہ لیٹے لیٹے نماز ادا کیا کرتے تھے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ اس حالت میں بھی ایک نماز قضاء نہیں ہوئی۔ اہل خانہ سے اوقات نماز دریافت فرما لیتے اور نماز ادا کرتے۔

آپ نے اپنے درمیانی بیٹے حافظ غلام احمد (قدس سرہٗ) کو حکم دیا کہ وہ ہر روز بعد از نماز شام آکر ان کے پاس پانچ بار سورۂ یاسین کی تلاوت کیا کرے اور آپ کے کانوں میں یہ آواز پہنچایا کرے۔ میرے بھائی حافظ غلام احمد روز شام کے بعد کے آتے اور بڑی خوش الحانی سے سورۃ یٰسین پڑھتے۔ بلکہ سورہ ملک اور سورۂ مزمل کا بھی اضافہ کیا کرتے تھے۔ زندگی کے آخرین تین دن اگرچہ آپ کے جسم میں توانائی نہیں رہی تھی۔ تاہم آپ خود اٹھتے اور اپنے دونوں پاؤں چارپائی سے نیچے لٹکا لیا کرتے تھے۔ اور فرماتے اس خبیث بچے کو جو میرا اور آپ لوگوں کا دشمن ہے۔ گھر سے نکال باہر کرو۔ اور دروازے بند کر دو تاکہ پھر اندر نہ آسکے۔ یہ بات دو تین بار دہراتے ہم نے محسوس کیا۔ کہ یہ شیطان لعین کی طرف اشارہ ہے ہم نے سنا ہے کہ بسا اوقات نیک بندوں کی وفات سے پہلے یہ شیطان لعین سرہانے آبیٹھتا ہے اور بچے کی شکل میں ارد گرد گھومتا ہے اور ایمان و دین کی دولت کو لوٹنے کی تدابیر کرتا ہے۔ چنانچہ ایسے حالات میں قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی جایا کرتی تھی۔ بعض اوقات حافظان قرآن کو بٹھا کر تواتر کے ساتھ قرآن خوانی کرائی جایا کرتی تھی۔ اور اس طرح آپ اس وسوسہ شیطانی سے نجات حاصل کرتے تھے۔

نزع کے وقت آپ کے ہاتھ میں تسبیح تو نہ تھی۔ مگر آپ کی انگلیاں حسب عادت کچھ گننے میں مصروف رہتی تھیں۔ لب ہلتے رہتے۔ اور زبان پہ ذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جاری ہوتا۔

اولاد و احفاد:۔ یاد رہے کہ میرے والد ماجد کے چھ بیٹے تھے۔ دل محمد۔ سید محمد حسام الدین۔ حافظ غلام احمد۔ غلام سرور (مؤلف کتاب خزینۃ الاصفیاء) غلام یٰسین (قدس سرہم) تین بیٹیاں تھیں۔ ان بیٹوں میں سے دل محمد حسام الدین اور غلام یٰسین کے علاوہ ایک بیٹی بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ مفتی سید محمد۔ حافظ غلام احمد اور راقم الحروف (مفتی غلام سرور) اور دو بیٹیاں حضور کے سایۂ عاطفت میں پروان چڑھیں

آپ نے ہم تمام کو فارسی۔ عربی کے مختلف علوم سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ آخر کار میرے بھائی سید محمد زیارات ممالک اسلامیہ کے لئے بمبئی کے راستے روانہ ہوئے ان کا ارادہ تھا کہ بغداد شریف اور حرمین الشریفین کی زیارت کریں مگر سفر کے دوران مٹھن کوٹ کے مقام پہ پہنچے تو بخار نے آلیا۔ اور دوم ماہ شعبان ۱۲۸۰ھ فوت ہوئے۔ اس وقت (وقت تالیف کتاب) میرے بھائی بہنوں میں سے حافظ غلام احمد جو میرے بڑے بھائی ہیں۔ اب تک زندہ ہیں۔ دونوں بہنوں کی شادی۔ حسن علی بن لطف علی قریشی اور مفتی صدرالدین بن مفتی احمد بخش بن حافظ مفتی محمدی بن مفتی رحمت اللہ (یہ تمام بزرگ میرے ہی خاندان میں سے تھے) سے ہوئی تھی اب میری اور بھائی بہنوں کی اولاد میں سے جو لوگ زندہ موجود ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

مفتی سید محمد کے بیٹے۔ چراغ دین۔ جلال الدین ہیں۔

مفتی غلام احمد کے بیٹے۔ سید علی۔ برکت علی ہیں۔

بڑی بہن سے فخر الدین۔ رفیع الدین اور امین الدین ہیں۔

چھوٹی بہن سے غلام حیدر۔ غلام صفدر۔ غلام اکبر اور محمد انور ہیں۔

تاریخ وفات قبلہ گاہی

مفتی دین غلام محمد چو از جہاں ۔ پدرود گشت یافت بملک جناں وصال

گو مظہر سلام بتاریخ رحلتش ۔ جان جہاں غلام محمد بخواں وصال

۱۲۷۶ھ ۱۲۷۶ھ

چو رفت از جہاں در بہشت بریں ۔ غلام محمد۔ امین محمد

ندا شد کہ خورشید دین محمد زدل بہر تاریخ ترحیل او

تاریخ وفات مفتی سید محمد رحمۃ اللہ علیہ

سفر در زید چو سید محمد ۔ سوئے دار البقا خوش حال و خوشتر

بسالِ رحلت او دل ندا کرد ۔ بگو روح مسافر شد مسافر

۱۲۸۵ھ

آپ اولیائے متاخرین میں سے تھے

شیخ احمد شاہ کاشمیری تازہ بلی قدس سرہ:- قطب الوقت تھے غوث زمانہ تھے۔
سلسلۂ عالیہ قادریہ۔ سہروردیہ اور نقشبندیہ میں صاحب ارشاد تھے۔ آپ شاہ اکبر قدس سرہٗ
سے نسبت روحانی رکھتے تھے۔ رات بھر ریاضت وعبادت میں مشغول رہتے تھے دور دراز
سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ کی کرامات وخوارق کا بڑا چرچا تھا۔

آپ کے زمانہ میں وادی کشمیر میں گاؤکشی کی قانونی ممانعت تھی۔ مگر آپ کا ایک عقیدت
مند اس جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ مہاراجہ جموں وکشمیر کا سخت گیر حاکم اس شخص کے درپے آزار
ہو گیا۔ اس شخص کا بھائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنے بھائی کی رہائی کے لئے دعا
کا طالب ہوا۔ آپ کی مجلس میں ایک شخص لال دین موجود تھا۔ یہ مہاراجہ کے دربار میں ملازم
بھی تھا۔ آپ نے اسے کہا کہ اس غریب کی رہائی کے لئے امداد کریں۔ مگر اس نے کہا۔ حضور!
یہ کام ناممکن ہے کیونکہ گاؤکشی کے مقدمہ میں حاکم وقت کسی کی سفارش بھی قبول نہیں کرتا۔
آپ نے فرمایا۔ پھر میں خود ہی بارگاہ الٰہی میں عرض کروں گا۔ دوسرے دن وہ شخص بری کر دیا گیا

اس جامع کمالات کا وصال ۱۲۷۷ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار پاک کشمیر میں ہے۔

چوں بحکم قضائے ربانی - کرد زین دہر رحلت احمد شاہ
رحلتش ہست مظہر اسلام - نیز سردار جنت احمد شاہ

۱۲۷۷ھ ۱۲۷۷ھ

قد تمت مخزن ششم

مخزنِ ہفتم

عارفات ، صالحات ، کاملات ، طیّبات

مطہرات ، واصلات

یہی مائیں تھیں جن کی گود میں اسلام پلتا تھا
اسی غیرت سے انسان نور کے سانچے میں ڈھلتا تھا

عارفاتِ اسلام

مناقب ازواجِ مطہرات جنابِ سالتماب صلی اللہ علیہ وسلم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات سے پہلے سب سے افضل عورت حضرت مریم بنت عمران تھیں۔ بعض حضرات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ خاتون ابن عمران کو افضل النساء العالمین لکھا ہے۔ مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور آسیہ بنت مزاجم (فرعون کی بیوی) بھی دنیا کی عورتوں میں سے بہترین اور افضل عورت مانی گئی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد حضرت خدیجہ الکبریٰ۔ حضرت عائشہ العظمیٰ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم افضل النساء العالمین ہیں۔ دنیا کی کسی دوسری عورت کو ان ذات بابرکات پر فضیلت حاصل نہیں ہوسکی۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس وقت تک کسی عورت سے شادی نہیں کی۔ اور نہ ہی اپنی بیٹی کسی کے نکاح میں دی جب تک مجھے اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضور سرور کائنات کی بارہ بیویاں تھیں جنہیں حضور سے

شرفِ زفاف ملا۔ مگر گیارہ کی تعداد پر تمام مورخین کا اتفاق ہے۔

ازواجِ مطہرات میں سے سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو آپ کی اوّل۔ افضل اور اعظم رفیقہ حیات تھیں۔ آپ کی کنیت ہند تھی۔ آپ کے والد کا اسم گرامی خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب تھا۔ آپ کا آبائی سلسلہ نسب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قصی پر پہنچ کر مل جاتا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زاہدہ بن الاصم تھا۔ یہ قبیلہ بنی عامر بن لوای سے تعلق رکھتا تھا۔ سب سے پہلے حضور نے جس عورت سے نکاح کیا وہ آپ ہی تھیں۔ حضور سے شادی سے پہلے سیدۃ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا۔ کہ آسمان سے آفتاب نیچے آکر آپ کے گھر میں اتر گیا ہے اور اس کی شعاعیں گھر کی چاردیواری سے نکل کر ساری دنیا کو منور کر رہی ہیں۔ مکہ مکرمہ میں کوئی گھر ایسا نہ رہا جو اس آفتاب کی روشنی سے جگمگا نہ اٹھا ہو۔ جس زمانے میں آپ حضور کے نکاح میں آئیں تو آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچیس سال تھی۔ حق مہر بیس اونٹ مقرر ہوا تھا۔ حضرت کی اولاد پاک جن میں بیٹیاں اور بیٹے شامل تھے، آپ کے بطن سے ہوئے۔ تھے حضور کو آپ کی خاطرداری اور پاسداری سب سے زیادہ تھی۔ اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورتوں میں سے سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا یہ مقام تھا۔ کہ ایک بار حضرت جبرائیل حاضر ہوئے۔ اور عرض کرنے لگے: حضور حضرت خدیجہ آپ کی طرف تشریف لا رہی ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک برتن ہے جس میں آپ کے لئے کھانا لا رہی ہیں۔ آپ انہیں اپنے اللہ کی طرف سے سلام پیش کریں۔ اور انہیں بشارت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بہشت میں ایک ایسا گھر تیار کیا ہے۔ جو گول اور شفاف مروارید کا بنا ہوا ہے۔ یہ ایسا گھر ہو گا۔ جس میں کوئی رنج اور غم داخل نہ ہو سکے گا۔ حضور نے حضرت خدیجہ کو اللہ کا سلام پہنچایا۔ تو آپ نے فرطِ مسرت سے سلام کا جواب دیا۔ اور اللہ کی بارگاہ میں دو نفلِ شکرانہ ادا کئے۔

اقوال صحیحہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات بتاریخ دس ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۰ھ سال بعثت کو ہوئی۔ جبکہ آپ کی عمر ۶۵ھ پینسٹھ سال تھی۔ آپ کا مزار مکہ مکرمہ میں جنت المعلیٰ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مقبرہ پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور دعاء مغفرت فرمایا کرتے تھے۔ اور رحلت کے بعد ہمیشہ آپ کو اچھے الفاظ اور تعریفی کلمات سے یاد فرمایا کرتے تھے۔

آں خدیجہ طیبہ اہلیہ حضرت رسول ۔ ہست ام المومنین آں مطلع نور کمال
بود ذاتش معدن حُبِ نبی اندر جہاں ۔ شد ورا در سال حب ازبعثت نبوی وصال

۱۰ البعثت

حضرت زینب رضی اللہ عنہا:- آپ کے والد کا نام خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامر تھا تیسری ہجری رمضان المبارک میں حضور نبی کریم سے نکاح ہوا تھا۔ آپ صرف آٹھ ماہ تک حضور کے گھر رہیں۔ آپ اپنی عادت کریمہ میں مساکین پر رحم، شفقت اور احسانات کی وجہ سے مشہور تھیں۔ اُم المساکین کے خطابات سے شہرت پائی تھی۔ آپ یکم ربیع الاوّل سنہ ۴ھ کو فوت ہوئیں۔ آپ کا مزار پُرانوار جنت البقیع مدینہ منورہ میں ہے۔

زینب آں زوجہ نبی محترم ۔ رفت از دنیا بجنت شاد کام
چوں محبہ[۱] از جہاں پدرود شد ۔ سال ترحیلش بر آمد والسلام

۴

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا:- آپ کی کنیت ام الحکم تھی۔ والدہ کا اسم گرامی امینہ بنت عبدالمطلب تھا۔ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ پہلے آپ کا نام برہ تھا مگر حضور نے آپ کا نام زینب رکھا تھا۔ آپ ذیقعدہ سنہ ۵ھ میں عقد نکاح میں آئیں۔ آپ کی

---

[۱]:- محبہ کے لفظ کے اعداد پچپن ہیں جہاں کے اعداد پچاس ہیں۔ اگر ان اعداد کو نکال لیا جائے تو پانچ سال بچتے ہیں۔ مگر ہجری سال کی عدد کئے جائیں۔ تو چار عدد بنتے ہیں

خواستگاری قرآن کی آیۃ کریمہ کے حکم سے ہوئی تھی۔ حضرت زینب ایک ایسی شخصیت تھی جس کے گھر میں حضور بلا اجازت تشریف لے جایا کرتے تھے ایک بار آپ ابھی سر برہنہ بیٹھی تھیں حضور گئے۔ تو حضرت زینب نے عرض کی۔ یارسول اللہ۔ میرے نکاح میں خطبہ نکاح اور گواہ کون ہے آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح پڑھایا۔ حضرت جبرائیل گواہ تھے۔ زندگی بھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کو فرمایا کرتے۔ کہ تمہارے نکاح کا خطبہ آسمانوں پر پڑھا گیا اور نکاح کے وکیل حضرت جبرائیل تھے۔ حضور کے اس فرمان پر آپ کو بے پناہ فخر تھا۔

آپ کا وصال ۲۰ھ میں ہوا۔ جبکہ آپ کی عمر شریف پچپن سال تھی۔ حضرت عمر فاروق نے آپ کا جنازہ پڑھایا۔ جنت البقیع میں دفن کیئے گئے۔ حضور کے وصال کے بعد سب سے پہلے ازواج مطہرات میں سے جس نے وفات پائی وہ آپ ہی تھیں۔

زینب آں معصومۂ دور زماں ۔ ازجہاں در جنت الاعلیٰ برفت
ہست زیبا سال وصلش زیب در ۔ ہم نجواں پاکیزہ از دنیا برفت

۶۵ - ۴۵ ۲۰ھ

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا:- آپ کا اسم گرامی ام الاسود تھا۔ والد کا نام زمعہ بن قیس بن عبدالشمس تھا۔ آپ کا نسب نامہ لوی تک پہنچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے جا ملتا ہے۔ والدہ کا نام نبت قیس بن عمرو تھا۔ آپ بعثت کے وقت ہی مکہ مکرمہ میں مسلمان ہوگئی تھیں۔ نبوت کے دسویں سال حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے نکاح سے پہلے ہی آپ حضور کے نکاح میں آگئی تھیں آپ کا حق مہر چار سو درہم مقرر ہوا تھا۔ چونکہ آپ کی عمر زیادہ تھی۔ آپ نے ایک رات حضور کی بارگاہ میں التماس کی۔ یارسول اللہ۔ مجھے آپ کی زوجیت کا فخر حاصل ہوچکا ہے۔ میں تو قیامت کے دن آپ کی ازواج مطہرات کے زمرہ میں اٹھنے کی خواہاں ہوں۔ میری باری سیدہ عائشہ صدیقہ کو عنایت فرما دیا کریں۔ مجھے کسی قسم کی خواہش اور طمع نہیں ہے۔ حضور نے آپ کی

یہ گذارش قبول فرمالی۔ آپ کی وفات ۲۲ھ کے آخر میں دعہد خلافت سیدنا عمر فاروق، ہوئی

آپ کا مزار جنت البقیع میں ہے۔

اُم اسود زوج دلبند رسول ۔ آفتاب دین حق بدر الکمال

رفت چو ازاین جہانِ بے ثبات ۔ زاہدا آمد عیاں سالِ وصال

۲۲ھ

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا:۔ آپ کے والد کا نام حیی بن اخطب بن ثعلبہ بن تعینہ اور والدہ کا نام بنت سموال تھا۔ آپ جنگ خیبر کی فتح کے بعد قیدی کی حیثیت سے مدینہ منورہ میں آئی تھیں۔ حضور نے آپ کو ازرہِ شفقت آزاد کر دیا۔ اور اپنی قوم کی طرف جانے کی اجازت دے دی۔ آپ نے انہیں اجازت دی کہ وہ اسلام لے آئیں تو حضور انہیں اپنے نکاح میں لائیں گے۔ حضرت صفیہ نے اسلام قبول فرمایا۔ اور کہا مجھے اسلام کی حقانیت پر یقین ہے اور یہی میری آزادانہ اور دلی آرزو ہے۔ اب میں آزاد ہوں مجھے یہودیوں سے کوئی دلچسپی نہیں، یا رسول اللہ۔ مجھے کفر و اسلام کے درمیان اللہ اور اس کا رسول زیادہ محبوب ہے۔ مجھے آزادی اور اسلام ہی پسند ہے۔ حضرت صفیہ کے جذبات سن کر حضور کو بڑی مسرّت ہوئی۔ اپنے نکاح کا پیغام دیا۔ مورخین لکھتے ہیں حضرت صفیہ کی آزادی کا پروانہ ہی آپ کا حق مہر تھا۔ آپ ازواج مطہرات کے زمرے میں آگئیں۔

آپ کی وفات ۳۶ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار گوہر بار جنت البقیع ہے۔

چو محبوبہ شاہ کون و مکان ۔ سفیر ز دنیا شد اندر جناں

بگو اہل تاریخ ترحیل او ۔ بفرما دگر رفت پاک از جہاں

۳۶ھ

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا:۔ آپ کے والد کا نام ابوسفیان تھا۔ والدہ صفیہ بنت ابی العاص بن عمیسہ بن عبدالشمس تھا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی چچی تھیں۔ آپ فرماتی ہیں۔ کہ ابھی حضور نے مجھے اپنے نکاح میں قبول نہیں فرمایا تھا۔ کہ مجھے خواب آیا۔ مجھے کوئی شخص کہہ رہا ہے یا اُمّ المومنین۔ میں بیدار ہوئی خواب کی تعبیر دریافت کی تو معلوم ہوا کہ حضور مجھے پیغام نکاح دیں گے۔ دوسرے روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ پاک میں حضور سے درخواستِ نکاح کی۔ جو قبول کر لی گئی۔ نکاح کے وقت آپ کی عمر پینتیس ۳۵ سال تھی۔ آپ کا حق مہر چار سو سرخ دینار باندھا گیا بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ کا حق مہر چار ہزار درہم تھا۔ آپ کی وفات ۴۲ھ میں ہوئی۔ بعض مورخین نے سالِ وفات ۴۱ھ لکھا ہے۔ آپ کا مزار جنت البقیع میں ہے۔

چونکہ ام حبیب زوج نبی - چہرہ در پردۂ جنان بہشت
رحلت او زکیہ و اُم است - نیز سرور حبیب زیبا گفت

۴۲ھ ۴۱ھ ۴۲ھ

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا:- آپ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ والدہ کا نام زینب بنت مظعون بنت حبیب بن وہب تھا۔ ہجرت کے دوسرے یا تیسرے سال میں حضور کے نکاح میں آئی تھیں۔ آپ کی ولادت بعثت سے پانچ سال پہلے ہوئی۔ اور وفات ۴۵ھ میں ہوئی۔ آپ کی قبر بھی جنت البقیع میں ہے۔

چوں جناب حفصہ زوج مصطفیٰ - از جہاں رفت و بجنت یافت بار
سالِ وصل او بقول اہل دین - طالبہ گو نیز پاکیزہ شمار

۴۵ھ ۴۵ھ

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا:- والد کا نام حارث بن ابی ضرار تھا۔ آپ ہجرت کے پانچویں یا چھٹے سال حضور کے نکاح میں آئیں تھیں۔ اس مخدومہ معصومہ کی وفات ۵۶ھ میں ہوئی۔ جنت البقیع میں مزار پُر انوار بنا۔

جو ریہ محبوبہ حضرت رسول - رفت از دنیا چو در خلد بریں
از خرد سالش جناب آمد عیاں - ہم بفرما شد ز عالم پاک بیں

۵۶ھ ۵۶ھ

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:- آپ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی تھیں

آپ کی کنیت اُم عبد اللہ تھی۔ اور آپ کا مقام صحابہ میں بڑا بلند تھا۔ مفتی تھیں فقیہہ تھیں عالمہ تھیں۔ فصیحہ تھیں۔ کلام میں بلاغت و وضاحت تھی۔ حضور نے آپ کی شان میں فرمایا۔ خُذُو مِثْنی دِیْنکُمْ عَنْ ھٰذَا الْحُمَیْرا (میرے دین کے دو حصے حضرت حمیرہ (مشیر عائشہ) سے حاصل کرو۔

حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں۔ مجھے حضور پاک نے بڑی فضیلت اور عظمت عطا فرمائی ہے مجھے اپنی تمام ازواج مطہرات میں سے دس چیزوں میں ممتاز فرمایا ہے۔

۱۔ میں کنواری آپ کے نکاح میں آئی۔

۲۔ میرے علاوہ کسی کے ماں اور باپ نے آپ کے ساتھ ہجرت میں شرکت نہیں کی۔

۳۔ میری پاک دامنی کی شہادت قرآن میں آئی۔

۴۔ میرے نکاح سے پہلے حضرت جبرائیل نے ریشمی کپڑے پر تصویر بنا کر حضور کی خدمت میں پیش کیا۔

۵۔ میں وہ واحد بیوی ہوں۔ جس کے برتن اور غسلخانے میں حضور غسل فرمایا کرتے تھے یہ امتیاز کسی دوسری کو نصیب نہیں ہوا۔

۶۔ حضور نماز ادا فرماتے تو میں آپ کے پہلو میں آرام کیا کرتی تھی۔ یہ خصوصی امتیاز صرف مجھے ہی تھا۔

۷۔ حضور کو میرے ہی بستر پر کئی بار وحی آئی۔ یہ شرف کسی دوسری بیوی کو نہیں ملا۔

۸۔ حضور کے روح مبارک کو قبض کیا گیا۔ تو آپ کا سر میرے پہلو میں تھا۔

۹۔ حضور نے دنیا سے سفر فرمایا۔ تو میرے گھر میں قیام فرما تھے۔

۱۰۔ حضور کو میرے ہی مکان (حجرے) میں دفن کیا گیا۔

یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے۔ کہ صحابہ نے آپ کو پوچھا۔ کہ آپ کو عورتوں میں سے محبوب ترین کون ہے۔ آپ نے فرمایا۔ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) لوگوں نے دریافت کیا۔ حضور مردوں میں سے۔ آپ نے فرمایا صدیقہ کا باپ (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) یاد رہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو قیامت کے دن خاتون اوّل اور خاتون جنت قرار دیا گیا ہے۔ آپ اپنی بیٹی کو فرمایا کرتے تھے میری بیٹی! تم بھی اسے محبوب رکھو جسے تمہارا باپ دل سے چاہتا حضرت فاطمہ نے کہا۔ یا رسول اللہ مجھے وہ سب سے زیادہ محبوب ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عائشہ! مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ تم کس وقت مجھ سے ناراض ہوتی ہو اور کس وقت راضی ہوتی ہے۔ حضور نے وضاحت فرماتے ہوئے کہا جب تم انتہائی خوش ہوتی ہو۔ تو قسم کھاتے وقت کہتی ہو۔ مجھے محمد کے رب کی قسم ہے۔ اور جب تم خفا ہوتی ہو۔ تو کہتی ہے۔ کہ مجھے اپنے رب کی قسم ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا۔ یا رسول اللہ۔ آپ نے سچ کہا۔

مورخین نے لکھا ہے۔ کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر صرف چھ سال تھی۔ کہ حضور کے نکاح میں آئیں آپ کا حق مہر پچاس درہم رکھا گیا۔ ایک روائیت میں پانچ سو درہم تھا حضور نے یہ مہر ادا فرما دیا تھا۔

آپ کی وفات سہ شنبہ ۱۷ ماہ رمضان ۵۸ھ کو ہوئی تھی۔ اس وقت آپ کی عمر شریف چھیاسٹھ سال تھی۔ آپ کے جنازہ میں سارا مدینہ شریک ہوا۔ اتنا بڑا جنازہ اس سے پہلے کبھی نہیں اٹھا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے امامت جنازہ کرائی تھی۔

عائشہ محبوب ذاتِ احدی ۔ یافت از دنیا بذاتِ حق وصال

حامدہ گو وصل آں عالی نژاد ۔ نیز محبوب ست سالِ ارتحال

۵۸ھ ۔ ۵۸ھ

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا:- والد کا نام حارث بن خرن اور والدہ کا نام ہند بنت عوف بن زبیر بن حرب ہے۔ ہجرت کے ساتویں سال حضور کے نکاح میں آئیں۔ آپ ساٹھ ۶۰ یا اکسٹھ ۶۱ میں فوت ہوئیں۔ مزار پر انوار جنت البقیع میں ہے۔

چونکہ میمونہ صاحب عصمت ۔ در جہاں گشت بانبی ہمدم
سال وصلش مجلبہ شد ہدا ۔ نیز شد بے نیاز از عالم

۶۰ھ ۶۱ھ

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ علیہ:- نام نامی ہند ابی امیہ تھا۔ ماہ شوال ۴ھ میں حضور کے نکاح میں آئیں۔ آپ کا مہر دس درہم رکھا گیا حضور کے ازواج مطہرات میں سے سب سے آخرین آپ کی وفات ہوئی تھی۔ آپ سوم ربیع الاول ۶۳ھ یا ۶۶ھ میں فوت ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وصال کے وقت آپ کی عمر ۸۴ سال تھی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں

اُم سلمہ ولیہ مقبول ۔ زوج پاک نبی ہر دو جہاں
ارتحالش ز مہد یہ جستم ۔ نیز محبوبہ آمدست عیاں

بناتُ مطہراتِ رضی اللہ عنہن

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں میں افضل ترین بیٹی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء تھیں۔ اور معمر ترین حضرت زینب تھیں مگر ہم سن وصال کی ترتیب سے حالات تحریر کر رہے ہیں۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا:- آپ حضرت زینب کی پیدائش کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ آپ کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

سے ہوا تھا۔ آپ سے ایک بیٹا پیدا ہوا مگر دو سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ آپ کی ولادت واقعۂ فیل کے چونتیس سال بعد ہوئی تھی اور ۲ھ میں انتقال ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جنگ بدر میں شریک تھے۔ مزار پر انوار جنت البقیع میں ہے۔

بنت احمد رقیہ صاحب جاہ ۔ رفت زین دہر با دل پرُ غم
سالِ تاریخ اوست قلب نبیؐ ۔ ہم بگو رفت سعدہ از عالم
۲ھ ۲ھ

حضرت زینب رضی اللہ عنہا:۔ آپ حضور کی سب سے بڑی بیٹی تھیں حضور نے آپ کو آپ کے خالہ زاد حضرت ابو العاص بن ربیع کے نکاح میں دیا تھا۔ ایمان لانے کے بعد آپ نے حضرت ابو العاص سے ہی تجدید نکاح کیا تھا۔ آپ سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی امامہ پیدا ہوئی۔ بیٹا تو سن بلوغت کو پہنچتے ہی فوت ہو گیا۔ مگر امامہ حضرت فاطمہ الزہرہ کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نکاح میں آئیں۔ ان کی ولادت تو رسالت سے پہلے ہی ہوئی تھی لیکن وفات ۸ھ کو ہوئی۔

جناب زینب والا عفیفہ معصوم ۔ کہ بود زینت فردوس و زیب باغ جناں
چو شد ز دہر بتاریخ رحلت پاکش ۔ ز دل رسید ندا شد ویثہ زجہاں
۸ھ

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا:۔ آپ حضرت رقیہ کے بعد اور حضرت فاطمہ سے پہلے پیدا ہوئیں۔ ہجرت کے تیسرے سال حضرت رقیہ کی وفات کے بعد حضرت عثمان غنی سے نکاح ہوا۔ آخر ۹ھ کو آپ کا انتقال ہو گیا

ام کلثوم بنت پاک نبی ۔ شد ز دنیا بجنت الاعلیٰ
واصلاً چوں سفر ز عالم کرد ۔ گشت تاریخ رحلتش پیدا

لہ:۔ قلب نبی سے مراد ب ہے جو نبی کے لفظ کا درمیانی حرف ہے۔ اسی طرح عالم ۱۴۱ کے اعداد سے سعدہ ۱۳۹ کے اعداد سے نکال دیئے جائیں تو باقی ۲ رہ جاتے ہیں۔ مترجم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضل اور

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا:- اکرم بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں۔کنیت ام محمد۔ لقب مبارک طاہرہ۔ اذکیہ۔ راضیہ۔ مرضیہ اور بتول تھا اگرچہ حضرت فاطمہ حضور کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ مگر جتنی محبت اور الفت آپ کو اس بیٹی سے تھی۔ دوسری کسی بیٹی سے نہیں تھی۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ غزوہ بدر سے واپس آئے۔ تو حضور کی بارگاہ میں حضرت فاطمہ کے رشتہ کی درخواست کی۔ اس وقت سیدہ کی عمر پندرہ سال تھی۔ آپ کی درخواست قبول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بطن سے تین لڑکے۔ حسن۔ حسین اور محسن دیئے رضی اللہ عنہم، تین بیٹیاں اُم کلثوم۔ زینب اور رقیہ ہوئیں رضی اللہ عنہن محسن اور رقیہ تو خورد سالی میں ہی فوت ہو گئے۔ حضرت زینب عبداللہ جعفر سے بیاہی گئیں۔ حضرت ام کلثوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت فاطمہ کی اولاد جو آج تک موجود ہے۔ وہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے صلب سے ہے۔

حضرت سیدہ عائشہ سے صحابہ نے پوچھا۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کسے پیار کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ فاطمۃ الزہرہ کو لوگوں نے پوچھا۔ نوجوانوں سے کسے پیار فرماتے۔ آپ نے فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو۔

ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور کی بارگاہ میں عرض کی۔ یا رسول اللہ۔ آپ مجھے زیادہ چاہتے ہیں۔ یا فاطمہ کو! آپ نے فرمایا۔ ای اَحَب عَلَی مِنْکَ۔ وَانتٌ اَعَز عَلَی منہا۔ مجھے فاطمہ تم سے زیادہ عزیز ہے۔ اور تم عزیز ہو اس کی وجہ سے۔ حضرت فاطمہ واقعہ فیل کے ۴۱ سال بعد پیدا ہوئیں تھیں۔ جبکہ بعثت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ آپ کی وفات منگل سوم ماہ رمضان ۱۱ھ کو ہوئی۔ آپ کا مزار جنت البقیع میں ہے۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پڑھائی تھی۔ بعض اقوال میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے امامت فرمائی تھی۔

فاطمہ خاتون دین بنت نبی - نیک صورت نیک سیرت نیک خو

قرہ چشم نبی مصطفےٰ - زوجۂ عالیِ علی ماہ رو

بعد شش ماہ از وفات احمدی - کرد رحلت زین جہاں چارسو

نیک نام از عرصۂ آفاق رفت - شد چواز عالم ولیّہ سیدہ ہو

۱۱ھ ۱۱ھ ۱۱ھ

صاحب کرامات و خوارق عارفات

سابقہ صفحات میں مصنّفِ علّام مفتی غلام سرور لاہوری نے قدس سرہٗ حضور سرور کائنات کی ازواج مطہرات اور اہل بیت کے چند افراد کا تذکرہ اس لئے اختصار سے کیا ہے کہ صالحات و عارفات امت کے حالات کا آغاز یُمن و برکت سے ہو خاندان نبوت کے افراد کے مفصل حالات پر صلحائے امت نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اس لئے قارئین سے استدعا ہے کہ ان نفوس قدسیہ کے تذکرہ کو تفصیل سے جاننے کے لئے دوسری کتابوں سے رجوع فرمائیں (مترجم)

حضرت زاہدہ رحمۃ اللہ علیہا: امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک خادمہ تھیں جن کا نام حضرت زاہدہ تھا۔ ایک دن یہ بی بی جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور سلام عرض کیا۔ حضور نے دیکھا اور فرمایا۔ زاہدہ تم بہت دیر کے بعد آئی ہو۔ خیر تھی۔ کہنے لگیں۔ یارسول اللہ! آج میں نے اللہ تعالیٰ کے عجائبات سے ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھا ہے۔ حضور نے تفصیل دریافت کی تو کہنے لگی۔

"علی الصباح لکڑیاں لینے جنگل کی طرف نکل گئی۔ میں نے لکڑیوں کا ایک گٹھا اکٹھا کیا۔ باندھا اور ایک پتھر پر رکھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک تیز رَو سوار آسمان سے اتر رہا ہے۔ اس نے میرے پاس آکر مجھے سلام کیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر میرا سلام کہنا۔ اور عرض کرنا۔ کہ رضوان کلید بردار بہشت نے کہا ہے۔ کہ آپ کو مبارک ہو۔ کہ آپ کی اُمت کو جنت میں داخل ہونے کے لئے تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک حصہ حساب و کتاب کے بغیر جنت میں داخل ہو گا۔ ایک حصہ حساب میں نرمی کرنے سے جنت میں داخل ہو گا۔ اور ایک حصہ آپ کی شفاعت سے جنت میں جگہ پائے گا" یہ کہہ کر وہ آسمان کی طرف اڑا۔ مگر تھوڑی بلندی پر جا کر پھر مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ کہ تم یہ لکڑیاں تو نہیں اٹھا سکتیں۔ اسی پتھر پر رہنے دو۔ یہ پتھر خود بخود تمہاری لکڑیاں اٹھا کر گھر تک پہنچا دے گا۔ پھر اس نے پتھر کو حکم دیا۔ کہ زاہدہ کی لکڑیاں سیدنا عمر فاروق کے گھر تک پہنچا کر آؤ۔ میرے دیکھتے دیکھتے پتھر روانہ ہوا۔ میں بھی ساتھ ساتھ چلتی گئی حتیٰ کہ سیدنا عمر فاروق کے گھر پہنچ گئے"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی۔ تو اٹھے۔ اور حضرت عمر کے گھر تشریف لائے زاہدہ بھی ساتھ تھی۔ آپ نے پتھر کے آنے کے نشانات دیکھے اور فرمایا۔ الحمد للہ۔ ابھی میں دنیا سے نہیں گیا کہ رضوان نے میری امت کی بخشش کی بشارت دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ایک عورت کو حضرت مریم علیہا السلام کی طرح صاحبِ کرامت بنایا ہے۔

یہی بی بی زاہدہ ۲۵ھ کو فوت ہوئیں۔

زاہدہ مریم صفت عفت مآب - والیہ معصومہ دور زماں

رفت از دنیا چو در خلد بریں - ہادیہ سال وصال او نجواں

۲۵ھ

بی بی حاج ۔ بی بی تاج ۔ بی بی نور ۔ بی بی حور
بی بی گوہر ۔ بی بی شہباز رضی اللہ عنہم اجمعین

یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ یہ بیباں حضرت مسلم بن عقیل بن علی رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں تھیں اپنے وقت میں زہد و تقویٰ کے لحاظ سے یگانہ افراد میں سے تھیں ۔ ہمیشہ روزہ رکھتی تھیں ۔ ایک مہینہ میں ایک دو بار کھانا کھا لیتی تھیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو سانحہ کربلا پیش آیا ۔ یہ بیبیاں اس وقت شام میں موجود تھیں ۔ ان حالات کو سنتے ہی میدان کربلا میں پہنچیں ۔ دیکھا کہ ظلم و ستم کی تصویر بکھری پڑی ہے ۔ سید الشہدا کی شہادت سے دہشت زدہ ہوگئیں ۔ وہ حیران تھیں کہ کہاں جائیں ۔ عرب کی سرزمین سے خوف آنے لگا ۔ آخر کار غیبی اشارے سے ہندوستان کا رُخ کیا ۔

تحفۃ الواصلین میں لکھا ہے ۔ کہ ان حضرات کو طی الارض کی کرامت حاصل تھی ۔ چلتی چلتی لاہور کے نواح میں پہنچیں ۔ خدام اور اصحاب بھی ہمرکاب تھے ۔ کچھ عرصہ رہیں مخلوق خدا ان کی برکات سے فیض یاب ہونے لگی ۔ ان کے انفاس زاکیات سے اسلام پھیلنے لگا ۔ ارادت و عقیدت کا ماحول پیدا ہو گیا ۔ یہ خبر لاہور کے فرمانروا کو پہنچی ۔ تو سخت غضبناک ہوا ۔ اپنے بیٹے کو ان حضرات کی خدمت میں روانہ کیا ۔ اور حکم دیا کہ وہ یہاں سے چلی جائیں ۔ مگر بیٹا حاضر ہوا ۔ تو مرید ہو گیا ۔ اور باپ کے گھر جانے کے بجائے وہاں ہی رک گیا ۔ بادشاہ کو اس صورت حال سے اور غصہ آیا ۔ ایک لشکر لے کر روانہ ہوا ۔ نزدیک پہنچا تو ان پاک دامن بیبیوں کو اس کے آنے کی خبر ہوئی ۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھے ۔ اے بار اللہ! ہمیں اس سے محفوظ رکھنا ۔ ہم نامحرموں کی صورت دیکھنا نہیں چاہتیں ۔ زمین کو حکم ہو وہ ہمیں پوشیدہ کر لے اسی وقت زمین پھٹی اور یہ حضرات معصومین زمین کی گود میں چلی گئیں ۔ آپ کے خدام غلام اور عقیدت مندوں کو راجہ نے پکڑا اور تہہ تیغ کر دیا ۔ اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ لے گیا ۔ لیکن شہزادے نے تاج و تخت کو خیر باد کہا ۔ اور ان مزارات

پر مجاور بن کر بیٹھ گیا۔ جب تک زندہ رہا۔ ان مزارات کی خدمت کرتا رہا۔ اب تک ان مزارات کے مجاور اسی راجے کی اولاد میں سے ہیں۔

کہتے ہیں اس شہزادے کا نام شیخ جمال تھا۔ ایمان لانے اور ارادت مندانہ پیش ہونے کے بعد حضرت بی بی حاج نے یہ نام تجویز کیا تھا۔ رسالہ تحفۃ الواصلین میں ایک اور روایت بیان کی گئی ہے کہ اس زمانہ میں ایک نجومی علم نجوم میں ماہر تھا۔ اس کا دعویٰ تھا۔ کہ وہ گذشتہ اور آئندہ واقعات کو ستاروں کی مدد سے معلوم کرنے میں کمال رکھتا ہے۔ اور اسے علم غیب پر دسترس حاصل ہے۔ اس نے ان حضرات کے خادموں سے بحث کا آغاز شروع کر دیا جب یہ خبر بی بی صاحبہ کلاں نے سنی۔ تو آپ نے تمام مسافروں اور غریبوں کے لئے کھانا تیار کرایا اور ایک مجلس میں کھانا بھیجا۔ مگر کھانا اس طرح ترتیب سے لگایا۔ کہ نیچے تو بہت عمدہ اور نفیس کھانا رکھا مگر ان کے اوپر خالی خشک چاول کی کھچڑی پکا کر لگادی۔ اس سادہ غذا کو دیکھ کر نجومی جسے علم غیب کا دعویٰ تھا۔ بڑا خبر یر کرنے لگا۔ خادموں کو کہنے لگا کہ مہمانوں کو یہ غذا کھلائی جاتی ہے۔ میں تو یہ کھچڑی نہیں کھاؤں گا۔ خادموں نے اسے بتایا کہ اس کھچڑی کے نیچے نفیس کھانا رکھا ہوا ہے۔ آپ اسے ہٹا کر کھائیں جب اسے صورت حال معلوم ہوئی۔ تو سخت شرمندہ ہوا۔ اور اسے محسوس ہوا۔ جو علم غیب کا دعویٰ کھچڑی کے نیچے اچھے کھانے کی حقیقت معلوم نہیں کر سکتا۔ وہ کیسا علم غیب ہے۔ وہ شرمندہ ہو کر آپ کا مرید ہو گیا۔

حضرت بی بی پاک دامن کے تاریخی واقعات کی تفصیل کہیں نہیں ملتی۔ مگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ حضرات قدیم زمانہ کی صاحب کرامات بزرگ تھیں تحفۃ الواصلین نے لکھا ہے کہ حضرت مخدوم علی ہجویریؒ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اوّل اوّل لاہور تشریف لائے تو ہر جمعرات کی رات کو حضرت پاک دامنان کے مزارات پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور مزارات عالیہ سے دور بیٹھے متوجہ ہوتے تھے۔ یہ ان حضرات کے ادب کا لحاظ تھا۔ اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پاک دامنوں کے مزارات حضرت علی ہجویری کے آنے سے قبل موجود تھے۔ مگر ہم کسی تذکرہ یا تحریر سے یہ معلوم کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ کہ یہ بیبیاں فلاں خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ یا فلاں سال اور فلاں سن میں لاہور میں قیام پذیر رہیں اور نہ ہی ان کا سال وصال معلوم ہو سکا ہے۔ ان کی بزرگی۔ سیادت اور کرامت کے واقعات تحفہ حمدیہ اور تذکرہ قطب العالم میں بھی ملتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اولیاء کرام ان مزارات سے فیض حاصل کرتے چلے آئے ہیں۔ اب تک ان کا فیض عام جاری ہے[1]۔ سینکڑوں حاجت مند اپنی مرادیں پاتے ہیں۔ اپنے مسائل کو حل کراتے ہیں۔ ان حضرات کی ایک خادمہ بی بی حلیماں المشہور بی بی تنوری کا مزار بھی اسی احاطے میں ہے۔

بی بی شعوانہ عجمی رحمۃ اللہ علیہا:۔ آپ وقت کی عارفہ کاملہ تھیں۔ اس قدر عالم وفاضل تھیں کہ مجلس میں بیٹھتیں اور منہ پر پردہ ڈال کر نہایت خوش الحانی سے وعظ کہتیں وقت کے عابد۔ زاہد۔ عارف اور علماء آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے اور آپ کے مواعظ سے مستفیض ہوتے کہتے ہیں کہ آپ دوراں وعظ بڑی رویا کرتی تھیں۔ لوگوں کو ڈر ہوا۔ کہ کہیں بصارت سے محروم نہ ہو جائیں۔ آپ فرمایا کرتی تھیں۔ دنیا میں اندھا ہونا بہتر ہے۔ کہ قیامت کے دن نابینا اٹھا جائے۔ بوڑھی ہوئیں تو شیخ فیضل ابن عیاض آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دعا کی التجا کی۔ آپ نے فرمایا فیضل۔ کیا تمہارے اور اللہ کے مابین کوئی ایسا سلسلہ ہے جو میں دعا کروں تو قبول ہو۔ حضرت عیاض نے بات

---

[1] حضرت مولف مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنی ایک اور کتاب حدیقۃ الاولیاء میں اس روایت کو غلط قرار دیا ہے کہ بیبیاں حضرت مسلم بن عقیل کی اولاد تھیں۔ انکی تحقیق یہ ہے۔ یہ سید احمد توختہ ترمذی (م ۶۰۲ھ) کی بیٹیاں تھیں انکے نام عرب خواتین سے مختلف ہیں اور اہل بیت میں ان ناموں کی کوئی صاجزادی آج تک تاریخ کے صفحات پر نظر نہیں آتی۔ یہ عارفات۔ کاملات غوث زمانہ حضرت توختہ ترمذی وفات کے بعد شہر چھوڑ کر قلعہ گوجر سنگھ (موجودہ مقام مزارات) کے مشرق کی طرف آکر قیام پذیر ہوئی ۶۱۴ھ کو جلال الدین خوارزم کے تعاقب میں چنگیز خان اپنا لشکر لے کر آیا۔ تو اس نے لاہور میں قتل عام کیا۔ ان بیبیوں نے ان تاتاریوں کے ظلم وتشدد سے بچنے کے لئے اللہ سے اپنی حفاظت کی دعا مانگی۔ جو قبول ہوئی اور زندہ درزمین چلی گئیں۔ دوپٹوں کے پلے زمین سے باہر نظر آتے تھے جن پر موجودہ مزارات تعمیر کر دیئے گئے۔

سن کر نعرہ مارا بے ہوش ہو گئے۔

بی بی شوانہ کی وفات سکینۃ الاولیاء نے ۱۷۵ھ لکھی ہے۔

چو شوانہ از دار دنیا بر فت ۔ شدہ زیب خلد اندر جناں

بتاریخ ترحیل آں نیک ذات ۔ نعیمہ ۔ معینہ ۔ یقینہ بخواں

۱۷۵ھ ۱۷۵ھ ۱۷۵ھ

آپ بصرہ کی عابدہ تھیں حضرت معاذ عدویہ

بی بی غفیرہ العابدہ رحمۃ اللہ علیہا:۔ کی مجلس میں شرکت کرتی تھیں۔ اللہ کے خوف سے اتنی روئیں کہ آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ لوگوں نے پوچھا۔ کہ نابینائی نے آپ کو کتنا دکھ دیا۔ بولیں۔ اللہ سے محجوب ہونا اس درد سے زیادہ دردناک ہے۔ اقوالِ صحیحہ میں آپ کی وفات ۱۸۰ھ میں ہوئی تھی۔

چوں غفیرہ از جہاں ۔ پُر فنا ۔ رفت در جنت بعزّ و باکمال

زندہ دل نیک است سن رحلتش ۔ عابدہ محمود گو سالِ وصال

۱۸۰ھ ۱۸۰ھ

آپ امت محمدیہ کی عارفات میں سرفہرست

حضرت بی بی رابعہ رحمۃ اللہ علیہا:۔ ہیں۔ متقدمین میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ صاحب کرامات و درجات تھیں۔ آپ کے اوصاف حمیدہ تحریر و تقریر سے کہیں زیادہ ہیں۔ پیرانِ عظام اور مشائخ کرام باطنی مسائل کے حل کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے رہے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری جیسے بلند پایہ علماء کرام و ائمہ عظائم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت رابعہ ساری رات نماز میں کھڑی رہتیں۔ لیبا اوقات سحر تک ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر نماز ادا کرتیں تھیں۔ عام حالات میں ایک رات کے اندر ہزار ہزار

رکعت نماز پڑھتیں۔

تذکرہ الاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا حج بیت اللہ کے ارادے سے نکلیں۔ ایک صحرا میں سے گذر رہی تھیں گدھے پر سامان لدا ہوا تھا۔ صحرا کے درمیان پہنچیں تو گدھا مر گیا۔ قافلہ والوں نے کہا۔ آپ کا سامان ہم اٹھا لیتے ہیں۔ آپ ہمارا ساتھ دیں فرمانے لگیں۔ میں تمہارے بھروسہ سفر نہیں کر رہی۔ مجھے تو اپنے اللہ پر بھروسہ اور توکّل ہے قافلہ چلا گیا۔ اور اکیلی رہ گئیں۔ سجدہ میں سر رکھ کر دعا کی۔ اے اللہ! کیا بادشاہ ایک مسافر عورت سے یہی سلوک کیا کرتے ہیں؟ پہلے تو مجھے اپنے گھر کی زیارت کے لئے سفر اختیار کرنے کی ہمت دی۔ پھر راستہ میں لاکر میرا گدھا چھین لیا۔ اور مجھے تن تنہا صحرا میں لا کھڑا کیا۔ ابھی دعا پوری نہیں ہوئی تھی۔ کہ گدھا کان جھاڑتا ہوا اٹھا۔ حضرت بی بی نے رختِ سفر دوبارہ لادا اور مکہ مکرمہ پہنچیں۔ راوی کہتا ہے کہ ایک عرصہ کے بعد میں نے وہی گدھا دیکھا۔ کہ حضرت رابعہ نے فروخت کر دیا۔

سکینۃ العارفین میں آپ کا یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ کہ آپ چار بہنیں تھیں آپ سب سے چھوٹی چوتھی بہن تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کا نام رابعہ رکھا گیا تھا جس رات آپ پیدا ہوئی تھیں۔ آپ کے باپ کے گھر میں اتنا کپڑا بھی نہ تھا۔ کہ آپ کے بدن کو لپیٹا جاتا دیئے میں اتنا تیل نہ تھا کہ روشنی رہتی۔ آپ کی والدہ نے آپ کے والد کو کہا کہ فلاں ہمسائے کے پاس جاؤ۔ اور تیل لے آؤ۔ رابعہ کے والد نے اپنے دل میں عہد کیا تھا۔ کہ اللہ کے بغیر کسی سے کچھ نہیں مانگیں گے۔ لیکن مجبوراً ہمسائے کے دروازے پر آئے دروازہ کھٹکھٹایا۔ مگر کوئی جواب نہ آیا۔ گھر والے سوئے ہوئے تھے۔ دل تنگ ہو کر واپس آ گئے اور مایوس ہو کر سو گئے۔ خواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا تنگ دل نہ ہو۔ اور غم نہ کرو۔ یہ بچی جو آج پیدا ہوئی ہے۔ یہ سیّدہ ہے شفیقہ ہے۔ اس کی روحانی روشنی دنیا کو روشن کرے گی اور میری امت کے ستر ہزار لوگ اسی کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ اگر تم غربت کی وجہ سے غم زدہ ہو تو صبح اٹھ

کر امیر بصرہ کے پاس جانا اور میری طرف سے ایک رقعہ لکھ لینا۔ اور کہنا کہ تم ہر رات ایک سو بار درود پاک پڑھا کرتے تھے۔ اور جمعرات کو چار سو بار درود پڑھتے تھے۔ اس جمعرات کو درود پڑھنا بھول گئے ہو۔ اس کا کفارہ چار سو دینار بنتا ہے۔ حامل رقعہ کو دے دو۔ امیر بصرہ سے چار سو دینار لے کر خرچ کر لینا۔

حضرت رابعہ کے والد نیند سے اٹھے۔ روئے۔ خط لکھا۔ اور صبح امیر بصرہ کے پاس جا پہنچے۔ امیر بصرہ کے حاجب کو خط دیا۔ تاکہ وہ امیر بصرہ کی خدمت میں پیش کرے۔ امیر بصرہ خط پڑھ کر بڑا خوش ہوا۔ چار سو دینار پیش کئے۔ دس ہزار دینار بطور شکرانہ عام غریبوں میں تقسیم کئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یاد فرمایا ہے دوسرے دن خود بپائے چشم حضرت رابعہ کے والد کے گھر حاضری دی۔ قدموں میں سر رکھ دیا۔ اور بڑی عزت وتکریم سے جدا ہوئے۔

جس دن حضرت رابعہ حج کو روانہ ہوئیں۔ تو ابھی راہ میں ہی تھیں کہ دیکھا کہ کعبۃ اللہ استقبال کو آ رہا ہے۔ حضرت رابعہ نے کعبۃ اللہ کو آتے دیکھ کر فرمایا۔ مجھے بیت اللہ نہیں چاہیئے۔ مجھے رب کعبہ چاہیئے۔ اسی سال سلطان ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ حج بیت اللہ کو گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ کعبۃ اللہ اپنے مقام پر نظر نہیں آ رہا۔ حالانکہ آپ گھر سے چلے تو ہر قدم پر دو دو نفل نماز ادا کرتے گئے اور اس طرح چودہ سال لگے پھر جا کر بلخ سے مکہ مکرمہ پہنچے تھے۔ فرمانے لگے۔ کیا میری بینائی میں کمی آگئی ہے۔ کہ بیت اللہ نظر نہیں آ رہا۔ ہاتف نے آواز دی۔ آپ کی نظر کی کوتاہی نہیں دراصل کعبۃ اللہ ایک نیک بی بی کے استقبال کو گیا ہوا ہے۔ حضرت ادھم نے دیکھا۔ کہ حضرت رابعہ بصریہ آ رہی ہیں۔ اب کعبہ اپنی جگہ قائم ہے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ رابعہ یہ کیا شور کرامت ہے جو تم نے دنیا میں برپا کر رکھا ہے۔ کہ کعبۃ اللہ کو اپنے استقبال کے لئے بلا رہی ہو۔ حضرت رابعہ فرمانے لگیں۔ ابراہیم شور تو تم نے برپا کر رکھا ہے کہ چودہ سال سے ایک ایک قدم پر نفل ادا کرتے آ رہے ہو۔ اور چودہ سال دیر کر کے اللہ کے گھر میں حاضر ہوئے ہو۔ ابراہیم نے کہا۔ رابعہ مجھے چودہ سال اللہ کی نماز پڑھتے

صحرا میں گزرے۔ آپ نے فرمایا۔ تم چودہ سال اللہ کی نماز میں رہے میں عمر بھر اللہ کے نیاز میں رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ تم اللہ کے گھر پہنچے۔ تو وہ اپنی جگہ پر نہ تھا۔ میں نیاز مندانہ حاضر ہوئی تو وہ مجھے لینے آگے بڑھا۔

لوگوں نے حضرت رابعہ سے پوچھا تم اللہ سے محبت رکھتی ہو۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ لوگوں نے پھر پوچھا۔ تم شیطان سے دشمنی کرتی ہو۔ کہنے لگیں مجھے دوست کی دوستی سے فرصت ہی نہیں کہ کسی سے دشمنی کروں۔

مشائخ کرام میں دو حضرات حضرت رابعہ بصریہ کی زیارت کو گئے۔ دونوں بھوکے تھے۔ اور تھکے ہوئے تھے۔ وہ دل میں کھانے کی آرزو لئے پہنچے۔ حضرت رابعہ نے دو روٹیاں جو رات کی پڑی ہوئی تھیں۔ پیش کیں۔ مگر اسی وقت دروازے پر ایک سائل نے آواز دی۔ کہ اسے روٹی دی جائے۔ حضرت رابعہ نے دونوں روٹیاں اٹھائیں اور سائل کو دے دیں۔ دونوں مہمان بڑے حیران ہوئے اور مایوس بھی۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد ایک کنیز دروازے میں داخل ہوئی اُس کے سر پر ایک دستر خوان تھا۔ اور کہنے لگی میری مالکہ مخدومہ نے یہ روٹیاں آپ کے لئے بھیجی ہیں۔ حضرت رابعہ نے روٹیاں گنیں۔ تو اٹھارہ تھیں۔ حضرت رابعہ نے کہا۔ یہ روٹیاں واپس لے جاؤ۔ یہ میرے لئے نہیں ہیں کسی اور کی ہونگی تمہاری مخدومہ کو غلطی لگی ہے۔ واپس گئی۔ تو واقعی مالکہ نے کہا۔ میں تو بیس روٹیاں بھیجنا چاہتی تھی۔ بیس روٹیاں دیں تو وہ کنیز دوبارہ حاضر ہوئی۔ حضرت رابعہ نے بیس روٹیاں میں اور مہمانوں کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا۔ دو کے بدلے تو اللہ تعالیٰ نے بیس روٹیاں مقدر کی ہوئی تھیں مہمان حضرت رابعہ کے اس انداز مہمان نوازی کو دیکھ کر حیران ہوتے رہے۔ حضرت رابعہ نے فرمایا۔ جب تم میرے پاس آئے تو مجھے احساس تھا کہ تم بھوکے ہو۔ مگر میرے پاس صرف دو روٹیاں تھیں۔ ان دو روٹیوں سے تمہارا پیٹ نہیں بھر سکتا تھا۔ سائل آیا۔ میں نے اللہ سے تجارت کی۔ وہ دو کے بدلے بیس دیتا ہے۔ میں نے روٹیاں اس کے راہ میں دے دیں مجھے یقین تھا۔ اللہ تعالیٰ ضرور

بیس روٹیاں دے گا۔ کنیز آئی میں نے گنیں اٹھارہ تھیں۔ یہ کمی نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے واپس کر دیں۔ یہ حساب میں غلطی کی وجہ سے تھیں۔ بیس آئیں تو تمہارے لئے حاضر کر دیں۔

ایک بار بصرے کے چند مسخرے از رہ مذاق حضرت رابعہ کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔

رابعہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے تین ایسی فضیلتیں دی ہیں۔ جن سے عورتیں محروم ہیں

۱۔ مرد کامل العقل ہوتے ہیں۔ جب کہ عورتوں کو ناقص العقل قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔

۲۔ عورتیں ناقص الدین ہوتی ہیں۔ ہر ماہ انہیں چند دن نماز سے محروم رہنا پڑتا ہے۔

۳۔ آج تک کوئی عورت پیغمبری کے منصب پر فائز نہیں ہوئی۔

حضرت رابعہ بصریہ نے ان لوگوں کی باتوں کو سنا۔ اور فرمایا۔ عورتوں کو تین ایسی فضیلتیں عطاء کی ہیں جن سے مرد محروم ہیں۔

۱۔ آج تک کسی عورت نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔

۲۔ عورتوں کے ہاں مخنث نہیں ہے۔ یہ خاصہ صرف مردوں کے لئے ہے۔

۳۔ مردوں میں جتنے انبیاء۔ اولیاء۔ صدیق اور شہدا ہوئے ہیں عورتوں نے جنے ہیں اور انہوں نے ہی انہیں پرورش کیا ہے۔

حضرت رابعہ ابھی سن بلوغت کو نہیں پہنچی تھیں۔ کہ آپ کے والدین انتقال کر گئے۔ ان دنوں ملک میں قحط پڑا ہوا تھا۔ آپ کی دوسری بہنیں۔ تلاش رزق کے لئے اِدھر اُدھر چلی گئیں حضرت رابعہ بھی بصرہ سے نکلیں۔ کسی سفاک آدمی نے آپ کو پکڑا۔ اور فروخت کر دیا رابعہ نئے مالک کے پاس خدمت گزاری میں مصروف رہتیں۔ رات کو اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتیں ایک رات حضرت رابعہ سجدہ میں سر رکھے اللہ کی بارگاہ میں رو رو کر التجا کر رہی تھیں۔ "اے اللہ۔ تو جانتا ہے۔ کہ اگر میرا اختیار ہوتا۔ اور آزاد ہوتی۔ تو تیری اطاعت و عبادت میں ذرہ بھر بھی کوتاہی نہ کرتی لیکن مجھے ایسے شخص کی خدمت گذاری کے لئے بھی وقت دینا پڑتا ہے۔ جو تیرے مقام سے

ناواقف ہے۔ دعا کے دوران آپ کے سر پر ایک چراغ معلق ہوتا۔ اور خود بخود روشنی پھیلا رہا تھا
حضرت رابعہ کے مالک نے حضرت رابعہ کو اس حالت میں دیکھا۔ نیند سے اٹھ بیٹھا۔ بڑا متفکر تھا۔ اور
دل میں سوچنے لگا۔ میں ایسی نیک بی بی کو اپنی خدمت میں مصروف رکھتا ہوں۔ یہ کسی طرح مناسب
نہیں۔ مجھے تو ان کی خدمت کرنا چاہیئے۔ دوسرے دن صبح کے وقت حضرت رابعہ کو بلایا۔ آزادی کا
پروانہ دیا۔ حضرت رابعہ ایک صحرا میں چلی گئیں۔ اور ہمہ وقت یاد خداوندی میں بسر کرنے لگیں۔
حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں کبھی کبھی حاضر ہوتیں۔ حضرت خواجہ بھی آپ سے
نہایت شفقت فرماتے۔

ایک دن آپ اپنے حجرے میں مشغول بعبادت تھیں۔ بڑی تھکی ہوئی تھیں۔ بے خوابی
اور تھکاوٹ نے اثر کیا سو گئیں۔ رات کو چور آیا۔ آپ کی چادر پر ہاتھ ڈالا۔ اور باہر بھاگنے لگا
مگر اسے راستہ نہ ملا۔ چادر چھوڑ دی۔ دروازہ نظر آ گیا۔ مگر پھر لالچ نے مجبور کیا۔ چادر کھینچی۔ مگر
راستہ نہ ملا۔ وہ بار بار ایسا کرتا رہا۔ آخر کار حجرے کے ایک کونے سے آواز آئی۔ کہ حیران ہونے
کی کوئی بات نہیں۔ اس نے اپنے آپ کو ہمارے سپرد کیا ہے ہم اس کی چادر کی خود حفاظت
کریں گے۔ تم تو چور ہو۔ یہاں ابلیس جیسی طاقت کو ہمت نہیں ہوتی کہ نقصان پہنچا سکے۔ یاد
رکھو۔ اگر ایک سوتا ہے تو دوسرا دوست کی نگرانی میں جاگتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے چند دوستوں کو لے کر حضرت
رابعہ بصری کے گھر گئے۔ اس وقت حضرت رابعہ کے گھر چراغ نہیں تھا۔ مہمانوں کی سہولت
کے لئے آپ نے اپنی انگشت شہادت کو اپنے لبوں سے چھویا اور چراغ کی طرح روشن کر دیا
اور اس طرح صبح تک چراغ جلتا رہا۔

ایک دن خواجہ حسن بصری نے رابعہ بصریہ کو مشورہ دیا کہ نکاح کر لو۔ رابعہ نے کہا
نکاح کی ضرورت تو جسم کو ہوتی ہے۔ میں تو اپنے جسم کو فنا فی اللہ کر چکی ہوں۔
جب حضرت رابعہ کی موت کا وقت قریب آیا۔ آپ صاحب فراموش تھیں۔ اکابران

وقت آپ کی عیادت کے لئے پہنچے۔ کہنے لگی۔ اٹھو! میرے پاس اللہ کے رسول (فرشتے) آرہے ہیں انہیں بیٹھنے کی جگہ دو۔ لوگ اٹھے۔ آواز آئی۔ یا ایھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ المرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی اس کے بعد کوئی آواز نہ آئی۔ لوگ پھر آپ کے پاس آئے۔ دیکھا۔ کہ آپ کا روح قفس عنصری سے پرواز کر چکا ہے۔

حضرت رابعہ کی وفات ۱۸۵ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار آج تک بصرہ میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

رابعہ چوں زین جہاں چار دبو ۔ رفت در دربار جنت یافت بار
سال تاریخش زمسکیناں بجو ۔ بار معودہ بخواں اے باوقار

۱۸۵ھ ۔ ۱۸۵ھ

بی بی نفیسہ قدس سرہا:- والد کا نام حسن بن زید تھا۔ آپ قدیم محدثہ تھیں۔ مصر میں پیدا ہوئی۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مصر گئے تو آپ سے احادیث کی سند حاصل کی۔ حضرت امام شافعی کا انتقال ہوا تو آپ کا جنازہ بی بی نفیسہ کے گھر لے جایا گیا پھر تدفین ہوئی۔ آپ کی وفات ماہ رمضان ۲۰۹ھ میں ہوئی۔

چونکہ معصومہ زبان نفیسہ ۔ شد ز عالم بجنت الاعلی
رحلتش جو ز لفظ صدیقہ ۔ بار لفظش مقدسہ فرما

۲۰۹ ۔ ۲۰۹

فاطمہ نیشاپوریہ قدس سرہا:- آپ خراسان کی عارفات میں سے تھیں۔ مکہ معظمہ کی مجاور رہیں کبھی کبھی بیت المقدس کی زیارت کو بھی جایا کرتی تھیں۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے "میں نے ساری عمر میں ایک مرد اور ایک عورت دیکھی ہے۔ عورت

فاطمہ نیشا پوریہ ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا۔آپ کے نزدیک اس زمانے میں مرد حق اور بزرگ ترین شخصیت کونسی ہے۔آپ نے فرمایا:"میں مکہ معظمہ میں ایک عورت کو دیکھا ہے۔جس کا نام فاطمہ نیشا پوریہ ہے۔آپ ضم معانی قرآن کو واضح طور پر بیان فرمایا کرتی تھیں۔اور مجھے ان کا انداز بیان بڑا پسند آتا ہے۔"

سفینۃ الاولیاء کے مصنف نے آپ کا سال وفات ۲۲۳ھ لکھا ہے۔

شد چو از دنیا بفردوس بریں ۔ صوفیہ والا ولیہ فاطمہ

بہر سالِ ارتحالِ آں جناب ۔ شد ندا از دل جمیلہ فاطمہ

۲۲۳ھ

نیز وصل روز اکبر شد عیاں ۔ باز دل آگاہ جیبیہ فاطمہ

۲۲۳ھ ۲۲۳ھ

بی بی تحفہ قدس سرہ:- آپ کاملات۔عارفات۔فاضلات اور واصلات میں سے تھیں حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات بڑا مضطرب تھا۔ مجھے رات بھر نیند نہ آئی میں اٹھا۔اور گھر سے باہر جا نکلا۔ میں نے سرکاری ہسپتال (شفاخانہ) کا رخ کیا۔تاکہ وہاں مصیبت زدہ لوگوں کو دیکھ اپنا اضطراب اور غم ہلکہ کر سکوں۔ مجھے وہاں ایک ایسی لڑکی دکھائی دی جو حُسنِ صورت سے مزّین تھی۔خوبصورت کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور اس سے مہک آرہی تھی لیکن بایں ہمہ اس کے دونوں ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی زار وقطار رونے لگی۔اور بڑے دردناک اشعار پڑھنے لگی۔میں نے ہسپتال کے نگران سے پوچھا۔کہ یہ کون لڑکی ہے۔اس نے بتایا۔یہ ایک امیر آدمی کی کنیز ہے جو پاگل ہوگئی ہے۔اس امیر آدمی نے اسے ہسپتال میں داخل کرایا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ رکھے ہیں۔میں نے لڑکی سے حال پوچھا۔تو اس نے مجھے چند اور اشعار

سنائے جن میں توحید معرفت بھری ہوئی تھی۔ میں اس نتیجہ پہ پہنچا کہ پاگل نہیں، یہ تو عاشقان الٰہی میں سے ہے میں اس کی حالت زار پر بڑا رو دیا۔ مجھے پوچھنے لگی۔ کہ سقطی تم کیوں رو رہے ہو۔ میں نے پوچھا تمہیں میرا نام کس نے بتایا ہے۔ کہنے لگی جس نے تجھے یہاں پہنچایا ہے۔ اسی نے مجھے نام سکھایا ہے۔ میں پھر ہسپتال کے نگران سے ملا۔ اور کہا۔ اس لڑکی کو چھوڑ دو۔ یہ بیمار نہیں ہے۔ اس نے میری بات سنی۔ اسے کھول دیا۔ اور کہا تم جہاں چاہو جا سکتی ہے۔ وہ کہنے لگی سری! میں کیسے جا سکتی ہوں۔ میں ایک امیر آدمی کی کنیز ہوں۔ میرے حقیقی مالک نے ایک مجازی مالک کے قبضہ میں دے رکھا ہے اگر وہ اجازت دے دے تو میں چلی جاؤں گی۔ ورنہ مجھے صبر کرنا ہوگا۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ اس لڑکی کا مالک آ پہنچا۔ اور اس نے ہسپتال کے نگران سے دریافت کیا کہ تحفہ کہاں ہے۔ اس نے بتایا۔ کہ فلاں کمرے میں ہے۔ اور سری سقطی اس کے پاس بیٹھے ہیں۔ وہ بڑا خوش ہوا۔ اندر آیا۔ مجھے سلام کیا۔ بڑی عقیدت سے پیش آیا سری سقطی فرماتے ہیں۔ میں نے اس امیر آدمی کو کہا۔ یہ لڑکی عقیدت اور احترام کی مستحق ہے۔ یہ کس گناہ کی پاداش میں پابند سلاسل ہے۔ اس نے بتایا۔ یہ پاگل ہو گئی۔ نہ کھاتی ہے۔ نہ سوتی ہے حتیٰ کہ اس نے میری بھی نیند حرام کر دی ہے میری زندگی کا سارا اثاثہ یہی ایک لڑکی ہے۔ میں نے اسے بیس ہزار درہم دے کر خریدا تھا۔ مجھے امید تھی کہ خوش شکل ہے خوش اندام ہے پھر خوش آواز ہے۔ یہ مجھے سکوں دے گی۔ اگر فروخت کروں گا تو نفع دے گی۔ ایک رات یہ گا نا گا رہی تھی۔ ناگاہ رونے لگی۔ ساز توڑ دیئے۔ اور دیوانہ ہو گئی۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس امیر آدمی کو کہا۔ کہ اس کنیز کی قیمت مجھ سے وصول کر لو۔ بلکہ کچھ نفع بھی لے لو۔ وہ کہنے لگا۔ آپ ایک درویش انسان ہیں۔ اتنا روپیہ کہاں سے ادا کرو گے حضرت سقطی نے فرمایا تم یہاں ٹھہرو۔ میں روپیہ لاتا ہوں خود روتے روتے اپنے گھر گئے۔ اس وقت آپ کے پاس ایک روپیہ بھی نہ تھا۔ اللہ کی بارگاہ میں گر پڑے روتے روتے

کہنے لگے۔ اے اللہ۔ میں نے اس دنیادار سے خالی ہاتھ سودا کر لیا ہے۔ مجھے اس کے سامنے شرمسار نہ کرنا اسی وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ اٹھے تو دیکھا۔ کہ آپ کا ایک دوست تھا اور کہنے لگا۔ آج مجھے خواب آئی ہے۔ اور ہاتف نے آواز دی ہے کہ سونے سے بھری ہوئی چند تھیلیاں لے جا کر آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ اور آپ کو خوش کروں۔ تاکہ وہ تحفہ کو خرید سکیں۔ حضرت سری سقطی فرماتے ہیں۔ اُس کی بات سن کر میں سجدہ میں گر پڑا۔ سونے سے بھری ہوئی تھیلیاں اٹھائیں اور ہسپتال اس امیر آدمی کے سامنے جا رکھیں۔ ہسپتال کے نگران نے دیکھتے ہی کہا۔ سقطی۔ مرحبا! آؤ۔ تحفہ تو اللہ کی نیک بزرگ ہے اس کا مرتبہ بڑا بلند ہے۔ مجھے آج ہی ہاتف نے آواز دی ہے۔ کہ تحفہ ہماری برگزیدہ بندیوں سے ہے یاد رکھو۔ اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔ اسی اثنا میں تحفہ کا مالک آ گیا۔ وہ رو رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ رونا کیسے ہے۔ میں تحفہ کی قیمت اور اس پر تمہارا منافع پیش کرنے آیا ہوں۔ میں قیمت کے علاوہ پانچ ہزار نفع دے رہا ہوں وہ کہنے لگا۔ میں نے اسے اللہ کے لئے آزاد کر دیا ہے۔ آپ گواہ رہیں۔ میں سارے مال سے دستبردار ہو رہا ہوں۔ مجھے اگرچہ رات ہاتف نے سرزنش کی ہے اور حکم ہوا ہے۔ کہ تم تو اس دنیا سے ہماری طرف آ رہے ہو۔ کنیزوں کی خرید و فروخت میں کیا لو گے۔ ہسپتال کے نگران نے کہا۔ میں بھی آج سے تمام مال و دولت سے دست بردار ہوتا ہوں۔ اس کا نام احمد بن مثنیٰ تھا۔ وہ یاد الہیٰ میں مشغول ہو گیا۔

تحفہ آزادی حاصل کرنے کے بعد اپنے خوبصورت کپڑے اتار دیئے اور غریبوں کو دے دیئے اور خود بوریا پہن لیا۔ اور دیکھتے دیکھتے گم ہو گئی۔ حضرت سری سقطی فرماتے ہیں میں نے اسے تلاش کیا مگر وہ سارے شہر میں کہیں نہ ملی۔ کچھ عرصہ کے بعد میں نے حج کا ارادہ کیا احمد بن مثنیٰ اور وہ امیر آدمی جس نے تحفہ کو آزاد کیا تھا۔ بھی میرے رفیق سفر ہے۔ ہم تینوں سفر حج پر روانہ ہوئے۔ احمد تو راستے میں فوت ہو گئے۔ اور تحفہ کا سابقہ مالک بیت اللہ شریف پہنچے طواف کرتے کرتے ایک طرف سے مجھے ایک دردناک آواز سنائی دی۔ اس آواز سے

کان آشنا تھے۔ وہ وہی شعر پڑھ رہی تھی۔ جو میں نے کبھی سنے تھے۔ میں اس آواز کے پاس گیا۔ دیکھا۔ تو ایک خستہ حال عورت بیٹھی تھی۔ مجھے کہنے لگی سری تمہارا کیا حال ہے۔ مجھے پہنچانو۔ میں وہی تحفہ ہوں۔ جسے تم نے آزاد کر دیا تھا۔ حضرت سری فرماتے ہیں۔ تحفہ اپنی جوانی اور صحت سے محروم ہو چکی تھی۔ ضعیف بیمار اور نحیف تھی۔ میں نے کہا۔ تم نے ہم سے بھاگ کر کیا کمایا۔ کہنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی قربت کی قوت دی ہے اور اپنے غیروں سے بے نیاز کر دیا میں نے کہا ہسپتال کے نگران احمد بن مثنیٰ بھی آ رہے تھے۔ وہ تو راستہ میں فوت ہو گئے کہنے لگی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ اسے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں سے اتنا مالا مال کیا ہے کہ کوئی آنکھ آج تک نہیں دیکھ سکی تھی۔ وہ بہشت میں میرا ہمسایہ ہے۔ اور خوش خوش رہتا ہے میں نے کہا۔ تمہارا آقا بھی امسال میرے ساتھ حج کرنے آیا ہے۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر دیکھا زیرِ لب دعا کی۔ اور کعبۃ اللہ کے سامنے ہی گر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ اس کا وصال ہو چکا ہے۔ امیر آدمی نے جب اُسے مردہ دیکھا۔ تو اس کی لاش پر گر پڑا۔ اور رونے لگا۔ میں نے اسے اٹھانا چاہا۔ مگر وہ بھی فوت ہو چکا تھا۔ میں نے ان دونوں کی تجہیز و تکفین کی اور دفنا دیا۔

یہ واقعہ ۲۲۵ھ میں ہوا تھا۔

تحفۂ آں والی ولایت دل -	بود عالی ولیہ محسودہ
رحلتش زندہ دل ولیۃ خواں -	نیز فرما محب مسعودہ
۲۲۵ھ	۲۲۵ھ

بی بی اُم محمد قدس سرہا:۔ آپ ممتاز ولی اللہ شیخ ابی عبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ تھیں اپنے وقت کی صالحات وقانتات میں سے تھی۔ ان کے مشاہدات اور مکاشفات معروف زمانہ ہیں اپنے بیٹے کے ساتھ حجاز کے سفر میں گئیں۔

ایک بار شیخ عبداللہ خفیف رمضان کے آخری عشرہ کے دوران قیام اللیل کیا کرتے تھے

شب قدر کی رات کو کوشش کی کہ لیلتہ القدر کے انوار سے مستفیض ہوں۔ چنانچہ چھت پر نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ کی والدہ اپنے حجرہ میں بیٹھیں اپنے بیٹے کی اس نیک تمنا پر متوجہ تھیں۔ ناگاہ اس رات کے انوار نمودار ہوئے۔ آواز دے کر کہنے لگیں۔ بیٹا جو چیز تم چھت پر تلاش کرتے بیٹھے ہو۔ مجھے حجرے میں نصیب ہوگئی ہے۔ حضرت خفیف چھت سے نیچے آئے اور والدہ کے حجرے میں شب قدر کے انوار کو پالیا۔ اور والدہ کے قدموں پر گر پڑے۔

اُمّ محمد کا انتقال ۳۱۲ھ میں ہوا۔

حضرت ام ولد والیہ ۔ شدچواز دنیائے دُوں اندر جناں
ارتحال او چو جستم از خرد ۔ گفت دل معصومہ دل آگاہ خواں

بی بی اُمتہ الواحد قدس سرہا:- آپ کا نام نامی سکینہ تھا۔ والد کا اسم گرامی حسین بن اسماعیل تھا آپ علوم تفسیر اور فقہ میں یگانہ روزگار تھیں۔ حدیث اور فرائض میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھیں۔ آپ کو امامہ کا خطاب ملا تھا۔ ماہ رمضان المبارک ۳۷۷ھ میں ہوئی جب کہ نوے سال کی عمر تھی۔

امتہ الواحد ولیہ باوقار ۔ یافت از دنیا چو باحق اتصال
بادشاہ دین بگو تاریخ اُو ۔ قطبہ دوراں بخواں سال وصال

بی بی اُمتہ السلام قدس سرہا:- آپ کے والد گرامی کا نام نامی قاضی ابوبکر بن کامل بن خلف تھا۔ آپ حضرت شیخ محمد اسماعیل اجلانی کی شاگردہ تھیں۔ بڑے فضائل اور کمالات کی مالک تھیں۔ شیخ زاہدی اور ابو علی قدس سرہما آپ کے ہی شاگرد تھے۔ آپ ظاہری اور باطنی علوم میں عاملہ اور کاملہ تھیں۔

سکینۃ الاولیاء نے آپ کی ولادت ۳۱۸ھ اور وفات ماہ رجب المرجب ۳۹۵ھ میں لکھی ہے

شہ عفت ولیہ اُم السلام ۔ کہ آمد ختم بر وے نام تفصیل
تو بیدش سلیمہ اُم السلام ۔ بگو سرور فقیر سال ترحیل

۳۹۵ھ ۔ ۳۹۵ھ

بی بی میمونہ واعظہ قدس سرہا:- آپ کے والد ماجد کا نام شاقولہ تھا۔ آپ حافظ قرآن تھیں اور بے نظیر واعظہ تھیں۔ ایک دن وعظ فرما رہی تھیں۔ فرمانے لگیں۔ کہ انسان اپنے لباس کو حلال کے مال سے تیار کرائے۔ اور پہن کر گناہ سے اجتناب کرے تو وہ لباس جلدی نہیں پھٹتا۔ میں نے جو پیراہن پہن رکھا ہے۔ یہ میری والدہ نے تیار کیا تھا مجھے سنتالیس سال ہو گئے ہیں کہ پہنا تھا۔ مگر آج تک ویسے ہی نیا معلوم ہوتا ہے۔

آپ کے ایک بیٹے شیخ عبد الغفور نقل کرتے ہیں کہ ہمارے گھر کی ایک دیوار بڑی پرانی تھی اور بوسیدہ تھی۔ مجھے ہر وقت خطرہ رہا کرتا تھا۔ کہ ابھی گری۔ میں نے ایک بار اپنی والدہ سے کہا اس دیوار کو از سر نو بنا لیا جائے۔ تاکہ گر نہ پڑے۔ میری والدہ نے ایک کاغذ کا ٹکڑا لیا۔ اس پہ کچھ لکھا اور مجھے کہا کہ اسے دیوار پہ چسپاں کر دو۔ میں نے ایسا ہی کیا یہ دیوار بیس سال تک ویسے ہی رہی۔ میری والدہ فوت ہو گئیں میں نے ایک دن وہ کاغذ دیوار سے اُتار دیا۔ کاغذ اتارا ہی تھا۔ کہ دیوار گر پڑی

بی بی میمونہ کا انتقال ۳۹۵ھ میں ہوا تھا۔

حضرت میمونہ آن بیدار دل - رفت از دنیا چو در خلد بریں
بہر سالِ ارتحال آن جناب - شد رواں از عقل دریائے یقین

بی بی اُمّ محمد قدس سرہا:- والد کا اسم گرامی محمد بن علی بن عبد اللہ تھا۔ آپ ابن سمعون کی مجلس کی فیض یافتہ تھیں۔ صدق و صلاح اور ورع و تقویٰ میں یگانہ روزگار تھیں۔ زہد و ریاضت میں بے مثال تھیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۳۷۴ھ میں ہوئی اور وفات حسرت آیات ۴۶۰ھ میں ہوئی۔

آپ کا مزار حضرت ابن سمعون کے پہلو میں ہے۔

حضرت اُمّ محمد اُمّ دین - سالکہ بود ست در راہ خدا
طاہرہ محبوبہ کامل بگو - سال تولیدش بقول اصفیاد

۴۰۷ھ

رحلتش معصومہ صدیقہ است - شد بدل از ہاتف غیبی ندا

۴۶۰ھ

بی بی سیّدہ خدیجہ واعظہ قدس سرہا:- آپ کبار عارفات وصالحات میں سے تھیں حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی پھوپھی تھیں۔ کہتے ہیں ایک بار جیلان میں خشک سالی ہو گئی۔ لوگ بارش کے لئے دعا کرنے باہر نکلے۔ دعا کی مگر بارش نہ ہوئی۔ آخر کار تمام لوگ حضرت بی بی خدیجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بارش کے لئے دعا کی درخواست کی آپ اٹھیں۔ اپنے صحن میں جھاڑو دیا۔ اور کہنے لگیں۔ یا اللہ! میں نے جھاڑو دے دیا ہے۔ اب اس پر آب پاشی تو فرمادے! اُسی وقت بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا۔ اتنی بارش ہوئی۔ کہ تمام علاقہ سیراب ہو گیا۔

آپ ۴۷۵ھ میں ۴۰ سال کی عمر میں فوت ہوئیں۔

چوں خدیجہ سیّدہ باعز و جاہ - یافت از دنیا بقرب حق وصال
عاشقہ تحریر کن ترحیل او - محرم حق سیّدہ وال ارتحال

۴۷۶ھ ۴۷۶ھ

بی بی کریمہ مروزیہ قدس سرہٗ:- آپ کے والد کا اسم گرامی احمد بن محمد بن ابی حاتم تھے۔ آپ بڑی عالمہ۔ عابدہ اور بزرگ تھیں صوری اور معنوی رموز کی جامع تھیں۔ ظاہری اور باطنی علوم میں یکتا تھیں۔ حدیث کا درس دیا کرتی تھیں۔ آپ کی وفات ۴۶۴ھ میں ہوئی تھی۔

سفینۃ الاولیاء میں تذکرۃ النساء کے حوالے سے سال وفات ۴۷۵ھ لکھا ہے۔

چوں کریمہ مکہ ماہل کرم ۔ رفت از دنیا بخلد جاودان
شد ز دل زاہد بدیعہ عارفہ ۔ سرور سال وصال اُو عیاں

۴۶۶ھ

بی بی فاطمہ واعظہ قدس سرہا:۔ والد کا اسم گرامی حسین بن حسن تھا۔ آپ کی مجلس میں نیک عورتیں آتیں اور آپ کے وعظ سے فیض یاب ہوئی تھیں۔ آپ کی وفات ۵۲۱ھ میں ہوئی۔

فاطمہ چوں از جہاں پُر فنا ۔ رفت با حق یافت جنت در وصال
فاطمہ منصورہ گو تاریخ اُو ۔ ہم بخواں مشعوقہ سال ارتحال

۵۲۱ھ

فاطمہ بنت نصر بن عطار قدس سرہا:۔ سیدہ عالی قدر تھیں زہد و ریاضت میں کمال رکھتی تھیں۔ مجاہدہ میں مقام بلند کی مالک تھیں، بڑے مدارج پر فائز تھیں کہتے ہیں اپنی ساری زندگی میں صرف تین بار گھر کی چاردیواری سے باہر قدم رکھا۔ آپ کی وفات ۵۷۳ھ میں ہوئی

فاطمہ عالمہ کز فضل خویش ۔ بُرد ز دنیا کش بجنت خدا
سال وصالش چو بجستم ز دل ۔ گفت بگو مشفقۂ اولیا

بی بی سارہ قدس سرہا:۔ آپ حضرت شیخ نظام الدین ابو المؤید قدس سرہ کی والدہ تھیں، ریاضت و عبادت میں بے نظیر تھیں۔ فقیہہ اور بزرگ تھیں۔

ایک بار دہلی میں بارش کی کمی سے خشک سالی ہو گئی۔ خلق خدا حضرت شیخ نظام الدین ابو المؤید کی خدمت حاضر ہوئی۔ حضرت شیخ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ کے حضور میں

التجائے باران کرتے وقت اپنی والدہ ماجدہ کا ایک پرانہ کپڑا اپنی جیب سے نکالا۔ اور اپنے ہاتھوں پر رکھ لیا اور کہنے لگے۔ اے اللہ۔ اپنی نیک بندی کے اس کپڑے کی طفیل ہمیں نا امید نہ فرما۔ اور بارش بھیج دے دعا کے فوراً بعد بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور شدید بارش ہوئی۔

حضرت بی بی سارہ کا سالِ وفات ۶۳۸ھ تھا۔ آپ کا مزار دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے متصل ہے۔

رفت چوں سارہ زین جہان فنا ۔ گشت در جنت خدا والی
گفت تاریخ رحلتش سرور ۔ قدس اللہ سرہٗ العالی

۶۳۸ھ

بی بی فاطمہ سام قدس سرہا:- آپ اپنے زمانہ کی صالحات۔ قانتات۔ اور عارفات میں سے تھیں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اور دوسرے بزرگانِ جنت کے ملفوظات میں آپ کا ذکر ملتا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ حضرت سلطان المشائخ بی بی فاطمہ کے روضہ میں بہت مشغول ذکر رہا کرتے تھے حضرت فریدالدین گنج شکر فرمایا کرتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فاطمہ سام کو عورتوں کی شکل میں مردِ حق بنا کر بھیجا ہے آپ کو حضرت شیخ مسعود شکر گنج اور شیخ نجیب الدین ترک سے رابطہ تھا اخبار الاخیار میں لکھا ہے۔ کہ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ بی بی فاطمہ سام بڑی صاحب تقویٰ اور باصلاحیت عورت تھیں۔ وہ نہایت بوڑھی ہو چکی تھیں جب میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ ایک محبوب خدا عورت تھیں۔ بعض اوقات مناسب احوالِ خود اشعار کہتیں۔ ان کا ایک شعر مجھے ابھی تک یاد ہے۔

ہم عشق طلب کنی وہم جاہ بخواہی ۔ ہر دو طلبی ادلے میسر نشود

آپ ۶۴۳ھ میں فوت ہوئیں۔ آپ کا مزار دہلی کے قرب وجوار میں ہے۔

جناب فاطمہ خاتون فردوس ۔ چو از دنیا بجنت یافت آرام
بسالِ ارتحال آں شہِ دین ۔ خرد فرمود پیر فاطمہ سام
۶۴۳ھ

حارفہ زمان تھیں مستجاب
بی بی قرسم والدہ فریدالدین گنج شکر قدس سرہا: الدعوات تھیں۔ زبان سے جو فرماتی پورا ہو جاتا۔ صاحب سیر الاولیاء۔ اخبار الاخیار۔ معارج الولایت فرماتے ہیں کہ حضرت فرید شکر گنج قدس سرہٗ ہانسی سے اجودھن (شکر گنج) آئے۔ اور قیام فرما ہوئے تو شیخ نجیب الدین متوکل کو ہانسی روانہ فرمایا۔ تاکہ اپنی والدہ کو اپنے ساتھ اجودھن لے آئیں۔ یہ شیخ نجیب الدین وہاں پہنچے۔ دوران سفر عین صحرا میں والدہ کو پانی کی ضرورت ہوئی اپنے بیٹے سے پانی مانگا۔ مگر وہاں پانی کہیں نہیں تھا۔ شیخ نجیب الدین نے والدہ ضعیفہ کو ایک درخت کے سایہ میں بٹھایا اور خود پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ واپس آئے تو والدہ کو وہاں نہ پایا۔ بڑے حیران ہوتے پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگے۔ مگر نہ مل سکیں حضرت گنج شکر مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورتِ حال نہایت پریشانی میں بیان کی۔ آپ نے فرمایا۔ ارواح طیبہ کے لئے کلام اللہ پڑھا جائے۔ غرباء و مساکین کو طعام کھلایا جائے۔ شیخ نجیب الدین نے ویسا ہی کیا۔ ایک عرصہ گزر گیا۔ والدہ نہ ملیں۔ ایک بار اسی راہ میں دوران سفر حضرت شیخ نجیب الدین کا گزر اسی درخت کی طرف ہوا۔ دل میں سوچ رہے تھے کہ اتنا عرصہ ہوا۔ والدہ کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ شاید اس صحرا میں کوئی نشان یا ہڈیاں ہی مل جائیں پھرتے پھراتے ایک جگہ پہنچے۔ چند انسانی ہڈیاں نظر آئیں خیال آیا۔ ہو نہ ہو نہ میری والدہ کی ہڈیاں ہوں گی۔ کسی شیر یا درندے نے انہیں ہلاک کر دیا ہو گا۔ اُن ہڈیوں کو جمع کیا۔ انہیں اپنے تھیلے میں ڈالا اور حضرت فرید شکر گنج کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا حال سنایا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ ہڈیاں میرے سامنے لاؤ وہ تھیلا اٹھا لائے جھاڑا۔ تو وہ بالکل خالی تھا۔ بڑے

حیران ہوتے والدہ کی گمشدگی اور پھر بڑیوں کی گمشدگی کا واقعہ بڑا عجیب و غریب تھا۔

آپ ۶۴۳ھ میں فوت ہوئیں۔

ز دنیا رفت در فردوس والا ۔ چو آں ام الفرید عالی عطیہ

پئے تاریخ وصل آں صفا کیش ۔ ندا گر دید لاثانی ولیہ

۶۴۳ھ

بی بی زلیخا قدس سرہا: آپ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی سلطان المشائخ قدس سرہٗ کی والدۂ بزرگوار تھیں۔ بڑی بزرگ، صالحہ صاحب عفت و عصمت عورت تھیں حضرت سلطان المشائخ فرمایا کرتے تھے میری والدہ کے سامنے کوئی مشکل کام آتا۔ تو اس کا نتیجہ انہیں پہلے ہی معلوم ہو جایا کرتا تھا۔ میرا اپنا بھی زندگی بھر یہ معمول رہا ہے کہ اگر مجھے کوئی مہم یا مشکل درپیش آتی تو میں اپنی والدہ کی قبر پہ چلا جاتا۔ مشکل پیش آتا۔ ایک ہفتہ یا کم از کم ایک ماہ میں مشکل حل ہو جاتی تھی۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ جن دنوں سلطان علاء الدین خلجی حضرت سلطان المشائخ کے خلاف ہو کر ایذا رسانی پہ آمادہ ہوا تو اس نے حکم دیا کہ سلطان المشائخ پہ مہینے کی پہلی تاریخ دربار میں پیش ہوا کریں ورنہ میں سخت سزا دونگا۔ یہ حکم سنتے ہی حضرت اپنی والدہ مرحومہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ اور کہا۔ بادشاہ دلی طور پر مجھے نقصان پہنچانے اور ایذا رسانی کے درپے ہے اگر پہلی تاریخ تک میرا کام نہ ہوا۔ تو میں مزار پہ آنا بند کر دوں گا۔ حضرت نے فرزندانہ ناز سے یہ بات تو والدہ کی بارگاہ میں کہہ دی۔ مگر دوسری طرف پہلی تاریخ کو سلطان قطب الدین اپنے امیر خسرو خان کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں۔ کہ یکم ماہ جمادی الآخر میری والدہ کا یوم وفات تھا۔ میں نے ایک ماہ قبل دیکھا کہ والدہ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح دھمک رہا ہے۔ میں دیکھتے ہی والدہ کے قدموں پر گر پڑا۔ یہ چاند کی پہلی تاریخ تھی۔ ماہ نو پہ مبارک پیش کی۔ میری والدہ نے مجھے اٹھایا اور بلا تامل کہا اگلے ماہ کس طرح مبارک دوگے میں سمجھ

گیا۔ والدہ کی وفات کا وقت آپہنچا ہے۔ میں کانپ گیا میرا دل بیٹھ گیا اور میری آنکھوں سے آنسو نہ نکلے۔ میں نے کہا مجھے کس کے حوالے کئے جا رہی ہو۔ فرمانے لگیں۔ کل بتاؤں گی اور حکم دیا کہ رات شیخ نجیب الدین کے گھر گذارو۔ میں وہاں چلا گیا۔ رات کے آخرین حصہ میں ایک خادمہ آئی اور کہا۔ تمہاری والدہ تمہیں یاد فرما رہی ہیں۔ کہنے لگیں تم نے کل جو بات پوچھی تھی۔ اس کا جواب سُن لو۔ اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف اٹھا کر کہنے لگی۔ "اے اللہ۔ میں اپنے بیٹے کو تمہارے حوالے کرتی ہوں" یہ کہتے ہی واصل بحق ہو گئیں۔

آپ جمادی الآخر کی یکم تاریخ ۶۴۸ھ کو فوت ہوئیں۔ آپ کا مزار حضرت شیخ نجیب الدین متوکل قدس سرہٗ کے مزار کے پہلو میں دہلی میں ہے

حضرت اُمّ نظام الدین ولی ۔ رفت از دنیائے دوں اندر جہاں

نام نامی اَش زلیخا گفتہ اند ۔ شد زلیخا سالِ وصل او بیان

۶۴۸ھ

بی بی اولیاء قدس سرہٗ:۔ آپ اپنے وقت کی صالحات میں سے تھیں۔ دہلی میں سکونت رکھتی تھیں صاحب الاخبار الاخیار نے لکھا ہے کہ آپ چالیس دن تک اپنے حجرے میں رہتیں۔ اسی دوران اپنے ساتھ چالیس کھجوریں رکھ لیتیں۔ چالیس دن مکمل ہوتے تو کھجوریں تمام کی تمام موجود ہوتیں۔

سلطان محمد تغلق آپ کا عقیدت مند تھا۔ آپ کی وفات ۶۵۵ھ میں ہوئی۔

رفت از دنیا چو در خلد بریں ۔ عارفہ والا ولیہ اولیاء

ارتحال او چو جستم از خرد ۔ مستقیہ گشت از رضوان ندا

۶۵۵ھ

بی بی راستی قدس سرہٗ:۔ آپ حضرت رکن الدین ابوالفتح ملتانی قدس سرہ کی والدہ ماجدہ تھیں آپ بڑی عابدہ زاہدہ تھیں۔ راستی اور درستگی میں

یگانہ عصر تھیں۔ قرآن کی حافظ تھیں۔ ہر روز ایک قرآن پاک ختم کرتی تھیں۔ اپنے خسر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ سے نسبت بیعت تھی۔ آپ کا وصال ۶۹۵ھ میں ہوا۔ مزار ملتان میں پاک دروازہ کے باہر واقعہ ہے۔ جمعرات کو لوگ جوق در جوق فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ لیکن مردوں کو مزار کے اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔

راستی مخدومۂ عالم کہ بود ۔ راست رو چوں تیر اندر راستی

ہست مخدومہ وصال پاک او ۔ سال ترحیلش چو از من خواستی

عارفہ کاملہ بی بی للہ کشمیری قدس سرہٗ

آپ خطۂ کشمیر بے نظیر کی عارفہ کاملہ تھیں۔ آپ بی بی ملالی کے نام سے شہرت رکھتی تھیں۔ کشف القلوب اور کشف قبور میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ خوارق وکرامت میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔ آپ کے والدین نے سلطان رنجو شاہ کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا۔ اور حضرت بلبل شاہ کشمیری جنہوں نے وادیٔ کشمیر میں اسلام پھیلایا تھا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ بی بی لَل بھی اپنے والدین کے ساتھ ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر نو سال تھی۔ حضرت بُلبل شاہ نے آپ کو اپنی بیٹی بنالیا۔ اور بڑی نظرِ شفقت رکھتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ لَل بی بی۔ عارفہ کاملہ ہوں گی۔ آپ جوان ہوئیں۔ تو والدین نے آپ کی شادی ایک ایسے شخص سے کی۔ جو آپ کے مقام اور عرفان سے ناواقف تھا۔ بی بی للہ ظاہر میں گھر کا کام کاج کرتیں مگر رات بھر یاد خداوندی میں مشغول رہتیں۔ دن کے وقت کام کے دوران میں یادِ خداوندی سے غافل نہ ہوئیں۔ لیکن حتی الوسع کوشش کرتیں کہ ان کے مقام سے کوئی شخص واقف نہ ہو۔ مگر جب جاذبِ حقیقی نے اپنی طرف زیادہ کھینچا تو ظاہری امور خانہ داری سے دُور رہنے لگی۔ اس طرح آپ کے رشتہ دار اور خاوند آپ سے بیگانہ رہنے لگے تعلقات خراب ہو گئے۔ حتیٰ کہ آپ کے خاوند کو آپ سے دلی ناراضگی پیدا ہو گئی اور وہ دل ہی دل میں آپ سے کینہ رکھتا۔

ایک دن آپ چشمہ آب سے پانی کا گھڑا سر پر اٹھائے پانی لا رہی تھیں۔ خاوند پیچھے سے آیا اور آپ پر زور سے ایک لاٹھی ماری۔ گھڑا ٹوٹ گیا۔ مگر اللہ کے حکم سے پانی منجمد ہو گیا۔ جو گھر لے آئیں۔ اور اسی پانی سے گھر کی ضروریات کو پورا کیا۔ صحرا میں جہاں پانی کے چند قطرے گرے وہاں سے چشمہ آب جاری ہو گیا۔

جس سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچنے لگا۔ آپ کی اس کرامت کو دیکھ کر لوگ جوق در جوق آپ کی زیارت کو آنے لگے دُور نزدیک شہرت ہوئی آپ کے گھر کے ارد گرد سینکڑوں ضرورت مند بیٹھے رہتے۔ اس صورت حال نے آپ کے معمولات پر اثر ڈالا۔ اور گھر کا سکون بھی درہم برہم ہو گیا آپ نے گھر سے مکمل طور پر ترک تعلقات کر لیا۔ اور یاد حق میں مشغول ہو گئیں۔ دن رات ویرانوں میں پھرتی رہتیں۔ اپنے اور بیگانوں سے رخ پھیر لیا۔ حتی کہ کھانا اور پینا بھی چھوڑ دیا گیا بیابانوں میں برف و باران کے دوران لباس اور خوراک سے بے نیاز گھومتی رہتیں۔ بے خور و خواب بادل پر پیچ و تاب بسر اوقات کرتیں۔ بسا اوقات حالت جذب و سکر میں عاشقانہ اشعار پڑھتی رہیں کشمیری زبان میں جو اشعار سنتا۔ بے خود ہو جاتا۔ آپ کو دنیا اور اہل دنیا تو کیا۔ اپنے آپ سے کی بھی خبر نہ ہوئی۔

ایک دن بی بی لَل حالت سُکر و مستی میں عریاں بازار میں گھوم رہی تھی۔ ناگاہ دُور سے حضرت بلبل شاہ آتے دکھائی دیئے ڈر گئیں۔ اور چیخ کر کہنے لگیں لوگو مجھے کپڑے پہناؤ مرد آ گیا۔ مرد آ گیا۔ میں ننگی ہوں مجھے شرم آتی ہے۔ بازار سے بھاگ کر ایک نانبائی کی دکان میں گھس گئیں۔ وہاں ایک تنور گرم تھا۔ اس میں کود گئیں۔ اور آگ کے شعلوں میں جا بیٹھیں۔ لوگ دَوڑے دَوڑے آئے۔ کہ لَل بی بی جل گئی۔ دیکھا تو آپ تنور میں بڑے سکون سے بیٹھی ہیں۔ حضرت بلبل شاہ بھی اس صورت حال کو دیکھ کر آئے۔ فرمایا لَلہ بیٹی یہ کیا شور ہے دو جہاں میں ڈال رکھا ہے۔ تنور سے باہر نکلو اور اپنا کام کرو۔ لَلہ آپ کی بات سن کر تنور سے باہر نکل آئیں لوگوں نے دیکھا۔ کہ آپ کے جسم میں خوبصورت لباس بدن پر چادر اور سر پر سرخ رومال بندھا ہوا

ہے۔حضرت کو دیکھ کر کہنے لگیں۔میں نے آپ کو دیکھا کہ بازار میں تشریف لارہے ہیں تو کپڑے
پہننے ضروری ہو گئے تھے۔مجھے اور کوئی جگہ نہ ملی تنور میں آبیٹھی۔

آپ ۷۵۶ھ میں فوت ہوئیں۔یہ زمانہ سلطان شہاب الدین بادشاہ کشمیر کا تھا۔تواریخ
اعظمی کے موتف نے آپ کی وفات کا واقعہ لکھا ہے۔کہ جس جگہ آج جامع مسجد بجبارہ بنی ہوئی
ہے اسی جگہ آپ آئیں۔بہت سے لوگ وہاں موجود تھے۔آپ نے حاضرین کو فرمایا۔یہاں سے
سب لوگ چلے جائیں اور مجھے یہاں تنہا رہنے دو۔لوگ چلے گئے تو آپکے جسم عنصری سے نور
کا شعلہ اٹھا۔جو آسمانوں تک پہنچا۔یہ آپ کی روح تھی جو جسم سے جدا ہوئی۔

چون بجاناں داد جاں شد در بہشت ۔ لَل ددی مجذوبہ عالی مکان
سرورا سالِ وصالِ طرفہ تر ۔ رحمت حق گو د مجذوبہ بخواں

۷۵۶ھ ۷۵۶ھ

اگرچہ اس عارفہ وقت کا عارفانہ کلام کشمیر کے صغیر و کبیر کی زبان پہ ہے مگر ہم آپ
کا ایک شعر تبرکاً تیمناً درج کرتے ہیں۔جو اہل ذوق کی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔

لا الٰہ یو زم گیویم وسوسہ الِا اللہ یو زم گیویم شہ
سجود ترادم موجود درتم او نوعاصی لَل لا مکان،

(ترجمہ میں نے جب لا الٰہ کو سمجھ لیا۔تو میرے دل میں وسوسے پیدا ہونے لگے۔جب
میں نے الِا اللہ کو سمجھ لیا تو میرے شبہات جاتے رہے۔میرا دل مطئن ہو گیا۔میں نے سجدہ چھوڑ[۱۵]
تو مسجود کو پالیا۔واحد کا تصور کیا۔تو موجود کو پالیا۔اب اس حال میں لَل مکان سے لا مکان
پر ہے۔

حضرت میراں محمد شاہ موج دریا بخاری
بی بی فاطمہ سیدہ گیلانی قدس سرہا:۔ لاہوری قدس سرہٗ کی زوجہ محترمہ تھیں۔
اور سید صفی الدین کی والدہ مکرمہ تھیں۔آپ سادات گیلانیہ میں سے تھیں۔آپ کے والد کا

اسم گرامی سید عبدالقادر ثالث بن سید عبدالوہاب بن سید محمد بالا پیر گیلانی تھا۔ آپ نہایت ہی بزرگ۔ عابدہ۔ زاہدہ اور متقیہ تھیں۔ آپ صاحب کرامت و خوارق تھیں۔ شرافت و نجابت وراثت میں ملی تھی۔ بی بی کلاں (بڑی بی بی صاحبہ) کے نام سے شہرت رکھتی تھیں۔

ایک بار آپ اپنے گھر میں تھیں۔ آپ کی چادر مبارک کسی وجہ سے مشکوک ہو گئی۔ جسے دھو کر آپ نے دھوپ میں ڈالا۔ تاکہ خشک ہو جائے چونکہ عصر کا وقت تھا۔ سورج کی دھوپ صرف آپ کے صحن کے اس درخت کے ایک کونے پر پڑ رہی تھیں۔ جو گھر کے ایک گوشے میں تھا۔ آپ درخت کے پاس آکر کہنے لگیں۔ میں تو تمہاری شاخوں پر چادر ڈالنا چاہتی ہوں۔ مگر تمہاری شاخیں تو بہت اونچی ہیں۔ فوراً درخت نے اپنا سر جھکا دیا۔ آپ نے چادر ڈالی اور درخت پھر اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ حضرت موج دریا اپنے گھر میں بیٹھے۔ یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ چادر کو درخت پر پھیلا دیکھا تو حیرانی سے اٹھے۔ انہیں اندازہ ہوا کہ بی بی صاحبہ خود درخت پر چڑھ گئی ہیں۔ ورنہ اتنی اونچی شاخوں پر چادر کا پہنچانا ناممکن تھا۔ جب آپ اندر آئیں تو حضرت نے نہایت غصے سے ڈانٹا۔ کہ پردہ نشین حیادار عورتوں کو اونچے درختوں پر چڑھنا نامناسب ہے۔ حضرت بی بی نے بتایا۔ میں درخت پر نہیں چڑھی تھی۔ درخت نے خود سر جھکا کر میری چادر کو پھیلا لیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر ایسا ہے۔ تو اٹھو میرے سامنے جس طرح درخت پر چادر ڈالی ہے۔ اسی طرح اتار دو۔ حضرت بی بی صاحبہ اٹھیں درخت کے پاس گئیں۔ اور درخت نے اسی طرح سر جھکا دیا۔ آپ نے اپنی چادر اتار لی۔ حضرت موج دریا نے آپ کی کرامت دیکھی تو پوچھا کہ تم نے یہ رتبہ کیسے حاصل کیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تو میرے آباؤ اجداد کی برکات میں سے ہے۔

آپ کا وصال ۱۰۱۶ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار حضرت موج دریا بخاری کے مزار کے پہلو میں ہے۔ اور گنبد کے نیچے زیارت عام و خاص ہے۔

شد ز دنیا چوں جناب فاطمہ ۔ سرمہ چشم جہاں شد خاک او
غوث اعظم بود جدِّ آں جناب ۔ اعظمہ آمد وصال پاک او

۱۰۱۶ھ

بی بی جمال خاتون قدس سرہا ۔ آپ حضرت میاں میر قادری لاہوری قدس سرہٗ کی ہمشیرہ تھیں۔ آپ عارفات و کاملات میں سے تھیں۔ ترک و تجرید میں رابعہ وقت تھیں۔ طریقہ فقر و سلوک اپنے بھائی۔ اپنی والدہ اور اپنی دادی سے حاصل کیا تھا۔ آپ سے بے شمار کرامتیں اور خوارق ظاہر ہوئی ہیں۔

سفینۃ الاولیاء کے مؤلف جناب داراشکوہ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ نے دو سیر غلہ اپنے ہاتھ سے ایک برتن میں ڈالا۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر روز ضرورت کے مطابق اسی برتن سے غلہ نکالتیں۔ رشتہ داروں۔ سائلوں اور فقیروں کو تقسیم کرتی رہیں۔ یہ سلسلہ ایک سال تک جاری رہا۔ کسی نے دیکھ لیا۔ تو یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ایک دن کسی عقیدت مند نے مچھلی کا شکار کر کے۔ بی بی جمال کی خدمت میں پیش کی۔ آپ اس وقت تشریف فرما تھیں۔ مچھلی پر نگاہ ڈالی تو نور کی ایک کرن نمودار ہوئی۔ فرمانے لگیں۔ یہ بڑی بابرکت مچھلی ہے۔ اسے محفوظ کر لو۔ کہتے ہیں ایک عرصہ تک وہ مچھلی آپ کے حوض میں محفوظ رہی۔ اس سے بڑی برکات حاصل ہوتی رہیں۔ اور ایک عرصہ تک آپ کے حوض میں رہی۔

آپ کی وفات سنہ ۱۰۴۹ھ میں ہوئی۔

عارفہ خاتون دین بی بی جمال ۔ ذات او آمد سعیدہ اعظمہ
ارتحال او چو جستم از خرد ۔ شد ندا از دل وحیدہ اعظمہ

۱۰۴۹ھ

ختم شد

مجاذیب و مجانینِ اسلام

خاکسارانِ جہان را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ درین گرد سوارے باشد
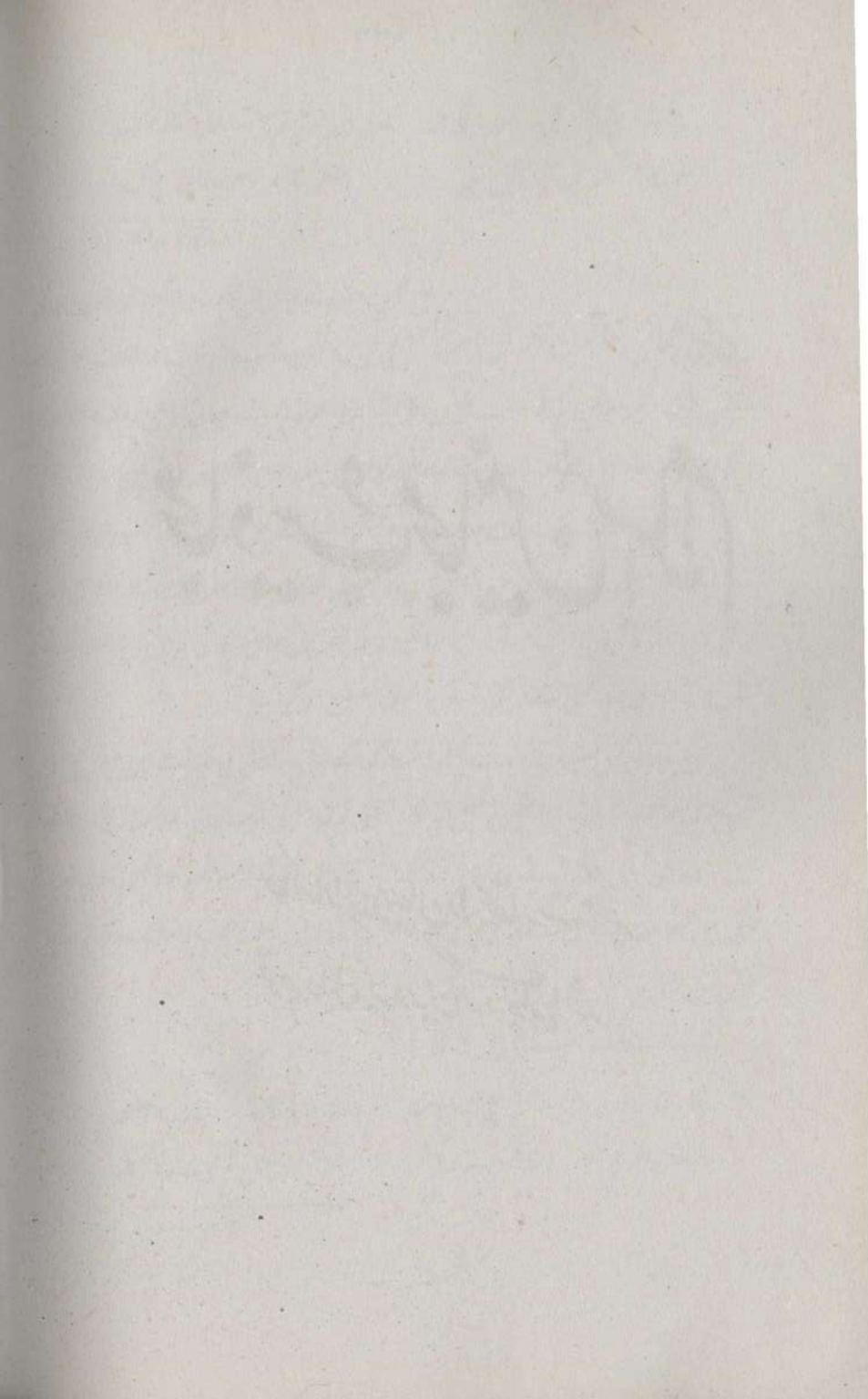
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میاں سرنگا قدس سرہٗ:- یہ مجذوب ہانسی (ہندوستان) میں رہا کرتے تھے۔ یہ وہی زمانہ تھا۔ جب حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بھی ہانسی میں قیام پذیر تھے۔ میاں سرنگا بسا اوقات حضرت گنج شکر کی مجلس میں آکر بیٹھتے۔ حضور بھی آپ سے بے حد محبت کرتے۔ حضرت گنج شکر کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ دہلی میں تشریف لائے اور سجادہ مشیخیت پر جلوہ فرما ہوئے۔ تو میاں سرنگا مجذوب بھی دہلی میں آ گئے۔ حضرت نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے مسجد تشریف لاتے تو راستے میں میاں سرنگا مجذوب دوڑے دوڑے آتے اور آپ کی قدم بوسی کرتے اور رونا شروع کر دیتے اور کہا کرتے کہ ہانسی میں مجھے آپ کی صحبت میسّر ہوتی تھی۔ مگر دہلی میں آکر ہجوم خلق کی وجہ سے اس نعمت سے محروم ہو گیا ہوں۔ آپ اُس کی باتیں سنتے تو بڑے مغموم ہوتے۔ اُسے تسلی دیتے ایک بار آپ نماز جمعہ سے فارغ ہوئے اور سرنگا کو ساتھ لے کر ہانسی چلے گئے۔ اس سفر کے بعد ہانسی میں میاں سرنگا مجذوب کا انتقال

ہوگیا۔سن وفات ۶۴۶ھ ہے۔

سرننگا جاذب جذب الٰہی ۔ کہ روحش طاہر خلد بریں است
چو جستم از خرد سال وصالش ۔ ندا آمد کہ عاشق قطب دین ست
۶۴۶ھ

سوہن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ: آپ اہل حال میں سے تھے۔اور صاحب تصوف بھی تھے۔آپ غیر مسلم تھے دامن اسلام میں جگہ ملی۔حضرت شیخ علاء الدین اجودہنی قدس سرہٗ کی جو حضرت فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ کے پوتے تھے۔خدمت میں رہتے عشق و مستی میں مجذوب ہوگئے۔ساری عمر اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں گذار دی۔آپ کی عادت تھی۔کہ بعض اوقات کئی کئی ہفتے کھانا نہ کھاتے اور پانی نہ پیتے لیکن جب کھانے پر آتے تو کئی کئی آدمیوں کا کھانا بیک وقت کھا جاتے اور پوری مشک پانی پی جاتے۔ایک بار آپ چونے کے ایک ڈھیر پر بیٹھے تھے۔اور چونا کھانے لگے۔لوگوں نے پوچھا۔سوہن کیا کھا رہے ہو۔کہنے لگے کیا کروں۔یہ بدبخت نفس ہمیشہ کھانے کی خواہش کرتا ہے۔آج اسے چونے کی مار ماروں گا۔

آپ کی وفات صاحب شجرہ چشتیہ نے ۷۲۸ھ لکھی ہے۔

شیخ سوہن صاحب جذب اِلٰہ ۔ بود بر چرخ یقین بدر الکمال
شد چو در فردوس از ہاتف عیاں ۔ بس حبیب جاذب آمد ارتحال
۷۲۸ھ

شیخ حسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ: آپ حضرت شاہ اعلیٰ کی اولاد میں سے تھے اور قصبہ راپڑے سے تعلق رکھتے تھے۔عام طور پر دہلی کے بازار میں گھومتے نظر آتے تھے۔سلطان سکندر لودھی کے عاشق تھے۔کہتے ہیں۔اس دعویٰ عشق سے تنگ آکر سکندر لودھی نے آپ کو کئی بار قید خانے میں بند کر دیا مگر وہ ہر بار قید سے نکل جاتے اور بازاروں میں گھومتے نظر آتے۔ایک بار سلطان لودھی اپنے گھر پر تشریف فرما تھے۔تو اچانک شیخ حسن مجذوب نمودار ہوئے۔سلطان نے پوچھا کہ

۔آپ یہاں کدھر آ گئے۔ فرمایا۔ میں تمہارا عاشق زار ہوں۔ تمہیں دیکھنے چلا آیا ہوں۔ بادشاہ کو بہت غصہ آیا۔ اٹھا۔ اور آپ کو پکڑ کر آپ کا سر کوئلوں سے دھکتی ہوئی انگیٹھی میں رکھ دیا۔ چند لمحوں تک سر آگ میں رکھا رہا۔ مگر جب آپ کو چھوڑا گیا۔ تو صحیح سلامت تھے۔

آپ ۹۱۷ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار دہلی میں ہے۔

چوں حسن مجذوب حسن الاولیاء ۔ گشت در فردوس اعلیٰ جائے گیر

بہر سال ارتحالِ آں ولی ۔ گفت سرور عاشق صادق امیر

۹۱۷ھ

شیخ الہ دین مجذوب نارنولی قدس سرہٗ:۔ آپ وقت کے مشہور مجاذیب اور مجانین میں سے تھے۔ نارنولی میں آپکی کرامات و خوارق عام ہوئیں۔ اکثر اوقات بازار میں گھومتے۔ مگر جہاں ایک بار بیٹھ جاتے بیٹھے رہتے اور کئی کئی روز وہاں سے نہ اٹھتے اپنے آپ باتیں کرتے۔ کبھی زار زار روتے اور کبھی بے پناہ قہقہے لگاتے۔ کبھی تالیاں بجاتے اور کبھی گانا گاتے۔ پھٹے پرانے کپڑے جمع کرتے ہاتھوں اور پاؤں میں لوہے کی زنجیریں باندھ لیتے آپ کا تکیہ کلام یہ تھا۔ خدایا بیا۔ اور خدایا برو۔ خدایا بنشین۔ غرض کہ ہر شخص کو خدا کے نام سے پکارتے۔

ملا محمد نارنولی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے مجھے بتایا کہ میں ابھی شیر خوار بچہ ہی تھا۔ میں سخت بیمار ہو گیا۔ زندگی کی امید نہ رہی۔ الہ دین مجذوب وہاں سے گزرے۔ اور کسی کو مٹی کا آبخورہ دیا۔ اور کہا۔ اسے فلاں کے گھر لے جاؤ۔ وہ آبخورہ میری والدہ کو دے دیا گیا۔ انہوں نے اس آبخورے سے ایک ٹھیکری لی۔ اور میرے بازو پر باندھ دی اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت دے دی۔ صحت کی خوشی میں میرے والد نے اللہ دین مجذوب کو اپنے گھر بلایا۔ آپ نے آتے ہی فرمایا۔ خدایا کوئی ٹھنڈی چیز۔ خدایا کوئی ترش چیز۔ خدایا کوئی میٹھی چیز دو" میرے والد نے اسی وقت چاول پکوائے۔ اس پر شکر ڈالی۔ پھر دہی کا ایک پیالہ پیش کیا۔ حضرت نے بڑی رغبت سے کھائے۔

ملا محمد نازنولی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ میں نے چند روپے نذر مانی تھی۔ مجذوب اللہ دین کی تلاش میں نکلا۔ کئی جگہ تلاش کیا۔ نہ ملے۔ شہر کے ایک کونے میں کوڑے کرکٹ کا ڈھیر تھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ کوئی شخص گندے کپڑوں میں لیٹا پڑا ہے۔ میرے دل میں آیا۔ کہ یہ کوئی مردہ لاش ہے۔ میں قریب گیا تو اس میں حرکت آئی۔ میں نے ہلایا۔ تو دیکھا۔ کہ اللہ دین تھے۔ سر جھاڑ کر اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے۔ خدایا لاؤ کیا لائے ہو؟ میں جو روپے نذر لایا تھا پیش کئے۔ اور کہنے لگا۔ خدایا یہاں گندگی ہے۔ بھاگ جاؤ۔ میں شہر چلا آیا۔

صاحب اخبار الاخیار نے آپ کی وفات گیارہ شعبان بوقت صبح ۹۴۶ھ میں لکھی ہے تاریخ وفات "مجذوب صادق" سے نکالی ہے۔

اللہ دین از جہاں چوں رخت بربست ۹۴۶ ۔ قدم اندر جناں بنہاد یکدست

چو سال انتقال او بجستم ۔ زہاتف شد ندا صوفی سرمست ۹۴۶ھ

میاں معروف مجذوب قدس سرہٗ

آپ دہلی میں رہتے تھے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کے روضہ کے پاس بیٹھا کرتے۔ پاس ہی شیخ برہان الدین بلخی کا مقبرہ تھا۔ اس میں پڑے رہتے حالت جذب و سکر کے باوجود علم تکسیر میں بے مثال تھے۔ شیر شاہ بادشاہ سوری نے دہلی کا قلعہ ویران کر دیا تھا۔ تو آپ بھی دہلی سے غائب ہو گئے۔ اس کے بعد آپ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اگرچہ آپ کا سن وفات معلوم نہیں ہو سکا۔ مگر دہلی کے قلعہ کی تباہی ۹۴۷ھ میں ہوئی تھی۔

شاہ منصور مجذوب قدس سرہٗ

ہندوستان کی سرزمین میں یہ مجذوب صاحب کرامات جلیلہ ہوئے ہیں۔ کشف کی دولت میسر تھی۔ ہمایوں بادشاہ گجرات پہنچے۔ تو ایک درباری کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ تاکہ دربار میں تشریف لائیں۔ اس درباری کے پاس تیروں کا ایک ترکش تھا۔ آپ نے ایک تیر نکالا۔ اس کا سرا کاٹ کر پھر ترکش میں رکھ دیا۔ وہ شخص بادشاہ کی خدمت میں آیا اور

صورت حال بیان کی۔ ہمایوں نے کہا: مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہم فتح نہ ہو گی۔ اور ہمیں بے سرو سامانی کے عالم میں واپس جانا ہوگا۔ تاہم ہماری جان بچ جائے گی۔ کیونکہ شاہ منصور نے ہمارے تیر کو ترکش میں رکھ دیا تھا۔

شیخ سید عبدالوہاب قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے۔ کہ شاہ منصور مجذوب نے شاہ بکھاری کے وضو کا باقی ماندہ پانی پیا تھا۔ اس دن سے مجذوب ہو گئے۔ آپ کی وفات ۹۴۷ھ میں ہوئی تھی۔

شاہ منصور شد چو از دنیا ۔ گشت با وصل ایزدی موصول
گفت تاریخ رحلتش سرور ۔ شاہ منصور عابد مقبول

۹۴۷ھ

آپ کو شیخ علاؤل بلاول بھی کہا جاتا ہے

شیخ علاءالدین مجذوب قدس سرہٗ: کشف حال اور دلوں کے اسرار سے واقف تھے۔ آپ کی خدمت میں جو بھی آتا۔ اس کی دلی کیفیت آپ پر عیاں ہوتی۔ ابتدائی زندگی سامانہ میں گذاری۔ پھر دہلی میں چلے آئے۔ طالب علموں کے پاس رہا کرتے۔ جذبۂ حقیقی کا زور ہوا تو اکبر آباد چلے گئے۔ ایک عرصہ تک مجرد رہے۔ ایک عرصہ کے بعد آپ سے کرامات کا ظہور ہونے لگا۔ تو مخلوق خدا آپ کے اِرد گرد منڈلانے لگی۔ آپ بھی ضرورت مندوں کی طرف توجہ فرمایا کرتے تھے۔ بے اولاد لوگ آپ کی دعا سے صاحب اولاد ہو جاتے تھے

اخبار الاخیار کے مؤلف نے لکھا ہے کہ میرے چچا رزق اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار میرا ایک بیٹا گم ہوا۔ مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ میں اس کے غم میں نڈھال ہو گیا۔ میں نے سوچا اس غم سے بچنے کے لئے یا تو صدقہ کروں یا قرآن کی تلاوت کرتا رہوں۔ اسمائے الہیہ کا ورد کرتا رہوں۔ اسی دوران مجھے شیخ علاءالدین مجذوب کے پاس جانے کا اتفاق ہوا۔ میرا دل چاہتا تھا۔ کہ جو وہ حکم کریں میں اس پر عمل کروں گا۔ مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے۔

قرآن پاک کی تلاوت سب سے اچھا عمل ہے۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (جو قرآن سے آسان آیات ہوں انہیں پڑھتے رہو) میں نے ابھی چند آیات کی قرآن خوانی کی تھی۔ کہ میرا بیٹا آگیا۔

اخبار الاخیار میں آپ کا سن وفات ۹۴۷ھ لکھا ہے اور علاء الدین مجذوب سے مادۂ تاریخ وفات لیا ہے۔ آپ کا مزار پر انوار اکبر آباد میں ہے۔

شیخ مجذوب حق علاء الدین ۔ شد چو واہرو ے زجنت باب
رحلتش ہست واقف سرمست ۔ نیز سرمست سید اقطاب
۹۴۷ھ ۔ ۹۴۷ھ

شیخ حسن بودلہ مجذوب دہلوی قدس سرہٗ:۔ آپ دہلی کے اکابر کی اولاد میں سے تھے۔ وہ فطری اور پیدائشی طور پہ مجذوب تھے۔ آپ کے اوضاع واطوار عام دنیا کے لوگوں سے مختلف تھے۔ عجیب وغریب شکل وصورت تھی۔ لبا اوقات ننگے پھرا کرتے۔ لوگ جو کچھ دیتے قوالوں کو بخش دیتے یا دوسرے حاضرین پہ نچھاور کر دیتے۔ وقت کے ایک شیخ نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہیں۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرانے کی خدمت میں مشغول ہیں۔ بعض حاجی مکہ مکرمہ سے واپس آتے تو دہلی آکر کہتے امسال ہم نے شیخ حسن بودلہ کو حج کے موقعہ پر دیکھا ہے۔

اخبار الاخیار میں آپ کا سالِ وفات ۹۶۴ھ لکھا ہے۔ اور مزار دہلی میں ہے۔

چو رفت از دہر دنیا متصل شد ۔ بوصل حق حسن محبوب احسن
عجب تاریخ وصل جلوہ گر شد ۔ زمحبوب الٰہ مجذوب احسن
۹۶۴ھ

سید شاہ ابوالغیث بخاری مجذوب قدس سرہا:۔ آپ سید حاجی عبدالوہاب بخاری قدس سرہٗ کے فرزند

ارجمند ہیں۔ جن کا ذکر خیر خانوادۂ سہروردیہ میں گزرا ہے۔ آپ اکثر کامل سُکر اور حالت مستی میں رہتے تھے۔ جن دنوں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اپنے ہم سبقوں سے التماس کرتے کہ انہیں سبق یاد کرائیں۔ اور فرمایا کرتے تم نے تو ساری عمر پڑھتے رہنا ہے۔ مجھے اور کام بھی کرنے ہیں۔ اللہ ہی جانتا ہے۔ کہ میرا کیا حال ہونا ہے۔ چنانچہ آپ نے مروجہ علوم اور متداولہ کتب پر عبور حاصل کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے جذبہ و مستی سے سرشار کر لیا۔ اور آپ مجذوب ہو گئے۔

ایک دفعہ آپ کے گھر پر روٹیاں پکائی جارہی تھیں توا سخت گرم تھا۔ آپ باہر سے آئے دونوں پاؤں توے پر رکھ لئے۔ مگر آپ کو کچھ نہ ہوا۔ اور کسی قسم کی سوزش پاؤں پہ نہ آئی۔

ایک دن اپنے بزرگوں کے مزارات کی زیارت کو گئے۔ فاتحہ کے بعد کہنے لگے اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو میں بھی کل تک آپ لوگوں کے پاس سوؤں گا۔ گھر آئے۔ اپنے احباب عزیزوں اور خدمت گزاروں کو اپنے پاس بلایا۔ اور کہنے لگے۔ بتاؤ میرے لئے کس طرح روؤ گے۔ ایک بار رو کر دکھاؤ۔ چنانچہ آپ اسی روز وفات پا گئے۔ آپ کی وفات ۹۶۷ھ میں واقعہ ہوئی تھی۔

سید غیث از جہاں چوں رخت بست - شد بہ ویش جنت الفردوس بار
بہر تاریخ وصالِ آنجناب - شد عیاں سید بخاری بے نیاز

۹۶۷ھ

بڑے صاحب حال اور صاحب جذب بزرگ

شیخ عبداللہ ابدال دہلوی قدس سرہٗ:- تھے۔ بازاروں میں رقص کرتے رہتے اور ہندی میں دوہڑے گاتے پھرتے تھے۔ ایک دن بیمار ہو گئے۔ گھر والوں کو کہا مجھے گھر کی دہلیز پر بٹھا دو۔ لوگوں نے کندھوں کو سہارا دے کر آپ کو گھر کی دہلیز پر بٹھا دیا۔ اور گھر آ گئے آپ وہاں سے غائب ہو گئے۔ تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکے۔ اس دن کے بعد آپ کو کسی نے بھی نہ دیکھا۔

اخبار الاخیار کے مؤلف نے لکھا ہے۔ کہ میرے عم مکرم جناب رزق اللہ فرماتے ہیں

کہ میں گجرات گیا۔ وہاں لوگوں کی زبانی شیخ عبداللہ ابدال کا تذکرہ سنا۔ لوگ آپ کی بے حد تعریف کرتے۔ میں نے کہا۔ وہ یہاں کدھر آ گئے وہ تو دہلی میں تھے۔ میں کچھ دنوں بعد دہلی آیا تو انہیں وہاں موجود پایا۔ آپ کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔

بابن مجذوب قدس سرہٗ:۔ آپ اجمیر شریف میں رہا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ خواجگان معین الدین اجمیری کی درگاہ کے دروازے پر پڑے رہتے تھے۔ بڑے مقامات اور تصرفات کے مالک تھے۔ حضرت حمزہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں ابتدائے عمر میں اجمیر شریف گیا۔ میں نے بابن مجذوب کو دیکھا۔ میں کٹار اور دوسرا اسلحہ بدن سے لگائے کھڑا تھا۔ بابن مجذوب نے مجھے پکڑ لیا اور کہا یہ کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ یہ ہتھیار ہیں۔ انہیں اپنے پاس رکھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے میرے پاس دو کنگھیاں بھی تھیں۔ دونوں لے کر دور پھینک دیں۔ اور ایک کنگھی اپنی طرف سے مجھے دی۔ میں نے دیکھا کہ اسی وقت میرے سر کے بال مونڈھ گئے۔ اور میں بالوں سے محروم ہو گیا۔ اسی وقت یہ خبر آئی مجھے شیخ احمد مجدد نے دی۔ کہ قاضی کریم الدین کا بیٹا تارک الدنیا ہو کر اجمیر شریف آیا ہوا ہے۔ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ مجلس میں دیکھا کہ بابن مجذوب بھی موجود ہیں۔ کھانا کھانے لگے۔ تو بابن ہر ایک کو ایک ایک لقمہ کھلاتے جاتے تھے۔ لوگ بھی تبرکاً کھاتے جاتے۔ کسی نے کہا حضرت قاضی کریم الدین کا بیٹا بھی مجلس میں موجود ہے اسے بھی کچھ عنائیت ہو۔ سامنے ایک طشت پڑا تھا۔ اٹھایا۔ اور ان کے سامنے لے گئے۔ میں وہاں اٹھا۔ تو میں نے محسوس کیا۔ گویا آج فتوحات کے دروازے کھل گئے ہیں۔

سلطان بہادر شاہ والی گجرات بچپن کے زمانہ میں اپنے والد سے رنجیدہ ہو کر اجمیر شریف آ گیا وہ حضرت خواجہ کے مزار کی زیارت سے دل کو تسکین دینا چاہتا تھا۔ ان دنوں اجمیر کے علاقہ پر ایک ہندو حکمران تھا۔ اس نے حضرت کے دربار میں بھی بت رکھا دیئے تھے اور اس دربار کو بھی ہندوؤں کا معبد بنا رکھا تھا۔ شہزادہ بہادر شاہ نے اسی دن عہد کر لیا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے

مجھے اقتدار دیا۔ تو میں اس مقدس مزار کو بتوں سے پاک کر دوں گا

ابھی یہ ارادہ کیا ہی تھا۔ کہ بابن مجذوب نے اپنے طور پر سلطان بہادر کے ارادے کو بھانپ لیا۔ اور زور سے اپنی دایہ جس کا نام شادان تھا۔ آواز دی۔ شاداں! شاداں۔ دَوڑو یہ تختہ اونچا کرو بادشاہ قریب آگیا ہے۔ بہادر شاہ نے بابن مجذوب کی اس بات کو اپنے لئے نیک فال خیال کیا۔ اور اجمیر سے چلا گیا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اجمیر شریف پر حملہ کر دیا۔ اور وہاں پر پرچم اسلام لہرا کر دربار سے تمام بت ہٹا دیئے۔ اور اجمیر میں اسلام کا بول بالا ہونے لگا۔

شیخ بابن مجذوب تمام تذکرہ نگاروں کے اتفاق سے ۹۶۷ھ میں فوت ہوئے۔

ازین دنیا چو رخت زندگی بست ۔ بجنت یافت جا سرمست بابن

بسال ارتحال آں شہِ دین ۔ بگو قطب الہدا سرمست بابن

۹۶۷ھ

بابا کھور مجذوب قدس سرہٗ:- آپ کا اسم گرامی عبدالغفور تھا۔ آپ کا وطن کالپی تھا ابتدائی عمر میں راہ سلوک پر بڑی ریاضتیں کیں۔ لوگوں کو پانی پلاتے تھے۔ رات کے وقت غریبوں کے گھروں میں جاتے اور ان کے برتن پانی سے بھر دیا کرتے تھے۔ آخر کار جذبۂ حقیقی نے انہیں مجذوب بنا دیا۔ گوالیار میں آئے آپ پر فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ عام طور پر حالت استغراق میں رہتے تھے۔ جب حالتِ عام میں آتے تو چنوں کے چند دانے کھا لیتے لباس صرف اتنا ہی پہنتے جس سے ستر عورت ہو۔ لوگ آپ کی خدمت میں بڑے عمدہ اور نفیس کپڑے لایا کرتے تھے۔ تو آپ ان سے لے کر غریبوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ بعض اوقات پوست کے پتے کھاتے۔ آپ کا سلسلہ روحانیت شاہ مدار سے ملتا تھا۔ آپ بسا اوقات غیب کے اسرار سے آگاہ کر دیا کرتے تھے۔

اخبار الاخیار میں آپ کی وفات ۹۷۹ھ میں لکھی ہے۔ ایک تذکرہ نگار نے لفظ کھور مجذوب (۹۷۹ھ) سے تاریخ وفات نکالی ہے۔

رفت از دنیا چو در خلد بریں - مست الفت عاشق صادق کھور
سالِ تاریخ وصال آنجناب - ہست صادق پاک بین عاشق کھور
۹۷۹ھ

میاں مونگر مجذوب رحمۃ اللہ علیہ: لاہور میں قیام پذیر تھے۔ وقت کے مجاذیب میں سے تھے۔ جذبہ قومی کے مالک تھے۔

صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں۔ کہ ہم ایک بار لاہور گئے۔ شیخ حسن لودلہ سے ہمیں بہت انس تھا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ ہی تھے۔ ایک دن میاں مونگر بھی ہماری مجلس میں آ پہنچے ان کی نگاہیں شیخ حسن لودلہ پر پڑیں فرمانے لگے۔ تم یہاں کیوں آتے ہو۔ تمہیں ان حضرات سے کیا واسطہ ہے۔ شیخ حسن اسی وقت مجلس سے بھاگ گئے۔ اس دن کے بعد کسی نے انہیں لاہور میں نہیں دیکھا۔ دہلی دروازے تک دوڑتے نظر آئے۔

آپ کی وفات ۹۸۰ھ میں ہوئی۔

جناب شیخ مونگر عاشق مست - چو در خلد معلیٰ یافت توفیق
چو سالِ ارتحالش جست سرور - عیاں شد از معلیٰ پیر تحقیق

شیخ یوسف مجذوب قدس سرہٗ: لاہور میں قیام پذیر تھے۔ بڑے بلند قامت جسیم۔ مہیب شکل اور توانا تھے۔ بہت بڑی پگڑی زیب سر رکھتے تھے۔ صاحب کشف جلی اور اشراق باطن تھے۔

شیخ قطب العالم فرماتے ہیں۔ میں نے ایک بار شیخ یوسف کو لاہور کی منڈی میں کھڑے پایا۔ بڑی عارفانہ اور پُر اسرار گفتگو فرما رہے تھے۔ مجھے دیکھا۔ تو بڑی رازدارانہ باتیں کرنے لگے ایسی ایسی باتیں ظاہر کیں۔ جو علام الغیوب ہی جانتا تھا

جیتی شاہ مجذوب کشمیری قدس سرہٗ: اپنے زمانے کے کامل مجذوبوں میں سے تھے کشف و کرامات میں ایک علامت تھے

جو شخص بھی آپ کی خدمت میں آتا۔ مافی الضمیر سے واقف ہو جاتا۔ اگرچہ دیوانہ وار باتیں کرتے مگر سننے والے اپنا مطلوب و مقصود پا لیتے۔ آپ شیخ مخدوم حمزہ کشمیری کے زمانے میں اور بابا داؤد خاکی قدس سرہٗ کی مجلس میں آیا کرتے تھے۔ یہ دونوں بزرگ جیتی شاہ پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ مسائل طریقت و حقیقت کی تکرار فرماتے۔ دونوں بزرگ کبھی کبھی وقت نکال کر اس مجذوب کی تلاش میں نکلتے جہاں کہیں پاتے بیٹھ جاتے۔ اور گفتگو کیا کرتے تھے۔ تواریخ اعظمی کے مولف نے آپ کی وفات ۹۸۱ھ لکھی ہے۔ آپ نے اپنی وفات سے چند ماہ قبل ہی اپنی موت کے بارے میں فرما دیا تھا۔

جو بھی آپ کے پاس آتا۔ فرماتے۔ تمہارا دوست جیتیِ شاہ فلاں تاریخ کو فوت ہوگا۔ آپ کا مقبرہ کشمیر شیخ ہروی ریشی کشمیری کے مزار کے پاس ہے۔

شیخ جیتی شاہ مجذوب خدا ۔ یافت چوں با وصل ربی باوصال
وصل پاکش مست عشق ہو نجواں ۔ بار دیگر کن بیاں فیض کمال

۹۸۱ھ ۹۸۱ھ

شاہ بدیع الدین مجذوب قدس سرہٗ

آپ کو مادی شاہ کے نام سے شہرت ملی تھی۔ سرمستِ جام محبت مدہوش شراب عشق تھے۔ ہمیشہ کوہ و بیابان میں پھرتے رہتے۔ لوگوں سے ملاقات کم کرتے تھے اہل دنیا سے کوئی سروکار نہ تھا۔ موسم سرما میں برف باری ہوتی۔ آپ ساری رات کھلے میدانوں میں گذار دیتے۔ نہ انہیں برف کی ٹھنڈک اثر کرتی۔ نہ برفانی ہوائیں تنگ کرتیں۔ ایک تہہ بند باندھتے جس سے ستر برقرار رہتا۔

صاحب تواریخ اعظمی فرماتے ہیں۔ کہ شیخ مادی شاہ مجذوبوں میں سے قوی الجذبہ تھے۔ آپ کی زبان نہیں تھی۔ تلوار برہنہ تھی۔ آپ کی زبان سے جو کچھ نکلتا۔ پورا ہو جاتا۔ جذبہ سکر و صحو کے باوجود توحید پر گفتگو کرتے اور برملا کرتے۔ اس وقت کے علماء نے آپ سے اختلاف کیا اور آپ

آپ پر قتل کا فتویٰ صادر کیا۔ حاکم کشمیر آپ کے سکر و جذب کی وجہ سے آپ کو معذور خیال کرتا تھا اور اس فتویٰ کے باوجود سزائے موت کی توثیق نہیں کی۔ آپ ۹۹۲ھ میں فوت ہوئے۔ آج تک ان کی قبر سے ہیبت و جلال نمایاں ہوتا ہے۔ جو شخص آپ کے مزار پہ پہنچ کر جھوٹی قسم کھاتا ہے عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔

سرورِ عشاق مجذوبان حق ۔ شاہ بدیع الدین ولی روشن ضمیر
رفت از دنیا چو در خلد بریں ۔ سالِ وصلِ اوست سرمست کبیر

۹۹۲ھ

آپ کشمیر کے خدارسیدہ مجذوبوں میں

خواجہ داؤد مجذوب کشمیری قدس سرہٗ:۔ سے تھے۔ جذب و استغراق اور بے خودی غالب تھی بعض اوقات اس جذب و مستی میں اپنی پرواہ نہ کیا کرتے تھے۔ اپنے کھانے پینے کی خبر نہ تھی۔ اپنی خواہش سے لقمہ منہ میں نہ رکھتے تھے۔ کئی کئی سال خاموش پڑے رہتے۔ کسی سے بات تک نہ کرتے۔ اگر کوئی ضرورت مند حاجت مند آپ کی خدمت میں آتا۔ از رہٗ کشف اسکی ضرورت سے واقف ہوجاتے۔ اور برملا فرماتے۔ کہ تمہارا کام حسب مراد ہوگا۔ یا نہیں۔

تاریخ اعظمی کے مؤلف فرماتے ہیں ۱۰۲۵ھ میں وادیٔ کشمیر میں ایک وبا پھوٹ پڑی۔ ہزاروں نوجوان اور بوڑھے اس موذی مرض کا لقمہ بن گئے۔ مخلوق خدا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ دعا کی درخواست کی فرمایا۔ یہ اچھا ہوگا۔ کہ تم لوگوں کی جگہ میں اپنی جان کی قربانی دے دوں یہ کہتے ہی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ اسی دن سے طاعون کی وبا وادی کشمیر سے نکل گئی۔
آپ کی وفات ۱۰۲۶ھ میں ہوئی تھی۔

زدنیائے دنی رخت سفر بست ۔ چو آں شیخ زمن داؤد مجذوب
بتاریخش بگو داؤد اعظم ۔ دگر قطب الحسن داؤد مجذوب

۱۰۲۶ھ ۱۰۲۶ھ

میر محمد یوسف قادری قدس سرہٗ:- آپ خواجہ میر نازک کے خلف الصدق تھے ظاہری اور باطنی کمالات سے مرجع تھے! پنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر جلوہ فرما ہوئے۔ کچھ عرصہ تک مخلوق خدا کی ہدایت میں مصروف رہے۔ جذب واستغراق اور مدہوشی ہر وقت غالب رہتی۔ ایک وقت آیا۔ کہ مکمل طور پر مجذوب حق ہو گئے۔ آپ نہم ماہ محرم الحرام ۱۰۲۷ھ میں فوت ہوئے۔

چوں محمد علی ولی عالی ۔ شد بجنت بفضل ربانی
سالِ تاریخ رحلتش سرور ۔ شد ندا تاج شاہ نورانی

۱۰۲۷ھ

شاہ مرتضیٰ مجذوب قدس سرہٗ:- بنگال میں بمقام راج محل رہا کرتے تھے۔ صاحب تصرفات صحیحہ اور کشف صدیہ کے مالک تھے۔ شراب پیتے۔ اور عارفانہ اشعار کہتے۔ سماع اور وجد میں پورا غلو کرتے۔ شاہ نعمت اللہ بنگالی سے جو اپنے وقت کے صاحب تسخیر ملوک اور امرا تھے۔ دشمنی رکھتے تھے۔ اور انہیں برا بھلا کہتے رہتے۔ اور کہا کرتے یہ طالب مولیٰ نہیں۔ شاہ نعمت اللہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن مرتضیٰ مجذوب ہمارے گھر آ گئے۔ گھر کے اندر ایک پلنگ بچھا ہوا تھا۔ آپ اس پہ جا بیٹھے۔ اور کہنے لگے۔ بُرا نہ منانا۔ لوگ اپنے شکاری کتے کو بھی اپنی چارپائی پر بٹھا لیتے ہیں۔ یہ بات ان کی انکساری کی علامت تھی۔ کہ اپنے آپ کو کتے سے تشبیہ دے دی۔

معارج الولایت کے مؤلف نے آپ کی بہت سی کرامات لکھی ہیں۔ بسا اوقات راج محل کے تالاب میں غوطہ زن ہوتے کئی کئی روز پانی میں غرق رہتے۔ راجہ محل سے غوطہ مارا ہوا کئی دن کے بعد دوسرے مقامات سے سر باہر نکال لیتے۔ اگرچہ صاحب معارج الولایت نے آپ کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ مگر سن وفات نہیں لکھا۔ آپ کا مزار پُر انوار مقام ہوتی پر ہے۔

شاہ وفا مجذوب قدس سرہٗ:- معارج الولایت میں لکھا ہے کہ آپ پٹنہ میں رہتے تھے۔حالت قوی کے مالک تھے۔جو بھی آپ کے پاس جاتا۔اس سے قبل کہ وہ اپنا مطلب بیان کرتا۔آپ اس کا جواب عنائیت فرما دیا کرتے ایک بار پٹنہ کے لوگوں سے ناراض ہو گئے۔جلال میں آکر ایک پھونک ماردی۔پٹنہ شہر میں آگ بھڑک اٹھی۔

شاہ فیروز مجذوب قدس سرہٗ:- آپ الہ آباد کے مجذوب تھے۔جس پر دم کرتے تندرست ہو جاتا۔اکثر اوقات ننگا پھرتے۔ضروریات زندگی کے لئے جانوروں اور چارپاؤں سے اپنی خوراک حاصل کر لیا کرتے۔آپ کے زمانے میں ایک بھٹیارن جو کہ فاحشہ عورت تھی نے آپ کو حالت جذب میں دیکھا۔تو کہنے لگی۔میاں فیروز انسان چارپائں سے بہتر ہے۔اگر تم کو کوئی ضرورت ہو تو میں موجود ہوں۔چارپاؤں کے پاس کیوں جاتے ہو۔آپ نے فرمایا۔اچھا تم برسر بازار ننگی ہو جاؤ۔میں بھی یہاں ہی ننگا ہو جاتا ہوں۔کہنے لگی۔بھلے آدمی یہ بازار ہے۔شارع عام ہے۔ایک گوشے میں چلے جائیں تو اچھا ہے۔یہ بات سن کر فیروز میاں جوش میں آگئے کہنے لگے۔مکار عورت! فیروز تو اپنے آپ کو عام لوگوں کے سامنے رسوا کرنا چاہتا ہے۔اور تم اللہ کے سامنے رسوا ہونا چاہتی ہو۔اور لوگوں کا احترام کرتی ہو۔دفعہ دفان ہو جاؤ۔

بابو خویشگی رحمۃ اللہ علیہ:- آپ مادر زاد مجذوب تھے۔اکثر ننگے پھرتے۔اور شہر قصور کے بازاروں میں گھومتے۔جانوروں اور پرندوں سے بڑی محبت کرتے۔جو بھی ملتا اسے فرمائش کرتے مجھے ایک طوطا لے دو۔حالت سکر میں جو باتیں کرتے۔ان میں اسرار و معارف ہوتے۔جس بیمار پر ہاتھ ملتے شفایاب ہو جاتا۔معارج الولائیت کے مصنف فرماتے ہیں۔ایک شخص کا بیٹا سخت بیمار ہو گیا۔اس کی بیوی نے اسے کہا کسی طرح بابو خویشگی مجذوب کو گھر لے آؤ تاکہ بچے پر ہاتھ ملے اور اسے صحت

حاصل ہو جائے۔ وہ گیا اور خوشگی کو حیلہ بہانہ کر کے اپنے گھر لے آیا۔ مگر خوشگی دروازے پر آ کر رک گیا۔ اور کہنے لگا میں اندر نہیں جاؤں گا۔ اور مردے پر ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ اور یہ کہتے ہوئے دروازے سے لوٹ گیا۔ دس بارہ روز گزرے تھے۔ کہ لڑکا فوت ہو گیا۔

دادو نامی پٹھان قصور سے بیجاپور چلا گیا۔ ایک عرصہ تک اس کی خیر خبر نہیں آئی تھی دادو کی والدہ نے بابو خوشگی کو بلایا۔ اور پوچھا کہ دادو کب آئے گا۔ آپ نے فرمایا وہ تو آسمانوں پر سیر کر رہا ہے۔ چند روز بعد خبر آئی کہ دادو کا انتقال ہو گیا ہے۔

درویش محمد مجذوب قدس سرہٗ:- آپ سادات لاہور سے تعلق رکھتے تھے لاہور شہر سے نکل کر قصور کے ایک گاؤں نظام پور میں چلے آئے۔ اور مجذوب ہو گئے۔ بسا اوقات صحرا و بیابان میں بسر کرتے۔ یا برہنہ گھومتے رہتے۔ ان کے بھائیوں نے کئی بار کوشش کی کہ انہیں گھر لایا جائے۔ مگر وہ نہ مانتے۔ ایک بار بیل گاڑی پر بٹھا لیا گیا۔ مگر بیل گاڑی اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔ بیل گاڑی سے اتارا جاتا تو وہ چل پڑتی۔ ایسا کئی بار ہوا۔ کہ آپ کو سوار کرایا گیا تو بیل گاڑی ایک قدم نہ چل سکی۔ آخر کار تنگ آ کر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ ایک دفعہ لوگوں نے آپ سے پوچھا۔ محمد خان پٹھان سفر پہ گیا ہے۔ کب واپس آئے گا۔ فرمانے لگے وہ تو گھر کے اندر ہے۔ معلوم کیا گیا۔ کہ وہ تو واقعی گھر آ چکا تھا۔

ایک بار آپ کے ایک مخالف نے دل ہی میں چاہا۔ کہ ان کے پیچھے سے ہو کر انہیں ایک لاٹھی مارے۔ تاکہ وہ ہمیشہ کے لئے دہشت زدہ ہو جائیں۔ اس نے لاٹھی ماری۔ مگر وہ حیران رہ گیا کہ وہ لاٹھی ایک دیہاتی کے جا لگی۔ آپ کی صورت تبدیل ہو گئی تھی۔ مارنے والا بڑا شرمندہ ہوا کہ میں نے کسے مارا ہے۔ چند قدم آگے بڑھے تو آپ پھر اپنی اصل صورت میں جا رہے تھے۔ اور مارنے والے کو پھر تعجب ہوا۔ کہ وہ تو درویش محمد ہی تھے۔

آپ حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش قادری

شیخ مٹھا مجذوب نوشاہی قدس سرہٗ:۔ قدس سرہٗ کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ (ان کا ذکر خیر مخزن دوم سلسلہ عالیہ قادریہ اعظمیہ میں گذر چکا ہے) آپ بڑے عجیب وغریب حالات اور احوال کے مالک تھے۔ بسا اوقات حیوانات سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ جس چیز پر توجہ فرماتے اس میں فوراً تبدیلی آجاتی۔ اگر کسی انسان پر نگاہ التفات ڈالتے تو اسے مست بادۂ الست کر دیتے۔ جذب و استغراق میں رہتے۔ آپ کی وفات ۱۱۱۵ھ میں ہوئی۔

شیخ مٹھا پیر دین مجذوب حق ۔ رفت از دنیا بجنت یافت جا
سال ترحیلش چو جستم از خرد ۔ گشت از ہاتف ندا شیر خدا

۱۱۱۵ھ

آپ حضرت حاجی محمد نوشاہ قادری

سید شاہ عبداللہ مجذوب نوشاہی قدس سرہٗ:۔ کے خاص مریدوں میں سے تھے مقبولان حق سے شمار ہوتے تھے۔ ہمیشہ بے خود رہتے۔ صاحب تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ آپ نواب میر مرتضیٰ خان کے بیٹے تھے۔ جو عالمگیری سلطنت کا ایک امیر کبیر تھا۔ آپ ہفت ہزاری منصب پر فائز تھے ایک بار حضرت نوشہ قادری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو ایک نگاہِ التفات سے تارک الدنیا ہو گئے۔ کثرت فرائض سے دست بردار ہو گئے۔ جذب و مستی نے مناصب اور علائق دنیا سے محفوظ کر دیا۔ ان دنوں حضرت نوشہ گنج بخش مرضِ موت میں صاحب فراش تھے۔ حضرت شاہ عبداللہ آپ کے پاس حاضر ہوتے۔ خدمت میں رہے۔ مگر حضرت نوشہ کے رعب و جلال کے پیش نظر اظہار مدعا کرنے سے قاصر تھے۔ آخر باہر آئے تو ایک رقعہ لکھا۔ کہ اگر آپ کی توجۂ خاص سے مجذوب ہو جاؤں تو دنیا کے مصائب اور علایق سے چھوٹ جاؤں" حضرت نوشہ نے فرمایا۔ کہ شاہ عبداللہ کو کہہ دو۔ کہ اس حالت میں مخلوق خدا کا زیادہ فائدہ ہے۔ فرائض سرانجام دو۔ مگر علم باطنی سے سرشار ہو کر یاد خداوندی

میں مشغول رہو۔ لیکن عبداللہ شاہ نے پھر التماس کی کہ مجھے مجذوب بنا دیا جائے حضرت نوشہ نے اپنا ایک کھیس اپنے خلیفہ شیخ صدر الدین کے ہاتھ بھیجا اور فرمایا شاہ عبداللہ کے ساتھ دریا تک جانا۔ جب دونوں دریائے چناب کے کنارے پہنچے تو شاہ عبداللہ کی حالت تبدیل ہونے لگے۔ مست و مجذوب ہو گئے۔ حالت استغراق کا غلبہ ہو گیا۔ یہ غلبہ ایسا ہوا کہ کسی سے کوئی تعلق نہ رہا۔ تن تنہا دریاؤں کے کنارے اور بیابانوں میں گھومنے لگے بادشاہ عالمگیر کو آپ کی حالت کی خبر ملی۔ تو ان کے مناصب موقوف کر دیئے۔ اور ان کے بھائی کو سہ ہزاری کا عہدہ دے دیا۔ اور ان کے اہل و عیال کے لئے نقد وظیفہ اور جاگیر مقرر کر دی آپ کی وفات ۱۱۳۱ھ میں ہوئی۔

چو از دنیا بفردوس بریں رفت - جناب شیخ عبداللہ مجذوب
بتاریخ وصالِ آں شہِ دیں - بخود فرمود سید شاہ مجذوب

۱۱۳۱ھ

نانو مجذوب نوشاہی قدس سرہٗ:- آپ حضرت نوشہ گنج بخش کے مرید اور خدمتگار تھے۔ ایک دن آپ نے حضرت نوشہ سے سنا۔ کہ جنت میں تمام لوگ بغیر داڑھی کے ہوں گے۔ آپ نے موچنا پکڑا اور داڑھی کے تمام بالا اکھاڑ دیئے۔ حضرت نوشاہ گنج بخش کی وفات کے بعد آپ قلعہ رہتاس کی طرف چلے گئے وہاں کوہ بیابان میں گھومتے رہتے تھے۔ پہاڑی لوگوں کو آپ کے متعلق یہ غلط فہمی ہوئی کہ آپ کے پاس بڑا مال و دولت ہے۔ چنانچہ آپ کو شہید کر دیا گیا۔ سالِ شہادت ۱۱۳۲ھ تھا۔

ز دنیا رفت در فردوس اعلیٰ - چو نانو شاہ حق بیں عاشق مست
ز رضواں سالِ ترحیلش بجستم - بگفتا کعبۂ دین عاشق مست

۱۱۳۲ھ

حافظ طاہر کشمیری نوشاہی مجذوب رحمۃ اللہ علیہ:- صاحب تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ آپ حضرت ملا شاہ

قادری (جو حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ تھے) کے مرید ہوئے۔ مگر حضرت ملا شاہ سے آپ کو روحانی دولت نصیب نہ ہوئی بے اعتقاد ہو کر گلے میں زنار ڈالا منہ کالا کر لیا۔ اور قلندروں کی ایک جماعت میں جا ملے۔ آزادانہ ان کے ساتھ شہر بہ شہر پھرتے رہتے اسی دوران حضرت نوشہ گنج بخش کے دروازے پر گداگر کی حیثیت سے جا پہنچے۔ حضرت نوشہ قدس سرہٗ نے تمام قلندروں کو غلہ عنایت فرمایا۔ مگر حافظ طاہر کو کچھ نہ دیا۔ قلندر روانہ ہوئے تو حافظ طاہر مایوس اٹھے اور دل سے پُر درد آہ کھینچی۔ حضرت نوشہ اس قلبی کیفیت سے واقف تھے آواز دی۔ طاہر تم کہاں جا رہے ہو؟ ہمارے پاس آؤ۔ حافظ طاہر نے آپ کی زبان سے اپنا نام سنا۔ تو حیرت زدہ ہو گئے۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نوشہ نے اپنے ایک خادم کو حکم دیا۔ کہ اٹھو! اور اس شخص کے پیراہن کے نیچے سے زنار اتار لو۔ زنار اتار لیا۔ اور اسے توڑ کر حافظ طاہر کو اپنا مرید بنا لیا۔ اس شہنشاہ روحانیت کی ایک نگاہ سے حافظ طاہر کئی منازل طے کر گئے۔ تکمیل حاصل کی۔ آپ کا جذب و استغراق اس وجہ سے ہوا۔ کہ صحرا و بیابان میں مارے مارے پھرتے۔ ننگے پاؤں اور پھر ستر ضروری کے مطابق کپڑا پہنتے۔ کرامات کا ظہور ہونے لگا۔ آپ کی وفات ۱۱۳۶ھ میں ہوئی۔

زین جہاں فنا بخلد بریں ۔ رفت افسوس طاہر مجذوب
سالِ تاریخ رحلتش سرور ۔ گفت قدوس طاہر مجذوب

آپ لاہور میں صاحب جذب مجذوب

معصوم شاہ مجذوب لاہوری قدس سرہٗ تھے۔ خوارق و کرامات کا ظہور ہوتا اپنے احباب سے بڑی پُر معنی گفتگو کرتے تھے۔ جذب و استغراق کی حالت طاری ہوتی تو مدتوں خاموش رہتے اور کسی کی طرف التفات نہ فرماتے۔ دنیا اور اہل دنیا سے بے نیاز رہتے ہمیشہ اپنے سامنے آگ روشن رکھتے آج بھی لاہور میں ایک ایسا محلہ موجود ہے جو مٹھری معصوم شاہ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ اسی محلے میں سکونت رکھا کرتے تھے۔ بارہ سال تک اپنے

دروازے کی دہلیز پر ڈیرا جمائے بیٹھے رہے اور لکڑیاں جلا کر آگ روشن رکھی۔ یہ آگ لکڑی کی دہلیز کے ساتھ جلتی رہتی۔ مگر دہلیز کو نقصان نہیں پہنچا کرتا تھا۔ آج بھی ان واقعات کے چشم دید لوگ موجود اور زندہ ہیں (مؤلف کتاب کے زمانے میں) جنہوں نے آپ کی زیارت کی تھی۔ حضرت معصوم شاہ کے گھر کی دہلیز اور وہ مقام آج تک زیارت گاہ عام وخاص ہے۔

شیخ شہاب الدین راقم الحروف (مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہٗ) کے احباب میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دن ایک ہندو عورت جو ضعیف بوڑھی تھی کشیدہ کاری کے کپڑے لئے حضرت معصوم مجذوب کے دروازے کے سامنے سے گزری۔ حضرت معصوم شاہ اٹھے اور دوپٹے ہاتھ سے چھین لئے اور آگ میں ڈال دیئے جو دیکھتے دیکھتے جل گئے چونکہ فقیر مجذوب الحال تھے۔ ضعیفہ روتے پیٹتے اپنے گھر چلی گئی۔ دوسرے دن نور محمد نامی نمبردار سے اپنا حال زار بیان کیا۔ نمبردار کہنے لگا۔ فقراء دلآزاری تو نہیں کرتے۔ شاید اس میں بھی کوئی حکمت ہو۔ عورت کو لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا حضرت یہ غریب بوڑھی عورت تو محنت مزدوری کر کے لوگوں کا کام کرتی ہے۔ آپ نے انہیں آگ میں پھینک کر جلا دیا ہے۔ اس بیچاری کا تو کوئی ذریعہ معاش نہیں رہا۔ ان کپڑوں کے مالکان اسے جرمانہ بھی کریں گے۔ حضرت معصوم شاہ مسکرائے اور فرمایا۔ میں نے اس کے کپڑے جلائے تو نہیں۔ میں نے تو آگ میں اس لئے پھینک دیئے تھے۔ کہ کشیدہ کاری کے کام میں جو غلطی رہ گئی ہے۔ ٹھیک ہو جائے۔ آپ اٹھے۔ اور دہکتے ہوئے انگارے ایک طرف ہٹائے اور تمام کپڑے صحیح سلامت نکال لئے۔ اور اس عورت کے حوالے کر دیئے اس عورت نے دیکھا۔ کہ کشیدہ کاری میں ایک حسن اور پختگی پیدا ہو گئی ہے۔

آپ کی وفات ۱۲۰۱ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار لاہور میں لوہاری دروازے کے باہر ہے

آن شہ کون ومکان معصوم شاہ ۔ بود ذاتش طالب مطلوب عشق

سالِ وصل او چو جستم از خرد ۔ گفت اے سرور بگو مجذوب عشق

۱۲۰۱ھ

آپ روشن ضمیر فقیر تھے۔ مجذوب تھے

مستقیم شاہ مجذوب لاہوری قدس سرہٗ:- صاحب شکر تھے۔ جذب و محبت کے مالک تھے۔ ابتدائی عمر میں حجاموں کا کام کیا کرتے تھے۔ جذب حقیقی نے حضرت مستقیم شاہ کو راہِ مستقیم دکھایا۔ اور ایک ایسا واقعہ رونما ہوا۔ جس سے آپ کی زندگی کا رخ پلٹ گیا۔ ایک دن مستقیم شاہ ایک زمیندار کی حجامت بنانے اس کے کھیتوں میں گئے۔ آپ حجامت بنانے میں مشغول تھے کہ ایک فقیر قلندرانہ انداز سے وہاں ہی آ پہنچا۔ آپ نے فرمایا مستقیم! میں پیاسا ہوں۔ مجھے پانی کا ایک پیالہ تو پلا دو۔ مستقیم! اسی وقت اٹھے۔ اور دُور سے ایک پیالہ پانی کا لائے اور اس فقیر کو پلا دیا۔ پانی ٹھنڈا تھا۔ فقیر خوش ہو گیا۔ ٹھنڈا پانی پیا۔ مگر گرم نگاہیں مستقیم شاہ کے چہرے پر ڈالیں۔ نگاہ پڑتے ہی مستقیم شاہ تڑپے اور مدہوش ہو گئے۔ اور زمین پر تڑپنے لگے۔ اور مجذوب بادہ الست ہو کر بیاباتوں میں گھومنے لگے۔ کئی سال تک دشت و صحرا میں گزارے۔ پھر موضع فیض پور خورد (جو لاہور کے مغرب میں شرقپور روڈ پر واقعہ ہے) قیام فرما ہوئے۔

فیض پور کا سکھ حاکم عطر سنگھ نے اپنے گاؤں سے شیشم کا ایک بہت بڑا درخت کاٹ کر لاہور لانا چاہتا تھا۔ سارے گاؤں کے لوگ جمع کئے گئے۔ اور اس بھاری لکڑی کو بیل گاڑی پر لاد رہے تھے۔ مگر ان کے لئے اتنا بوجھ گاڑی پر لادنا ناممکن تھا۔ اسی اثنا میاں مستقیم کا اسی طرف گزر ہوا۔ آپ نے لوگوں کو ایک مشکل اور ناکام کوشش میں پایا۔ آگے آئے۔ اور فرمایا۔ اگر تم تمام لوگ دُور ہٹ جاؤ تو میں اکیلا اسے بیل گاڑی پر رکھ دوں۔ لوگ متعجبانہ ہٹ گئے۔ میاں مستقیم نے بڑی آسانی سے لکڑی اٹھائی اور گاڑی پر رکھ دی۔ اس دن سے آپ کی کرامت افشاء ہو گئی۔ اور لوگ آپ کو دیکھ کر عقیدت سے جھک جاتے۔

آپ کی وفات ۱۲۴۰ھ میں ہوئی۔ مزار فیض پور خورد میں آج تک زیارت عوام ہے

زینجہاں چوں بجنت اعلیٰ ۔ یافت جامستقیم روشن دل
بہر تاریخ رحلت آں شاہ ۔ ۔ شد ندا مستقیم روشن دل

آپ مست الست فقیر اور مجذوب تھے شہر کے
تاجے شاہ مجذوب قدس سرہ:۔ بازاروں اور جنگلوں میں گھوما پھرتے۔ گفتگو مستانہ کرتے تھے۔ شہر کے لوگ آپ کے معتقد تھے۔ بعض اوقات خوارق وکرامات کا ظہور ہوتا۔ کشف کے ذریعہ بعض غائب کے اسرار بیان فرمایا کرتے تھے۔ استغراق ومستی میں کھانے پینے کی خبر نہ ہوتی۔ اگر کوئی اپنے طور پر کھانا سامنے رکھتا تو کھا لیتے ورنہ کئی کئی دن فاقہ مست رہتے تھے آپ نے سکھ سلطنت کے زوال کی خبر کئی سال پہلے ہی دے دی تھی۔ آپ کی وفات ۱۲۶۱ھ میں ہوئی تھی۔

رفت از دنیا چو در خلد بریں ۔ شیخ تاجی شاہ پیر راہنما
مست مجذوبے بگو تاریخ او ۔ نیز عاشق مست کامل راہنما

۱۲۶۱ھ ۱۲۶۱ھ

بڑے صاحب حال اور ذوق انسان تھے
فقیر نظام شاہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ:۔ سکر استغراق میں رہتے۔ لاہور میں قیام پذیر تھے۔ بے پناہ مخلوق عقیدت مند تھی۔ ولایت اور کرامت کاملہ کے مالک تھے۔ عام طور پر کوچہ و بازار میں گھوما کرتے۔ مگر کبھی کبھی درزیوں کا کام بھی کرنے لگتے شراب پیتے اور مست رہتے۔ نشیات کھاتے اور مدہوش ہوتے۔ بایں ہم کشف قلوب کے مالک تھے۔ بات عارفانہ کرتے۔ اور اپنے وقت کے نبض شناس اور حساس فقیر تھے۔ جو آتا۔ غریبوں میں تقسیم کر دیا کرتے۔

لاہور میں جس دن دلیپ سنگھ کا وزیر ہیرا سنگھ قتل ہوا۔ تو اس دن عیدالاضحیٰ تھی علی الصباح نظام شاہ مجذوب لاہور میں مسجد محلہ ساڈھواں (اندرون بھاٹی گیٹ) میں تشریف لائے۔ یاد

رہے کہ یہ محلہ میرا (مؤلف کتاب) اپنا محلہ تھا۔ اور تمام نمازیوں کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔ کہ پرانی صفیں اٹھا دو۔ اور نئی صفیں بچھا دو۔ یہ بات سنتے ہی نمازیوں نے اندازہ لگایا۔ کہ آج کوئی انقلاب آنے والا ہے۔ یہ بات خالی از واقعہ نہیں ہو سکتی۔ نظام شاہ یونہی زور نہیں دے رہے۔ چنانچہ دوپہر سے پہلے ہی سارے لاہور میں یہ خبر عام ہو گئی کہ ہیرا سنگھ قتل کر دیا گیا ہے۔[1] دلیپ سنگھ کے ماموں جواہر سنگھ نے دریائے راوی کے کنارے پر ہیرا سنگھ کو

---

[1]: یہ واقعہ لاہور میں رنجیت سنگھ کے جانشینوں کی خانہ جنگی کا ایک اہم واقعہ ہے۔ ہیرا سنگھ در اصل رنجیت سنگھ کے وزیر دھیان سنگھ کا بیٹا تھا۔ جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بے حد عزیز تھا اس کے نام پر ہیرا منڈی مشہور ہوئی ہیرا سنگھ نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے قلعہ لاہور محاصرہ کر لیا۔ اور شاہی مسجد کے میناروں پر توپیں دمدمے نصب کر کے قلعہ میں گولہ باری شروع کر دی۔ اس لڑائی میں لہنا سنگھ مارا گیا۔ اجیت سنگھ بھاگتے ہوا مارا گیا۔ اور اس طرح قلعہ پر ہیرا سنگھ کا قبضہ ہو گیا۔ اس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے کم سن بیٹے دلیپ سنگھ کو تخت پر بٹھایا۔ اور خود وزیر بن کر حکومت کرنے لگا۔

ہیرا سنگھ نے اپنے دو بڑے دشمن سچیت سنگھ (جو اس کا چچا زاد بھائی تھا) اور سردار عطر سنگھ سندھاں والیہ تھے۔ سچیت سنگھ کو ہیرا سنگھ نے درس وڈا میاں کے قریب ایک لڑائی میں مار دیا اور عطر سنگھ تھا۔ تیسرے روز لاہور آ پہنچا۔ اور ۲ مئی ۱۸۴۴ء کو دریائے ستلج عبور کر کے بھائی بیر سنگھ کے تعاون سے آگے بڑھا۔ مگر عام سکھوں کی لڑائی میں مارا گیا۔

ہیرا سنگھ وزیر کا ایک مشیر پنڈت جھلا تھا۔ وہ ہیرا سنگھ کا استاد بھی تھا۔ اور پروہت بھی وہ اقتدار کے نشہ میں اتنا بدمست تھا۔ کہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ یہاں تک کہ مہارانی جنداں جو دلیپ سنگھ کی والدہ تھی۔ اس کے ماموں سردار جواہر سنگھ کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔ ان لوگوں نے سکھ فوج کو ہیرا سنگھ اور پنڈت جھلا کے خلاف بھڑکایا۔ جنہوں نے ۲۱ دسمبر ۱۸۴۴ء کو دونوں کو لاہور سے بھاگتے ہوئے قتل کر دیا (نقوش صفحہ ۱۲۰۔ لاہور نمبر) یہ واقعہ سکھوں کی تاریخ میں بڑا اہم واقعہ ہے۔ جسے نظام شاہ مجذوب نے پرانی صفیں الٹ دو سے ظاہر کیا تھا (مرحیم)

قتل کر دیا۔ اور خود وزارت کا قلمدان سنبھال بیٹھا ہے۔

راقم الحروف (مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہ) اپنا چشم دید واقعہ پیش کرتا ہے۔ مجھے ایک بار غسل کی حاجت تھی۔ صبح صبح گھر سے اٹھا۔ کتاب ہاتھ میں لی۔ اور اپنے استاد مولوی غلام اللہ صاحب کے پاس مسجد موراں میں جا پہنچا۔ میرا ارادہ تھا۔ کہ وہاں میں غسل کروں گا۔ اور وہاں ہی نماز فجر ادا کروں گا۔ اور نماز کے بعد سبق پڑھوں گا۔ میں مسجد میں پہنچا میں نے دیکھا۔ کہ حضرت نظام شاہ نماز فجر سے قبل ہی چراغ کی روشنی میں ایک کتاب پڑھ رہے ہیں۔ میں آگے بڑھا۔ حضرت استاد مکرم کو سلام کرنا چاہا اور پھر غسل خانہ کی طرف جاؤں گا۔ میں استاد کے سامنے حاضر ہوا۔ سلام علیکم عرض کیا۔ نظام شاہ اپنی جگہ سے اٹھا میری گردن پر ایک گھونسہ مارا۔ اور چلا کر کہا۔ بے ادب۔ غسل کی حالت میں مسجد میں آئے ہو۔ اور اپنے استاد کو سلام بھی کر رہے ہو۔ میں نے استاد کے سامنے ہی توبہ کی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اور وہاں سے سیدھا غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ غسل کے بعد نماز ادا کی استاد کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوا۔ نظام شاہ دوبارہ میرے پاس آیا۔ اور فرمایا۔ یہاں میری گستاخی سے ناراض اور شکستہ دل نہ ہونا۔ میں بے اختیار تھا۔ میں نے عرض کی۔ میں نے غلطی کی سزا پائی ہے۔ اور صحیح تھی۔ اس میں آپ تو قصور وار نہیں ہیں۔

جب انگریزوں کی عملداری آئی۔ تو ان دنوں نظام شاہ۔ میانی شریف لاہور کے قبرستان میں قیام پذیر تھے۔ اور قبرستان میں ہی اپنے لئے ایک کمرہ بنا لیا تھا۔ ایک لکڑی کی زنجیر جسے کاٹھ کہتے ہیں۔ تیار کی۔ ایک دن ایک جوگی جو لاہور میں گداگری کرتا تھا۔ پکڑا اور اس کاٹھ میں جکڑ دیا اس طرح جو بھی حالتِ مستی میں آپ کے ڈیرے پر جاتا۔ اسے کاٹھ مار دیتے۔ یہ جوگی سارا دن جکڑا رہا۔ آزاد ہوا تو اس نے انگریزی عدالت میں آپ کے خلاف حبس بے جا کا مقدمہ کر دیا۔ لاہور کے حاکم (ڈپٹی کمشنر) نے شہر کے کوتوال خدابخش کو حکم دیا۔ کہ نظام شاہ کو پیش کیا جائے تاکہ وہ جواب دعویٰ پیش کریں۔ خدابخش خود حاضر ہوا۔ کہ بندہ آپ کا عقیدت مند

ہے۔ مگر حکم حاکم کے پیش نظر آپ کو عدالت میں پیش کرنے پر مجبور ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بابا۔
ہم ان ظاہری حکمرانوں کی عدالت میں حاضری دینے سے معذور ہیں۔ ہم تو اپنے احکم الحاکمین کی
عدالت میں پیش ہونا جانتے ہیں۔ اگر آج اس عادلِ حقیقی نے اپنے ہاں نہ بلایا۔ تو کل آپ
لوگوں کو اختیار ہو گا۔ بلکہ ہم برضا و رغبت آپ کے ساتھ چلیں گے۔ کوتوال چلا گیا۔ اُسے یقین
تھا۔ کہ نظام شاہ جھوٹ نہیں کہتے۔ دوسرے دن آکر لے جاؤں گا۔ دوسری صبح شہر میں یہ خبر
عام ہو گئی کہ نظام شاہ فوت ہو گئے ہیں۔ ایک بے پناہ ہجوم خلق آپ کے جنازہ میں شریک
ہوا۔ اور میانی کے قبرستان میں ہی دفن کر دیئے گئے۔

آپ کی وفات ۱۲۶۹ھ میں ہوئی تھی۔

عاشق حق نظام شاہ جہاں - چوں برفت از جہاں بحق پیوست
سال مجذوب پیر خواں سالش - ہم بدان عاشق ازل سرمست

۱۲۶۶ھ ۱۲۶۶ھ

مستان شاہ مجذوب قدس سرہٗ:- آپ مجذوبان باکمال۔ اور سرمستانِ صاحب حال بزرگوں میں سے تھے۔ تارک الدنیا مستغنی المزاج
تھے۔ دنیا اور اہل دنیا سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ برہنہ سر اور برہنہ پا لاہور کے کوچہ و بازار
میں پھرا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ویرانوں میں نکل جاتے۔ سخت سردیوں میں ایک بھورے (کمبل)
میں بسر کرتے۔ مگر سوال کا لفظ بھی زبان پہ لاتے۔ لوگ نذرانے پیش کرتے۔ مگر آپ نگاہ میں
نہ لایا کرتے تھے۔ جو نذرانے سامنے ہوتے ضرورت مند حضرات خود ہی اٹھا کر لے جاتے اگر
بچ جاتے تو خود اٹھا کر لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ بعض اوقات برتن ساز کلالوں کے
پاس چلے جاتے۔ اور مٹی کے برتن بنتے دیکھتے رہتے تھے۔ ایک وقت آیا کہ انہوں نے خود
برتن سازی شروع کر دی۔ اور اس خوبصورتی سے برتن بناتے کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے
خود ہی باتیں کرتے رہتے جو دوسروں کی سمجھ میں نہ آتی تھیں۔ ایک بات کو دس دس بار تکرار

کرتے تھے۔ بھوگ متانی تو درختوں کے پتوں پر اکتفا کرتے۔

رنجیت سنگھ کو آپ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ وہ آپ کے پاس حاضری دیتا۔ نذرانہ پیش کرتا۔ مگر آپ توجہ نہ فرمایا کرتے۔ بلکہ جواب میں گالیاں دیتے تھے۔ آپ سے بے پناہ کرامات اور خوارق کا ظہور ہوتا۔ ایک دفعہ راقم الحروف (مفتی غلام سرور لاہوری) مزنگ سے لاہور آرہا تھا۔ جب میں حضرت شاہ اسمٰعیل محدث لاہوری کے مزار کے پاس پہنچا (ہال روڈ) تو میں نے دیکھا کہ مستان شاہ سڑک کے عین درمیان ننگے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں دوسرے لوگوں کے ساتھ انہیں دیکھنے کو کھڑا ہو گیا۔ اٹھے اور چاہ داتیاں جو مزار کے پاس ہی ہے۔ کی طرف بڑھے۔ کنوئیں سے ایک مٹی کی ٹنڈ اتاری۔ چند اینٹیں جمع کیں اور ان سے دیگدان بنا کر ٹنڈ اوپر رکھ دی پالک کے ساگ کے چند پتے توڑے۔ اس میں ڈالے۔ خشک درختوں کی لکڑیاں جمع کیں۔ اور نیچے آگ لگا دی۔ اور ایک تالی ماری تو لکڑیوں میں آگ بھڑک اٹھی ساگ پکنے لگا۔ ہانڈی جوش میں آگئی۔ اب آپ میری طرف متوجہ ہوئے اینٹ اٹھا کر مجھے کہنے لگے۔ بھاگ جاؤ یہاں کیا لینے کھڑے ہو۔ میں ڈرا۔ مگر میں آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ مستان شاہ جس چیز پر تصرف کرتا ہے اس کی طرف ایک اشارے سے دوڑی چلی آرہی ہے۔ وہ جس طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ چیزیں کھنچی چلی آتی ہیں۔ جدھر نظر اٹھاتے ہیں۔ حسب منشاء چیزیں دَوڑ دوڑ کر پاس آتی جاتی ہیں۔

شیخ وہاب الدین لاہوری میرے (مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہٗ) نہایت شفیق دوست تھے ایک بار ہم چند روز شہر سے باہر ایک ریت کے ٹیلے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں بھوک نے ستایا کھانے کو کوئی چیز نہیں تھی۔ ہم نے دیکھا کہ مستان شاہ چلے آرہے ہیں ہ میں نے کہا۔ کہ مستان شاہ آئے ہیں۔ ہمیں کھانے کے لئے کچھ نہ کچھ دیں گے۔ میں نے کہا ہی تھا۔ کہ مستان شاہ نے مڑ کر ہاتھ اٹھایا۔ اور غائب سے چند روٹیاں پکڑ کر ہمارے حوالے کر دیں۔ ہم نے کھانا شروع کیں یہ روٹیاں روغنی بھی تھیں اور گرم بھی۔

ایک تاریخی واقعہ ہے کہ ایک بار مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایک مصاحب امام شاہ کسی وجہ سے امرتسر میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے عزیزوں نے حضرت شاہ سے دعا کی التجا کی۔ جو شخص امام شاہ کی فریاد لے کر مستان شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ سناتا ہے۔ کہ میں نے اچھا سا کھانا پکایا۔ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ اور دل ہی دل میں امام شاہ کی رہائی کا سوچنے لگا۔ آپ نے بڑی رغبت سے کھانا کھایا۔ مجھے دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ اور تسلی دی۔ اسی دن امام شاہ کو امرتسر سے رہا کر دیا گیا۔ اور پھر وظیفہ یومیہ مقرر کر دیا گیا۔ حضرت مستان شاہ کی وفات ۱۲۷۳ھ میں واقعہ ہوئی تھی۔

چو از دنیا بفردوس بریں رفت - شہ مستان حق دیوانہ عشق
بسالِ ارتحال آں شہ دین - بگو عاقل ولی مستانہ عشق

۱۲۷۳ھ

خاتمۃ الکتاب

الحمد للہ والمنتہ کہ یہ مخزنِ عجیب اور خزینہ غریب بامدادِ غیبی اور توفیق لاریبی مکمل ہوا ہے اور ہماری دلی خواہش کے مطابق پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ یہ کتاب احباب کی منظورِ نظر بنی ہے۔ احباب نے اسے بے حد پسند کیا ہے۔ اگرچہ اتنا بڑا تذکرۂ بزرگانِ دین لکھنا میری ہمت سے باہر تھا۔ لیکن اولیاء اللہ کی توجۂ خاص اور تصرفات کی برکات سے یہ گنجِ گراں مایہ تیار ہوا ہے۔ اس تذکرہ کی تکمیل میں پورے دو سال صرف ہوئے ہیں۔ ماہ شوال ۱۲۸۱ھ میں اختتام ہوا۔ لیکن جن بزرگوں کی وفات ۱۲۸۳ھ میں ہوئی تھی۔ ان کے حالات اختتامِ کتاب کے بعد داخلِ تذکرہ کئے گئے ہیں۔

اہلِ علم و دانش کے لطف و کرم سے یہ بات بعید نہیں ہوگی۔ بندہ بے ہنر غلام سرور جیسے فنِ سند و تاریخ یا نظم و تذکرہ نگاری پر کمال کا دعوٰی نہیں۔ لیکن چونکہ دنیا میں میرے لئے کوئی اور ذریعۂ نجات اور حضرت واہب العطایات کے ہاں کوئی وسیلہ نہیں تھا اپنی عاقبت کے متعلق بڑا متردد تھا۔ اس لئے جناب رسالتمآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئمہ کبار اولیاء اللہ کے صفات و کرامات کے بیان کو ہی شفیع المجرمین۔ ہادی المضلین۔ حبل المتین تصور کرتے ہوئے۔ اظہار کا ذریعہ بنا لیا۔ مجھے ان حضرات کے دامانِ کرم پر بھروسہ

ہے انہیں کے دامن کا سہارا ہے۔ اور اس طرح یہ کتاب اہل کمال کا تذکرہ بنکر سامنے آگئی ہے۔ مجھے امید ہے۔ کہ میدان حشر میں یہ سراپا گناہ غلامانِ درگاہ اور خادمان اولیاء میں سے اٹھے گا۔ اور حضرات امت اپنے کمترین غلاموں میں سے شمار کریں گے۔ واللہ الموفق والمفلین

قطعہ آغازِ و اختتام کتاب خزینۃ الاصفیاء :۔

گشت پُر از عطائے ایزد پاک ۔ کنزِ خوبی و گنج محبوبی
ابتدائیش خزینہ خوب است ۔ انتہائیش خزانہ خوبی

۱۲۸۰ھ ۱۲۸۱ھ

عت اشا اوّل پر قطعہ تاریخ ۔ طبعزاد کنور چندی لہائی نہال خلف راجہ جیالال بہادر گلشن لکھنوی

چو شد طبع این نسخہ را جلد ثانی ۔ کراماتِ خاصاں حق شد ہویدا
نہال از سیر اولیا گفت سالش ۔ کتاب کرامات مقبول و زیبا

۱۲۹۰ھ

کلیات مکاتیب رضا
باتوں سے خوشبو آئے
فکر فاروقی
مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور
تاریخ کربلا
فضائل درود
شواہد النبوۃ
تفسیر نبوی
کربلا کا مسافر
مدارج النبوت
شرف النبی
سیرت رسول پاک